ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہی کلمہ ہے جس پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، اور اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کا حکم مانیں گے

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

"ادارۃ الفرقان"

مدیر و مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

غیر ممالک سے	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	ہندستان اور پاکستان سے
سالانہ چندہ		سالانہ چندہ:- [illegible]
دس شلنگ		ششماہی:- [illegible]
		اعزازی:- [illegible]

فی پرچہ ۸ر آنے

جلد (۲۲) | بابت محرم الحرام ۱۳۷۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۴ء | شمارہ (۱)

پاکستانی خریدار اپنا چندہ اس پتہ پر بھیجیں:- جناب سکریٹری صاحب ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگس لاہور ـــــ اور منی آرڈر کی پہلی رسید اطلاعاً ہمارے پاس بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۵ا کو روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے مہینے کے رسالہ کے ساتھ یہ رسالہ بھی دوبارہ بھیجدیا جائے گا۔

سرخ نشان اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہو تو مطلب یہ ہو کہ آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، براہ کرم نئے سال کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بذریعہ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ ـــــ

مولانا محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ [illegible] سے شائع کیا

نگاہِ اوّلیں

افتتاح جلد بست و دوم

الحمدللہ کہ آج الفرقان نے اکیسویں منزل سے نکل کر بائیسویں منزل میں قدم رکھ دیا۔ اس شمارہ سے اس کی بائیسویں جلد کا افتتاح ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بخیر و عافیت تکمیل تک پہنچائے اور اپنے پسندیدہ دین کی خدمت و اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ گذرے ہوئے سال میں اگر اسکے ذریعہ کوئی خدمت انجام پائی ہو تو اس کو قبول فرمائے اور کوئی غلط چیز شائع ہوئی ہو تو اس کو معاف فرما کر ناظرین کے ذہنوں سے اس کا اثر زائل فرمائے!

رَبَّنَا تقبّل مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ العلیم وتُب علینا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم ــــ وَصَلِّ اللّٰھُمَّ وَسَلِّم علیٰ خیر خَلْقِکَ محمّدٍ واٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّاحمین ــــ ــــ اٰمین

طلبِ دُعا

مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہم العالی کی ذاتِ گرامی سے شاید ہی الفرقان کا کوئی ناظر ایسا ہو جو واقف نہ ہو۔ بڑی مغتنم ذات ہے۔ ان کا وجود ہندستانی مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے ــــ ناظرین شاید محسوس کر رہے ہوں کہ مسلسل کئی ماہ سے الفرقان کے صفحات ان کے افادات سے خالی جا رہے ہیں، بلکہ ایک مضمون جس کی غالباً ایک قسط باقی تھی، یوں ہی ادھورا رہ گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چھ سات ماہ سے مولانا مسلسل علیل ہیں، کچھ شدید قسم کی قلبی شکایات کا عارضہ ہے۔ تین چار ماہ پٹنہ کے ایک خصوصی ہاسپٹل میں علاج کرانے کے بعد کافی افاقہ ہو گیا تھا، اور امید

تھی کہ کامل شفا ہو جائے گی، چنانچہ مولانا پٹنہ سے اپنے وطن گیلانی تشریف لے گئے، مگر وہاں جا کر مرض پھر لوٹ آیا اور کئی دورے پڑ چکے ہیں ــــــ مولانا مدظلہ ادارۂ الفرقان اور ناظرین الفرقان کے ناقابلِ فراموش محسن ہیں۔ اس لیے ہم اپنے تمام ناظرین سے درخواست کریں گے کہ وہ نہایت اہتمام سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی کامل و عاجل صحت کے لیے دعا و التجائیں کریں، کیا بعید ہو کہ کوئی دعا مولانا کی صحت کا بہانہ بن جائے! ــــــ لیکن بس دعا ہی پر اکتفا فرمایا جائے، کوئی صاحب مزاج پرسی کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ شروع نہ فرمائیں، یہ چیز زحمت کا باعث بنے گی۔ ہم لوگ خود آج کل اس میں احتیاط کر رہے ہیں!۔

لمحۂ فکریہ

فسادات کا سلسلہ کچھ دن سے رکا ہوا تھا اور یہ جنون کچھ کم ہوتا نظر آرہا تھا۔ مگر یو، پی اور حیدرآباد کے حالیہ فسادات نے بتلایا کہ یہ خاموشی معنیٰ خیز تھی ــــــ ان فسادات پر مختلف بیانات جاری ہو چکے، رپورٹیں شائع ہو چکیں، اور ظاہر ہو چکا کہ یہ سارے واقعات یک طرفہ ہوئے ہیں۔ ایک طرف سراسر ظلم اور شرارت ہو اور دوسری طرف از اول تا آخر مظلومیت اور بے قصوری!ــ لکھنے والے بہت کچھ لکھ چکے اور کہہ چکے، اب مسلمان صرف اپنے بھائیوں کا غم کر سکتے ہیں یا ہمدردی کر سکتے ہیں اور استطاعت ہو تو ان کی بحالی میں مدد دے سکتے ہیں، اور دینا چاہیے۔ لیکن یہ صرف حکومت کا کام ہے کہ وہ اس ظلم پر سزا دے اور مظلوموں کی دادرسی کرے! ــــــ ہمیں مطالبہ کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ رضاکاروں کے خلاف پولیس ایکشن کرنے والی حکومت ان "نئے رضاکاروں" کے خلاف کون سا ایکشن لیتی ہے؟ مگر ہم کیا امید کریں؟ انتظار کا نتیجہ ہمیں معلوم ہے!

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم اسے اپنے ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ یہاں کے موجودہ اقتدار کو جیسی فکر غلہ کی ہے ویسی انصاف کی نہیں، غلہ کی کمی کو دور کرنے کے لیے وہ (بحاکم بدہن) اقتدارِ مطلق سے جنگ کرنے کا بھی عزم رکھتا ہے۔ لیکن انصاف کی حفاظت کرنے کے لیے وہ مٹھی بھر غنڈوں کو بھی چیلنج نہیں

کر سکتا! ــــ یہ مستقبل کے حق میں کوئی اچھی علامت نہیں، جس ملک میں انصاف کی کمی ہو، وہاں غلہ کی فراوانی اور ضروریاتِ زندگی کی آسانی قائم نہیں رہ سکتی، اور کوئی انسانی کوشش اسے قائم نہیں رکھ سکتی! ــــ یہی قانونِ قدرت ہے اور یہی تاریخ کا سبق! اور تاریخ دعوت دیتی ہے کہ

دیکھے مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

تاریخ کے جس دور میں بھی جس ملک میں حکومت انصاف کی محافظ رہی، اُس ملک کی زمین نے ذراسی کوشش سے اپنے خزانے اُگل دیے۔ اور خلقِ خدا کو کشائش کے ساتھ رزق ملا لیکن بے انصافی کی سرزمین ہمیشہ آفاتِ ارضی و سماوی کی آماجگاہ رہی۔ اور دستِ قدرت ڈھیل دے دے کر اس کی رسّی کھینچتا رہا ــــ ہمارے وہ عقلاء اقتدار جو آئے دن "قدرت کی ستم ظریفیوں" کے ماتم کناں اور مظاہر قدرت کی "شوخیوں" کے شکوہ سنج رہتے ہیں۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ کہیں یہی قانونِ قدرت تو ہمارے ملک میں عمل نہیں کر رہا ہے؟۔

خریداران الفرقان سے ایک گذارش

رسالہ سے متعلق خطوط میں کتب خانہ سے متعلق کوئی بات نہ لکھیے۔ اس کے لیے منیجر کتب خانہ کے نام علیحدہ خط لکھیے! ورنہ ممکن ہے کہ کسی ایک بات کی تعمیل ہونے سے رہ جائے یا غیر ضروری تاخیر ہو جائے ــــ رسالہ کی خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجیے۔

منیجر الفرقان

قرآنی دعوت

—— ۱۲ ——

جنّت اور دوزخ :-

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام رسولوں اور پیغمبروں نے اور اُس کے نازل کیے ہوئے تمام صحیفوں نے اس حقیقت کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہو کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہو اور انسان کا دائمی وطن جنّت یا دوزخ ہو۔ اور جنت اللہ تعالےٰ کی صفتِ رحمت ورأفت اور فضل وکرم کا انتہائی مظہر ہو اور اُس کی اِن جمالی صفات کا پورا پورا ظہور بس وہیں ہوگا۔ اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالےٰ کے قہر وغضب کا انتہائی مظہر ہے اور اِن جلالی صفات کا پورا پورا ظہور وہیں ہوگا ——

اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے اس بارہ میں جو کچھ انسانوں کو بتلایا بلاشبہ وہ من وعن حق ہے اور بالکل اسی طرح سامنے آنے والا ہے جس طرح کہ انھوں نے بیان فرمایا ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح نادان بچوں کو ڈرانے دھمکانے یا ان میں کسی چیز کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لیے اُن کے بڑے بہت سی بے حقیقت باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں نے جنّت ودوزخ کے ثواب وعذاب کا بیان کیا ہو، بالکل ایسی احمقانہ بات ہو جیسے کہ کوئی کہے کہ ان پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہو یا قیامت کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہو وہ بھی بس ڈرا دے اور بہلا دے کے لیے ہو ورنہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہو۔

قرآن مجید چوں کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اور اس کے بعد اب کوئی کتاب انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہونے والی نہیں ہے، اس لیے دوسرے ضروری مضامین کی طرح اس میں جنت و دوزخ کا بیان بھی پوری تفصیل سے اور اتنی کثرت سے کیا گیا ہے جو انسانوں میں نیک عملی کا جذبہ اور بدعملی سے بچنے کی فکر پیدا کرنے کے لیے یقیناً کافی سے زائد ہے، بشرطیکہ انسان کا قلب مردہ نہ ہوگیا ہو ——— دوزخ اور جنت کے حالات سے متعلق چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے۔

پہلے دوزخ اور اس کے عذاب کا حال پڑھیے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا	اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں
أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا	کو دوزخ کی اس خوفناک اور تباہ کن
وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ	آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن اور سوختہ
عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ	آدمی اور پتھر ہیں، جس پر نہایت تند خو
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ	اور درشت مزاج فرشتے مقرر ہیں
وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ٥	جو اللہ کے دیئے ہوئے حکم کی ذرا نافرمانی
(التحریم ع ۱)	نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے

بالکل وہی کرتے ہیں (اس لیے ان سے اس کی قطعاً امید نہیں کہ وہ اللہ کے کسی مجرم کے ساتھ اس کے حکم کے خلاف کوئی رعایت یا نرمی کریں گے)

اور سورۂ کہف میں ارشاد ہے:۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ	اور اے رسول! آپ کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے
فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا	تمہارے رب کی طرف سے پس جس کا جی
أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ	چاہے مانے اور ایمان لائے اور جس کا
بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن	جی چاہے نہ مانے اور کفر و انکار پر رہے
يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ	جما رہے، یقین رکھو ہم نے ایسے ظالموں
كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ	کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے، اس
بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ	کی قناتیں انہیں گھیرے ہوئے ہیں، اور

مُرْتَفَقاً ۔ (الکہف ۴۶)

جب وہ اس میں پڑ کر پیاس کی فریاد کریں گے تو اس کے جواب میں ان کو پانی دیا جائے گا (جو اپنی بدصورتی اور گھنونے پن میں) تیل کی گاد جیسا (ہوگا اور ایسا جلتا کھولتا ہوگا) کہ بھون ڈالے گا چہروں کو۔ کیا ہی برا پانی ہوگا، اور بڑی بری آرام گاہ ہے دوزخ۔

اور سورۂ محمد میں دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ:۔

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ۔ (محمد ۲۶)

ان کے پینے کو دیا جائے گا کھولتا پانی پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گا ان کی انتڑیوں کو۔

اور سورۂ مومن میں ارشاد ہے:۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ۥ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝ (المومن ۸۶)

جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری کتاب کو اور ہمارے اُن احکام کو جن کو لیکر ہم نے اپنے رسول بھیجے، اُن کو عنقریب (نتیجہ) معلوم ہوجائے گا، جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے، اور زنجیریں ان طوقوں میں جکڑی ہوں گی جن سے وہ گھسیٹے جائیں گے، کھولتے پانی میں لے جائے جائیں گے، پھر دہکتی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔

اور سورۂ الحج میں ارشاد ہے:۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ

جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے کپڑے کترے جاویں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا، اُس سے اُن کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی

وَالْجُلُودُ ۝ وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ۝ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ (الحج ع ۲)

چیزیں بھی سب گل جائیں گی اور اُن کی ٹھکائی پٹائی کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے، وہاں کی تکلیف اور سختی کی وجہ سے وہ جب اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں ڈھکیل دیے جاویں گے اور کہا جائے گا کہ یہیں جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔

اور سورۂ دخان میں" زقوم "کو دوزخیوں کی خوراک بتلاتے ہوئے اس کی ہیئت اور کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے۔

إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝ (الدخان ۴۲)

بے شک زقوم کا درخت بڑے پاپیوں (کافروں مشرکوں) کا کھانا ہوگا جو اپنی بدصورتی اور گھنونے پن میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور وہ پیٹوں میں جاکر ایسے کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے، اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر پر نہایت تکلیف دینے والا جلتا ہوا پانی چھوڑ دو۔

اور سورۂ ابراہیم میں جہنم میں جانے والے سرکش مجرموں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ ۝ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝ (ابراہیم ۳۴)

اور پینے کو دیا جائے گا ایسا پانی جو دراصل (جہنمیوں کا) لہو پیپ ہوگا۔ جس کو وہ گھونٹ گھونٹ کرکے پیے گا اور گلے سے اس کو آسانی سے نہ اتار سکے گا، اور ہر طرف سے اُس پر موت کی یورش ہوگی اور وہ (کمبختی کا مارا) مرے گا بھی نہیں، اور اُس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۞ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۞

(الفاطر ۴۶)

اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لیے دوزخ کی آگ ہو، نہ تو ان کی قضا ہی آوے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ہر کافر کو ایسی سزا دیتے ہیں، اور وہ اس میں پڑے چلّائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس دوزخ سے نکال دے ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اس کے جو (اپنی شامت سے) پہلے کرتے تھے، (ان کی اس چیخ پکار کا جواب ملے گا کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا۔ پس اب مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اور سورۂ زخرف میں فرمایا:-

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۞ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۞ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۞

(الزخرف ۷۶)

یقین رکھو کہ مجرمین (جنھوں نے کفر یا شرک کا جرم کیا) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ان کا عذاب ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا، اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور یہ ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، لیکن یہ خود ہی ظالم ہیں (اور یہ ان کی ظالمانہ اور مجرمانہ حرکتوں ہی کی سزا ہو)

جنّت:-

اب چند آیتیں جنت اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے بیان سے متعلق بھی پڑھ لیجئے!

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ	ان بندوں کے لیے جنھوں نے پرہیزگاری
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	اختیار کی اُن کے پروردگار کے یاں وہ جنتیں
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ	(یعنی ایسے باغات) ہیں جن کے نیچے نہریں
مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ	جاری ہیں وہ ان ہی میں رہیں گے اور
(آل عمران ۴۶)	پاک ستھری بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی

ہے اور اللہ اپنے سب بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (کسی کا حال اس سے چھپا نہیں ہے)

اور سورۂ محمد میں ارشاد ہے:۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ	وہ جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا
فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ	ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ	ہیں پانی کی جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت
وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ	سی نہریں دودھ کی ہیں جس کا ذائقہ ذرا
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ	بدلا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں حلال اور
مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ (محمد ۴۶)	پاک شراب کی جس میں بڑی لذت ہے پینے والوں

کے لئے اور بہت سی نہریں ہیں صاف کیے ہوئے شہد کی اور ان کے واسطے اس جنت میں سب طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے پروردگار کی۔

اور سورۂ الحجر میں ارشاد ہے:۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ؕ	یقین کرو کہ اللہ کے پرہیزگار بندے بہشت کے
اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۔ وَنَزَعْنَا	کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (ان کے
مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا	لیے فرمان ہوگا) کہ سلامتی اور امن کے ساتھ
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۔ لَا يَمَسُّهُمْ	(ہماری تیار کی ہوئی) اس بہشت کے اندر
فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا	آجاؤ، اور ان کے دلوں میں (دنیوی زندگی
بِمُخْرَجِيْنَ ۔ (الحجر ۴۶)	کے اختلافات کے اثر سے) جو کینہ ہوگا ہم اس

کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)　　(مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولتمندی اور مالداری اگر تقوےٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کے لیے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالےٰ اگر توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ ان کے اس مال و دولت ہی کا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقعوں پر ان کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائیں تھیں ——— البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

——— ع　　چوں بدولت برسی مست نگردی مردی

(۵۹) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ.　　(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقوےٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔　　(مسلم)

(تشریح) "چھپا ہوا" ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ تقوے میں بھی اس بندۂ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

(۶۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا

مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِيًا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ

(رواه البیہقی فی شعب الایمان وابونعیم فی الحلیۃ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے تاکہ اس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی اور آرام وآسائش کا سامان مہیا کرسکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کرسکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا ——— اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہوجائے اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی شان اونچی دکھا سکے اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لیے داد ودہش کرسکے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔

(شعب الایمان للبیہقی وحلیہ ابی نعیم)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لیے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل وکرم ہوگا جس کے نتیجہ میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے بڑے بڑے کام کرنا ہو تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقہ سے ہو تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۶۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کو دور کردیں گے (جس کے بعد وہ) بھائی بھائی ہوکر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے، کسی قسم کی کوئی تکلیف وہاں ان کو نہ پہنچے گی اور نہ کبھی وہ جنت سے نکالے جائیں گے۔

اور سورۂ یٰس میں ارشاد ہے:۔

إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰس ع ۴)

اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، وہ اور ان کی بیبیاں سایہ میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے ان کے لیے وہاں طرح طرح کے میوے ہوں گے۔ اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا۔ رحمت و کرم والے پروردگار کی طرف سے وہاں ان کو "سلام" فرمایا جائے گا۔

اور سورۂ زخرف میں ارشاد ہے:۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّأَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف ع ۷)

اے میرے بندو آج تم کو کوئی خوف نہیں اور اب تمھیں کوئی رنج و غم نہ ہوگا ـــــ یعنی وہ بندے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور ہماری فرماں برداری کرتے تھے۔ (ان کے لیے فرمان ہوگا) تم اور تمھاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہوجاؤ، اور سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس لائی جائیں گی اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو ان کے جی چاہیں گے اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور اے بندو تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہوگے۔

اور سورۂ فاطر میں ہے کہ جنتی جنت میں پہنچکر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بے پایاں بارش اپنے

اوپر پرستی دیکھ کر حمد و شکر سے سرشار ہو کر عرض کریں گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ	اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہو جس نے ہم سے غم
اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۚ اِنَّ رَبَّنَا	دور کیا بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے
لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۙ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا	والا بڑا قدردان ہے جس نے اپنے فضل
دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا	وکرم سے ہمیشہ رہنے کے اس مقام (جنت)
يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا	میں لا اتارا جہاں ہم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف
فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝ (الفاطر ۴۶)	اور کوئی خستگی کبھی نہ پہنچے گی۔

دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن دکھوں اور تکلیفوں سے انسان اس دنیا میں بچنا چاہتا ہے اور جن سے بچنا اس کی فطرت کا تقاضا ہے دوزخ میں وہ سارے دکھ اور تکلیفیں اس دنیا سے ہزاروں لاکھوں درجہ بڑے پیمانہ پر جمع کر دی گئی ہیں ـــــــ قرآن مجید کا مقصد دوزخ کے اس بیان سے یہی ہے کہ جو انسان اس دنیا میں ایک دن کے لیے بھی یہ دکھ اور تکلیفیں سہنے کے لیے تیار نہیں ہو اس کو چاہیئے کہ وہ خدا کی بغاوت اور نافرمانی کے اس راستہ سے بچے جو اُس دوزخ میں پہنچانے والا ہو جہاں جانے والے اِن دکھوں و تکلیفوں میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

اسی طرح جنت کے متعلق قرآن مجید میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہو اس کا حاصل یہی ہے کہ انسان کی فطرت میں جن جن راحتوں اور لذتوں کی خواہش اور طلب بھری ہوئی ہے، جنت میں وہ سب راحتیں اور لذتیں بدرجہ کمال جمع کر دی گئی ہیں، پس انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اس راہ کو اپنی راہ بنائے جو اس جنت میں پہنچانے والی ہے جس میں انسان کی تمام فطری خواہشوں اور آرزوں کی تکمیل کا سامان بھرپور موجود ہے اور وہاں پہنچنے والے وہاں کی لذتوں اور راحتوں سے ہمیشہ ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے بیان کو ہم اس پر ختم کرتے ہیں اور جنت و دوزخ کے خالق و مالک سے دعا کرتے ہیں

اللّٰهُمَّ اِنَّا نسئلك رضاك والجنة ونعوذ بك من غضبك والنار ـ آمین!

قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی چار جلدیں قیمت مکمل (عــہ)	**لغات القرآن** از مولانا عبد الرشید نعمانی چار جلدیں قیمت (عــہ)	**ترجمان السنہ** از مولانا بدر عالم میرٹھی دو جلدیں قیمت (۱۹)
اسلام کا نظام مساجد از مولانا ظفیر الدین قیمت (ہے)	**اسلام کا نظام عفت و عصمت** از مولانا ظفیر الدین قیمت (للعہ)	**تاریخ مشائخ چشت** از پروفیسر خلیق احمد نظامی قیمت (ہے)
حیات شیخ عبد الحق دہلویؒ از پروفیسر خلیق احمد نظامی قیمت (ہے)	**سیرت سید احمد شہیدؒ** از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت (للعہ)	**زاد سفر** از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جلد اوّل ہے ‚ جلد دوم زیر طبع
تاریخ الاسلام از، مولانا فرید الوحیدی رسول عربی (۱۲) خلافت راشدہ اوّل ۱۲؍ خلافت راشدہ دوم ۱۲؍	**جامع المجددین** از، مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد صہ	**تصوف و سلوک** از، مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد صہ
تجدید تعلیم و تبلیغ از، مولانا عبد الباری ندوی قیمت مجلد ہے	**مکاتیب مولانا الیاسؒ** از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت مجلد عہ	**شرق اوسط میں کیا دیکھا** از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قیمت مجلد عہ

ملنے کا پتہ **کتب خانہ الفرقان لکھنؤ**

گوئن روڈ، لکھنؤ

معارف الحدیث

مسلسل

(۵۸) عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَاْسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے اور آپ کے سر مبارک پر اس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا اور دل بہت خوش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں، (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری، اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اس کے احکام کی پابندی کرے) اس کے لیے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ کی نعم

"فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا
بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ"

(رواہ احمد)

(ترجمہ) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہو جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اس کے حق میں استدراج ہے ــــ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی "فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الآیۃ" (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ــــ جب انھوں نے بھلا دیا ان باتوں کو جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے کھول دئے ان پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے اور اترائے تو ہم نے ایک دم ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کے لیے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے ــــ (مسند امام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ اللہ تعالیٰ معاملہ فرماتا ہو ان میں سے ایک استدراج بھی ہو، جس کا مطلب یہ ہو کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہو اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گزارنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہو کہ اسکی رسی اور دراز کر دی جاتی ہے اور کچھ مدت کے لیے نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس خدا فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے ــــ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو استدراج کہا جاتا ہے ــــ پس مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو کر

اپنی نعمتیں ان پر انڈیل رہا ہو، بلکہ سمجھ لینا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رسّی دراز کر رہا ہے اور ان کا آخری انجام بہت برا ہونے والا ہے۔

(۶۲) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ إِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ يَعْنِي النَّارَ،

(رواہ فی شرح السنہ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوشحالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لیے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں ـــــــ (اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن ابی مریم) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس "قاتل" سے دوزخ کی آگ ہے (یعنی وہ بیچارہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنہ)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ فانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے ـــــــ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دائمی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں ان کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحبِ ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئیے، ان بیچاروں، کمبختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہو اور ان پر جو بپتا پڑنے والی ہے اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص

سہولتیں دی جاتی ہیں اور کھانے پینے کے بارہ میں اُن کی خواہش اور چاہت معلوم کرکے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ــــــ

بے شک، اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السّلام نے دی ہے، ان کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہو، اس لیے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایمان نصیب فرماکر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے،

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہل دنیا کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دُعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ [۱]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

[۱] (ترجمہ) ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی ــ ۱۲

شیخ الہ داد دہلویؒ

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

سید کمال سنبھلیؒ اسمارِیہ میں لکھتے ہیں۔

شیخ الہدادؒ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرّہ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ تہذیب اخلاق، تصفیہ باطن اور دوام حضور کی وجہ سے درجۂ کمال کو پہونچے ہوئے تھے۔

میرے شیخ (حضرت خواجۂ خردؒ) نے فرمایا ہے ــــــ کہ شیخ الہدادؒ کی تعریف اُن کی کرامات و خوارق کے لحاظ سے نہیں کرنی چاہئے درحقیقت کرامات و خوارق کو اُن کی ذات سے عزت حاصل ہوئی ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا کہ خواجۂ ابرار (خواجہ حسام الدین دہلویؒ) فرماتے تھے کہ شروع شروع جب میں نے شیخ الہدادؒ کو غایت صلاح وسلامت اور انتہائی تہذیبِ صفات و استقامت کے ساتھ مزین دیکھا تو میں نے اپنے دل میں کہا تھا کہ انتہاءِ کمالِ اولیا یہی ہے لیکن اس کے بعد خواجہؒ کی برکتِ صحبت کی وجہ سے اُن کا مرتبہ اس سے کہیں اونچا دیکھا۔

میرے شیخ نے فرمایا ــــــ کہ حضرت خواجہ باقی باللہ شیخ الہدادؒ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہ "غایت لطافت" کی وجہ سے فرشتہ صفت ہیں ــــــ نیز خواجۂ ابرار نے شاہجہاں بادشاہ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ بظاہر اس عالم میں ہیں لیکن اُن کے حالات عالم دیگر سے مناسبت رکھتے ہیں۔

میرے شیخ نے فرمایا ــــــ کہ میں ایک روز شیخ الہدادؒ کے پاس بیٹھا تھا ــــــ اُن کے دل سے اللہ اللہ کا ذکر اپنے کانوں سے بخوبی سن رہا تھا۔

میرے شیخ نے فرمایا ــــــ کہ حضرت خواجہؒ نے ــــــ (آخر میں) بجائے مریدوں کے حالات

دریافت کرنے کے لئے شیخ الہداد کو مقرر کردیا تھا وہ تحقیق کرکے سب کے حالات حضرت خواجہ کی خدمت میں پہونچاتے تھے اُن کو صاحب حلقہ بنا دیا تھا۔

میرے پیر ومرشد نے فرمایا ـــــ کہ حضرت خواجہؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الہداد نے جلال محشی رسالۂ قدسیہ سے علم تصوف حاصل کیا تھا لیکن عملی طور پر اس علم کی اُن کو تحقیق نہ تھی (تحقیق بعد کو ہوئی)

پیر ومرشد نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ـــــ ۱۰۵۱ھ شیخ الہداد کا سن وفات ہے ـــــ وفات سے دو ماہ پیشتر انھوں نے مجھے طلب فرمایا ـــــ بڑے لطف وکرم سے پیش آئے اور یوں فرمایا کہ جو کچھ خواجۂ بزرگ سے ہمیں ملا ہے ہم تم کو دیتے ہیں اور جو کچھ شیخ عبدالقادر جیلانی اور مشائخ چشتیہ کی نسبت ہم کو حاصل ہے وہ ہم تمہاری طرف منتقل کرتے ہیں۔ فقیر (خواجۂ خردؒ) نے تواضع کے ساتھ ان کی اس بخشش کو قبول کیا ـــــ اسی موقع پر پیر ومرشد نے یہ بھی فرمایا کہ یہ فقیر شیخی ومولائی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اور شیخ الہدادؒ کی عنایات کو ایک سمجھتا ہے اور ان حضرات کی عنایات کے ساتھ میں نے اپنے لئے اور اپنے احباب کے لئے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔

فرمایا کہ ـــــ خواجہ حسام الدین بھی میرے حال پر کرم فرمایا کرتے تھے ـــــ الحمدللہ ثم الحمدللہ ـــــ مجھے ایسے ایسے بزرگوں کی صحبت حاصل ہوئی ـــــ اجازت نامہ جو شیخ الہدادؒ نے مجھے عطا فرمایا ہے اُس کو میں اپنے لئے ذریعۂ نجات تصور کرتا ہوں ـــــ وہ اجازت نامہ یہ ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن ـــ والصلوٰۃ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ آمین ـــ اما بعد ـــ تمام اخوان طریقت کو معلوم ہو کہ فقیر الہداد کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے جو کچھ پہونچا ہے اس کو میں صاحبزادہ خواجہ محمد عبیداللہ (خواجۂ خرد) کو دیتا ہوں اور اُن کو اپنا خلیفہ بناتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ میرے بعد جو کوئی بیعت کی غرض سے یا تعلیم طریقت حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس آئے اُس کی درخواست قبول کرلیں اور شجرہ اُس کو دیدیں .... میں فرزند عزیز کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد میرے لڑکوں سے اور اُن لوگوں سے جو مجھ سے قرابت کا تعلق رکھتے ہیں ـ حتی الامکان محبت ورعایت کے ساتھ پیش آئیں ـــــ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ فرزند عزیز کو احکام شریعت، آداب طریقت اور اطوار حقیقت پر مستقیم رکھے ـــــ بحرمۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم　　　تحریر شد بتاریخ ۲ ذرشعبان المعظم ۱۰۵۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ میاں الہداد توجہ اور حضور میں مثلِ آبِ رواں ہیں رُکنا جانتے ہی نہیں ــــــ اور اس صفت میں وہ منفرد و ممتاز ہیں۔

خواجہ حسام الدین احمد کو ایک مرتبہ حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہوا اور اپنا ارادہ کو شیخ الہ داد پر ظاہر کیا ــــــ شیخ کو خواب میں یہ آیت نظر آئی وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور اس خواب کا ذکر خواجہ حسام الدین احمدؒ سے کر دیا ــــــ خواجہ ابرانؒ اس کے بعد آگرہ پہونچے، دو سال تک وہاں رہے اور ہر چند کوشش کی کہ سفرِ حج میں کامیاب ہوجائیں کوئی صورت بن نہ پڑی۔

میں (سید کمال سنبھلیؒ) اپنے شیخ کے ہمراہ بارہا شیخ الہداد کی خدمت میں گیا ہوں اور اُن کے دیدار سے مشرف ہوا ہوں ــــــ وہ میرے حال پہ بڑا کرم فرماتے تھے۔ ۲۰ رشعبان ۱۰۵۱ھ کو شیخ الہداد کی وفات ہوئی۔ اُن کی قبر خواجۂ بزرگ کے مزار کے چبوترہ پر ہے۔ ان کا مادۂ تاریخ وصال میرے شیخ خواجۂ خردؒ نے شیخ بابا فی نکالا۔ میں نے سنبھل میں یہی مادہ نکالا گویا توارد ہوگیا۔ میں نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا۔

جنیدِ وقت طیفورِ زمانی	فریدِ عصر قطب الدین ثانی
جناب شیخ اللہ داد کو بود	بہ لیغائے ہدایت میزبانی
مہ شعبان روز بست دسوئم	شد از دنیا بملک جاودانی
دریغا ہیچ کس از رفتنِ او	بجز رضوان نکردہ شادمانی
چو پرسیدم ز دل تاریخ فوتش	دلم از غیب گفتا شیخ فانی
	۱۰۵۱ھ

شیخ الہداد کی زوجہ کو کچھ دماغی فتور ہوگیا تھا، وہ شیخ کو تنگ کرتی تھیں اور یہ تحمل کرتے تھے ــــــ وہ بی بی ۱۰۱۶ھ میں دنیا سے رخصت ہوگئیں ــــــ میں اُس زمانہ میں اپنے پیر و مرشد کے پاس دہلی میں مقیم تھا۔ میں نے اُن کی زوجہ کی وفات پر یہ مصرع تاریخ کہا۔

فانیہ رفت زیں جہاں بجناں

سب نے پسند کیا ــــــ (ماخوذ از اسرار یہ قلمی)

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں شیخ الہدادؒ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

شیخ الہداد حضرت خواجہ کے مخصوص اجازت یافتہ حضرات میں سے ہیں ـــــ جس وقت حضرت خواجہ لاہور میں تھے اور ابھی ماوراء النہر نہیں گئے تھے اس وقت شیخ الہداد ان کی خدمت میں پہونچ گئے تھے، ان کی نظر عنایت سے مستفیض ہوئے تھے اور تعلیم طریقہ اور مراقبہ حاصل کیا تھا ـــــ لیکن سفر ماوراء النہر میں کسی مانع کی بنا پر حضرت والا کی رفاقت میسر نہیں ہوئی تھی ـــــ جس قدر مخلصین اس وقت تک لاہور میں موجود تھے حضرت خواجہ سب کو شیخ الہداد کی صحبت و ملازمت کا مشورہ دے کر تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ حضرت خواجہؒ کی اس تحریر سے جو انھوں نے اپنے ایک مخلص کے نام بھیجی ہے آشکارا ہوتا ہے۔

> ان دنوں سیر ولایت ماوراء النہر کا داعیہ قوی ہو گیا ہے، چند روز کے بعد اس طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ شیخ الہداد کی صحبت کو میری عدم موجودگی میں اختیار کرنا ـــــ جس کسی کو ان کی صحبت و ملازمت میسر ہو جائے غنیمت ہے ـــــ خدا کی قسم میں یہ بات تکلف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔"

حضرت خواجہ سے شیخ الہداد نے بعض دقائق وحقائق کے تحریر کرنے کی درخواست کی تھی چنانچہ سفر ماوراء النہر میں راستے سے حضرت خواجہؒ نے یہ مکتوب شیخ الہ داد کو ارسال فرمایا:۔

> "برادر ارشد شیخ الہ داد ـ اپنے دعا گو کی اپنی توجہ سے امداد کرتے رہیں ـــــ اس عالم پریشانی اور بے استقامتی میں بے حیائی کی بات ہے کہ سخن تصوف درمیان میں لاؤں اور دقائق طریق کو بتلاؤں ـــــ صرف ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں، تم اس وصیت پر کاربند رہنا۔ وہ یہ ہے کہ تم ہماری طرح "کوچہ گرد"، "در بیاباں ہیا" نہ بننا۔ اپنے کو اپنی "نسبت" پر ثابت و برقرار رکھنا اور اس نسبت کو عزیز رکھنا یہ نسبت کبریت احمر سے بھی زیادہ نایاب چیز ہے۔"

جب حضرت خواجہؒ سفر ماوراء النہر سے واپس ہوئے تو شیخ الہ داد نے بکمال عقیدت دلبستگی حضرت خواجہ کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کر دیا۔ مسافروں اور زائروں کے کھانے کا انتظام اور خانقاہ کی خدمت گاری ان ہی کے سپرد ہوئی۔ پھر کمال یہ کہ اس ذمہ داری کی خدمت پر رہتے ہوئے "کار راز کار" اور "احوال باطن" سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ اپنے پیر و مرشد کی برکتِ توجہ سے اونچا مقام حاصل کیا صاحبِ زبدۃ المقامات آخر میں لکھتے ہیں، شیخ الہ داد خوبان روزگار اور ارباب فنا و انکسار میں سے ہیں ـــــ ان کو کسی کی غیبت اور عیب جوئی سے کوئی واسطہ نہیں، اپنے کام سے کام ہے ـــــ

اپنے پیر و مرشد کے مزار پر انوار کے احاطہ میں رہتے ہیں ــــ جب کوئی شخص خواجہ حسام الدین احمد کے پاس طالب بیعت ہو کر آتا ہے تو وہ اس کو شیخ الہ داد کے پاس بھیج دیتے ہیں، خواجہ حسام الدین احمد اور شیخ الہ داد کے درمیان بہت محبت ہے۔

شیخ الہ داد کا وطن صاحب تذکرۃ الکرام نے شیخ الہ داد کا وطن امروہہ قرار دیا ہے نیز مشاہیر دا کابر امروہہ میں ان کو شمار کرکے ان کا مختصر سا ذکر بھی کیا ہے علاوہ ازیں انھوں نے شیخ کا مدفن بھی امروہہ میں بتلایا ہے، امروہہ سے وطنی نسبت کے ثبوت میں انھوں نے طبقات شاہجہانی کی حسب ذیل عبارت پیش کی ہے۔

"میاں شیخ الہ داد (نبیرۂ ہی امروہی) سلمہ از کبار اصحاب خواجہ زمرہ دلاں خواجہ محمد باقی نقشبندی اویسی است قدس سرہٗ" الخ

ممکن ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور وطن امروہہ ہو بعدہٗ دہلی سکونت اختیار کرلی ہو۔

مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب لکھنوی نے نزہتہ الخواطر میں شیخ کو دہلوی لکھا ہے اور ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے۔

"الشیخ العالم الصالح الہداد الحنفی النقشبندی الدہلوی" الخ

البتہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے کہ ان کا مدفن امروہہ ہے، اسرار یہ اور نزہتہ الخواطر میں تصریح ہے کہ وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے جوار میں دفن ہوئے[1]

تذکرۂ علمائے ہند مولفہ مولوی رحمٰن علی مرحوم میں الہ داد نام کے پانچ حسب ذیل علما کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) مولانا الہ داد جونپوری	(۲) میاں الہ داد لکھنوی
(۳) مولانا الہ داد سلطان پوری	(۴) مولانا الہ داد لشکر خانی
(۵) مولانا الہ داد امروہی	

ان میں سے مولانا الہ داد امروہی کے بارے میں لکھا ہے۔

"ملا مستعد و خوش طبع و شیریں سخن خوش صحبت ...... در سال نہصد و نود ہجری در نواحی

---

[1] تعجب ہے کہ مزارات اولیاء دہلی کے مولف نے شیخ الہ داد کا ذکر تک نہیں کیا، شاید ان کو علم ہی نہیں کہ شیخ الہداد نام کے کوئی بزرگ وہاں بھی مدفون ہیں۔

سیالکوٹ ودیعت حیات کردہ بنواح امروہہ مدفون گشت نور اللہ مرقدہٗ" (تذکرہ علماء ہند)

امروہہ میں جن الہ داد نام کے بزرگ کا مزار مشہور ہے، غالباً وہ یہی مولانا الہ داد امروہی ہیں جن کا ذکر تذکرۂ علماء ہند میں ہے۔ صاحب تذکرۃ الکرام نے مشارکت اسمی کی وجہ سے شیخ الہ دادؒ خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سمجھ لیا اور اسی بنا اُن کا مزار امروہہ میں بتایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ الہ دادؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی زندگی میں دہلی کے تین سفر کیے، اور یہ تینوں سفر حصولِ کمالاتِ روحانی کے اعتبار سے بہت کامیاب رہے، حضرت خواجہ بزرگ نے اُن کو بڑی بڑی بشارتیں سنائیں بہت سے احوال کا اُن سے استفسار کیا اور آخر میں کل کارخانہ اصلاح و تربیت" ان ہی کے سپرد کر دیا۔

وفات خواجہؒ کی خبر حضرت مجددؒ کو اُس وقت ملی جب کہ وہ لاہور میں تھے یہ خبر سنتے ہی وہ دہلی حاضر ہوئے یہاں مخدوم زادوں (خواجہ کلاں و خواجہ خرد) اور پیر بھائیوں کی تعزیت و تسلی کی۔ اصحاب خواجہؒ نے اپنی شکستگیٔ دل کی مومیائی" ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی۔

حضرت مجددؒ نے اپنے پیر و مرشد کی وصیت کے مطابق اور یارانِ دل افگار کے التماس پر یہاں رہ کر روحانی خدمات انجام دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے لئے پھر وہی رونقیں لوٹ آئیں جو حضرت خواجہ بزرگوار کے زمانہ میں تھیں اور بہت سے فوائد مرتب ہوئے۔ عین اس گرمی افادات کے زمانے میں بعض حاسدوں نے گھٹا بڑھا کر ایک ناخوشگوار قضیہ چھیڑ دیا، جس میں بتلایا گیا کہ مجدد صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے بعد کو خود اُن سے استفادہ کیا ہے[1] اس قضیے کے چھڑنے پر حضرت مجدد صاحب کی طرف سے حضرت خواجہؒ کے بہت سے متوسلین کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے اس سازش پر مطلع ہو کر اول نصیحتوں کے ذریعہ سے اس قضیے کو رفع دفع کرنا چاہا تا کہ اخلاص و اتحاد میں کوئی فرق نہ آئے، توجہ باطنی سے بھی کام لیا لیکن اس کے باوجود کچھ متوسلین خواجہ نے استفادہ سے اپنے کو روک لیا۔ اور ایک عجیب ہنگامہ برپا ہو گیا کچھ عرصے بعد بعض پیر بھائیوں نے عذر خواہی کی اور

[1] زبدۃ المقامات میں حضرت خواجہ کی تحریری و تقریری شہادتیں اس دعویٰ کے اثبات میں پیش کی گئی ہیں کہ خود حضرت خواجہؒ نے اپنے باکمال مرید حضرت مجددؒ سے روحانی فوائد حاصل کئے ہیں۔ درحقیقت عدم تحقیق اور کم فہمی نے ہر دور میں خواہ مخواہ کے ہنگامے برپا کئے ہیں۔

معافی چاہی ـــ حضرت مجددؒ نے اُن کو معاف کر دیا اور ان کے درمیان صفائی ہو گئی تھی۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا حضرت مجدد صاحبؒ کے علاوہ حضرت خواجہ کے تین خلفاء اور تھے اُن میں سے شیخ تاج الدین سنبھلی بعد وفات خواجہ ہندوستان کے متعدد شہروں اور قریوں میں دورہ کرتے ہوئے ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے لئے چلے گئے بالآخر حجاز مقدس میں پہونچے اور مکہ معظمہ میں سپرد خاک ہوئے ـــ شیخ تاج الدین سنبھلی اور حضرت مجددؒ کے تعلقات آخر تک اچھے رہے جیسا کہ مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور غالباً وہ دہلی کے اُس قضیے میں شریک بھی نہیں ہوئے جو حضرت مجددؒ کے ساتھ پیش آیا۔

خواجہ حسام الدین احمدؒ سے پوری طرح صفائی ہو گئی تھی، انھوں نے اپنے فرزندوں کو بھی حضرت مجددؒ کی تربیت میں دیدیا تھا۔ اب رہ گئے شیخ الہ داد یہ دہلی میں حضرت خواجہ کے جانشین کی حیثیت رکھتے تھے اور خانقاہ خواجہ میں مستقل سکونت رکھنے کی وجہ سے پیرزادوں اور دہلی میں رہنے والے پیر بھائیوں کی اخلاقی اور دینی حالت سنوارنے کے پورے پورے ذمہ دار تھے ـــ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان میں اتباع سنت اور محافظت طریقہ کا جذبہ اتنا قوی نہ تھا جتنا حضرت مجدد کے اندر تھا ـــ خانقاہ خواجہ میں بعض ایسے اجتماعات ہوتے تھے جن کو عام نظر میں خواہ دین و مزاج دین کے خلاف نہ سمجھیں لیکن فاروقی جذبہ رکھنے والے مرد کامل کی نگاہ دوربیں ان کو مضر اور انجام کے لحاظ سے خطرناک قرار دیتی تھی۔

حضرت مجدد صاحبؒ شیخ الہ دادؒ جیسے ذمہ دار بزرگ پر اپنے مکتوبات میں سختی کے ساتھ تنقید کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ شکل دین اپنے اصلی خد و خال کے لحاظ سے محفوظ رہے اور طریقۂ نقشبندیہ میں غفلت کی وجہ سے تغیر نہ آ جائے

یہ بات نہیں ہے کہ حضرت مجدد کے دل میں اپنے اس جلیل القدر پیر بھائی کا احترام نہیں ہے وہ سب پیر بھائیوں کا احترام فرماتے تھے اور حضرت خواجہ کے خاص خاص خلفاء کا تذکرہ انتہائی محبت سے کرتے تھے۔ رسالہ مبداء و معاد میں فرماتے ہیں۔

"چہار کس بودیم در خدمت خواجہ خود کہ بیش مردم درمیان سائر یاران امتیازے داشتیم الخ

اپنے مکتوبات میں جو شیخ حسام الدین احمد کے نام ہیں شیخ الہ داد کی خاص طور پر خیریت دریافت کرتے

ہیں مکتوب ۲۵۷ جلد اول میں ہے

"مدت ہوگئی تمہاری حضرات مخدوم زادگان، میاں جمال الدین حسین، خادمانِ آستانہ اور بالخصوص میاں شیخ اللہ داد اور میاں شیخ الہدیہ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی ــــ اس کا سبب سوائے اس کے کہ ہم دور افتادوں کو زینت طاقِ نسیاں کر دیا گیا ہو اور کیا ہو سکتا ہے

اس محبت اور قلبی تعلق کے باوجود جب حضرت مجددؒ کوئی ایسی خبر سن پاتے ہیں جس سے تھوڑا سا اُحداث فی الدین بھی مترشح ہوتا ہے تو اُن کی رگِ فاروقیت جوش میں آجاتی ہے۔

حضرت مجددؒ کو خانقاہ خواجہ کے مقیمین خصوصاً شیخ اللہ داد سے جن دو ایک امور میں اختلاف تھا اُن میں سے ایک مسئلہ مولود بھی ہے ــــ ظاہر ہے کہ اُس وقت مولود کا اجتماع ہماری چودھویں صدی کی مجالس میلاد کی طرح شرعی حدود و شرائط سے آزاد نہ ہوگا۔ اس میں یقیناً اس بات کا خیال رکھا جاتا ہوگا کہ بے تکے اشعار نہ ہوں، غلط روایات نہ ہوں، مولود پڑھنے والے بھی یقیناً پابند شریعت اور غالباً ذاکر و شاغل اشخاص ہوتے ہوں گے ــــ سننے والے بھی ایسے پاکیزہ نفوس جن کے تقوے کی شہادت دہلی کی فضاؤں میں اور تاریخ و تذکرہ کے اوراق میں آج تک ثبت ہے

پھر مکتوبات غور سے دیکھئے تو اس نتیجے پر پہونچنا پڑے گا کہ اس مولود میں قیام بھی "شرط" اور "رُکن" کی حیثیت آج کی طرح نہیں رکھتا تھا۔ پھر بھی اُس ہیئت کذائی کو حضرت مجدد کا تفقہ اور منصب تجدید کی ذمہ داریوں کا احساس برداشت نہ کر سکا، وہ اُس اجتماع کو نہ صرف غیر مستحسن قرار دیتے تھے بلکہ "طریقے" کے خلاف بھی تصور فرماتے تھے۔

مکتوب ۲۷۳ جلد اول میں مسئلہ مولود پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور لکھا ہے کہ فقیر اس قدر مبالغہ سے جو اس کو منع کرتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز طریقہ نقشبندیہ کے بھی منافی ہے اور مخالفت طریقہ خواہ سماع و رقص کی شکل میں ہو خواہ مولود خوانی اور شعر خوانی کی صورت میں ہو اس طریقہ کے سالکین کے لئے مضر ہے"

اسی مکتوب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فیروز آباد (دہلی کا وہ علاقہ جہاں خانقاہ خواجہ تھی) ہم فقرار کا ملجا و ماویٰ ہے مسترشدین کے لئے وہاں کا ہر عمل نمونے کی حیثیت رکھتا ہے جس وقت وہاں پر کوئی ایسا امر دیکھنے کا نام

پر حادث ہوتا ہے جو طریقۂ نقشبندیہ کے بھی مخالف ہو تو ہم فقرا کو اس بات کو سن کر بڑی بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

"مخدوم زادے اپنے والد بزرگوار کے طریقے کی محافظت کے پورے پورے ذمہ دار ہیں اور اُن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا لحاظ رکھیں"

اسی مکتوب کے آخر میں کتنے پرزور الفاظ میں اختتام فرماتے ہیں :-

"فرض کرو حضرت خواجہ اس وقت زندہ ہوتے اور یہ مجلس اُن کے سامنے ہوتی اور یہ اجتماع (بہیئت کذائی) منعقد ہوتا تو کیا وہ اس امر پر راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ وہ ہرگز اس کو جائز نہ قرار دیتے بلکہ انکار فرماتے۔ فقیر کا مقصد فقط آگاہ کرنا تھا تم قبول کرو یا نہ کرو اختیار ہے۔ مناظرے کی گنجائش نہیں۔ اگر مخدوم زادگان اور متعلقین خانقاہ اسی موجودہ روش پر قائم رہے تو ہم فقیروں کو ان حضرات کی ملاقات سے (با دل ناخواستہ) ہاتھ دھونا پڑے گا"

خواجہ حسام الدین احمد نے مسئلہ مولود کے متعلق کچھ استفسار کیا ہے اُس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"مخدوما! جب تک اس دروازے (مولود خوانی) کو بالکل بند نہ کیا جائے گا بوالہوس باز نہیں آئیں گے۔ اگر اندک کی تجویز اس وقت کر دی گئی تو آئندہ معاملہ بسیار تک پہونچے گا"

شیخ الہ داد نے حضرت مجددؒ کی ان شکایات کے بعد اپنا معاملہ صاف کرنا چاہا ہے اور خواجہ حسام الدین احمد کو درمیان میں ڈالا ہے۔ چنانچہ مکتوب نمبر ۲۱۲ جلد اول میں ہے۔

"میاں شیخ الہ داد کے بارے میں آپ نے خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے۔ فقیر کو اس میں کوئی تامل نہیں لیکن اتنا ملحوظ رہے کہ شیخ صاحب موصوف کو اپنے طور طریقہ کو تبدیل کرنے پر نادم ہونا ضروری ہے۔ ندامت ہی عفو خواہی کا دوسرا نام ہے۔ آپ کی سفارش جو انھوں نے طلب کی ہے وہ بھی ندامت ہی کی ایک فرع ہے، بہر تقدیر فقیر اپنی طرف سے درگزر کرتا ہے اب رہا خود اُن کا مجھ سے معاملہ اس کو وہ جانیں، سرہند کو اپنا گھر تصور کریں ہم پیرگی کی نسبت اور محبت ایسی نہیں ہو کہ عارضی امور سے ٹوٹ پھوٹ جائے۔ اور کیا لکھوں۔ والسلام"

اس کے بعد اسی مکتوب میں ایک ضروری اضافہ فرماتے ہیں اور یہ کلمات زبان قلم پر لاتے ہیں:۔

اس تحریر کے بعد دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس بات کو ذرا واضح طریقہ پر بیان کروں، اجمال میں ابہام رہ جاتا ہے نہ جانے کیا سمجھ لیا جائے۔

مخدوما! معافی اس صورت میں متصور ہے کہ وہ جماعت موجودہ وضع کو برا جانے اور اس پر نادم ہو ورنہ معافی کی کوئی گنجائش نہیں

آپ نے لکھا تھا کہ پیر و مرشد نے شیخ الہ داد کے سپرد طالبین کا کام ایک جماعت کی موجودگی میں کیا تھا۔ یہ بات ذرا تشریح کی محتاج ہے سنئے۔ اگر سپرد کرنا اس حیثیت سے ہے کہ وہ فقراء اور زائرین کی خدمت کریں اور ان کی آب و نان سے خبرگیری رکھیں تو یہ بات مسلم اور درست ہے لیکن اگر اس کا مطلب یہ لیا جا رہا ہو کہ وہ جماعتِ طالبان کی تربیت کریں اور مقام مشیخت پر بیٹھیں یا مسلّم نہیں ہے۔

اخیر مرتبہ جب میری حاضری پیر و مرشد کے دربار میں ہوئی تھی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ شیخ الہ داد میری طرف سے جا کر بعض طالبوں کو ہدایت کریں اور ان کے حالات سے مجھے مطلع کریں، میرے اندر اپنے پاس سب طالبین کو بلا کر ہدایت کرنے اور حالات دریافت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ فقیر نے اول تو اس معاملہ میں تامل کیا لیکن چونکہ ضرورت تھی اس لئے اس تجویز کی تائید کردی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت محض سفارت کی ہے علی الخصوص جبکہ ضرورت پر مبنی ہو۔ ضرورت اپنی مقدار پر ہی رکھی جاتی ہے۔ وہ سفارت بھی پیر و مرشد کی حیات کے ساتھ مخصوص تھی ان کی وفات کے بعد شیخ کا ہدایت و ارشاد کرنا اور احوال طالبان کو دریافت کرنا درست نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دین کے معاملے میں اور طریقہ نقشبندیہ کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جتنی کوششیں صرف کرنا چاہئے تھیں صرف کیں۔ اور اس جد و جہد کے اچھے نتائج برآمد ہوئے درحقیقت طریقۂ نقشبندیہ میں سنت کی محافظت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ آج حضرت مجدد الف ثانی کی طرف نسبت کرنے والے بہت سے افراد نہ جانے کیوں مکتوبات امام ربانی کو غور سے نہیں دیکھتے دنیا چاہے کتنی ہی بدعات کی مرتکب ہوتی لیکن جن کے ہاتھوں میں حضرت مجدد الف ثانی جیسے متبع سنت بزرگ کی تحریری ہدایتیں مکتوبات کی صورت میں تھیں۔ اور وہ حضرت مجدد ہی کے سلسلے میں منسلک ہیں ان سے بہت زیادہ تعجب کی بات ہے کہ وہ کسی بدعت کی حمایت کریں اور بجائے امر بالمعروف نہی عن المنکر [illegible] سے کام [illegible] نظام [illegible] جن [illegible] بدعات کو ترقی [illegible]

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق اپنی زندگی گذاریں اور بزرگان دین کی صحیح اتباع کریں۔

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

چہارشنبہ ۲۲؍۴؍۷۰ھ - ۳۱؍۱؍۱۹۵۱ء

کچھ دیر ازہر اور فواد یونیورسٹی کے طلبہ کے ساتھ

مغرب کے بعد ہم شبرا پہونچے، وہاں ازہر اور فواد یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں کے طلبہ، اور نوجوانوں کا ایک منتخب مجمع موجود تھا، ان لوگوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ساری رات بولئے ہم نہ تھکیں گے نہ اکتائیں گے، میں نے محسوس کیا کہ وہ دین اور دینی حرکت کے متعلق کچھ سننے کے لئے تشنہ لب ہیں ـــــ شعبۂ اصول دین (ازہر) کے ایک ہونہار متعلم یوسف القرضاوی نے اٹھ کر اخلاص اور حوصلہ مندی سے بھرپور چند کلمات کہے خطیب کا خیر مقدم کیا اور پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب کر دیا۔

میں نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا ـــــ اس عالم کی دو جہتیں ہیں" ایک کا تعلق سراسر اللہ تعالیٰ سے ہے اس میں ہمارا مطلق دخل نہیں اور نہ اس بارے میں ہم سے تھوڑا یا بہت سوال ہوگا۔ وہ جہتِ خلق وایجاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس طرح سے چاہا پیدا کیا، وہ علیم وخبیر ہے۔ یہ کاریگری ہے اُس اللہ کی جس نے مضبوط کیا ہر شئے کو، اور ہم اس سلسلہ میں بجز اس کے کسی اور بات کے مکلف نہیں کہ اس میں غور وفکر کریں یعنی مخلوق سے خالق کو پہچانیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا — جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور

وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ — لیٹے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی

وَالارضِ ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً ۔ الآیۃ

پیدائش پر (اور پھر پکار اٹھتے ہیں) اے رب ہمارے تونے یہ (سب کارخانہ) بے کار نہیں بنایا ہے

لیکن ہم اس بارے میں بالکل مسئول نہیں ہیں کہ یہ چیز ایسے کیوں بنائی اور ویسے کیوں بنائی؟ آسمان کے دامن پہ ستارے کیوں بکھیرے؟ سورج مشرق سے کیوں طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں کیوں غروب ہوتا ہے؟ اور یہ پہاڑ فلاں جگہ کیوں بنائے گئے اور فلاں جگہ کیوں نہیں علیٰ ہذا اس کارخانہ خلق کی اور دوسری تفصیلات!

اور ایک جہت وہ ہے جس کے ہم مکلف ہیں اور اس کے بارے میں ہم مسئول ہیں ـــــــ وہ کیا چیز ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس وسیع گھر کی ـــــ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نہایت مضبوطی سے بنایا ہے ـــــ تنظیم! ایسی تنظیم جو تخلیق کی غرض و غایت اور حکمت کے مطابق اور مناسب ہو اور ان قوانین کلیہ کے مطابق ہو جو شریعت الٰہیہ کہلاتے ہیں پس ہم مکلف ہیں اس گھر کی تنظیم و ترتیب کے اور اس کے حالات کی نگرانی کے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس پر اپنا نائب بنایا ہے ـــ فرمایا ہے۔

"اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک (اپنا) نائب

یکے بعد دیگرے انبیاء کرام کے آنے کا مقصد یہی تھا کہ اس گھر کی تنظیم کریں اور اس میں زندگی کا نظم و نسق اللہ کی مشیت اور اس کی مرضی کے مطابق قائم کریں، ان میں سے ہر ایک اس گھر کی اصلاح اور اس کے اصلی نظام کی حفاظت کا حریص تھا حتیٰ کہ جب بعض مفسدین نے اس نظام کو بگاڑنے، مصلحین کی کوششوں پر پانی پھیرنے اور زندگی کو کھیل تماشہ بنانے کی کوشش کی تو انھوں نے فرمایا

وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اور مت فساد برپا کرو اس زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

اور اگر کسی امت کسی گروہ اور کسی جماعت نے اس حرکت پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جڑ سے کاٹ کر رکھ دیا اور ذرہ برابر پرواہ نہیں کی ـــ گویا یہ گھر ـــ جس کو اللہ نے اولین و آخرین کا مستقر بنایا ہے اور اس کے اندر اس نظام کی بقا ـــ جو اس کو یہاں کے لئے پسند ہے ـــــ اللہ کے نزدیک قوموں جماعتوں اور بادشاہوں کی زندگی سے زیادہ اہم اور زیادہ قیمتی ہے چنانچہ فرمایا۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

پس کاٹ ڈالی گئی جڑ اس قوم کی جس نے ظلم و فساد پر کمر باندھی اور تعریف سب اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔

اگلے زمانہ میں بہت سی قومیں اور بہت سی تہذیبیں گزر چکیں جنھوں نے اپنے طرزِ فکر، اپنے عقیدے اور اپنی تربیت اور اپنے علم کے مطابق اس گھر کی تنظیم کی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ انھیں مہلت اور قدرت دیتا رہا تاکہ انھیں جانچے کہ کون بہتر ثابت ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ	وہی ہے جس نے تم کو خلیفہ بنایا زمین میں اور
وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ	پھر بعض کو تم میں سے بعض پر فوقیت دیدی تاکہ آزمائے
لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْمَآ اٰتٰکُمْ اِنَّ رَبَّکَ	تم کو اپنے عطیہ میں بیشک تیرا رب بہت تیز حساب لینے
سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ	والا ہے اور بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا اور رحم
الرَّحِیْمٌ	کرنے والا (بھی) ہے۔

چنانچہ اسی اصول کے مطابق پہلے یونان اور روما کو موقع ملا اور ان کا دور ختم ہوگیا، پھر اس جگہ پر مسلمان آئے اور ان کے بعد اہلِ یورپ ——— اور جس کے پاس جو کچھ اور جو اچھے سے اچھا جوہر تھا وہ سب نکال کر دنیا کے سامنے رکھ دیا اور کچھ چھپا کر اور بچا کر نہ رکھا ——— اب یہ دور مغربی تہذیب اور یورپین فلسفۂ حیات کا ہے اس نے اپنا سارا ترکش بکھیر دیا ہے اپنا جھولا خالی کر دیا ہے اور اپنی اچھی سے اچھی چیز کو نکال کر سامنے رکھ دیا ہے۔ اور اب امید نہیں ہے کہ وہ اس سے بھی بہتر کوئی چیز سامنے لاسکے اور جو کام کر چکا ہے اس سے بڑا کوئی کام کر سکے۔ اسے ایک طویل مہلت دی گئی اور اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے مکمل آزادی بخشی گئی ——— لیکن وہ بری طرح ناکام ہوا۔ اس کے دور میں زمینِ خدا میں فساد پیدا ہوا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس پوری زمین اور ساری کائنات کو اس نے فساد کی نذر کر دیا اور اب یہ بات ایک روشن حقیقت کی طرح عیاں ہوگئی کہ

اس گھر کی اصلاح اور از سرِ نو تعمیر وہی ہاتھ کر سکتا ہے جس نے حرم بنایا!

اور وہی اُمت کر سکتی ہے جو آج حرم کی پاسبان ہے!! اور جس کا قبلۂ توجہ حرم اور تنہا حرم ہے!!!

اب اس کی تولیت اور اس عالم کی امامت و قیادت کی کشمکش کے میدان میں صرف دو فریق ہیں:-

ایک مغربی تہذیب اور اس کا فلسفۂ حیات جو اس وقت جمہوریت اور اشتراکیت کے دو مختلف ناموں سے میدان جیتے اور دوسرا الدین الاسلامی اور الامۃ الاسلامیہ ——— اور اس جنگ جیتنے کی ذمہ داری امت کے نوجوانوں پر ہے ؎

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز
از خوابِ گران خوابِ گران، خوابِ گران خیز

نوجوانوں ہی کے خون سے ہر تحریک پلی ہے اور انہیں کے کندھوں پہ اُٹھ کر ہر دعوت فضائے عالم میں اُبھری ہے۔ یہ جو بعض لوگ سمجھتے ہیں۔۔۔ کہ وہ صحابۂ کرام جن کے کندھوں پر اسلام اُٹھا اور اس کی دعوت پروان چڑھی بوڑھے اور جہادِ زندگانی سے کنارہ کش (RETIRED) تھے اور ان کے دل چونکہ زندگی کی امنگوں سے خالی ہو چکے تھے، جوانی کے جذبات سرد پڑ چکے تھے اس لئے وہ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے ۔۔۔۔ غلط اور بالکل بے بنیاد ہے ۔۔۔۔ وہ میدانِ زندگی کے مرد تھے، معاشرہ کی رگِ جان تھے، اسی وجہ سے قریش گھبرا اُٹھے تھے اور بدحواسی میں اسلام کے بارے میں عجیب عجیب باتیں سوچنے لگے تھے۔ انھوں نے جب اپنے عقلا اور جہیدہ نوجوانوں کا اسلام کی طرف میلان دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو یقیناً کوئی سوچی سمجھی بات ہے (إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ)

اس کے بعد میں نے بعض اُن نوجوانوں کے واقعات بیان کئے جنھوں نے اپنی زندگی، ذہنی صلاحیتیں، اپنا اقتصادی مستقبل، اپنی زندگی کی لذتیں اور کششیں، اشتراکیت کی دعوت پر نثار کر دیں اور اشتراکی افکار پھیلانے میں تن من دھن کی بازی لگا دی ۔۔۔۔ ان نوجوانوں میں ایسی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک خاندانی اور ناز و نعم کا پرور دہ نوجوان بے تکلف یونیورسٹی چھوڑ دیتا ہے، وظیفہ کو ٹھوکر مار دیتا ہے اور چوراہے پر کھڑے ہو کر اشتراکی رسائل بیچتا ہے۔ ہاکروں کی طرح چلاتا ہے، اور اس کے ساتھی اور خاندانی اعزہ اس حال میں اس کے پاس سے گزرتے ہیں، اسے اس حال میں دیکھتے ہیں لیکن وہ نہ ذرا شرماتا ہے نہ جھجکتا ہے ۔۔۔ ایسے ہی میں نے انھیں بتلایا کہ جرمن قوم کے نوجوانوں نے اپنے وطن اور اپنے عقیدے کی راہ میں کیا کیا قربانیاں پیش کیں۔

پھر میں نے انھیں قربانی اور جواں مردی کی وہ تابناک مثالیں سنائیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے نوجوان اور نوعمر رفقاءِ جہاد سے ظہور میں آئیں۔ اور ان میں سے ایک سید موسیٰؒ کا پورا واقعہ سنایا جو ہتھیار کے معرکہ میں زخمی ہوئے تھے، وہ عمر کے اٹھارویں سال میں تھے، زخم اتنا سنگین تھا کہ سر سے جو خون بہہ رہا تھا اس نے اُن کی آنکھوں اور پورے چہرے کو ڈھانک لیا تھا لیکن وہ اس حال میں اپنے ہونٹ چاٹتے تھے اور اللہ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔

حاضرین میں سے ایک عزیز نوجوان نے فرمائش کی کہ مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی اور مولانا محمد جعفر تھانیسری کا واقعہ بیان کروں! چنانچہ میں نے عرض کیا اور اس کے بعد ان عزیز نوجوانوں سے کہا:

آپ یاد رکھیں کہ ان کاموں کے لئے بنیادی چیز دینی، اخلاقی، روحانی اور علمی تیاری اور تربیت ہے، یہ تیاری کئے اور تربیت حاصل کئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام، قومی جذبات، اور صحیح عقل کے اجتماع کے بغیر کامل طور پر ظہور میں نہیں آسکتا، اور تیاری و تربیت میں اگر نقص رہ گیا تو وہ مستقبل میں بڑی افسوس ناک صورت میں ظاہر ہوگا۔

میری بات تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی، حاضرین نے مزید خواہش کی تو میں نے کچھ مزید کہا، پھر انھوں نے ہندوستان میں اسلامی دعوت و تحریک کی رفتار اور طریقۂ کار کے بارے میں مجھ سے وضاحت چاہی تو میں نے پوری تفصیل سے ان کے سامنے اس کا نقشہ کھینچا۔ چنانچہ وہ یہاں کے کام سے بہت مانوس اور متاثر ہوئے اور اپنے تاثر اور خیر سگالی کا اظہار کیا۔ــــــ ان میں سے بیشتر میری کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" پڑھ چکے تھے

انتخاب

سلطان محمود غزنوی کی زندگی کے دو واقعے

اور "فقر غیور" کی ایک مثال

(۱)

ایک دن سلطان محمود غزنوی حسبِ معمول دربارِ عام میں بیٹھا ہوا تھا وزراء اور امراء دست بستہ حاضر تھے عام لوگ اپنی اپنی عرضیاں پیش کر رہے تھے اور سلطان ان پر مناسب احکام صادر کر رہا تھا کہ ایک شخص نے سامنے آکر عرض کیا کہ "میری شکایت نہایت سنگین ہے اور کچھ اس قسم کی ہے کہ میں اسے برسرِ دربار عرض نہیں کر سکتا۔"

سلطان یہ سن کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور سائل کو اپنے ہمراہ خلوت میں لے جا کر پوچھا کہ تمہیں کیا شکایت ہے؟

سائل نے عرض کیا کہ "ایک عرصہ سے بندگانِ عالی کے بھانجے نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ وہ مسلح ہو کر میرے مکان پر آتا ہے، اور مجھے مار پیٹ کر باہر نکال دیتا ہے اور خود جبراً میرے گھر میں شب بھر دادِ عیش دیتا ہے، غزنی کی کوئی عدالت ایسی باقی نہیں جس میں میں نے اس ظلم و تعدی کی فریاد نہ کی ہو لیکن کسی کو انصاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی جب میں ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو آج مجبوراً جہاں پناہ کی بارگاہ عالیہ میں انصاف کے لئے حاضر ہوا ہوں اور شہنشاہ عالی کے بے لاگ انصاف، فریاد رسی اور رعایا سے بے پناہ شفقت پر بھروسہ کر کے میں نے اپنا حال عرض کر دیا ہے۔ خالقِ حقیقی نے آپ کو اپنی مخلوق کا محافظ اور نگہبان بنایا ہے قیامت میں رعایا اور کمزوروں پر مظالم کے آپ خدائے قہار کے رو برو جواب دہ ہوں گے۔ اگر آپ نے میرے حال پر رحم فرما کر انصاف کیا تو بہتر ہے ورنہ میں اس معاملہ کو منتقمِ حقیقی کے سپرد کر کے اس کے بے لاگ رعایت فیصلہ تک صبر کروں گا۔"

سلطان پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار آبدیدہ ہو گیا اور سائل سے کہا کہ تم اب

سے پہلے میرے پاس کیوں نہ آئے؟ تم نے ناحق اب تک یہ ظلم برداشت کیا؟"

سائل نے کہا" میں عرصے سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح بارگاہ سلطانی تک پہنچ جاؤں مگر دربانوں اور چوبداروں کی تندخوئی نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ آج بھی کس تدبیر سے یہاں تک پہنچا ہوں، مجھ سے غریبوں اور مظلوموں کو یہ بات کہاں نصیب ہے کہ جب چاہیں بے دھڑک دربار سلطانی میں حاضر ہو جائیں اور سلطان کو اپنے درد دل کی داستان سنا سکیں"

سلطان نے سائل کو اطمینان اور دلاسہ دے کر تاکید کی کہ "اس ملاقات اور گفتگو کا کسی سے ذکر نہ کرنا اور جس وقت بھی وہ شخص تمہارے گھر آئے اسی وقت مجھے اس کی اطلاع کر دینا، میں اس کو ایسی عبرت انگیز سزا دوں گا کہ آئندہ دوسروں کو ایسے مظالم کی جرأت نہ ہو سکے گی"

سائل نے عرض کیا کہ "مجھ ایسے بے کس اور بے یار و مددگار کے لئے یہ کیوں کر ممکن ہو سکے گا کہ جب چاہوں بلا کسی مزاحمت کے خدمت سلطانی میں حاضر ہو جاؤں اور آپ کو مطلع کر سکوں"

سلطان نے یہ سن کر دربانوں کو طلب کیا اور سائل کو ان سے روشناس کرا کر حکم دیا کہ یہ شخص جس وقت بھی ہمارے پاس آنا چاہے بلا طلب اجازت اسے ہمارے پاس پہنچا دیں، اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کریں۔

دو راتیں گزر گئیں، مگر سائل نہ آیا، سلطان کو تشویش ہوئی کہ نہ معلوم غریب مظلوم کو کیا حادثہ پیش آیا، وہ اسی فکر میں غلطاں تھا کہ تیسری رات کو سائل دوڑا ہوا آستانۂ شاہی پر پہنچا، اطلاع ملتے ہی سلطان فی الفور باہر نکلا اور سائل کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ کر اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو سائل نے اسے بتلایا تھا، پلنگ کے سرہانے شمع جل رہی تھی، سلطان نے شمع گل کرا دی اور خود خنجر نکال کر اس بدکردار کا سر اڑا دیا۔ اس کے بعد شمع روشن کرائی، مقتول کا چہرہ دیکھ کر بے ساختہ سلطان کی زبان سے الحمدللہ نکلا، اور پھر بے تابی کے ساتھ اس نے سائل سے پینے کے لئے پانی مانگا، پانی پی کر سلطان نے سائل سے کہا کہ تم اطمینان کے ساتھ اپنے گھر میں آرام کرو، اب انشاءاللہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی، میری وجہ سے اب تک تم پر جو مظالم ہوئے خدا کے لئے انھیں معاف کر دو، یہ کہہ کر سلطان رخصت ہونا چاہتا تھا کہ سائل نے دامن پکڑ کر عرض کیا کہ بندگان عالی نے جس طرح ایک مظلوم کے ساتھ انصاف فرمایا، حتیٰ کہ اپنی قرابت اور خون کا بھی مطلقاً خیال نہ کیا خدا تعالیٰ

آپ کو اس کی جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے اگر اجازت مرحمت فرمائی جائے تو ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ نے پہلے شمع گل کرائی اور پھر روشن کرا کر مقتول کا سر دیکھ کر الحمد للہ فرمایا اور اس کے فوراً بعد پانی طلب کیا اس کا کیا سبب تھا؟

سلطان نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر سائل کے اصرار پر اسے بتلانا پڑا کہ شمع گل کرانے کا مقصد یہ تھا کہ مبادا روشنی میں اس شخص کا چہرہ دیکھ کر بہن کے خون کی محبت مجھے سزا دینے سے باز رکھے اور الحمد للہ کہنے کا سبب یہ تھا کہ مقتول نے اپنے آپ کو میرا بھانجہ بتلا کر تمہیں دھوکے میں ڈال دیا تھا اور اس طرح وہ تمہیں شاہی تعلق سے مرعوب کر کے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے راستہ صاف رکھنا چاہتا تھا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ محمود کے متعلقین کا اس شرمناک بے ہودگی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور پانی مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ جب سے تم نے اپنا واقعہ سنایا تھا میں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک تمہارا انصاف نہ کر لوں گا آب و دانہ مجھ پر حرام ہے، اب چونکہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا تھا اور تشنگی کا شدید غلبہ تھا اس لئے میں پانی مانگنے پر مجبور ہو گیا (تاریخ فرشتہ بحوالہ تاریخ بنائے گیتی)

(۲)

سلطان محمود کو مشہور بزرگ شیخ ابو الحسن خرقانی کی زیارت کا بڑا اشتیاق تھا، چنانچہ شیخ کی زیارت کے لئے خرقان روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر شیخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے غزنی سے خرقان آیا ہوں اس لئے مروت و اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ آپ یہاں قدم رنجہ فرما کر شرف ملاقات بخشیں اور ساتھ ہی قاصد کو یہ سمجھا دیا کہ اگر شیخ خانقاہ سے باہر آنا قبول نہ کریں تو آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ شیخ کو سنائے قاصد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا پیغام پہنچایا، شیخ نے معذرت چاہی، قاصد نے ایمار سلطانی کے مطابق آیت پڑھی۔

شیخ نے فرمایا کہ تم جا کر سلطان سے عرض کر دو کہ میں أَطِيعُوا اللَّهَ میں اس قدر مستغرق ہوں کہ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کی تعمیل سے ہی سخت شرمندہ ہوں ظاہر ہے أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

سلطان قاصد سے شیخ کا یہ جواب سن کر بہت متاثر ہوا اور خود خانقاہ میں حاضر ہونے کا

ارادہ کر لیا مگر ساتھ ہی شیخ کو آزمانے کے لیے سلطان نے اپنا لباس تو اپنے غلام ایاز کو پہنایا اور خود ایاز کے کپڑے پہنے اور چند لونڈیوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر ساتھ لے لیا۔ جب یہ لوگ شیخ کی خانقاہ میں پہنچے اور شیخ سے ملاقات ہوئی تو شیخ تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوئے اور نہ محمود نما ایاز کی جانب التفات کیا بلکہ ایاز نما محمود کی جانب متوجہ ہوئے۔ ایاز نما محمود نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ نے ظل اللہ کو تعظیم نہیں دی؟

شیخ نے جواب دیا، ہاں! لیکن تیرا مخاطب اس جال میں پھنسنے والا شکار نہیں ہے، تو سامنے کیوں نہیں آتا کیا تو ہی اس جال کا سب سے بڑا شکار نہیں ہے؟

سلطان نے دیکھا کہ شیخ کا عرفان حقیقت حال کو سمجھ گیا ہے تو مودب شیخ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیے!

شیخ نے غلاموں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ پہلے ان نامحرموں کو مجلس سے باہر کر دیا جائے! جب شیخ کے ارشاد کی تعمیل ہو چکی تو سلطان نے پھر عرض کیا کہ حضرت بایزید بسطامی کی کوئی حکایت سنائیے!

شیخ نے فرمایا کہ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے دیکھا وہ شقاوت و بدبختی کی تمام برائیوں سے محفوظ ہو گیا۔

سلطان نے کہا کہ یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بایزید کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں ہو سکتا، حالانکہ آنحضرت کے دیکھنے والوں میں ابولہب و ابوجہل اور کتنے ہی منکرین بدبخت ہی رہے تو پھر بایزید کے دیکھنے والوں میں ہر بدبخت کیوں کر سعید بن سکتا ہے؟

شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پرواز عقل سے بلند تر کی بات ہے، آنحضرت صلعم کو صحابہ کے علاوہ اور کسی نے حقیقی معنی میں دیکھا ہی نہ تھا، کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی:

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ — تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں

لَا يُبْصِرُونَ — حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ دیکھ نہیں رہے۔

اگر وہ لوگ فی الحقیقت آنحضرت صلعم کو دیکھتے تو یقیناً وہ اپنی بدبختی کے اثر سے محفوظ ہو جاتے۔

سلطان کو شیخ کا یہ جواب بہت پسند آیا اور مزید نصیحت کے لئے عرض کیا۔

شیخ نے فرمایا کہ اپنے اوپر چار چیزیں لازم قرار دے لو! پرہیزگاری، نماز با جماعت کا التزام، سخاوت اور مخلوق اللہ پر شفقت و مہربانی۔

(باقی بر صفحہ ۵۶ ملاحظہ فرمائیے)

"واقعۂ کربلا"
چند غلط فہمیوں کا ازالہ

(از ــــ عتیق الرحمن سنبھلی)

گذشتہ اشاعت میں "واقعۂ کربلا" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس سے کچھ غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کی اصلاح مقصود تھی، ورنہ یوں اس عنوان میں کوئی ندرت نہیں تھی اسکی اشاعت پر دو بالکل متضاد ردعمل سامنے آئے ــــ ایک بعض اہل علم کی جانب سے انتہائی پسندیدگی کا اور دوسرا بعض حضرات کی جانب سے سخت ناپسندیدگی کا۔ یہ دوسرا ردعمل خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اس کی بنیاد کچھ تو نفسِ واقعہ کے بارے میں لاعلمی اور غلط فہمی پر ہے۔ اور کچھ یہ ہے کہ ان حضرات کو مضمون کے بعض الفاظ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ــــ ہم یہاں ان دونوں قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ الموفق وھوالمستعان۔

ان غیر متعلق اعتراضات کو نظر انداز کرتے ہوئے جو تنہا جھنجلاہٹ اور ناپسندیدگی سے پیدا ہونے والی ایک ہیجانی کیفیت کا نتیجہ ہیں۔ ہم صرف انھیں اعتراضات سے تعرض کریں گے جو فی الحقیقت کسی غلط فہمی پر مبنی ہیں، اور ان کو رفع کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔

اس قسم کے اعتراضات چار سوالوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، لہٰذا ہم انھیں سوالات کی صورت میں مرتب کرکے بالترتیب ہر ایک کا جواب عرض کرتے ہیں ــــ امید ہے کہ اس سے عام ناظرین کو بھی فائدہ ہوگا۔

۱۔ آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے لیے "بغاوت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے، اور حضرت حسینؓ کی پوزیشن باغی ہی کی تھی؟

۲۔ آپ نے عمر بن سعد کا جو خط ابن زیاد کے نام درج کیا ہے اس میں حضرت حسینؓ کی تیسری شرط صلح ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ "اور یا انھیں امیر المومنین یزید کے پاس دمشق بھیجدیا جائے وہ وہاں جاکر خود بیعت کرلیں"۔ اس سے یہ بات پہلی مرتبہ علم میں آئی ہے کہ حضرت والا یزید کی بیعت کے لیے تیار ہوگئے تھے اور اختلاف صرف اشارہ گیا تھا کہ بیعت ابن زیاد کے ہاتھ پر ہو یا براہ راست یزید کے ہاتھ پر۔ اب تک جو کچھ اس سلسلے میں اردو میں لکھا گیا ہے اس سے تو یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا۔ تمام لوگ (جن میں بڑے بڑے محققین بھی ہیں) یہی لکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا فرمانا یہ تھا کہ مجھے یزید کے پاس بھیجدو، میں خود اس سے معاملہ طے کرلوں گا، لہذا اس نئی بات کے لیے ضروری تھا کہ کوئی سند اور حوالہ پیش کیا جاتا، بلکہ اصل عبارت نقل کی جاتی!

۲۔ اسی طرح یہ بھی اس مضمون سے پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ دیگر صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کرلی تھی، اس کے برعکس اب تک جو کچھ پڑھنے اور سننے میں آیا ہے وہ تو یہی ہے کہ کسی صحابی نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی۔ لہذا اس کے لیے بھی مستند حوالہ کی ضرورت ہے!

۴۔ کیا یزید کو فی الحقیقت اس سانحہ سے رنج ہوا تھا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، یا یہ جو کچھ ہوا اس کی عین مرضی کے مطابق تھا اور اس کے آنسو مگرمچھ کے آنسو تھے؟

۱۔ بغاوت اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے اصل معنی سرکشی اور مقابلہ پر آجانے کے ہیں۔ لیکن بعد میں اصطلاحاً اس سرکشی کو کہنے لگے جو حق کے مقابلہ میں ہو، اور وہ یقیناً مذموم ہے — مگر اردو میں اس لفظ کا استعمال پہلے ہی معنیٰ میں ہوتا ہے۔ لہذا اس کا اطلاق اس موقع پر بھی کیا جاسکتا ہے جب کہ مقابلہ میں باطل ہو اور اس موقع پر بھی جب کہ حق ہو (اس پر کسی متعین استشہاد کی ضرورت نہیں، اس وقت کا پورا اردو لٹریچر اور روزمرہ اس پر شاہد ہے) اب اگر یہ اقدام حق کے مقابلہ میں ہو تو مذموم ہوگا جیسا کہ اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور اگر باطل کے مقابلہ میں ہو تو محمود و مستحسن ہوگا۔

ہم اس کی ایک مثال بھی عرض کریں۔ سلطنت برطانیہ کے خلاف ہندستان کی تحریک آزادی کی پوری تاریخ دیکھ جائیے۔ آپ کو "بغاوت" اور "جہاد" کا استعمال پہلو بہ پہلو نظر آئے گا۔ یعنی جس طرح اس جدوجہد کو فخر کے ساتھ جہاد سے تعبیر کیا جاتا تھا اسی طرح بغاوت سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا، حالانکہ حکومت برطانیہ بھی اس تحریک کو بدنام کرنے

کے لیے بغاوت ہی سے تعبیر کرتی تھی اور اس کے یہاں اس تحریک کے سرفروشوں کے لیے باغی کا لفظ فسادی کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود اس تحریک کا کوئی سرفروش اپنے لیے "باغی" کا لفظ باعثِ عار نہیں، بلکہ باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ ہاں ٹوڈی ذہنیت کے لوگ ضرور اس لفظ سے گھبراتے تھے ______

لیکن میں اس سب کے باوجود کہتا ہوں کہ اگر لکھتے وقت مجھے اس کا شبہ بھی ہوجاتا کہ اس لفظ سے کسی ناظر کو یہ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہو تو میں ہرگز اس لفظ کا استعمال نہ کرتا۔ اور اب بھی میری یہ گذارش ہو کہ جن صاحب کو اس لفظ سے مذمت کا ایہام ہوتا ہو وہ اس کو کاٹ کر بہتر سے بہتر لفظ انتخاب کر کے میری طرف سے اس کی جگہ لکھ دیں۔

۲۔ یہ درست ہو کہ عمر بن سعد کا جو خط درج کیا گیا ہو اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہو کہ میں نے اس میں کوئی تصرف نہیں کیا ہو۔ تصرف درحقیقت ان لوگوں نے کیا ہو جن میں "بڑے بڑے محققین بھی شامل ہیں۔ اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس مضمون سے کم از کم یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ ایک تاریخی غلطی کے ازالہ کا موقع پیدا ہوگیا۔

ذیل میں اصل عربی مآخذ کی عبارتیں مع حوالے کے پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوجائے گا کہ اصل حقیقت کیا ہو ______ واضح رہے کہ بعض کتابوں میں عمر بن سعد کا خط پورے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہو، اور بعض میں (جہاں تک میری محدود نظر ہو) اس خط میں تو اختصار ہو، مگر خود حضرت حسینؓ کے الفاظ کی پوری روایت ہو۔ اس لیے ان دوسری قسم کی کتابوں سے بجائے عمر بن سعد کے خط کے حضرت حسینؓ کے الفاظ کی رعایت لی گئی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے!

عمر بن سعد کے خط بنام ابن زیاد میں حضرت حسینؓ کی تیسری شرط صلح کے الفاظ

"او ان یأتی یزید امیر المومنین فیضع یدہٗ فی یدہ" (تاریخ ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۲۲)

حضرت حسینؓ کے الفاظ میں تیسری شرط صلح

"واما ان اذھب الی یزید فاضع یدی فی یدہ"

(اصابہ (ابن حجر) جزء ۲ صلا)

"واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ فیریٰ فیما بینی وبینہٗ رأیہ"

(تاریخ طبری ج ۶ صفحہ ۲۲۰)

(فإن أبيتَ هذه) "فسيّرني إلى يزيد فأضع يدي في يده فيحكم فيَّ ما رأى"

(البداية والنهاية ج ۸ صفحہ ۱۷۰)

تیسری شرط صلح علامہ سیوطیؒ کے الفاظ میں

"والمضي إلى يزيد فيضع يده في يده" (تاریخ الخلفاء طبع لاہور، صفحہ ۱۳۹)

امام ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں

"وطلب ان يردوه الى يزيد ابن عمه حتى يضع يده في يده"

(رسالہ رأس الحسینؓ صفحہ ۲)

یہ ہیں چند مستند کتابوں کی عبارتیں! — جو حضرات عربی زبان اور عربی محاورات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ "يضع يده في يده" اور "اضع يدي في يده" کے الفاظ جو ان عبارات میں مشترک ہیں وہ بیعت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے خود بیعت کے لفظ سے بھی زیادہ بلیغ اور صریح ہیں — اردو محاورہ

لہ ۲ھ ان دو عبارتوں میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہو کہ "پھر یزید جیسا مناسب سمجھے گا میرے بارے میں فیصلہ کرے گا۔" یہ غالباً ابن زیاد کے قول کا جواب ہو، عمر بن سعد کی معرفت ابن زیاد کو جب حضرت حسینؓ کی یہ بات پہونچی کہ اب میرا کوئی ارادہ نہیں ہو میں واپس جانا چاہتا ہوں تو اس نے جواب میں یہ کہلایا کہ پہلے وہ بیعت کرلیں پھر ہم ان کی بات کے متعلق فیصلہ کریں گے (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۱۷۰) تب آپ نے وہ تین صورتیں پیش کی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی جسکے لیے اصل عربی عبارات پیش کی جارہی ہیں مطلب یہ ہوگا کہ بیعت کے بعد فیصلہ کا اختیار تمہیں نہیں دے سکتا۔ (ان یزید کو دے سکتا ہوں ۔۔۔۔ ابن زیاد کو اختیار نہ دینے اور یزید کو دینے کی ایک خاص وجہ تھی، ابن زیاد کے متعلق آپ کو یقین تھا کہ اس کا فیصلہ صرف میرے قتل کا ہوگا۔ چنانچہ شہادت سے کچھ پہلے جب فریق مخالف کے ایک آدمی نے کہا کہ آخر آپ ابن زیاد کی بات کیوں نہیں مان لیتے، پھر آپ جو چاہیں گے وہ ہوگا! تو آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ کیا تو یہ چاہتا ہو کہ ابن زیاد کے خلاف بنو ہاشم کا اب تک جو ایک خون کا مطالبہ ہو (یعنی مسلم بن عقیل کے خون کا) وہ اب ایک سے بڑھ جائے (تاریخ ابن اثیر ج ۴ صفحہ ۲۱) اس کے برعکس یزید سے آپ کو حسن سلوک کی توقع تھی اور ہمارے خیال میں یہ توقع ضرور پوری ہوتی اسلیے کہ حضرت معاویہ کی نہایت تاکید کے ساتھ یزید کو یہ وصیت تھی کہ اگر حسینؓ کوفہ والوں کے کہنے میں آکر کوئی اقدام کر بیٹھیں اور تو ان پر قابو پالے تو پھر بھی حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنا، حضرت حسین کے ساتھ تو اس کو اس وصیت کے مطابق عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اس نے آپ کی اولاد کے حق میں اس وصیت کا خیال رکھا۔ واقعہ حرہ میں علی زین العابدین کے ساتھ جو خصوصی سلوک کا اس نے حکم دیا تھا وہ اس پر شاہد ہے۔ اس لیے ہم امید کرسکتے ہیں کہ حضرت حسین کی یہ توقع پوری ہوتی۔

میں "ہاتھ میں ہاتھ دینا" اور فارسی میں "دست در دست دادن" جو بیعت کیلئے عام طور سے استعمال ہوتے ہیں[1] اور بیعت کا مفہوم ادا کرنے میں زیادہ بلیغ سمجھے جاتے ہیں وہ دراصل اسی عربی ترکیب "وضع الید فی الید" کا لفظی ترجمہ ہیں[2] ـــــ حضرت حسینؓ ہی کے متعلق مشہور فارسی مصرعہ ہے ـــــ "سر داد و نداد دست در دست یزید" ـــــ اس میں "نداد دست در دست یزید" سے بیعت ہی کا انکار تو مقصود ہے!

بہرحال ان عبارات کو پڑھ لینے کے بعد کسی کو اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ اس تاریخی روایت کے بموجب حضرت حسینؓ نے تیسری شرط یہی پیش کی تھی کہ مجھے یزید کے پاس بھیجدیا جائے میں اس سے بیعت کرلوں گا ـــــ

اصل سوال کا جواب ختم ہوچکا، لیکن ممکن ہے کہ اس کے بعد ناظرین کے ذہن میں یہ سوال خود بخود پیدا ہو کہ آخر اردو میں لکھنے والے اچھے اچھے ذمہ دار اور ذی علم حضرات نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے بیعت پر آمادگی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ جن حضرات کے متعلق یہ اندازہ ہے کہ ان کی نظر تاریخ پر ہے۔ انھوں نے یا تو خود اس معاملہ میں افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا شہرت عامہ سے متاثر ہوکر (جو مثل حقیقت ثابتہ بن چکی ہے)، اس بات کو گول کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ ورنہ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے روایت کے صاف الفاظ کا مطلب غلط سمجھا ہو ـــــ واللہ اعلم

اصل بات یہ ہے کہ بارہ تیرہ سو برس کا شیعی پروپیگنڈہ دنیا کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ یزید کی خلافت اس درجہ کی باطل حکومت تھی جس کو تسلیم کرنے کی اور خلیفہ کی حیثیت سے اس سے بیعت کرنے کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس پروپیگنڈے کے اثر سے جب یہ خیال حقیقت ثابتہ بن کر پوری ذہنی فضا پر مسلط ہوگیا تو پھر قدرتی طور پر اس قضیہ کو انتہا

---

[1] ان الفاظ کے بیعت کے لئے زیادہ بلیغ اور صریح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیعت کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں، مثلاً ایک یہ کہ خط و کتابت کے ذریعہ سے کسی سے بیعت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی نائب یا نمائندہ کے ذریعہ کسی کی بیعت کی جائے، تیسرے یہ کہ صرف زبانی اقرار کے ذریعہ بیعت کی جائے یا کثیر مجمع کے ساتھ چادر وغیرہ پکڑ کر بیعت کی جائے۔ اور ان سب صورتوں میں سب سے زیادہ پختہ اور موکد بیعت کی صورت یہ ہے کہ بلاواسطہ ہاتھ میں ہاتھ دے کے بیعت کی جائے۔ پس جب بیعت کے لیے عربی میں "وضع الید فی الید" یا فارسی میں "دست در دست دادن" یا اردو میں "ہاتھ میں ہاتھ دینے" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے بیعت کی صرف آخری صورت ہی مراد ہوتی ہے۔ جو باقی تمام صورتوں کے مقابلہ میں زیادہ پختہ اور موکد ہوتی ہے۔ اس لیے اس تعبیر میں زیادہ بلاغت و صراحت ہے۔

تک اسی روشنی میں دیکھا جائے گا! اب یکایک آدمی کے سامنے ایک چیز ایسی آتی ہو جو اس کے اس تخیل سے میل نہیں کھاتی، تو وہ اسے رد کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر رد نہیں کر سکتا تو گول کر کے گذر جاتا ہو۔ اس زیر بحث بات کے بارے میں بھی ہوا لوگوں کو اسی شیعی پروپگنڈے کی بنیاد پر یہ بات حضرت حسینؓ کے خلافِ شان اور ان کے لیے باعثِ عار نظر آئی کہ وہ کسی مرحلہ پر بھی یزید سے صلح کے جویا اور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس لیے وہ اس کے اظہار کو گوارا نہ کر سکے (حالانکہ اس سے بہتر صورت تو یہ تھی کہ وہ اس تین متبادل شرائط والی روایت کا انکار ہی کر دیتے، اور اس روایت کو لیتے جس میں باختلاف روایات صرف پہلی یا دوسری شرط مذکور ہو۔ مگر اس کی کمزوری کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو کہ باوجود تیسری شرط کی ناگواری کے اس روایت کو نہیں لیا گیا! اور اسی لیے میں نے اپنے مضمون میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا) بہر حال اس تصرفِ بیجا کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہو۔ لیکن ہمیں یہ بات کسی پہلو سے بھی حضرت حسینؓ کے لیے باعثِ عار یا خلافِ شان نظر نہیں آتی۔ اور ہمارے نزدیک اس کی بہترین توجیہ ممکن ہو۔ جس کی طرف ہم نے اپنے مضمون میں صفحہ ۴۱ پر سطر ۱ تا ۵ تک کچھ اجمالی اشارہ بھی کیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کی پوری تشفی شاید اس سے نہ ہو سکی ہوگی جو اس قضیہ کو شیعوں کی دی ہوئی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے یہاں اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا بیجا نہ ہوگا کہ اس قضیہ کی واقعی نوعیت کیا ہو؟ اور شرعی دلائل کی رو سے یزید کی خلافت کی کیا حیثیت ہو؟۔

اس مسئلہ پر اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی ان جذبات سے الگ ہو کر غور کیا جائے جو حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت اور اس کے مفرطانہ پروپگنڈے سے پیدا ہو گئے ہیں تو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ قضیہ کی اصل نوعیت وہ نہیں ہو جو سمجھ لی گئی ہو۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ حضرت حسینؓ کا اختلاف کن بنیادوں پر تھا؟ اور پھر یہ کہ آیا یہ بنیادیں ایسی ہیں جو جانب مخالف کو باطل محض بنا دینے میں اس طرح قطعیت کا درجہ رکھتی ہیں کہ اس سے مصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور اس کے ساتھ صلح باطل کے ساتھ صلح کہلائی جائے اور اس کی مخالفت سے دست کشی حق سے انحراف کے مرادف قرار پائے؟۔

اس سے تو غالباً کسی کو بھی انکار نہ ہوگا کہ یزید کے خلافت سے حضرت حسینؓ کے اختلاف کی بنیاد صرف دو چیزوں پر تھی ——— ۱۔ باپ کے بعد بیٹے کی خلافت ولیعہدی کے طریقے سے۔ ۲۔ یزید کا فسق! ——— اب دیکھیے کہ ان میں کون چیز ایسی ہو جو یزید کی خلافت کو اس درجہ باطل

بنا دیتی ہو کہ اسے تسلیم کر لینے کا مطلب حق سے انحراف ہو؟ ——— واضح رہے کہ ہماری اس بحث میں حق و باطل کا وسیع تر مفہوم نہیں، بلکہ خاص شرعی مفہوم مراد ہو، اس لیے کہ یہ بحث تمام تر شرعی ہو!
——— پہلی چیز کو لیجیے اور غور کیجیے کہ کیا دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل قطعی آپ کے پاس ایسی موجود جو بیٹے کی ولیعہدی کو باطل اور ناقابلِ تسلیم قرار دیتی ہو؟ کوئی نص قرآنی ہو؟ کوئی حدیث ہو؟ امت کا اجماع ہے؟ ——— یقیناً ان دلائل قطعیہ میں سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے! اس کی صریح ممانعت ہمیں کہیں نہیں ملتی اور اگر ہوتی تو حضرت حسینؓ اسے ضرور پیش فرماتے! ——— لے دے کے صرف دو چیزیں اس باب میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عجمیوں کی اس رسم کا ناپسندیدگی کے انداز میں ذکر فرمانا۔ دوسرے خلافتِ راشدہ کی روایت کا اس کے خلاف ہونا۔ لیکن ظاہر ہو کہ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اس کے عدم جواز اور بطلان کی دلیل نہیں بن سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے اس چیز کا صرف نامناسب اور ناپسندیدہ ہونا لازم آتا ہو۔ دوسرے ابواب میں حضور کے اس قسم کے اس سے بھی واضح تر کتنے ہی ارشادات ہیں جن کو کہیں بھی عدم جواز اور بطلان کی دلیل نہیں بنایا جاتا۔ مثلاً ایک ارشاد ہے

لا تقوموا الی کما یقوم　　　میرے لیے کھڑے مت ہوا کرو جیسے کہ عجمی لوگ
الاعاجم یعظم بعضهم بعضاً　　　ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

اس میں صرف انداز کلام سے محسوس کی جانے والی ناپسندیدگی نہیں، بلکہ صاف الفاظ میں نہی ہے لیکن اس کے باوجود اسے صرف تنزیہیہ پر محمول کیا جاتا ہو۔ علیٰ ہذا خلافت راشدہ کی روایات کے خلاف ہونے سے بھی اسے صرف ایک غیر مثالی بات کہا جا سکتا ہو، بلکہ اس قول کے مطابق (کہ حضرت حسنؓ کا دورِ خلافت بھی خلافتِ راشدہ میں شمار ہو) یہ بات بھی کہنی مشکل ہے۔ اس لیے کہ نفس ولیعہدی کا جواز تو حضرت ابوبکرؓ کے عمل سے ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ کو انھوں نے اپنا ولیعہد بنایا۔ اور باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کا جواز حضرت حسنؓ کی خلافت سے ملتا ہے۔ اور اگر حضرت حسنؓ کے دورِ خلافت کو خلافتِ راشدہ میں شمار نہ کیا جائے تو جس طرح بیٹے کی ولیعہدی کی مثال خلافتِ راشدہ میں نہیں ملتی، اسی طرح بغیر ولی عہدی کے بھی بیٹے کی خلافت کی مثال وہاں نہیں ملتی۔ ——— سنتِ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے یہ بھی خلاف اور وہ بھی خلاف! فرق صرف کم و بیش کا ہے ——— پس لا محالہ ہمیں یہ

کہنا پڑے گا کہ باپ کی خلافت ولیعہدی کے راستہ سے بیٹے کو ملنا، شریعت میں اس کے باطل اور ناقابلِ تسلیم ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔۔۔۔! بات صرف معیاری اور غیر معیاری ـــــ اور زیادہ معیاری اور کم معیاری کی ہو! لہذا پہلی بنیاد پر تو حضرت حسینؓ کے اختلاف کی نوعیت بس یہی نکلتی ہو اس سے زیادہ اس اختلاف کی کوئی حقیقت نہیں!

اب لیجیے دوسری بنیادِ اختلاف کو ـــــ کہ یزید میں چونکہ فسق کے اوصاف پائے جاتے تھے اس لیے حضرت حسینؓ کو اس کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار تھا ـــــ تو یہ بنیاد بے شک پہلی کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے۔ اور اسی کی موجودگی سے اختلاف کی نوعیت پہلے سے کچھ بدل جاتی ہو۔ اور سوال صرف اولیٰ اور غیر اولیٰ یا مثالی اور غیر مثالی کا نہیں، بلکہ جائز اور غیر جائز کا ہوجاتا ہے، کیونکہ ایسے کسی شخص کی خلافت سے اسلامی خلافت کا موضوع لہٗ فی الجملہ تو فوت ہو ہی جاتا ہو۔ اور بالکلیہ فوت ہوجانے کا بھی کافی اندیشہ ہوجاتا ہے۔ پس اگر کسی شخص کو اس کا امکان نظر آئے کہ وہ خلافت اسلامی کے ان عظیم مقاصد کو اس خطرہ سے بچا سکتا ہو، یعنی اس خلافت کو وہ ایسی طاقت کے ساتھ چیلنج کر سکتا ہو جو اس کو ختم کرنے کے لیے بظاہر اسباب کافی ہو تو پھر ضرور اس کے لیے جائز ہو کہ وہ بیعت سے انکار کرے ـــــ لیکن یہ بجائے خود شریعت کا ایک مسلمہ مسئلہ ہو کہ استخلاف ہوجانے کے بعد (خواہ جبراً ہی کیوں نہ ہو) ایسے شخص کی خلافت بھی منعقد ہوجاتی ہے[ؔ]۔ لہذا اس بنیاد کے پائے جانے کے باوجود بھی کسی فاسق کی خلافت کے باطلِ محض ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ شریعت اس خلافت کو بھی تسلیم کرتی ہو۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ جب حضرت حسینؓ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ طاقت جس کے اعتماد پر انھوں نے اب تک یزید کی بیعت سے انکار کیا تھا اور اس کی خلافت کو چیلنج کرنے کا ارادہ کیا تھا، یہی نہیں کہ یکایک ساتھ چھوڑ گئی ہو! بلکہ مخالف طاقت بن کر سامنے آگئی ہو، تب ان پر کیا حرف آسکتا ہو۔ اگر وہ بیعت کیلئے تیار ہوگئے ہوں؟ ـــــ جب شریعت حقہ مسلمانوں کے مصالح کی وجہ سے ایسے شخص کی خلافت کو تسلیم کر لیتی ہو تو حضرت حسینؓ کے لیے اس کو تسلیم کر لینا کیونکر باعث عار ہوسکتا ہو؟ ـــــ ہم کب کہتے ہیں کہ انھوں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا؟ ہم تو ان کے متعلق اس کا تصور کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قتل کی دھمکیاں اور موت کا خوف تو ان کا سر نہ جھکوا سکے۔ لیکن شریعت کے

ؔ ازالۃ الخفاء جلد اول

حکم کے آگے وہی سر بلا چون و چرا جھک گیا ـــــ اس سے ایک مومن کی شان گھٹتی نہیں بڑھتی ہو۔ اور خدا ہی جانتا ہو کہ کتنی بڑھ جاتی ہو۔ جبکہ ظاہر بینوں کو اس میں عزت و وقار کا خون ہوتا ہوا نظر آتا ہو ـــــ کربلا کے میدان میں بالکل یہی صورت حال تھی۔ بیعت سے انکار اور برسرپیکار رہنے کی شرعی وجہ جواز ختم ہو چکی تھی۔ اب صرف آن کا سوال ہو سکتا تھا! عزت و وقار کا سوال ہو سکتا تھا کہ دُنیا کیا کہے گی؟ کتنی بڑی سُبکی ہوگی؟ اور وہ لوگ کیا کہیں گے جو شروع میں منع کرتے تھے؟ لیکن حضرت حسینؓ نے کسی چیز کی پروا نہیں کی کسی سوال کی کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور بیعت کی پیش کش فرما کر اپنی شہادت کو اس دھبہ سے بچا لیا کہ صرف آن پر جان دے دی۔

الغرض اسلامی نقطۂ نظر سے تو یہ بات باعث عار نہیں، باعث عزت ہو کہ حضرت حسینؓ کے اس اقدام کا اختتام اس پیش کش پر ہوا۔ البتہ جاہلی نقطۂ نظر بالکل یہی ہو کہ اگر ایسا ہوا تو (معاذ اللہ) گویا لٹیا ڈوب گئی۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کہتا ہو تو گویا وہ حضرت حسینؓ کی تنقیص شان کا مرتکب ہوتا ہے۔

شاید کسی کو شبہ ہو کہ اس توجیہ پر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہو کہ پھر انھوں نے دو صورتیں اور کیوں پیش کی تھیں؟ اس توجیہ کے مطابق تو انھیں پہلے ہی دہلہ میں بیعت کی پیش کش فرمانا چاہیے تھی! ـــــ لیکن یہ شبہ قلت تدبر پر مبنی ہو۔ تیسری صورت اگر نفس بیعت کی ہوتی تو شبہ ممکن تھا۔ مگر ایسا نہیں ہو۔ تیسری صورت یزید کے ہاتھ پر بیعت کی ہو نہ کہ نفس بیعت کی۔ اس لیے یہ نہیں لازم آتا کہ پہلی صورتوں میں بدستور بیعت سے انکار تھا، پھر ان دونوں صورتوں میں الفاظ بھی ایسے نہیں ہیں جن سے بیعت کا بدستور انکار مفہوم ہوتا ہو۔ لہٰذا بات بالکل صاف ہو کہ بیعت کے لیے تو آپ نے اول دہلہ میں خود کو تیار کر لیا تھا۔ لیکن اس کے لیے ضروری تو نہیں تھا کہ یزید کے پاس جایا جائے، بلکہ وطن واپس ہو کر مقامی حاکم کے ذریعہ بھی ہو سکتی تھی، پس آپ نے پہلی صورت یہی پیش فرمائی کہ مجھے واپس جانے دیا جائے۔ اب اس سے یہ مطلب نکالنا کہ آپ کا ارادہ بیعت کا نہیں تھا، ایک عجیب سی بات ہو جبکہ قرائن بھی اس کے خلاف ہیں۔ اُس لیے کہ اس سے تو انکار کی گنجائش نہیں کہ آپ نے کوفیوں کی غداری دیکھ کر طلب خلافت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اب خواہ یہ ترک اس وقت مانا جائے جب کہ آپ نے حر بن یزید کے سامنے واپسی کے ارادہ کا اظہار فرمایا، یا اس وقت مانا جائے جب کہ آپ کو مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہو کہ لما بلغہ ما فعل بابن عمہ مسلم بن عقیل ترک طلب الامر (منہاج السنہ ج ۲ صفحہ ۲۴۲) یعنی جب آپ کو اس واقعہ کی خبر پہونچی جو آپ کے چچیرے بھائی

مسلم بن عقیل کے ساتھ پیش آیا تو آپ نے طلب امارت کا خیال چھوڑ دیا۔

بہرحال جس وقت بھی چھوڑا ہو، اتنی بات تو مسلم ہے کہ چھوڑ دیا تھا، پھر اس کے بعد بیعت سے انکار کی عملاً کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ علیٰ ہذا دوسری صورت میں بھی بیعت سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اگر تم مجھے حجاز میں قیام کی اجازت دینا نہیں چاہتے تو کسی سرحد پر بھیج دو تاکہ بقیہ عمر میں وہاں جہاد اور رباط فی سبیل اللہ میں گزار دوں، اور اگر یہ دونوں باتیں نامنظور رہوں تو چلو یزید کے پاس چلے چلو وہ جو فیصلہ میرے حق میں کر دے ا۔ الغرض ان حالات میں جنگ سے بچنے کی کوئی امکانی صورت بیعت کے علاوہ تھی۔ اس لیے یہ خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں کہ پہلی دو صورتوں کا مطلب بیعت سے انکار تھا۔

یہ بحث بجائے خود تمام ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ خود حضرت حسینؓ کے نزدیک بھی یزید کی خلافت کی حیثیت کسی ایسے باطل کی نہیں جس کو کسی حال تسلیم ہی نہ کیا جا سکتا ہو۔ لیکن ہم اس پر ایک اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسے اس بحث کا تتمہ سمجھ لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ اس بات کو جاننے کے لیے کہ خلافت یزیدی کی حیثیت کیا تھی؟ ——————
حضرت حسینؓ کے اختلاف کا تجزیہ کرنے کے علاوہ ایک پیمانہ یہ بھی ہے —— اور بلاشبہ یہ ایک مومن مسلم کے لیے خدا و رسول کے ارشادات کے بعد سب سے بڑا اور سب سے سچا معیار حق و باطل ہے —— کہ اس وقت (حضرت حسینؓ کے علاوہ) جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے ان کا عندیہ اس بارے میں کیا تھا؟ —— ان کا عندیہ یا اقوال سے معلوم ہو سکتا ہے، یا ان کے رویہ اور طرز عمل سے! اقوال تو اس معاملہ میں بجز چند کے ہم تک پہونچے نہیں، لیکن رویہ اور طرز عمل عمومی طور پر سب ہی کا منقول ہے۔ یا بطریق قیاس معلوم ہے۔ اور وہ (باستثنار چار پانچ) سکوت —— رضا —— یا نیم رضا کا ہے یعنی ایسے حضرات تو بہت سے ہوں گے جنھیں یزید کا ولیعہد بنایا جانا پسند نہ ہوگا بلکہ سخت ناگوار ہوگا، لیکن جب یہ ہو گیا اور بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی تو پھر ان حضرات نے بھی جو اس سے راضی نہ تھے، طوعاً یا کرہاً اسکو مان لیا۔ پھر اکثر نے تو سکوت اختیار کیا، اور بعض کی رضا کا کسی درجہ میں اظہار بھی ہو گیا۔ مثلاً جب عراق و شام کے لوگوں نے بیعت کر لی لیکن حجاز میں چند بڑے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے (جن میں ایک حضرت حسینؓ تھے) مخالفت قائم رہی تو حضرت معاویہؓ اس مخالفت کو فرو کرنے کے لیے مدینہ آئے۔ وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے مخالفین (حضرت حسینؓ وغیرہ) کے رویہ کی شکایت کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے تم نے ان لوگوں کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ نہیں ایسا تو نہیں ہے،

لیکن آپ ہی بتلائیے کہ جب میں خود اور میرے علاوہ بہتیرے آدمی بیعت کر چکے ہیں تو کیا اب بیعت توڑ دی جائے ؟ اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے یہ فرمایا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں ہو، ان لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے گی تو امید ہو کہ یہ بھی راضی ہو جائیں گے۔" یہ رضا کی ایک مثال ہو۔ ورنہ حضرت عائشہؓ کے لیے اس کا پورا موقع تھا کہ وہ اپنی ناراضگی کا اظہار فرما دیتیں۔ انھیں عزت و احترام کا وہ مقام حاصل تھا کہ حضرت معاویہؓ یا کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے، ہر شخص کا سر نیاز ان کے سامنے جھکتا تھا۔ اور حضرت معاویہؓ بھی اسی انداز میں حاضر خدمت ہوئے تھے اور پھر ان کی صاف گوئی تو ایک مانی ہوئی بات ہے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اس طرز عمل سے ان حضرات کا کیا عندیہ معلوم ہوتا ہو؟ آیا یہ کہ یزید کی خلافت باطل محض تھی یا یہ کہ صرف ایک مضر اور ناپسندیدہ بات کا درجہ رکھتی تھی، جسے کسی وقت بدرجۂ مجبوری گوارا بھی کیا جا سکتا تھا؟ —— یقیناً دوسری صورت تھی! لیکن اگر کوئی اس طرز عمل کی کھلی شہادت کو بھی نظر انداز کر کے کہتا ہے کہ خلافت یزید کسی حال میں بھی قابل تسلیم نہ تھی، اور صحابۂ کرام اس کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی آگے بڑھ کے اس کو چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکا، یہ صرف حضرت حسینؓ کا حوصلہ تھا کہ وہ میدان میں نکلے اور انھوں نے للکارا کہ یہ وراثت ناجائز اور یہ دنیوی حکومت باطل ہے —— تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی اس جسارت کی کیا داد دیں؟ —— کاش ایسا کہنے والے سوچتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور ایک حضرت حسینؓ کی رفع شان کے لیے انھوں نے کتنے دوسرے بزرگ تر صحابہ کی شان کو کتنا گرا دیا ہے اور انکی مسلّمہ عظمت و جلالت کو کہاں کہاں تک مجروح کر ڈالا ہو!

ہمیں معلوم ہو کہ شیعی نقطۂ نگاہ اس معاملہ میں یہی ہو اور انکے بنیادی اصول کا یہ لازمی تقاضہ ہو لیکن جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور مقام صحابیت کی عظمت کے بارہ میں وہ نقطۂ نگاہ رکھتا ہو جسکی بنیاد کتاب و سنت پر ہو۔ اور جو جمہور امت کا بنیادی اصول ہو، اگر اسکی زبان سے ایسی بات نکلتی ہو تو اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہو کہ یہ شیعی پروپیگنڈہ کا جادو ہو جو سر پر چڑھ کر بول رہا ہو۔ —— کسے نہیں معلوم ہو کہ سیدنا حسینؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بہت صغیر السن تھے اور حضورؐ کے وصال کے وقت انکی عمر صرف ۸۔۹ سال کی تھی اور وہ اصحاب کبار رضؓ جنھوں نے یزید کے معاملہ میں خاموشی کو ترجیح دی، ان میں سے کتنے ہی وہ تھے جنھیں خود حضورؐ کے جھنڈے کے نیچے لڑ کر باطل سے معرکہ آرائی کی تربیت پانے کا موقع ملا تھا! —— اس پر بھی اگر کوئی کہتا ہو کہ مقام عزیمت صرف حضرت حسینؓ کو ملا

اور ان سب بزرگوں نے رخصت کی راہ تلاش کی تو ہم قرآن کی زبان میں کہیں گے کہ

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔[1]

میں نے جو اپنے مضمون میں یہ لکھا کہ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کربلا کے واقعہ کو معرکۂ حق و باطل کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے"[2]، تو یہ الفاظ شاید بعض لوگوں پر گراں گذرے ہوں گے اور انھوں نے سوچا ہوگا کہ آخر اس "مورخانہ" انداز بیان کی کیا ضرورت تھی، اتنی صراحت نہ کی جاتی تب بھی کیا تھا بات تو اس کے بغیر بھی ادا ہوگئی تھی؛ لیکن اب شاید وہ محسوس کر سکیں گے کہ یہ الفاظ کتنے ضروری تھے، لوگ اسے محسوس نہیں کرتے کہ اہلبیت کی محبت و تعظیم میں (جو فی نفسہ یقیناً حق ہو) ہم حضرت حسینؓ کو جو کریڈٹ دیتے ہیں اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ تر اصحاب باصفا کے حق میں کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اور ان کے رتبہ اور تقدس پر کتنی گہری چوٹ پڑتی ہے اور خود نگاہِ نبوت کی تاثیر پر اس کیا زد پڑتی ہو! جس کا ادنیٰ شعور بھی اگر کسی مسلمان کو ہو جائے تو وہ ایسے کریڈٹ کو ایک بار نہیں ہزار ہزار بار ایسی عظمت اور ایسی نظر کیمیا اثر پر قربان کرنا، اپنے ایمان و اسلام کا عین تقاضا سمجھے گا!..... میرے لیے اتنی صراحت کا انداز بیان اختیار کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ اس مضمون سے ٹھیک تین سال پہلے (ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ کے الفرقان میں) نگاہِ اولیں کے عنوان کے تحت میں نے بھی بے شعوری کے عالم میں اس واقعہ کو اسی مشہور حیثیت میں پیش کیا تھا اور میں اس وقت ایسا ہی سمجھا تھا، مگر میرے ایک نہایت شفیق بزرگ نے اس کو پڑھتے ہی مجھے خط لکھ کر ٹوکا کہ یہ تم نے کیسی زبردست غلطی کی۔ وہ شاید مجھے واقف سمجھتے تھے اس لیے غلطی کی تو وضاحت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعض عواقب و اثرات پر روشنی ڈالی۔ مجھے اس تنبیہ سے اپنی ناواقفیت کا احساس ہوا اور پھر جو کچھ موقع نکال کر واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ دیکھا اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا تو میں نے جانا کہ واقعی میں نے ایک عظیم غلطی کی ہو اور مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔ اتفاق سے بعض لوگوں نے گذشتہ سال الفرقان میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ کچھ لکھے جانے کی تحریک کی اور ضرورت کا احساس دلایا۔ لیکن اُس سال الفرقان کی اشاعت رمضان تا ذی الحجہ بند رہی، چنانچہ اب کی مرتبہ جب اس فرمائش کو پورا کرنے کا موقع ملا اور میں نے لکھنا شروع کیا تو ضروری سمجھا کہ اس ضمن میں اپنی اس غلطی کا کفارہ بھی

---

[1] کتنی جسارت کا کلمہ ہو جو ان کی زبانوں پر آرہا ہو۔ بلاشبہ ان کا یہ کہنا جھوٹ اور سراسر جھوٹ ہو (ترجمہ آیت قرآنی)

[2] الفرقان ذی الحجہ صفحہ ۴۰۔

ادا کردوں اور اس عام غلطی کی صراحتاً تردید کروں جس میں میں بھی مبتلا تھا ــــــ اس وجہ سے بھی میں نے اس قدر صراحت ضروری سمجھی۔ اللہ تعالیٰ میری اُس نادانستہ غلطی کو معاف فرمائے اور اُسکے جو غلط اثرات کسی کے ذہن پر پڑے ہوں ان کو محو فرمائے! اور میرے اُن بزرگ کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی تنبیہ سے مجھے اس کی تلافی کی توفیق ملی۔

۲۔ اس سوال پر نہایت حیرت ہو! ایک ایسی مسلمہ بات پر کسی حوالہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہو، جس کے خلاف کوئی مستند حوالہ نہیں پیش کیا جا سکتا، پھر بھی ہم سائل کی تشفی کے لیے چند حوالے درج کرتے ہیں۔

(۱) ابن خلدون کی تاریخی حیثیت سے کسی واقف کو انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں صراحتاً لکھتے ہیں۔

ولم یبق فی المخالفۃ لہذا العہد الذی اتفق علیہ الجمہور الا ابن الزبیرؓ (مقدمہ ابن خلدون ص۲۱۱)	اور (حضرت حسینؓ کے بعد) سوائے حضرت عبداللہ بن زبیر کے اس عہد (خلافت یزید) کا جس پر جمہور متفق ہو چکے تھے، اور کوئی مخالف باقی نہ رہا تھا۔

(۲) اور زیادہ ثبوت درکار ہو تو وہ ایک تسلیم شدہ حقیقت کی طرح لکھتے ہیں۔

..... فانہم اکثر الصحابۃ وکانوا مع یزید ولم یروا الخروج علیہ۔ (ایضاً ص۱۸۱)	(حضرت حسینؓ کا ساتھ نہ دینے والوں کو گنہگار نہیں قرار دیا جا سکتا) کیونکہ وہ تو اکثر صحابہ میں، اور وہ یزید کے ساتھ تھے اور ان کی رائے اس پر خروج کرنے کی نہیں ہوئی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ شروع میں حضرت حسینؓ کے علانیہ ہمخیال تھے اس لیے ان کا تو خاص طور پر نام لے کر بیعت کرنے والوں میں ذکر کیا گیا ہو۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

بایع ابن عمر وابن عباس وصمم علی المخالفۃ الحسین وعبداللہ بن الزبیر۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۵۱)	ابن عمر اور ابن عباس نے بیعت فرمالی اور حسین اور عبداللہ بن زبیر مخالفت پر قائم رہے۔

(۴) ان کے علاوہ بھی اور چند نام معلوم کرنے ہوں تو حضرت حسینؓ کا یزید کے لشکر سے وہ خطاب یاد کیجیے جس میں دشمنوں کو آپ نے اپنا مرتبہ بتاتے ہوئے پانچ صحابیوں کو نام بنام اس پر گواہ بنا کر فرمایا تھا کہ وہ تم میں موجود ہیں اُن سے تصدیق کر لو۔ وہ نام یہ ہیں۔ زید بن ارقمؓ، سہل بن سعدؓ، انس بن مالکؓ۔ ابوسعید خدریؓ، جابر بن عبداللہؓ۔ شاید اس کے لیے کسی خاص حوالے کی ضرورت نہ ہوگی۔ واقعہ کربلا جس کتاب میں بھی تفصیل سے مذکور ہو اس میں یہ واقعہ موجود ہو۔

۴۔ یزید کے ردعمل کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت وہ ہو جس کا ہم نے ذکر کیا۔ دوسری یہ ہو کہ اسے اس وقت تو خوشی ہوئی، لیکن جب دیکھا کہ اس واقعہ سے لوگوں میں اس کے خلاف عام ناگواری پھیل گئی ہو تو وہ پچھتایا اور افسوس کے الفاظ اس نے اسوقت کہے۔ تیسری روایت یہ ہو کہ اسے اس واقعہ سے نہ کوئی خوشی ہوئی اور نہ کوئی خاص ناگواری۔ پہلی روایت کو امام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہو (رسالہ راس الحسین ص۲۶) تیسری روایت کو ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہو (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص۲۰۲) لیکن دوسری روایت کو متاخرین میں سے (جہاں تک مجھے معلوم ہو) کسی نے اختیار نہیں کیا۔ ——— البتہ ہمارے اس زمانہ میں بعض ایسے "محققین" نے جن کے علم و تحقیق کا بڑا شہرہ رہا ہو اس روایت کو ضرور خوب اچھالا ہو۔ لیکن ظاہر ہو کہ ابن تیمیہؒ اور ابن کثیرؒ کے آگے ان کی کیا حقیقت ہو! ——— میں نے اپنے مضمون میں ابن تیمیہؒ کی رائے کو اختیار کیا ہو، اور اس کی خاص وجہ یہ ہو کہ (جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں) اس مضمون سے میرے پیش نظر بعض غلط فہمیوں اور بے اعتدالیوں کی اصلاح تھی، نہ کہ خالی تاریخ نگاری۔ اور اس مقصد کا تقاضہ یہ تھا کہ ایسی ہی روایات لی جائیں جن سے بے اعتدالیوں میں کچھ اعتدال پیدا ہو سکے۔ خصوصاً جب کہ ان روایات کو کوئی مضبوط سند بھی حاصل ہو۔ پس اس دوسری روایت کی پیدا کی ہوئی بے اعتدالی کو چونکہ پہلی ہی روایت کسی درجہ میں دور کر سکتی تھی اس لیے میں نے اسی کو اختیار کیا۔ ——— لیکن جس وقت یہ مقصد سامنے نہ ہو تو تیسری روایت کو اختیار کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دوسری روایت کو اختیار کرنا تو تاریخی اور شرعی احتیاط کی رو سے بھی درست نہیں ہو۔

تاریخی احتیاط کے یہ اس لیے خلاف ہو کہ جب اسی معاملہ میں دو روایتیں اور ہیں جو کہ اس سے کسی طرح کمزور نہیں ہیں۔ اور "خوشی کا اظہار" ان دونوں روایتوں کے خلاف ہو! تو اولاً تو یوں بھی اس

زیادتی کو بلا کسی مرجح کے ترجیح نہ دینا چاہیے! اور دوسری اس سے بھی زیادہ قابل لحاظ بات یہ ہو کہ ایک بہت بڑا گروہ اس واقعہ کے سلسلہ میں نہایت بے بنیاد پروپگنڈہ کرنے، بلکہ بنی امیہ کی پوری تاریخ کو ضرورت سے زیادہ بدنام کرنے میں مسلسل مصروف رہا ہو، اس لیے کافی احتمال ہو کہ یہ اضافہ بھی اسی پروپگنڈے کی کڑی ہو، اور حقیقت کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو! معلوم ہو کہ اس واقعہ کا سب سے بڑا ماخذ ابو مخنف شیعی کی روایات ہیں، اور سنی مصنفین نے اپنی تاریخی تصنیفات میں مجبوراً اس کی روایات پر اعتماد کیا ہو۔ کیونکہ اس کے سوا اس کو بیان کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، اس لیے یہ احتمال بعید نہیں ہو۔

اور اسی بنا پر اس روایت کو اختیار کرنا اور اچھالنا شرعی احتیاط کے بھی خلاف ہوجاتا ہو کیونکہ جب ایک ایسی بات جس سے کسی مسلمان پر کوئی بڑا الزام آتا ہو (خواہ وہ کتنا ہی گنہگار رہو) تاریخی طور پر اس کا ثبوت کسی درجہ میں بھی مشکوک ہوجائے تو حکم شرعی یہ ہو کہ اس کا چرچا نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ الزام اور اتہام کیلئے کوئی قطعی بنیاد ہونی چاہیے۔ ورنہ ظنی بنیاد پر اعتماد، ممکن ہو فَاِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کا مصداق بن جاوے! ــــــ اسی بنا پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہو کہ یزید کے ساتھ سوئے ظن بھی نہ رکھنا چاہیے! ــــــ فرماتے ہیں کہ

> "یزید کے متعلق نہ یہ ثابت ہو کہ اس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا اور نہ یہ کہ اس نے قتل کا حکم دیا، اور نہ یہ کہ وہ اس سے خوش ہوا، اس لیے اس کے ساتھ سوئے ظن بھی نہ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ کسی مسلمان کے ساتھ سوئے ظن رکھنا بموجب آیت کریمہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ حرام ہے۔"[۵]

آخری بات:-

جو خاص حوالہ طلب باتیں تھیں وہ تو یہاں تفصیل سے آگئیں لیکن ان کے علاوہ بھی کسی صاحب کو مضمون کے ماسوا پورے واقعات کے متعلق حوالہ کی ضرورت ہو تو وہ تاریخ الکامل (ابن اثیر) تاریخ ابن جریر طبری اور البدایہ والنہایہ کی طرف رجوع کریں۔ میرے مضمون میں سارے واقعات کا ماخذ یہی کتابیں ہیں۔

---

[۵] یہ امام صاحب موصوف کے ایک طویل فتوے کا اقتباس ہو۔ پورا فتویٰ علامہ ابن خلکانؒ نے وفیات الاعیان میں درج کیا ہو۔ اور اس مسئلہ پر بولنے والوں کو یہ فتویٰ ایک بار ضرور دیکھنا چاہیے۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۴۹-۴۵۰ مصری)

تعارف وتبصرہ

(۱) اصحاب صفہ	مولفہ مولوی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری صفحات ۴۸، قیمت ۶ ر	
(۲) فضائل امت محمدیہ	" " " " " " " " ۶۰ " ۸ ر	
(۳) چھ باتیں	" " " " " " " " ۴۸ " ۶ ر	

ملنے کا پتہ:۔ منشی انیس احمد صاحب تاجر کتب، حضرت نظام الدین دہلی

(۱) اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کے احوال ومجاہدات ان کی فاقہ مستی اور صبر وشکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ساتھ سلوک اور اللہ کی نظر میں ان کے درجات ومراتب مختصر طور پر بیان کیے گئے ہیں جو اصحاب صفہ کے لقب سے مشہور ہیں تاکہ ہم اُنکے نام لیوا یہ جانیں کہ ان بزرگوں نے دین کیلئے کس طرح دنیا کو تج دیا تھا اور آخرت کے حصول کیلئے کیا قیمت ادا کی تھی بیشک بڑا مفید اور عبرت انگیز رسالہ ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ہم مسلمانوں میں ان مقدس ہستیوں کی اقتدار کا جذبہ پیدا فرمائے ۔ اگر ہمیں اس کا عشر عشیر بھی حاصل ہوجائے تو بلاشبہ اسلام کے چمن میں پھر بہار آسکتی ہے۔

(۲) فضائل امت محمدیہ۔ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم) کے بڑے بڑے غیر معمولی دنیوی واُخروی فضائل ومناقب قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں اور ذرا ذرا سی باتوں پر بڑے بڑے اجر وثواب کی بشارت دی گئی ہے، مؤلف نے انھیں آیات واحادیث کو جمع کرکے ان کی بقدر ضرورت تشریح کی ہے۔

قرآن وحدیث میں جو چیزیں آئی ہیں ان کی اشاعت پر کسے اعتراض ہوسکتا ہے؟ مگر احوال زمانہ کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے، اس وقت فرائض وواجبات کا ترک یا ادائیگی میں سستی عام ہے، ایسی حالت میں ایسی چیزوں کی اشاعت سے فائدہ کے بجائے مضرت کا زیادہ خطرہ ہے، ایسے سعادتمند کم ہوتے ہیں جن میں پروردگار کی ان خصوصی عنایات کو سن کر "اَفَلَا اَکُونُ عَبْدًا شَکُورًا" کا جذبہ بیدار ہو۔ اکثر

تو ایسے نکلیں گے جو اوروں زیادہ لمبی تان کر سو جائیں ــــــ کسی نفلی عمل یا ذکر پر جو غیر معمولی اجر و ثواب کی بشارتیں مروی ہیں وہ بلاشبہ حق ہیں مگر اس دور میں بغیر سخت تنبیہات کے ان کا بیان عوام کے حق میں فتنہ سے کم نہیں ہے، جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ وعدے اور یہ بشارتیں سنی تھیں انھیں اس کا تصور بھی نہ تھا کہ فرائض کے ترک اور محرمات کے ارتکاب کے ساتھ بھی یہ چیزیں کچھ کام آئیں گی، لیکن آج شاذ و نادر ہی لوگ یہ بات سمجھتے ہیں کہ ان وعدوں کے لئے فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب شرط ہے اور اللہ کسی ایسے شخص کے نفلی اعمال قبول نہیں فرماتا جو فرائض کا تارک ہو ـــــ اس لئے ہمارے خیال میں یہ وقت فضائل نہیں فرائض بتلانے کا ہے۔

(۳) چھ باتیں۔ اس کا تعارف پہلے بھی کرایا جا چکا ہے اس میں تبلیغی جماعت کے چھ اصولوں کی تشریح کی گئی ہے۔

عربی جماعتیں دربارِ رسالت میں

مولفہ منشی انیس احمد صاحب صفحات ۶۸، قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:۔ منشی انیس احمد صاحب تاجر کتب حضرت نظام الدین دہلی۔

اس رسالہ میں قبائل عرب کے اُن وفود کا ذکر ہے جو اسلام کو سمجھنے اور اسلام لانے کے لئے خدمت نبوی میں حاضر ہوتے تھے نیز ان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور اسلام قبول کرنے کی تفصیلات وغیرہ

پیش لفظ سے (جو ایک اور صاحب کا لکھا ہوا ہے) معلوم ہوا کہ یہ رسالہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری کی رحمۃ للعالمین کا ایک باب ہے یعنی مضمون وہاں سے منقول ہے لیکن جناب مؤلف نے اس کا کہیں تذکرہ نہیں فرمایا (کم از کم نمایاں طور سے تو نہیں ہے) یہ چیز نہایت نامناسب ہے ـــــ پھر جس مقصد سے یہ رسالہ شائع کیا گیا ہے کہ "دین کے سکھانے کے لئے جماعتیں بنا کر نکلنے اور گھر چھوڑنے کے جذبات برانگیختہ ہوں" یہ مقصد اس سے کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے، ان وفود کی نوعیت تبلیغی جماعتوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس اختلاف کو نظر انداز کر دینا، بہت سطحی طرز فکر کا غماز ہے، اس سے جو فائدہ مقصود ہو سکتا تھا یعنی لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنی فطری کشش اور اپنے پیغمبر کے اخلاق کے زور سے پھیلا ہے، اس کو مقدمہ نگار نے محض تمہید بنا دیا۔

(صفحہ ۵۳ کا بقیہ) سلطان نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمایئے!

شیخ نے فرمایا کہ میں ہر نماز کے بعد اللّٰھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کی دعا کرتا ہوں۔

سلطان نے عرض کیا کہ "یہ تو دعا عام ہے میرے لئے خصوصیت سے دعا فرمایئے۔

شیخ نے کہا کہ "خدا تمہاری عاقبت محمود فرمائے۔

سلطان نے چلتے ہوئے نذرانہ کے طور پر اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی، شیخ کے سامنے سوکھی روٹی رکھی ہوئی تھی وہ اٹھا کر سلطان کو دی اور فرمایا کہ کھاؤ، سلطان نے تبرکاً ایک ٹکڑا توڑ کر کھانا چاہا مگر گلے سے نیچے نہ اترا، شیخ نے پوچھا "کیا گلے میں پھنستا ہے؟ سلطان نے کہا "ہاں"!

شیخ نے فرمایا "جس طرح یہ روٹی تمہارے گلے میں پھنستی ہے اسی طرح تمہارا یہ نذرانہ میرے گلے میں پھنستا ہے، اسے میرے سامنے سے ہٹا لو۔

جب سلطان رخصت ہونے لگا تو شیخ تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہوگئے، سلطان نے عرض کیا کہ "میں جب آیا تھا تو آپ نے قطعاً توجہ نہ فرمائی اور اب تعظیم فرما رہے ہیں؟

شیخ نے فرمایا کہ "اس کا سبب یہ ہے کہ جب تم آئے تھے تو شاہانہ جاہ و جلال کے نشے میں سرشار تھے اور اب فروتنی و انکسار کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔" (تاریخ فرشتہ بحوالہ تاریخ بنائے گیتی)

(ماہنامہ برہان" مضمون سید محبوب رضوی)

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
Osmania University Library,
HYDERABAD (DECCAN)
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور اصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے بھیجے ہوئے
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
"ادارۂ الفرقان"
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

جلد ۲۲	بابتہ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۷۴ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۵۴ء	نمبر ۲

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی۔پی رسال کیا جائے گا چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ۔ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ ار کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا۔

نگاہِ اوّلیں

ہندوستان کے بعض لیڈروں کو مسلمانوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ رواداری کے قائل نہیں ہیں اور یہی اُن کے نزدیک ہندو مسلم مناقشہ کی جڑ اور حکومت کی بے بسی کا اصل سبب ہے۔ یہ بات اگر اس عنوان سے کہی گئی ہوتی کہ بعض وقت مسلمانوں نے رواداری کی اسپرٹ سے کام نہیں لیا یا بعض غیر روادار لیڈروں کی قیادت نے ان میں کسی وقت غیر روادارانہ رجحانات پیدا کر دئے اور انھوں نے ان رجحانات کو قبول کر لیا، تو ممکن تھا کہ یہ بات کسی حد تک صحیح ہوتی۔ ایسے حالات ہر قوم پر آتے ہیں کہ کسی وقتی تحریک سے اُس سے یا اُس کے بعض افراد سے کچھ غلط یا نامناسب باتیں سرزد ہو جاتی ہیں لیکن یہ کہنا کہ مسلمان اصولی طور پر رواداری کے قائل ہی نہیں اور ان کے مذہبی اصول و نظریات ہی اس قسم کے ہیں جو انھیں غیر رواداری کی طرف لے جاتے ہیں، ایک ایسی بات ہے کہ جب تک اسلام کی تاریخ کو بالکل دریا برد نہ کر دیا جائے اس کو بجز ہٹ دھرمی یا سراسر لاعلمی کے کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا، یا پھر رواداری کے لفظ کی کوئی بالکل نرالی تشریح کرنا پڑے گی۔

اس بحث میں سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ رواداری کے معنی متعین کئے جائیں اس کے بعد ہی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ آیا مسلمان رواداری کے قائل ہیں یا نہیں۔

رواداری کے معنی آج تک دنیا نے جو کچھ سمجھے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسے دو افراد یا ایسی دو قومیں جنھیں ایک دوسرے سے کچھ واسطہ پڑتا ہو، ان کی اگر کسی مسئلہ میں دو مختلف رائیں ہوں تو اس اختلاف کو وہ اسی مسئلہ کے دائرۂ اثر تک محدود رکھیں، نیز ان میں سے کوئی اپنی رائے اور اپنے نقطۂ نظر کو دوسرے پر زبردستی لادنے کی کوشش نہ کرے — بس یہ معنی ہیں

رواداری کے جن کو دنیا آج تک مراد لیتی رہی ہے، رواداری کا تقاضہ دنیا نے آج تک کہیں یہ نہیں سمجھا کہ اپنے نقطہ نظر ہی کو ترک کر دیا جائے۔ اور نہ رواداری کے مفہوم میں یہ بات کبھی داخل سمجھی گئی کہ مختلف فیہ مسئلہ میں دو فریق ایک دوسرے کی رائے کو غلط نہ سمجھیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رواداری ایک قابل قدر چیز اسی بنا پر مبنی ہے کہ نقطہ نظر کے شدید یا خفیف اختلاف کے باوجود دو فرد یا دو قومیں فراخ دلی کے ساتھ ایک دوسرے کو برداشت کرتے اور ملتے ہیں۔

اب رواداری کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ مسلمانوں پر نارواداریانہ ذہنیت کا الزام ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ——— مسلمانوں کو یہ الزام اُن کے اس عقیدے کے بنا پر دیا جاتا ہے کہ اسلام ہی تنہا مذہب حق ہے اور اسی کا طریق بندگی بندے کو اپنے مالک کی خوشنودی کی منزل سے ہمکنار کر سکتا ہے بالفاظ دیگر اسلام ہی نجات اُخروی کا واحد راستہ ہے جبکہ ہندوؤں کے عقیدہ کی رو سے نجات کے راستے بہت سے ہو سکتے ہیں، نجات کسی ایک مذہب میں منحصر نہیں ہے ——— ظاہر ہے کہ رواداری کی مذکورہ بالا تعریف کی رو سے مسلمانوں پر اس عقیدہ کی بنا پر نارواداری کی فرد جرم عائد نہیں ہوتی۔ یہ تو نقطہ اختلاف ہے رواداری اور نارواداری کا سوال تو اب اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ پہلے اختلاف کا تصور آتا ہے اس کے بعد رواداری کا۔ اگر اختلاف کا وجود ہی نہ ہو تو پھر رواداری کا لفظ بالکل بے معنی ہے۔ اگر کوئی وقت ایسا آیا کہ دنیا کے دو انسانوں میں بھی کوئی اختلاف خیال باقی نہ رہے تو یقیناً یہ لفظ اس دن لغت سے خارج کر دیا جائے گا۔ ورنہ الفاظ مہملہ کی فہرست میں اس کا شمار ہوگا۔ بہرحال مسلمانوں کے متعلق رواداری یا نارواداری کا فیصلہ اُن کے اس اختلاف پر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا وہ نظری اور عملی طور پر اس اختلاف کو مختلف فیہ مسئلہ کے دائرہ اثر ہی تک محدود رکھتے ہیں یا اُس دائرہ سے باہر کے معاملات میں بھی اس اختلاف کو داخل کرتے ہیں! اور یہ کہ کیا وہ اپنے نقطہ نظر کو جبراً دوسروں پر لادنے کی کوشش کرتے ہیں؟ ——— اس سوال کے جواب پر مسلمانوں کی رواداری یا نارواداری کا فیصلہ موقوف ہے

بے شک یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ نجات کا راستہ صرف اسلام ہے۔ اللہ کی کتاب

نے مسلمانوں کو یہی بتلایا ہے۔ اللہ کے رسول نے ان کو یہی سمجھایا ہے اور عقل سے بھی انھوں نے اسی کو صحیح پایا ہے اس میں ان کو ذرہ برابر شک نہیں اور اس میں وہ رتی برابر لچک پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مگر جہاں سے ہم کو یہ تعلیم ملی ہے وہیں سے ہم کو یہ بھی ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ اس معاملہ میں کوئی جبر روا نہیں ہے یہ زبردستی ٹھونسنے اور لادنے کی چیز نہیں ہے بلکہ سراپا محبت اور ہمدردی بن کر سمجھانے اور دل میں اتارنے کی چیز ہے، بیشک اس کو نہ ماننا جرم اور سرکشی اور بغاوت ہے لیکن ہمیں اچھی طرح جتا دیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں ہم خدائی فوجدار نہیں ہیں، یہ معاملہ اس کا اور اس کے بندوں کا ہے۔ اس جرم پر ایکشن لینے کے اختیارات اس نے تمام تر اپنے لئے محفوظ رکھے ہیں، اس لئے کوئی انسان ان اختیارات خصوصی میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے۔ ہمارے لئے اس معاملہ میں آخری بات یہ ہے کہ اگر تمہاری پوری ہمدردانہ کوشش اور برادرانہ تبلیغ کے بعد بھی کوئی اسے نہ مانے تو لکم دینکم ولی دین، کہہ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ہم مان سکتے ہیں کہ کبھی کسی مسلمان سے اس اصول کے خلاف ورزی ہو گئی ہو لیکن اگر اس کا ذمہ دار اسلام کے اس بے لچک عقیدے کو ٹھیرایا جائے تو یہ ایک ایسی بات ہو گی جس کے پاس سوائے منہ زوری کے کسی اور دلیل کی طاقت نہیں۔ اگر یہ بات اس عقیدے کا تقاضہ ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ ظہور اس زمانہ میں ہونا چاہئے تھا جس زمانہ میں مسلمان اپنے عقائد میں ہر زمانہ سے زیادہ پختہ تھے اور دنیا کی ایک عظیم الشان طاقت بن کر ابھر رہے تھے، مگر الحمدللہ ثم الحمدللہ اسلام کا کوئی بدترین دشمن بھی اس دور کی کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

علیٰ ہذا مسلمانوں کو کوئی یہ بھی الزام نہیں دے سکتا کہ انھوں نے اپنے اس عقیدے کے دائرۂ اثر سے باہر بھی اس اختلاف کو روا رکھا ہے۔ اس دائرہ کے اندر تو اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے جس سے کوئی معقول آدمی انکار نہیں کر سکتا، جب ہم نے اس بات کو اچھی طرح جانا اور مانا ہے کہ اسلام ہی کی راہ سے ہمیں نجات حاصل ہو سکتی ہے تو اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ جو خیالات اور اعمال اسلام کو ہم سے مطلوب ہیں ہم انھیں اختیار کریں اور جن خیالات و اعمال کو اسلام پسند نہیں کرتا انھیں ترک کر دیں۔ خواہ اس کا اثر دنیا کی کسی قوم یا کسی مذہب سے کیسے ہی اختلاف کی صورت میں رونما ہو لیکن جن معاملات میں اسلام

نے ہم پر کوئی پابندی عائد نہیں کی اور انھیں ہماری انفرادی یا اجتماعی مصلحت پر چھوڑ دیا ہے کوئی بتلائے کہ مسلمان وہاں بھی اپنے اس دینی اختلاف کو گھسیٹ کرلے جاتے ہیں،

پس ہم نہیں سمجھتے کہ کیوں کر کوئی مسلمانوں پر اور ان کے مذہب پر یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ رواداری کے قائل نہیں ہیں اور دوسرے مذہب اور مذہب والوں کی ان کے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ یہ الزام وہی شخص لگا سکتا ہے جو رواداری کے معنی یہ سمجھتا ہو کہ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط نہ کہا جائے حالانکہ یہ رواداری نہیں ہے بے اصولی اور حقائق سے پہلو تہی ہے ہم نہ خود اس کے لئے تیار ہیں اور نہ دوسروں سے اس کے طلبگار ہیں۔ حقائق سے آنکھیں بند کرانے کی کوشش بالکل غیر فطری اور لاحاصل کوشش ہے، انسان کبھی حقائق سے آنکھیں بند کر کے جی نہیں سکتا اور یا پھر وہ انسان نہیں رہ سکتا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ دنیا اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کرے گی جو دنیاوی معاملات میں حقائق سے چشم پوشی کا مشورہ دینے لگے — کیا اگر کوئی انسان کسی بھیانک غار کے راستہ پر چلا جا رہا ہو تو ہماری رواداری کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہم جانتے بوجھتے خاموش رہیں یا اُس سے کہیں کہ جی ہاں آپ بہت اچھا کر رہے ہیں؟ اگر یہ رواداری نہیں بلکہ انسانیت دشمنی اور سنگدلی ہے اور ہمارا انسانی فریضہ ہے کہ اُسے سیدھی راہ پر لگانے کی اپنی جیسی پوری کوشش کریں، تو پھر آخرت کے معاملہ میں ہمارا یہ رویہ کیسے رواداری اور انسان دوستی ہو سکتا ہے؛ مذہب کی بنیاد تو آخرت کے یقین ہی پر ہے خواہ اس حقیقت کے تصور میں مختلف مذاہب کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، اس لئے انسان دوستی کا یہاں بھی یہ فرض ہے کہ اگر کسی بات میں ایک انسان کو دوسرے انسان کی آخرت کا خسارہ نظر آتا ہو تو وہ از راہ ہمدردی اس سے بچانے کی کوشش کرے۔

لہذا یہ کہنا کہ ہندو مسلم مناقشات کی جڑ اور حکومت کی بے بسی کا سبب مسلمانوں کی نا رواداری ذہنیت ہے بالکل بلکہ ایک فرضی اور بے بنیاد بات ہے، ان جھگڑوں کا تو مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے — وہ جھگڑے جو مذہب کے نام پر تقسیم سے پہلے ہندو مسلمانوں میں ہوتے رہے ہیں، کون نہیں جانتا کہ ان جھگڑوں کی ذمہ داری نہ ہندوؤں کے مذہب پر ہے

نہ مسلمانوں کے مذہب پر، ان کی ذمہ داری تنہا طرفین کی جہالت اور نا سمجھی پر ہے اور یہ جھگڑے جو تقسیم کے بعد ہونے شروع ہوئے اب بہر ہوئے ہیں، ان کو جھگڑا کہنا ہی غلط ہے، یہ تو سراسر یک طرفہ ظلم و زیادتی ہے اور ان کا تعلق مسلمانوں کے اس عقیدے سے جوڑنا کہ "اسلام ہی شاہراہِ نجات ہے" ایک ایسی جسارت ہے جس پر حیرت اور غصہ دونوں بجا ہیں۔ آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثل اس سے زیادہ اور کہاں صادق آئے گی ——

کیا ہم امید کریں کہ ان بے سر و پا الزامات پر انصاف پسند ہندوؤں کی صفوں میں اپنی ذمہ داری محسوس کی جائیگی!

اس طرح کے بیانات پر ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی پریشانی سے فائدہ اٹھا کر ان کی متاعِ ایمانی کی رشوت طلب کی جا رہی ہے گویا مظالم کا سدِ باب اس بات پر موقوف کیا جا رہا ہے کہ مسلمان اسلام کی برتری کے عقیدے سے دستبردار ہو جائیں! —— خدا ہمیں اس ابتلا میں ثابت قدم رکھے!

گذشتہ مہینے خریداران الفرقان کے نام جو گشتی مراسلہ جاری کیا گیا تھا۔ اس پر بمبئی، کاوی (ضلع بھڑوچ) ڈھاکہ، بیگم گنج (ریاست بھوپال) ہالا (ضلع حیدرآباد سندھ) اور حیدرآباد دکن وغیرہ کے بعض معاونین نے خصوصی توجہ فرمائی اور خریداری میں کچھ اضافہ ہوا، ہم ان حضرات کے شکر گذار ہیں اگر دوسرے مقامات کے معاونین بھی کچھ توجہ فرمائیں تو انشاء اللہ مطلوبہ اضافہ بہت بڑی حد تک پورا ہو سکتا ہے۔

مراسلہ میں اعزازی خریداری کے لئے بھی اپیل کی گئی تھی، الحمد للہ اس سلسلہ میں بھی کئی نام آئے ہیں۔ مسئلہ کے حل کا یہ مختصر راستہ ہے، اگر اس میں کچھ اور اضافہ ہو جائے تو الفرقان کی حیات و بقا، کا مسئلہ ایک حد تک آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ —— اعزازی خریداری کے لئے سالانہ چندہ پندرہ روپے تجویز کیا گیا ہے اور عام خریداروں کے مقابلہ میں دو مراعات رکھی گئی ہیں۔ (۱) ایسے حضرات کی خدمت میں جو رسالہ جائے گا اس کا کاغذ اعلیٰ قسم کا ہوگا۔ (۲) ایسے حضرات اپنی طرف سے اپنے کسی دوست یا عزیز کو سال بھر کے لئے ایک رسالہ ہدیۃً جاری کرا سکتے ہیں۔

پاکستانی معاونین سے عرض کیا گیا تھا کہ موجودہ صورت حال کے پیش نظر اپنے چندہ میں عارضی طور پر ایک روپیہ کا رضاکارانہ اضافہ منظور فرمائیں (یعنی چھ روپے سالانہ) کیونکہ کچھ دنوں سے ان کے پانچ کے نوٹ مشکل چار وصول ہوتے ہیں اس سلسلہ میں اکثر خریداروں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ جتنے حضرات کا جواب آیا وہ صدی فی صدی رضامندی کا ہے ہم چاہتے ہیں کہ باقی حضرات بھی خاموشی کے بجائے تحریر سے اپنی رضامندی دیدیں۔ ورنہ آئندہ ماہ یعنی ربیع الاول سے ہم ان کی خاموشی ہی کو رضامندی سمجھ کر باقاعدہ طور پر چندہ چھ روپے کریں گے ہاں چونکہ ہم یہ اضافہ رضاکارانہ چاہتے ہیں اس لئے ایسے تمام حضرات جو عدم استطاعت کی وجہ سے اس اضافہ سے معذور ہوں ہمیں فوری طور پر مطلع فرما دیں۔ ان کے لئے چندہ پانچ ہی روپے رہے گا۔

ناظم الفرقان

قرآنی دعوت

(۱۳)

نبوّت و رسالت :-

قرآن مجید جس نظام زندگی کی انسانوں کو دعوت دیتا ہے، جیسا کہ معلوم ہو چکا اس کی پہلی بنیاد تو یہ ہو کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہے ــــــــ اور دوسری بنیاد یہ ہو کہ آخرت کی زندگی اور وہاں کی جزا سزا پر یقین لایا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل وحکمت اور شانِ حاکمیت کا لازمی تقاضا ہے، اور جس کے بغیر یہ دُنیا ناقص و ناتکمل بلکہ محض عبث اور بے مقصد تماشا ہے ــــــ (ان دونوں بنیادوں کے بارے میں قرآن کریم نے جو کچھ تبلایا ہے ہم اپنے ناظرین کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو پیش کر چکے ہیں)

زندگی کی تیسری اہم اعتقادی بنیاد جس کے ماننے کی قرآن مجید دعوت دیتا ہے، اور جس کو اپنی دینی تعلیم و دعوت کی اصل و اساس ٹھہراتا ہو، یہ ہو کہ رسالت و پیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے، یعنی پہلے تو اس اصولی حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ انسانوں کی ضرورت کے لیے جس طرح اللہ تعالےٰ نے غذا اگانے والی زمین پیدا کی، روشنی اور گرمی پہونچانے والا سورج پیدا کیا، اور ہوا پانی وغیرہ وہ ساری چیزیں پیدا کیں جن کے ہم اس دنیوی زندگی میں محتاج ہیں، اسی طرح اس نے اپنی ذات وصفات کا صحیح علم عام انسانوں تک پہونچانے کے لیے اور اس طریقۂ زندگی کی تعلیم و ہدایت کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مقرر کیا ہے اور جس پر چل کر انسان اللہ کی رضا اور حقیقی نجات و فلاح حاصل کر سکتا ہے، اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمایا، اور ہر زمانہ اور دنیا کے ہر خطہ میں اُس کی ضرورت اور تقاضے کے مطابق نبی اور رسول بھیجے، یہ سب اللہ کے پیارے اور برگزیدہ

بندے تھے اور اپنے اپنے وقت میں جو ہدایت و تعلیم انھوں نے دنیا کو دی وہ بلاشبہ خدا کی سچی تعلیم تھی۔
الغرض قرآن مجید پورے زور اور اصرار کے ساتھ اس کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ کے سب پیغمبروں پر (خواہ وہ کسی زمانے، کسی ملک اور کسی قوم میں آئے ہوں) بلا تفریق ایمان لایا جائے، سب کی سچائی اور پاکبازی کی شہادت دی جائے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ میں سب کو واجب الاطاعت مانا جائے۔

اسی کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا دور ختم ہو چکا، اب دنیا کے اس دور کے لیے اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد عربی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ ــــ نیز قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی اعلان کرتا ہو کہ جو ہدایت و تعلیم لے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہو وہ اگلے نبیوں رسولوں کی اُن ساری تعلیمات پر حاوی ہو جو عارضی اور وقتی نہ تھیں۔ بلکہ پچھلے پیغمبروں کی محکم تعلیمات کا مستند اور قابلِ اعتماد مجموعہ اب آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی لائی ہوئی کتاب مبین ہے، اس لیے آپ کا اتباع اللہ کے سارے پیغمبروں کا اتباع ہے اور آپ کا انکار سارے نبیوں رسولوں کا انکار ہو
پھر قرآن کریم یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ہماری طرف سے جو جامع ہدایت و تعلیم لے کر آپ آئے ہیں وہ ایسی کامل و مکمل ہو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اب یہی کافی و وافی ہو اور ہر قسم کی تحریف اور ملاوٹ کے اندیشہ سے اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم نے کر دیا ہے، اور اسی لیے نبوت و رسالت کے اس سلسلہ کو جو ابتدا دنیا سے چلا آرہا تھا اب رسالتِ محمدی پر ختم کر دیا گیا ہے، اور یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نبی کامل ہونے کے ساتھ اس مقدس سلسلہ کے خاتم بھی ہیں۔

یہ ہو نبوت و رسالت کے بارے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل، اب اس کے تمام اجزا اور عناصر کو قرآن مجید کی آیات میں پڑھیے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا — اور ہم نے بھیجے ہیں ہر قوم میں رسول۔
(النحل ع ۵)

اور سورۂ نساء میں اگلے زمانوں کے چند خاص خاص رسولوں کا نام بنام تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ — اور ہم نے انسانوں کی طرف اور بھی

مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط (النساء ع ۲۳)

بہت سے وہ رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ کو پہلے بتایا ہو۔ اور بہت سے رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

اور اسی رکوع میں چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

پس تم اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔

جو لوگ بلا تفریق اللہ اور اس کے سب رسولوں کو نہ مانیں، بلکہ ان میں تفریق کریں، مثلاً اس طرح کہ خدا پر ایمان لانے کا تو اقرار اور دعویٰ کریں اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں، یا بعض رسولوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں، تو قرآن کہتا ہے کہ ان کا یہ جزوی اقرار اور ایمان قطعاً معتبر نہیں، بلکہ جب تک یہ سب کو نہ مانیں اس وقت تک کافر ہیں۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ

جو لوگ اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ (بعض کو مان کے اور بعض کا انکار کر کے) اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں اور (اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو ہم نہیں مانتے، اور وہ (اپنے اس طرز عمل سے) ایمان اور کفر کے درمیان کی ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں (کہ نہ سب پر ایمان ہو اور نہ سب کا انکار ہو) تو ایسے لوگ قطعاً و یقیناً کافر ہیں اور ہم نے ایسے کافروں کے لیے سخت رسوا کن عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ کو اور اس کے

يُؤْتِيْهِمْ اَجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النساء ع ۲۱)

سب رسولوں کو مانتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (وہی سچے مومن ہیں) ان کو اللہ پورے پورے ثواب دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، جب بھی آئے اور جس ملک اور جس قوم میں بھی آئے سب واجب الاطاعت تھے۔ اور ان کے حکموں پر چلنا ان لوگوں پر فرض تھا جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ع ۹)

اور جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجے، اسی لیے بھیجے کہ بحکم خداوندی اُن کی اطاعت کی جائے۔

دوسری جگہ فرمایا کہ نبی و رسول کی اطاعت دراصل خدا کی ہی اطاعت ہو، کیونکہ انبیاء و رسل جو احکام دیتے ہیں وہ ان کے اپنے احکام نہیں ہوتے بلکہ خدا کے احکام ہوتے ہیں۔ جن کو وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہونچاتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء ع ۱۱)

جسنے خدا کے رسول کی فرمانبرداری کی اسنے دراصل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو۔ اسی طرح رسول کی نافرمانی اور مخالفت دراصل خدا کی نافرمانی اور اس کے خلاف بغاوت ہو۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں جابجا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے اس کی سخت سزا اور پاداش سے ڈرایا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال ع ۲)

اور جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی تو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہو۔

اور سورۂ طلاق میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ

اور بہت سی بستیاں تھیں جنھوں نے

اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا	اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں
حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا	سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا بڑا سخت
عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ	محاسبہ کیا اور ان کو ہم نے بھاری عذاب
اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا	کی سزا دی۔ غرض انھوں نے اپنے اعمال
خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا	کا وبال چکھا اور ان کے اعمال کا انجام
شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي	خسارہ اور ٹوٹا ہی رہا، (یہ تو دنیا میں
الْاَلْبَابِ ۝	ان کے ساتھ ہو چکا اور آخرت کا) سخت
(الطلاق ع ۲)	ترین عذاب اللہ نے ان کے واسطے

تیار کر رکھا ہے۔ پس اے عقل و خرد والو اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرو۔

یہ تو پورے سلسلۂ نبوت کو ماننے اور سب نبیوں رسولوں پر ایمان لانے کے بارہ میں قرآن مجید کا اصولی مطالبہ اور اس کے متعلق تنبیہات تھے۔ پھر خاص اس دور کے لیے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اس کی خاص نوعیت کا اعلان کرتے ہوئے سورۂ فتح میں فرمایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہی اللہ ہو کہ اس نے اپنے رسول کو
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	کامل ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ	ہو تاکہ وہ اس کو سب دینوں کے اوپر
شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	کر دے اور اللہ اس حقیقت کا کافی
(الفتح ع ۴)	گواہ ہو (اور چشم بینا رکھنے والوں کیلئے

اس کی یہ گواہی ظاہر باہر ہے) الغرض اب) محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور سورۂ مائدہ میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی نبوت و رسالت اور توراۃ و انجیل کی تنزیل کا ذکر فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی خصوصیت اور اس کی امتیازی نوعیت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	اور اب ہم نے اپنی یہ کتاب آپ کی
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ	طرف حقانیت اور سچائی کے ساتھ اتاری ہے

يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ	جو ہماری پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی
مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ،	ہے۔ اور ان کی نگراں اور محافظ بھی ہے۔
(المائدہ ع ۷)	(یعنی پہلے نازل ہونے والی سب آسمانی

کتابوں کی محکم تعلیم اور اُن کا جوہر اس میں شامل کرکے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے، گویا اگلے پیغمبروں کی محکم تعلیم کی اصل کاپی بھی اب یہی الکتاب (قرآن) ہے)۔

اور سورۂ اعراف میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ پوری انسانی دنیا کو پیغام دیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي	کہو کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم
رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي	سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں،
لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	وہ خدا جس کی بادشاہی ہے آسمانوں
لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ	میں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی
فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ	بندگی کے لائق نہیں، وہی سب کو زندگی
الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ	اور موت دیتا ہے، پس تم اللہ پر ایمان
وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ	لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمی پر جو خود
تَهْتَدُونَ ٥	بھی اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر
(الاعراف ع ۲۰)	(یعنی اس کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر)

ایمان رکھتا ہے، اور تم اس کی پیروی اختیار کرو، تاکہ تم اللہ کی ہدایت حاصل کرسکو (جو اب صرف اس نبی اُمی کی پیروی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے)

اور سورۂ سبا میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ پوری انسانی دنیا کی رہنمائی اور زندگی کے اچھے بُرے انجام سے ان کو خبردار کرنا آپ ہی کے ذمہ ہے اور ہم نے اسی واسطے آپ کو بھیجا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً	اور ہم نے آپ کو تمام نسلِ انسانی کے
لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا ٥	لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، (اور اب

(سبا ع ۴) آپ ہی سے یہ کام لیا جاتا ہے)

اور سورۂ آل عمران میں آپ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کو سنا دیجیے اور بتا دیجئے کہ اب اس دور میں جو بھی خدا کا طالب ہو اور اس کی بخشش اور محبت سے حصہ لینا چاہے اس کے لیے اللہ کی بخشش اور محبت حاصل کر سکنے کی راہ صرف یہی ہو کہ وہ میری پیروی کرے۔ یعنی اُس شریعت اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس دور کے لیے مقرر فرمایا ہو۔ اور میرے ذریعہ بھیجا ہے۔ اب جو بھی اس صراط مستقیم سے ہٹ کر چلے گا وہ خدا کا مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا۔ اور اللہ کی محبت و عنایت اور نجات سے محروم رہے گا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران ع ۴)

آپ اعلان کر دیجیے کہ (اے خدا طلبی کے مدعیو) اگر تم فی الحقیقت خدا کو چاہتے ہو، تو (اب اس کی راہ یہی ہو کہ) میری پیروی اختیار کرو اور میرے بتلائے راستہ پر چلو۔ (اگر تم ایسا کرو گے) تو اللہ کا پیار تم کو نصیب ہوگا۔ اور وہ تمھارے گناہ قصور بخش دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہو، آپ صاف صاف (ان سے) کہہ دیجئے (کہ راستہ صرف یہی ہو کہ) اللہ کی اور پیغمبرِ وقت کی (یعنی میری) فرمانبرداری کرو۔ پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو (پھر سنۃ اللہ اور قانونِ خداوندی یہ ہو کہ) منکروں اور نہ ماننے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا اور اُن کو نہیں چاہتا۔

اور سورۂ احزاب میں اعلان فرمایا گیا کہ سلسلۂ نبوت آپ پر ختم کر دیا گیا ہو، آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں، اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا۔ جس کا بدیہی نتیجہ اور تقاضا یہی ہو کہ بعثت محمدی کے بعد اس دنیا میں پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے اب آپ ہی کی ہدایت و تعلیم حکم نامۂ خداوندی ہو۔

..... وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ ..... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے

خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝	رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم بھی ہیں (اب ان کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں
(احزاب ع ۵)	بھیجا جائے گا) اور اللہ سب چیزوں کا

پورا علم رکھتا ہے۔

ان آیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، اس کی عمومیت اور آپ کی خاتمیت کے بارہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، دنیا کے واقعات نے بھی اس کی پوری پوری تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اس دنیا میں حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ، داؤد و سلیمانؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور ان کے علاوہ بھی کسی ملک اور کسی قوم میں آنے والے کسی ہادی اور مصلح کو جن اوصاف و خصوصیات اور جس قسم کے شواہد و دلائل کی وجہ سے خدا کا پیغمبر مانا گیا ہو، واقعات کی یہ دنیا گواہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ ہستی ان تمام اوصاف و کمالات کی جامع اور ان سب شواہد و دلائل کی حامل تھی، اور یہ حقیقت اتنی روشن ہے کہ تیرہ صدی گزرنے کے بعد آج بھی جس میں سچی طلب اور انصاف ہو وہ اس بارہ میں غور و فکر کر کے پورا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو ہدایت و تعلیم آپ لے کر آئے جو بلا شک و شبہ جوں کی توں محفوظ ہے، وہ اپنی کمال جامعیت و اعتدال کی وجہ سے خود اس کا ثبوت ہے کہ یہ پوری انسانی دنیا کیلئے ہے اور تمام اقوام عالم کے لیے یہی خدا کا مقرر کیا ہوا ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔

پھر تیرہ صدی سے زیادہ مدت گذر جانے کے باوجود دنیا کے کسی حصے سے بھی کسی ایسی ہستی کا نہ اٹھنا جس کو خدا کا نبی و رسول مانا جا سکے اور اس دور میں دنیا کی ارتقائی رفتار کے تیز سے تیز ہونے کے باوجود آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انسانوں کی دینی و روحانی ہدایت کے لیے اسی طرح کافی ہونا جس طرح کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے انسانوں کی ہدایت کے لیے وہ کافی تھی، اس حقیقت کا نہایت ہی روشن واقعاتی ثبوت ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے اور نبیوں رسولوں کو بھیجنے والے خالق و مالک نے سلسلۂ نبوت کو آپ پر ختم کر دیا ہے۔ اور اب آپ ہی کا دور دورہ ہے اور آپ ہی کی تعلیم و ہدایت تمام اقوام عالم کے لیے خدائی تعلیم و ہدایت ہے، اور آپ ہی کی پیروی سے اب خدا کی رضا اور رحمت کو پایا جا سکتا ہے۔

اللہ کے جن بندوں نے ابھی تک ان کھلی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے کاش وہ صاف ذہن اور نیک نیتی کے ساتھ غور کریں اور اس دور کی خدائی تعلیم و ہدایت کو اپنا کر خدا کے ساتھ بندگی کے اپنے تعلق کو صحیح کریں۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فقر پسندی

(۶۲) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان ورواہ ابن ماجہ عن ابی سعید)

(**ترجمہ**) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی وشعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے)

(**تشریح**) اسی سلسلہ میں پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیش کش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لیے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے تو آپ نے عرض کیا کہ نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لیے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام د

منصب تھا اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لیے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی — اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لیے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر سے بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے، اگرچہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ دولتمندی اور خوشحالی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

(۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَّ فِیْ رِوَایَةٍ کَفَافًا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ محمد کے متعلقین کی روزی بس بقدرِ کفاف ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور متبعین کے لیے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں۔ اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے۔ قُوْت اور کَفَاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشاں حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیے جا سکیں اور دستِ سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لیے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے — احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی طرح گزری۔

(۶۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضور اس دنیا سے اُٹھا لیے گئے۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضور کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے

دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو، اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۶) عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) سعید مقبری حضرت ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور ان کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، ان لوگوں نے حضرت ابوہریرہ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لیے اس کھانے میں کیا مزہ ہے جبکہ مجھے معلوم ہو کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

(۶۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَا لِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَاْكُلُهٗ ذُوْ كَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال کے لیے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے، بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں چھپا رکھا تھا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سبق دینے کے لیے یہ آپ بیتی سنائی کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہونچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گزرنا

پڑا ہو، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گزرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینے کے تیس دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی بجز اسکے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ چھپا رکھا تھا، پورے مہینے مجھے اور بلال کو اسی پر گزارہ کرنا پڑا۔

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ اُخْتِي اِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَى الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ فِي اَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتِ الْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْرَانٌ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِيْنَاهُ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ سے روایت ہو کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا، میرے بھانجے! (ہم اہلبیت نبوت اس طرح گزارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے یعنی کامل دو دو مہینے گزر جاتے تھے اور حضور کے گھروں میں چولھا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں)، میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی، (ان ہی پر ہم جیتے تھے) ___ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے وہ آپکے لیے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ تنگی اور ناداری اسقدر تھی کہ حضور کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولھا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور کے لیے دودھ آتا تو وہ بیٹیوں میں پہونچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

(۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ

عَشَاءُهُمْ خُبْزُ الشَّعِيرِ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو ان کا رات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

(۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔ اس حساب سے ۳۰ صاع جو قریب ڈھائی من کے ہوئے ــــ حدیث کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ حضور کی حیاتِ مبارکہ کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گزارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف ۳۰ صاع جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لیے تھے۔

فائدہ۔ مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لیے جا سکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہلِ محبت اور نیازمندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعہ آپ کی خدمت کرنا چاہتے۔ اور اس سے ان پر بار پڑتا۔ نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے کہ آپ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو دین کی جو دولت ملی اُس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر دنیوی فائدہ بھی اُن سے اٹھائیں، اس لیے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں اور ایمان اور رضاءِ الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں ـــــ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے۔ مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضے کو آیا تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لیے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اس نے کہا کہ میں تو بغیر لیے نہیں جاؤں گا، چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی اور حضور نے اس دوران میں اس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشا، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں اور وہ نہیں ٹلا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے چپکے چپکے اُس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سُن کر ان صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لیے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو توراۃ میں آخری زمانہ میں آنے والے پیغمبر کے بیان کیے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں اس کے بعد اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضور کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا " ھٰذا مالی فاحکم فیہ بما اراک اللّٰہ" یہ میرا سارا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارہ میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں ـــــ (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۱۷) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا ھُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالِ حَصِیْرٍ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ

بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پٹھوں سے بُنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں اور اس کے اور آپکے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیے ہیں، اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں، آپ نے فرمایا، اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کیے گئے ہیں اور اس لیے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں، اور ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اُن کے لیے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لیے آخرت کا عیش۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اُس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دُکھا اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضور کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لیے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے اس لیے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لیے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں، اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال

بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اس گزارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو!۔۔۔ روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں ان کا معاملہ تو یہ ہو کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے، اس لیے اللہ تعالےٰ جو کچھ عیش و راحت اِن کو دینا چاہتا تھا، وہ اِسی دنیا میں دے دیا گیا ہے، ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر للچانا اور اُس کی حرص کرنا حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہو: تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہیے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام!

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

تعلیم وتکمیل

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی ولادت ۴۷۰ھ [1] میں ہوئی۔ آپ کا نسب بطون کے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، ۱۸ سال کی عمر میں غالباً ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے اور پوری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ عبادت و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں قناعت و زہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اُس کے باکمال اُستادوں اور صاحبِ فن عالموں سے حاصل کیا۔ اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی، آپ کے اساتذہ میں ابوالوفاء ابن عقیل محمد بن الحسن الباقلانی اور ابو زکریا تبریزی جیسے نامور علماء و ائمہ فن کا نام نظر آتا ہے۔ طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی، اور قاضی ابوسعید مخرمی سے تکمیل کی اور اجازت حاصل کی۔[2]

اِصلاح وارشاد اور رجوع عام

ظاہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے، مسندِ درس اور مسندِ ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ اپنے اُستاد و شیخ، شیخ مخرمی کے مدرسہ میں تدریس و وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد مدرسہ کی توسیع کی ضرورت پیش آگئی۔ مخلصین نے عمارت میں اضافہ کر کے اس کو آپ کی مجالس کے اہل بنا دیا۔ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی، سارا بغداد آپ کے مواعظ پر ٹوٹ پڑا۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں

---

[1] المنتظم (ابن جوزی) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ذیل طبقات الحنابلہ (ابن رجب)

[2] تفصیل کے لیے ماخذ ذیل طبقات الحنابلہ لابن رجب۔

کو نصیب نہیں، شیخ موفق الدین ابن قدامہ صاحب مغنی کہتے ہیں کہ "میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء و فقہا کا کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو دواتیں شمار کی گئی ہیں جو آپ کے ارشادات قلمبند کرنے کے لیے لائی جاتیں۔

محامد و اخلاق باایں رفعت و منزلت حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ایک بچہ اور ایک لڑکی بھی بات کرنے لگتی تو کھڑے ہو کر سنتے اور اُس کا کام کرتے غریبوں اور فقراء کے پاس بیٹھتے، ان کے کپڑوں کو صاف کرتے، جوں نکالتے، لیکن اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکان سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے[1] خلیفہ کی آمد ہوتی تو قصداً دولت خانہ میں تشریف لے جاتے۔ یہاں تک کہ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا پھر برآمد ہوتے، تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے۔[2] کبھی کسی وزیر یا سلطان کے دروازہ نہیں گئے[3]

آپ کے دیکھنے والے اور آپ کے معاصرین آپ کے حسن اخلاق، علو حوصلہ، تواضع و انکسار، سخاوت و ایثار، اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ایک بزرگ (حرادہ) جنھوں نے بڑی طویل عمر پائی اور بہت سے بزرگوں اور ناموروں کو دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی فرماتے ہیں:-

ما رأت عيناي احسن خلقا ولا	میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر
اوسع صدراً ولا اكرم نفساً ولا	سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ،
الطف قلباً ولا احفظ عهداً	کریم النفس، رقیق القلب، محبت اور
وودّاً من سيّدنا الشيخ عبدالقادر	تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا،
ولقد كان مع جلالة قدره و	آپ اپنی عظمت، اور علو مرتبت، اور
علو منزلته وسعة علمه يقف	وسعت علم کے باوجود، چھوٹے کی رعایت
مع الصغير ويوقّر الكبير ويبدأ	فرماتے، بڑے کی توقیر کرتے، سلام میں

---

[1] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۷ ۔ [2] ایضاً ص ۱۲۸ ۔ [3] ایضاً ص ۱۲۷

عربی	اردو
بالسلام ویجالس الضعفاء و	سبقت فرماتے، کمزوروں کے پاس
یتواضع للفقراء وما قام	اٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے ساتھ تواضع و
لاحد من العظماء ولا	انکساری سے پیش آتے، حالانکہ آپ
الاعیان ولا آتى بباب	کسی سربرآوردہ یا رئیس کے لیے تعظیماً
وزیر ولا سلطان ۱ه	کھڑے نہیں ہوئے، اور نہ کسی وزیر یا
	حاکم کے دروازے پر گئے۔

الامام الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں:۔

عربی	اردو
کان مجاب الدعوة، سریع	آپ مستجاب الدعوات تھے، (اگر کوئی
الدمعة، دائم الذکر	عبرت اور رقت کی بات کی جاتی) تو جلدی
کثیر الفکر، رقیق القلب	آنکھوں میں آنسو آجاتے، ہمیشہ ذکر و فکر
دائم البشر، کریم النفس	میں مشغول رہتے۔ بڑے رقیق القلب تھے
سخی الید، غزیر العلم	خندہ پیشانی شگفتہ رو، کریم النفس،
شریف الاخلاق، طیب الاعراق	فراخ دست، وسیع العلم، بلند اخلاق،
مع قدم راسخ فی العبادة	عالی نسب، عبادات و مجاہدات میں آپ کا
والاجتهاد ۲ه	پایہ بلند تھا۔

مفتیٔ عراق محی الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد البغدادی لکھتے ہیں:۔

عربی	اردو
ابعد الناس عن الفحش	غیر مہذب بات سے انتہائی دور، حق
اقرب الناس الی الحق	اور معقول بات سے بہت قریب، اگر
شدید البأس اذا انتهکت	احکام خداوندی اور حدود الٰہی میں سے
محارم اللہ عزوجل لایغضب	کسی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو جلال
لنفسه ولا ینتصر لغیر ربه	آجاتا، خود اپنے معاملہ میں کبھی غصہ

۱ه، ۲ه قلائد الجواهر ص۹

نہ آتا، اور اللہ عزوجل کے علاوہ کسی چیز
کے لیے انتقام نہ لیتے، کسی سائل کو خالی
ہاتھ واپس نہ کرتے۔ خواہ بدن کا کپڑا ہی
کیوں نہ اتار کر دینا پڑے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت مندوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا خاص ذوق تھا، علامہ ابن النجار آپ سے نقل کرتے ہیں کہ "اگر ساری دنیا کی (دولت) میرے قبضہ میں ہو تو میں بھوکوں کو کھانا کھلا دوں۔" یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری ہتھیلی میں سوراخ ہو، کوئی چیز اس میں ٹھہرتی نہیں، اگر ہزار دینار میرے پاس آئیں تو رات نہ گزرنے پائے[1]، صاحب قلائد الجواہر لکھتے ہیں کہ "حکم تھا کہ رات کو وسیع دسترخوان بچھے۔ خود مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے، طلبہ کی باتوں کو برداشت کرتے اور تحمل فرماتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی ان کا مقرب اور ان کے یہاں معزز نہیں، ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس کا حال دریافت فرماتے اور اس کی فکر رکھتے۔ تعلقات کا بڑا پاس اور لحاظ تھا، غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرتے اگر کوئی کسی بات پر قسم کھا لیتا تو اس کو مان لیتے اور جو کچھ حقیقت حال جانتے تھے اس کا اخفا فرماتے[2]

مُردہ دلوں کی مسیحائی سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ[3]، اور امام ابن تیمیہؒ[4] کا قول ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کے لیے ایک بادِ بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں ایک نئی جان ڈال دی، اور عالم اسلام میں ایمان اور روحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی، شیخ عمر کیمیانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں۔ اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف

---

[1]، [2] قلائد الجواہر ص۹ [3] ذیل طبقات الحنابلہ ابن رجب [4] جلاء العینین ص۱۳۰۔

نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں[۱]۔

جبائی کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے[۲]۔

مورخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ حضرت کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا اور بکثرت یہودی، عیسائی اور اہل ذمہ مسلمان ہوئے[۳]۔

تعلیمی مشاغل و خدمات اعلیٰ مراتب ولایت پر فائز ہونے اور نفوس و اخلاق کی اصلاح و تربیت میں ہمہ تن مشغول ہونے کے ساتھ آپ درس و تدریس، افتاء اور تصحیح اعتقاد اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت سے غافل نہ تھے، عقائد و اصول میں امام احمد اور محدثین کے مسلک پر تھے، مذہب اہل سنت اور سلف کے مسلک کو آپ سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اور اُس کے مقابلہ میں اعتقادی و عملی بدعات کا بازار سرد ہو گیا، ابن السمعانی کہتے ہیں کہ متبعین سنت کی شان آپ کی وجہ سے بڑھ گئی اور اُن کا پلڑا بھاری ہو گیا۔

مدرسہ میں ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک اختلافات ائمہ اور اُن کے دلائل کا پڑھاتے تھے۔ صبح شام تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب ائمہ، اصول فقہ اور نحو کے اسباق ہوتے۔ ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم ہوتی، اس کے علاوہ افتاء کی مشغولیت تھی۔ بالعموم مذہب شافعی اور مذہب حنبلی کے مطابق فتویٰ دیتے، علماء عراق آپ کے فتاویٰ سے بڑے متعجب ہوتے اور بڑی تعریف کرتے[۴]۔

ایک مرتبہ استفتا آیا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں عبادت کے وقت کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، اگر اُس نے قسم پوری نہیں کی تو اُس کی بیوی کو تین طلاق، علماء یہ استفسار سن کر حیرت میں پڑ گئے۔ کہ ایسی کون سی عبادت ہو سکتی ہو جس میں وہ بالکل

---

[۱] [۲] [۳] قلائد الجواہر و مختلف کتب تذکرہ [۴] [۵] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۶۔

تنہا ہو اور روئے زمین پر کوئی شخص بھی اس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو، حضرت شیخ رح کے پاس استفتار آیا تو بے تکلف فرمایا کہ مطاف اس کے لیے خالی کر دیا جائے اور ایک ہفتہ وہ تنہا طواف کرے۔ علمار نے یہ جواب سن کر بے ساختہ داد تحسین دی۔ اور کہا کہ یہی ایک صورت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے عبادت کرے اور اپنی قسم پوری کرے، اس لیے کہ طواف بیت اللہ پر موقوف ہے۔ اور مطاف اس شخص کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے، اب اس عبادت میں کہیں بھی شرکت کا امکان نہیں۔[1]

استقامت و تحقیق حضرت شیخ استقامت کا پہاڑ تھے، اتباع کامل، علم راسخ اور تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہونچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہو گیا تھا، آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو گئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لیے تغیر و تبدل کا امکان نہیں، جو اس کے خلاف دعوےٰ کرے وہ شیطان ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایک بڑی عظیم الشان روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے، اُس سے ایک صورت ظاہر ہوئی اُس نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ اے عبدالقادر! میں تمھارا رب ہوں، میں نے تمھارے لیے سب محرمات حلال کر دیے، میں نے کہا دور ہو مردار! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت سے بدل گئی اور وہ صورت دھواں بن گئی، اور ایک آواز آئی کہ عبدالقادر خدا نے تم کو تمھارے علم و تفقہ کی وجہ سے بچا لیا ورنہ اس طرح میں ستر صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے کہا کہ اللہ کی مہربانی ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ سمجھے کیسے کہ یہ شیطان ہے، فرمایا اس کے کہنے سے کہ میں نے حرام چیزوں کو تمھارے لیے حلال کر دیا۔[2]

یہ بھی آپ کا ارشاد ہو کہ اگر حدود الٰہی (احکام شرعی) میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے، فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو، اس کو مضبوط تھام لو نفس کی خواہشات کو جواب دو اس لیے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی باطل ہے۔[3]

---

[1] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج۱ ص ۱۲۷ و طبقات الحنابلہ ابن رجب [2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج۱ ص۱۲۷ و طبقات الحنابلہ ابن رجب [3] ایضاً ج۱ ص۱۲۷۔

تفویض و توحید تسلیم و تفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا کبھی کبھی تعلیماً اس حال اور مقام کی تشریح فرماتے تھے، وہ در اصل آپ کا حال ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"جب بندہ کسی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے تو پہلے وہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں سے اوروں سے مدد مانگتا ہے، مثلاً بادشاہوں یا حاکموں یا دُنیا داروں یا امیروں سے، اور درد دکھ میں طبیبوں سے، جب ان سے بھی کام نہیں نکلتا اس وقت اپنے پروردگار کی طرف دعا اور گریہ وزاری و حمد و ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے، (یعنی) جب تک اپنے نفس سے مدد مل جاتی ہے خلق سے رجوع نہیں کرتا اور جب تک خلقِ خدا سے مدد مل جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، پھر جب خدا کی طرف سے بھی کوئی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کے ہاتھوں میں آ رہتا ہے۔ اور ہمیشہ سوال و دعا اور گریہ وزاری اور ستائش و اظہار حاجت مندی امید و بیم کے ساتھ کیا کرتا ہے، پھر خدا اس کو دعا سے بھی تھکا دیتا ہے، اور قبول نہیں کرتا یہاں تک کہ کل اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سب) سے علیٰحدہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس میں (احکام) قضاء و قدر کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر (خدا اپنا) کام کرتا ہے، تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے، اور روحِ صرف رہ جاتا ہے، اسے فعلِ حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہو جاتا ہے، قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی کچھ کرنے والا ہے اور نہ حرکت و سکون دینے والا، نہ اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی اور برائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت، غنا و فقر ہے، اس وقت (احکام قضا و قدر میں) بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے شیر خوار بچہ دایہ کی گود میں، یا مردہ غسال کے ہاتھ میں یا (پولو کا) گیند سوار کے قبضہ میں کہ الٹا پلٹا جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت

نہیں، نہ اپنے لیے، نہ کسی اور کے لیے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس سے غائب ہوجاتا ہے اور اپنے مالک اور اُس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا، اگر دیکھتا ہے تو اس کی صنعت اور اگر سنتا ہے تو اسی کا کلام اس کے علم سے (ہر چیز کو) جانتا ہے اُس کی نعمت سے لُطف اٹھاتا ہے، اُس کے قُرب سے سعادت پاتا ہے اُس کی تقریب (جاذبہ) سے آراستہ پیراستہ ہوتا ہے' اُس کے وعدہ سے خوش ہوتا ہے سکون پاتا اور اطمینان حاصل کرتا ہے اُس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے غیر سے وحشت و نفرت کرتا ہے، اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا اور جی لگاتا ہے اُس کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے، اُس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا اور اُس کا خرقہ و لباس پہنتا ہے، اُس کے علوم عجیب و نادرہ پر مطلع ہوتا ہے اُس کی قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے، اُس کی ذات پاک سے (ہر بات) سنتا اور اُسے یاد رکھتا ہے، پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثنا و شکر و سپاس کرتا ہے"[1]

خلق خدا پر شفقت عامۃ الناس اور اُمت محمدیہ کے ساتھ آپ کو جو تعلق، جو فکر اور اُس کے حال پر جو شفقت تھی، اور جو نائبین رسولؐ اور مقبولین کی خاص علامت ہے، اُس کا اندازہ آپ کی اس تقریر سے ہو سکتا ہو جس میں آپ نے بازار میں جانے والوں کے احوال و مراتب بیان کیے ہیں اُن میں آخری مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور دراصل "حدیث دیگراں" میں اپنا ہی حال و مقام بیان کرتے ہیں :۔

"اور پانچواں وہ شخص ہے کہ جب بازار میں داخل ہوتا ہے تو اللہ سے اس کا دل بھر جاتا ہے ان لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے اور یہ رحمت اُسے کچھ دیکھنے ہی نہیں دیتی کہ ان لوگوں کے پاس کیا کچھ ہے وہ تو اپنے داخلہ کے وقت سے باہر نکلنے کے وقت تک بازار والوں کے لیے دعا و استغفار و شفاعت میں اور اُن پر رحمت و شفقت میں مشغول رہتا ہے اس کا دل ان لوگوں کے لیے اُن کے حال پر جلتا رہتا ہو

[1] فتوح الغیب مقالہ (۲۰) ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوروی (رموز الغیب ص ۱۳۲،۱۳۱)

اور آنکھیں روتی رہتی ہیں اور زبان اُن نعمتوں پر جو خدا نے اُن لوگوں کو اپنے فضل سے دی ہیں خدا کا شکر اور اُس کی حمد و ثنا کرتی رہتی ہے۔[۱]

مواعظ و خطبات حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے، فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے مضامین اور آپ کی مجالس وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں، ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین و مخاطبین کے حالات و ضروریات کے مطابق ہوتے تھے، عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے اُنھیں کا ازالہ کیا جاتا تھا اسی لیے حاضرین آپکے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم، اپنے مرض کی دوا اور اپنے سوالات و شبہات کا جواب پاتے تھے اور تاثیر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ تھی، پھر آپ زبانِ مبارک سے جو فرماتے تھے وہ دل سے نکلتا تھا اس لیے دل پر اثر کرتا تھا، آپکے کلام میں بیک وقت شوکت و عظمت بھی ہے اور دل آویزی اور حلاوت بھی، اور "صدیقین" کے کلام کی یہی شان ہو۔

توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقتی اس وقت ایک عالم کا عالم اہلِ حکومت اور اہل دولت کے دامن سے وابستہ تھا، لوگوں نے مختلف انسانوں اور مختلف ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک سمجھ لیا تھا، اسباب کو ارباب کا درجہ دے دیا گیا تھا اور قضا و قدر کو بھی اپنے جیسے انسانوں سے متعلق سمجھ لیا گیا تھا، ایک ایسی فضا میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:۔

"کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ ایک بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب و داب دل ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اُس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر

---

[۱] فتوح الغیب مقالہ ۷۰، ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کارکوروی (رموز الغیب) ص۱۶۵

کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، تھاہ بہت گہری، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہونچنا مشکل ہو تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پیکاں، نیزہ و کمان اور ہر طرح کے اسلحہ کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہو اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہو تو کیا یہ تماشا دیکھنے والے کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر ہٹالے اور اس سے خوف و امید ترک کرے اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید و بیم رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے؟ خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی اور وصول کے بعد جدائی، اور قرب و ترقی کے بعد تنزل، اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے[1]۔

ایک دوسری مجلس میں توحید و اخلاص اور ماسوی اللہ سے انقطاع کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:۔

"اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمھارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا تم کو تمھاری سڑاہند اور بدبو اور پست ہمتی اور نفس بدکار و رفیقان گمراہ و گمراہ کن سے نجات دیگا جو شیاطین خواہشیں اور تمھارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے رہزن اور تم کو ہر نفیس اور ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ .... کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے، اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان

---

[1] رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب (مقالہ ۱۰)

گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے اور اُسی کی طرف سے اُس کا صدور ہوتا ہے[1]

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف بیان فرماتے ہیں:۔

ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، بس حق تعالیٰ اس کو اُن کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے (اس کے خلاف نہیں ہو سکتا) جو موحد اور نیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں (گو دولتمند ہیں مگر) حق تعالیٰ اُن کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہوا اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ما سوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں[2]

معبودانِ باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"آج تو اعتماد کر رہا ہو اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت پر، اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے"[3]

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکا سے نفرت، اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب و ضائع

---

[1] رموز الغیب مقالہ (۶۲)　[2] فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مجلس ۱۳　[3] فیوض یزدانی مجلس ۲۰

ہو جانے کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

"تم اکثر کتنے ہوگئے اور کھوگئے ہیں جس سے محبت کرتا ہوں اس سے میری محبت رہنے نہیں باقی اور رخنہ پڑجاتا ہے، یا تو جدائی ہوجاتی ہے یا وہ مرجاتا ہے یا رنجش ہوجاتی ہے اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہوجاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے، اے وہ کہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس کے لئے اور جس پر خدا کو غیرت آتی ہے، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ "وہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے" اور یہ ارشاد کہ "میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اُسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اُسے رکھ چھوڑتا ہے" عرض کیا گیا یا رسول اللہ رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اُس کے مال و اولاد کو باقی نہیں رکھتا، اور یہ معاملت اس لئے ہے کہ جب مال و اولاد ہوں گے تو اُسے اُنکی محبت بھی رہے گی اور خدا سے جو محبت اُسے ہے متفرق اور ناقص اور تقسیم ہو کر حق اور غیر حق میں مشترک ہو جائے گی اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا۔ وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب زبردست تو وہ اپنے شریک کو ہلاک و معدوم کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے بندہ کے دل کو خالص کرلے خاص اپنے لئے بغیر کسی شریک کے، اس وقت اُس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ "وہ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ لوگ اُسے"۔ یہاں تک کہ دل جب خدا کے ان مصنوعی شریکوں اور برابری کرنیوالوں سے جو اہل وعیال، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں نیز ولایت و ریاست، کرامات وحالات منازل ومقامات، جنتوں اور درجات، اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی ارادہ اور آرزو باقی نہیں رہتی اور وہ مثل سوراخ دار برتن کے ہو جاتا ہے جس میں کوئی رقیق چیز نہیں ٹھیرتی کیونکہ وہ خدا کے فعل سے ٹوٹ جاتا ہے، جب اُس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اُس کی غیرت اُسے توڑ ڈالتی ہے تب اُس کے دل کے گرد عظمت وجبروت وہیبت کے پردے ڈال دئے جاتے ہیں اور اس کے گرداگرد کبریائی

اور سطوت کی خندقیں کھود دی جاتی ہیں کہ دل میں کسی چیز کا ارادہ گھسنے نہیں پاتا، اس وقت دل کو اسباب یعنی اہل اور اہل وعیال و اصحاب، اور کرامات وحکم و بیانات کچھ مضر نہیں ہوتے کیونکہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں تب اللہ تعالےٰ ان سے غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لئے لبطور لطف وکرامت و رزق ونعمت کے ہوتی ہیں اور جو لوگ اس کے پاس آتے ہیں انھیں نفع پہونچانے کے لئے۔[1]

شکستہ دلوں کی تسکین حضرت شیخ کے زمانہ میں ایک طبقہ ایسا تھا جو اپنے اعمال و اخلاق اور ایمانی کیفیت کے لحاظ سے پست لیکن دنیاوی حیثیت سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشی حیثیت سے پست، دنیاوی ترقیات سے محروم، بے بضاعت وتہی دست لیکن اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات و ترقیات سے بہرہ مند تھا، وہ پہلے طبقہ کی کامیابیوں اور ترقیات کو بعض اوقات رشک کی نگاہ سے دیکھتا اور اپنے کو کسی وقت محروم ونامراد سمجھنے لگتا تھا، حضرت شیخ اس دل شکستہ طبقہ کی دل جوئی فرماتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہیں اُن کا ذکر فرماتے ہوئے اس امتیاز د فرق کی حکمت بیان کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے :-

"اے خالی ہاتھ فقیر! اے وہ کہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گمنام، اے بھوکے پیاسے، ننگے، جگر جلے ہوئے، اے ہر مسجد وخرابات سے نکالے ہوئے، اے ہر در سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے، اے وہ کہ جس کے دل میں بٹی ہوئی) آرزوؤں اور ارمانوں کے دشتوں کے پشتے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھے محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا اور جمعیت (خاطر) نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا اور دنیا سے میری کفایت نہ کی، مجھے گمنام کیا اور خلق میں اور میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند

[1] رموز الغیب مقالہ (۳۲)

نہ کیا اور غیر پر اپنی تمام نعمتیں نچھاور کر دیں جن میں اس کے رات دن گزرتے ہیں، اسے مجھ پر اور میرے دیاروالوں پر فضیلت دی حالانکہ وہ بھی مسلمان ہے اور میں بھی۔ اور ایک ماں باپ آدم وحوا کی اولاد میں دونوں ہیں (اے فقیر) خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لئے کیا ہے کہ تیری سرشت ملیار زمین (کے مثل) بے ریت ہے اور رحمتِ حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر و رضا و یقین و موافقت و علم اور ایمان و توحید کے انوار تیرے گرداگرد ہیں تو تیرے ایمان کا درخت اور اس کی جڑ اور بیج اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کلتے دے رہا ہے، پھل رہا ہے بڑھ رہا ہے، شاخیں پھیلا رہا ہے، سایہ دے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روزانہ زیادتی اور نمو میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانس اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند تعالیٰ تیرے حکم سے فارغ ہے (کہ وہ خود تیری ضروریات کو بخوبی جانتا ہے) اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بخشا ہے اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے اور عقبیٰ میں تیرے لئے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کان نے سنیں، نہ کسی انسان کے دل میں گزریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی گئی ہے اس کام کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہے ہیں یعنی جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے احکام کی بجاآوری (ممنوعات کے ترک پر صبر، مقدرات میں تفویض و تسلیم اور کل امور میں خدا کی موافقت کی ہے۔

اور وہ غیر جسے خدا نے دنیا عطا فرمائی اور (مال دنیا کا) مالک کیا ہے اور نعمت دنیا وہی دی اور اس پر اپنا فضل فرمایا اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس کے ایمان کی جگہ ریتلی اور پتھریلی زمین ہے کہ اس میں پانی ٹھیرنا اور درخت اگنا اور کھیتی اور پھل کا پیدا ہونا دقت سے خالی نہیں تو اس زمین پر کھاد وغیرہ ڈالی جاتی ہے جس سے پودوں اور

درختوں کی پرورش ہو اور وہ کھاد دنیا اور اُس کا سامان ہے تاکہ اُس سے درخت ایمان اور نہال اعمال کی کہ جو اس زمین میں اُگے ہیں حفاظت ہو اگر یہ چیز اس سے علیحدہ کر دی جائے تو پودے اور درخت سوکھ جائیں گے اور پھل جاتے رہیں گے بس گھر ہی اجڑ جائے گا حالانکہ خداوند تعالیٰ اس کے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اے فقیر! دولت مند آدمی کا درختِ ایمان کمزور جڑ کا ہوتا ہے اور اس قوت سے خالی جو تیرے درخت ایمان میں بھری ہوئی ہے اسکی مضبوطی اور اس کا ٹکاؤ انھیں چیزوں سے ہے جو مال دنیا اور طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کر دی جائیں تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر وانکار (پیدا) ہو جائے گا اور وہ شخص منافقین و مرتدین وکفار میں شامل ہو جائے گا، البتہ (اگر) خداوند تعالےٰ دولتمند کی طرف صبر و رضا و یقین و علم اور طرح طرح کی معرفتوں کے لشکر بھیجے اور اُس سے اُس کا ایمان قوی ہو جائے تو پھر اس کو تونگری اور نعمتوں کے علیحدہ ہو جانے کی پرواہ نہ رہے گی۔[۱]

دُنیا کی صحیح حیثیت حضرت شیخ کے یہاں رہبانیت کی تعلیم نہیں، وہ دنیا کے استعمال اور اس سے بقدر ضرورت انتفاع سے منع نہیں فرماتے، اس کی پرستش اور غلامی اور اس سے قلبی تعلق اور عشق سے منع فرماتے ہیں۔ ان کے مواعظ درحقیقت حدیث نبوی ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ (بے شک دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی (یعنی تمہاری لونڈی ہے) اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے) کی تفسیر ہیں، ایک موقع پر فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں سے اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو، بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو، دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے

[۱] رموز الغیوب مقالہ (۴۵)

دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جو دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوتا ہے اُس کو ذلیل کرتی ہے، کہاں حق تعالیٰ کے ساتھ عزت دونگری کے قدم بڑھلا[1]

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے :-

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کا کھڑا ہونا جائز، باقی دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے"[2]　　(باقی)

---

[1] مجلس ۱۲ فیوض یزدانی　　[2] مجلس ۱۵ فیوض یزدانی

عورتوں کا ایمانی عہدنامہ

اَمامِ رَبّانی کا مکتوب ایک صالحہ کے نام

(از مولانا سید احمد قادری)

[یہ ترجمہ آج سے دو سال پہلے موصول ہوا تھا۔ خدا معلوم کیوں اس وقت چھپنے سے رہ گیا۔ اس مہینے اتفاق سے پرانے کاغذات میں اس کا مسودہ سامنے آگیا —— مترجم کا شکریہ اور اس تاخیر پر معذرت کے ساتھ شریک اشاعت کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ہماری دینی بہنوں کو اس سے بہت فائدہ پہونچے گا] —————— (ادارہ)

یا ایّھا النبی اذا جاءك المؤمنٰت	اے نبی جب تیرے پاس مسلمان عورتیں
یبایعنك علیٰ ان لا یشرکن	آئیں بیعت کرنے کو اس بات پر کہ شریک
باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین	نہ ٹھہرائیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں
ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین	اور بدکاری نہ کریں، اور اپنی اولاد کو نہ مار
ببھتان یفترینہ بین ایدیھن	ڈالیں، اور طوفان نہ لائیں باندھ کر اپنے
وارجلھن ولا یعصینك فی معروف	ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری نافرمانی
فبایعھن واستغفر لھن اللہ، ان	نہ کریں کسی بھلے کام میں تو ان کو بیعت
اللہ غفور رحیم۔	کر لے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے
	بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی ہے آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت یعنی شروع کی، آپ عورتوں سے بیعت صرف الفاظ میں

لیتے تھے۔ دستِ مبارک عورتوں کے ہاتھ سے کبھی مس نہیں ہوا۔ عورتوں میں چونکہ بُرے اخلاق مردوں کے نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لیے ان کی بیعت میں خصوصیت کے ساتھ چند شرطیں بڑھائی گئی ہیں۔ آپ نے امرالٰہی کی تعمیل میں عورتوں کو بیعت کے وقت ان چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

پہلی شرط۔ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کریں علاوہ ازیں کہ یہ شرک وجوب وجود میں ہو یا استحقاق عبادت میں۔ اگر کسی کے اعمال ریا و سمعہ کے شائبہ سے پاک نہ ہوں اور وہ غیراللہ سے اپنے اعمال خیر کے اجر کی طلب میں مبتلا ہو مثلاً وہ اپنے نیک عمل پر دوسروں سے مدح و ثنا کا طلب گار ہو تو ایسا شخص دائرۂ شرک سے باہر نہ ہوگا اور نہ ایسا شخص مخلص و موحد ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الشرك فی امتی اخفیٰ من دبیب النمل فی لیلة مظلمة علیٰ صخرة سوداء (شرک میری اُمت میں اس چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے جو اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلتی ہو)

لاف بے شرکی مزن، کاں از نشانِ پائے مور در شبِ تاریک بر سنگِ سیہ پنہاں تر است

حضور نے یہ بھی فرمایا ہے (واتقوا الشرك الاصغر قالوا وما الاصغر قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰة والسلام الریاء) (شرک اصغر سے بچو، صحابہ نے پوچھا، شرک اصغر کیا ہے، حضور نے ارشاد فرمایا وہ ریا ہے)

توحید تو یہ ہے کہ شائبۂ شرک سے بھی بیزاری ہو۔ بیماریوں کو دفع کرنے میں بتوں اور شیطانوں سے مدد طلب کرنا جیسا کہ اس وقت اسلام کے پردے میں رائج ہو گیا ہے عین شرک و گمراہی ہے۔ اور تراشیدہ و ناتراشیدہ پتھروں سے اپنے حوائج و ضروریات مانگنا، اللہ سے انکار اور کفر ہے۔ اکثر عورتیں انتہائی جہل و نادانی کی وجہ سے اس طرح کے حرام اعمال میں مبتلا اور مراسم شرک و اہل شرک کے ادا کرنے میں گرفتار ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہ بات اس وقت دیکھی جاتی ہے جبکہ چیچک کی بیماری پیدا ہوتی ہے اس وقت کم ایسی عورتیں ہوں گی جو اس شرک سے محفوظ رہتی ہوں گی، اور اس مرض کو دور کرنے کے لیے شرک کی رسموں میں سے کوئی رسم نہ ادا کرتی ہوں گی۔ الاماشاءاللہ۔ کفار و مشرکین جن ایام کی تعظیم کرتے ہیں ان ایام کی تعظیم کرنا، اور وہ جو مراسم ادا کرتے ہیں انھیں ادا کرنا شرک و کفر تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا کہ دوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں اہلِ کفر کی رسمیں ادا کرتی ہیں۔ اور اس دن کو عید کے دن کی طرح مناتی ہیں۔ جس طرح اہل کفر اس دن اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو تحفے اور ہدیے

بھیجتے ہیں اسی طرح وہ بھی بھیجتی ہیں۔ ان دنوں میں اپنے برتنوں کو کفار کی طرح رنگتی ہیں اور اس میں نخ چاول بھر کر بھیجتی ہیں یعنی ان دنوں کو وہ بھی ویسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کفار سمجھتے ہیں، یہ سب شرک و کفر ہے۔ اسی طرح کے اسلام کے متعلق اللہ نے کہا ہے و ما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون (ان میں اکثر کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں) ایک عمل حرام یہ بھی رائج ہے کہ جانوروں کو مشائخ کے نام پر نذر کرتے اور ان کی قبروں پر جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں فقہ کی کتابوں میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور پوری تاکید سے کیا ہے۔ فقہا نے اس ذبح کو ذابحِ جن کی جنس سے سمجھا ہے (ذابحِ جن وہ جانور ہیں جنھیں مشرکین جنوں کے نام پر ذبح کرتے تھے) اس لیے اس عمل سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ کہ اس میں شرک کا شائبہ ہے۔ نذر کے طریقے بہت ہیں۔ کیا ضرور ہے کہ کسی جانور کو ذبح کرنے کی نذر مانیں، اس کو ذابحِ جن کے ساتھ ملحق کریں۔ اور اپنے آپ کو عبدہ جن (جنوں کے پجاریوں) کے ساتھ مشابہ کریں۔ یہی حال عورتوں کے ان روزوں کا بھی ہے جو وہ پیروں اور بی بیوں کے نام پر رکھتی ہیں۔ اکثر ان ناموں کو انھوں نے خود تراشا ہے۔ اور انھیں ناموں پر اپنے روزوں کی نیت کرتی ہیں۔ اور افطار کے وقت ہر روزہ کے لیے خاص وضع متعین کرتی ہیں۔ اور ان کے لیے مخصوص ایام کا تعین بھی کرتی ہیں۔ اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں کے ساتھ جوڑتی ہیں اور ان کے توسل سے مقصد بر آری چاہتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے اور اس طرح وہ غیر اللہ کی عبادت کے توسل سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اس فعل کی قباحت پر اچھی طرح سوچنا چاہیے۔ —— حدیث قدسی میں آیا ہے الصوم لی وانا اجزی بہ یعنی روزہ میرے لیے مخصوص ہے، اور عبادت صوم میں میرے سوا کوئی شریک نہیں، ہر چند کہ کسی عبادت میں بھی غیر اللہ کی شرکت جائز نہیں۔ لیکن روزہ کی تخصیص محض اس اہتمام کے لیے ہے کہ اس عبادت میں نفی غیر کی نیت بہ تاکید کرنی چاہیے۔ بعض عورتیں اپنے ایجاد کردہ روزوں کے حیلے میں یہ کہتی ہیں کہ ہم روزہ اللہ ہی کے لیے رکھتی ہیں صرف اس کا ثواب پیروں کی روحوں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اپنے اس معاملہ میں سچی ہیں تو پھر روزوں کے لیے مخصوص ایام کی تعیین کا کیا کام ہے۔ اور پھر افطار میں مخصوص کھانوں اور مخصوص وضع و ہیئت کا التزام کیوں ہے، بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ افطار کے وقت محرمات کا ارتکاب کرتی ہیں۔ بے ضرورت بھیک مانگتی ہیں اور اسی بھیک مانگی ہوئی چیز سے افطار کرتی ہیں۔ اور اپنی مقصد بر آری کو اسی امر محرم کے ارتکاب پر منحصر و موقوف سمجھتی ہیں۔ حقیقت میں یہ عین گمراہی اور شیطان کا فریب ہے۔

دوسری شرط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی ہو کہ وہ چوری نہ کریں۔ اس گناہ کبیرہ میں چونکہ اکثر عورتیں مبتلا ہوتی ہیں اس لیے مخصوص طور پر ان کو اس سے روکا گیا ہو کم ایسی عورتیں ہوں گی جو اس برائی سے بالکل بچی ہوئی ہوں گی۔ جو عورتیں اپنے شوہروں کے اموال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے تحاشا خرچ کر کے مال کو ضائع کرتی ہیں وہ چوروں کے گروہ میں داخل ہیں۔ اور یہ گناہ ان کے اندر ثابت و متحقق ہو۔ یہ بات عام طور پر عورتوں میں پائی جاتی ہو اور اس خیانت میں تقریباً تمام عورتیں مبتلا ہیں، کاش وہ اس بات کو برائی سمجھیں، اگرچہ حال یہ ہو کہ وہ اپنے اس تصرف بیجا کو حلال سمجھتی ہیں اور یہ نہایت خطرناک بات ہو، کیونکہ کسی ثابت شدہ برائی کو حلال سمجھنا کفر تک پہنچا دیتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم مطلق جل شانہ نے شرک کے بعد عورتوں کو چوری سے منع فرمایا، اپنے شوہروں کے اموال میں بیجا تصرف کرتے کرتے ان میں خیانت اور چوری جڑ پکڑ جاتی ہو اور پھر دوسروں کے اموال میں بھی چوری اور خیانت کرنے لگتی ہیں دوسروں کے اموال کو بلا اجازت حاصل کر لینے کی برائی ان کے ذہن سے نکل جاتی ہو اور چوری ان کی عادت میں داخل ہو جاتی ہے، ان تمام باتوں کے مشاہدے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہو کہ عورتوں کے لیے شرک کے بعد چوری کو کیوں اتنی اہمیت دی گئی — اموال میں سرقہ و خیانت کے سلسلہ میں یہاں ایک اور قسم کی چوری کا ذکر بھی مناسب ہے، ایک دن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا، بدترین قسم کا چور کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا کہ بدترین قسم کا چور وہ ہو جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہو۔ اور ارکان نماز کو تمام و کمال ادا نہیں کرتا اس لیے اس قسم کے چوری سے بھی بچنا ضروری ہو۔ تاکہ انسان بدترین قسم کے چوروں میں داخل نہ ہو۔ حضور قلب کے ساتھ نماز کی نیت کرنی چاہیے۔ کیونکہ نیت کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا۔ پھر قرأت درست طریقے پر کرنی چاہیے۔ رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اسی طرح قومہ اور جلسہ بھی اطمینان سے بجالانا چاہیے۔ یعنی رکوع سے اٹھنے کے بعد سیدھا کھڑا ہونا چاہیے۔ اور ایک بار سبحان اللہ کہنے کے اندازے کھڑا رہنا چاہیے تب سجدہ میں جانا چاہیے۔ اسی طرح دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا چاہیے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنے کو چوروں کے گروہ میں داخل کرتا ہے۔

تیسری شرط عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی کہ وہ زنا نہ کریں۔ عورتوں کی بیعت میں خصوصیت کے ساتھ اس کبیرہ سے ممانعت کی وجہ بھی یہی ہو کہ اکثر اوقات زنا عورتوں کی رضا پر

موقوف ہوتا ہو. نیز یہ کہ اکثر اوقات اس عمل بد کی علت یہ ہوتی ہو کہ عورتیں اپنے آپ کو مردوں کے سامنے پیش کرتی ہیں. شاید یہی وجہ ہو کہ قرآن مجید میں زانیہ عورت کو زانی مرد پر اس آیت میں مقدم رکھا گیا ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ (زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو)

یہ گناہ دنیا و آخرت میں انسان کو برباد کرنے والا اور تمام ادیان میں قبیح ومنکر ہے. ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی ہو کہ آپ نے فرمایا. لے لوگو زنا سے بچو کہ اس میں چھ برائیاں ہیں. تین دنیا میں اور تین آخرت میں. دنیا کی تین برائیاں یہ ہیں:-

(۱) زانی کے دل سے نورانیت اور اس کے چہرے سے رونق غائب ہو جاتی ہو. (۲) اس سے فقر و افلاس آتا ہے. (۳) عمر میں کمی ہوتی ہو. آخرت کی تین برائیاں یہ ہیں).

(۱) اللہ کا غضب (۲) حساب کی سختی (۳) دوزخ کا عذاب

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا محرمات کو بری نیت سے دیکھنا، ہاتھوں کا زنا محرمات کو بری نیت سے پکڑنا اور قدموں کا زنا محرمات کی طرف بری نیت سے جانا ہے. اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو.

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن یعنی کہو لے محمد مسلمانوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور کہو مسلمان عورتوں سے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں.

جاننا چاہیے کہ دل آنکھوں کا تابع ہو، جب تک محرمات سے آنکھوں کو نہ بچایا جائے دل کی حفاظت مشکل ہو. اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرمگاہ کی حفاظت بہت مشکل ہو. لہذا آنکھوں کو بدنظری سے بچانا ضروری ہوا. تاکہ شرمگاہ کی حفاظت ہو سکے اور انسان دنیا و آخرت کے گھاٹے سے محفوظ رہے.

قرآن میں اس کی بھی ممانعت آئی ہو کہ عورتیں اجنبی مردوں سے نرم ونازک گفتگو کریں، کیوں کہ اس سے بدکار مردوں کے دل میں وسوسۂ زنا پیدا ہوتا ہے. اگر عورتوں کو اجنبی مردوں سے بہ ضرورت گفتگو کرنی پڑے تو اس انداز سے بولنا چاہیے کہ ان کے دل میں اس قسم کا کوئی وسوسہ نہ پیدا ہو سکے قرآن

ہیں اس سے بھی روکا گیا ہو کہ عورتیں اپنی زینت کا اظہار غیر مردوں کے سامنے کریں اور ان کے دل میں خواہش پیدا کریں۔ اسی طرح عورتوں کو پازیب دغلخال پہن کر زمین پر اس طرح پاؤں مارنے سے بھی روکا گیا ہو کہ اس کی آواز پیدا ہو۔ کیونکہ اس سے بھی ان کی طرف میلان پیدا ہوتا ہو بخلاصہ یہ کہ ہر وہ بات جو فسق اور گناہ کی طرف لے جانے والی ہو قبیح اور ممنوع ہو ـــ فکر کرنی چاہیے کہ حرام چیزوں کے مقدمات ومبادی سے بھی پرہیز کیا جائے تاکہ نفس محرمات سے سلامتی میسر ہو، یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ ایک عورت کے لیے دوسری اجنبی عورت بھی اجنبی مرد ہی کے حکم میں ہو، ان باتوں میں جو اجنبی مرد سے ناجائز ہیں، مثلاً جس طرح عورت کے لیے اجنبی مرد کو شہوت سے دیکھنا یا چھونا ناجائز ہے اسیطرح دوسری عورت کو بھی شہوت سے دیکھنا اور چھونا ناجائز ہو۔ اس بات کی بڑی نگہداشت کرنی چاہیے کیونکہ عورت کا مرد تک پہونچنا اختلاف صنف کی وجہ سے مشکل ہے۔ بہتیرے موانع درمیان میں ہوتے ہیں۔ لیکن عورت کا عورت تک پہونچنا اتحاد صنف کی وجہ سے نہایت آسان ہے۔ اس لیے یہاں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور اس فعل قبیح سے بچانے کے لیے بڑی تاکید و تبلیغ کرنی چاہیے۔

چوتھی شرط۔ عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی کہ اولاد کو قتل نہ کریں، فقر و احتیاج سے ڈر کر بچوں کو مار ڈالنا نہ صرف یہ کہ قتل ناحق ہے بلکہ قطع رحم کے گناہ کو بھی متضمن ہے اسلئے یہاں ایک کبیرہ میں دو کبائر کا ارتکاب ہو۔

پانچویں شرط۔ عورتوں کی بیعت کے وقت یہ لگائی گئی کہ وہ افترا اور بہتان نہ باندھیں۔ یہ وصف عورتوں میں بہت پایا جاتا ہے اس لیے خصوصیت سے منع کیا گیا۔ یہ صفت بہت بری صفتوں میں سے ایک ہو۔ یہ جھوٹ ہو اور جھوٹ تمام ادیان میں حرام اور قبیح ہے۔ اس میں ایذائے مومن بھی ہے۔ اور مسلمان کو اذیت پہونچانا حرام ہو، نیز اس میں فساد فی الارض بھی ہے جو بہ نص قرآنی ممنوع و قبیح ہے۔

آخر میں چھٹے نمبر پر ایک جامع شرط یہ لگائی گئی کہ وہ معروف وخیر میں پیغمبر کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ شرط تمام اوامر شرعیہ کے امتثال اور تمام نواہی شرعیہ سے اجتناب پر مشتمل ہو۔

نماز پنجگانہ بے کسل و فتور پوری خوش دلی وسعی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ مال کی زکوٰۃ مصارف زکوٰۃ میں بہ رغبت تمام صرف کرنی چاہیے۔ رمضان کا روزہ جو سال بھر کے چھوٹے گناہوں کا کفارہ ہے

پوری احتیاط سے رکھنا چاہیے ۔ حج بیت اللہ جس کی شان میں حضور نے فرمایا ہو کہ حج گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے ۔ ادا کرنا چاہیے ۔ اسی طرح ورع و تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہو کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ملاک دینکم الورع یعنی تمھارے دین کو قائم رکھنے والا ورع ہے ۔ ورع منہیات شرعیہ کو ترک کرنے کا نام ہے ـــــ نشہ آور چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے اور ہر نشہ آور چیز کو شراب کی طرح سمجھنا چاہیے غناء (گانے) سے بھی پرہیز کرنا چاہیے ۔ کیونکہ غنا لہو ولعب میں داخل ہے اور لہو ولعب حرام ہے ۔ حدیث میں آیا ہے الغناء رقیۃ الزنا یعنی غنا، زنا کا منتر ہے ۔ سخن چینی اور غیبت سے بھی پرہیز لازم ہے ، مسلمانوں کے ساتھ مسخرہ پن کرنا اور ان کو اذیت پہونچانا بھی حرام ہے ۔ اس سے اجتناب ضروری ہے ۔

بد فالی کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور نہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ ایک کا مرض دوسرے کو لگ جاتا ہے ، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے ۔ لاطیرۃ ولاعدوی یعنی بد فالی کوئی شے نہیں ہو اور نہ ایک کا مرض دوسرے کو لگتا ہو ، کاہنوں اور نجومیوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیے ۔ نہ ان سے غیب کی باتیں پوچھنا چاہیے ۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں ، کیونکہ شریعت میں بڑی تاکید کے ساتھ اس سے روکا گیا ہے ۔ نہ خود جادو کرنا چاہیے نہ کسی ساحر سے جادو کرانا چاہیے ۔ اس لیے کہ یہ حرام قطعی ہے ۔ اور کفر تک پہونچا دینے والی چیز ہے ۔ کوئی گناہ کفر سے اتنا قریب نہیں ہو جتنا ارتداد اور سحر ، حدیث میں آیا ہے کہ جب تک ایمان دل سے نکل نہ جائے سحر کا فعل وجود میں نہیں آتا ۔ گویا سحر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اور جیسے علماء نے کتب شرعیہ میں بیان فرمایا ہے ، دل و جان سے اس کو بجالانے میں سعی کرنی چاہیے اور اس کی مخالفت کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے ۔

جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو آنحضرت نے ان کی بیعت قبول کر لی اور امر الٰہی کے مطابق ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی ۔ امر الٰہی سے جو استغفار آپ نے کسی جماعت کے لیے کیا اس کے متعلق پوری امید ہے کہ قبول ہوا اور وہ جماعت مغفور ہو ، ہندہ ابوسفیان کی بیوی بھی اس بیعت میں داخل تھیں ۔ بلکہ اس وقت ان عورتوں کی سرگروہ وہی تھیں اور سب کی

ستائندگی کر رہی تھیں۔ اس بیعت و استغفار سے ان کے حق میں بھی بڑی امید ہے۔ ان عورتوں کے بعد اب بھی جو عورتیں ان شرائط کو قبول کریں اور ان کے مقتضار کے مطابق عمل کریں وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہوں گی اور اس استغفار کی برکتوں کی امیدوار۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و آمنتم یعنی اللہ تعالیٰ کیوں تم پر عذاب کرے اگر تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور ایمان درست کرو۔ اللہ کا شکر بجالانے کا مطلب یہ ہو کہ انسان احکام شرعیہ کو قبول کرے اور ان کے مقتضار پر عمل کرے۔ طریق نجات اور رستگاری کی راہ صاحب شریعت علیہ السلام کی پیروی ہے۔ اعتقاد میں بھی اور عمل میں بھی۔ اُستاد اور پیر اس لیے ہیں کہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں۔ اور ان کی برکت سے شریعت پر اعتقاد اور عمل میں سہولت ہو۔ نہ یہ کہ مرید جو سمجھیں وہ کریں۔ جو چاہیں وہ کھائیں، پیر ان کی ڈھال بن جائیں گے اور عذاب سے بچالیں گے، یہ تمنائے محض ہو، قیامت میں بے اجازت کوئی سفارش نہ کرسکے گا اور جب تک عمل پسندیدہ نہ ہو کوئی سفارش کرے گا بھی نہیں، اور عمل اسی وقت پسندیدہ ہوگا جب شریعت کے مقتضا کے مطابق کیا جائے اور اگر بشریت کی بنا پر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہو۔ واللہ سبحانہ الموفق۔ (مکتوب ۴۱ ج ۳)

حکمت وموعظت

(۱) ایک مرتبہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کعبہ میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ سے ملاقات ہوگئی۔ ہشام نے حضرت سالمؒ سے کہا کہ کوئی حاجت ہو تو فرمائیے ــــــ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے گھر میں غیر اللہ سے مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ وہ چپ ہو رہا۔ پھر جب آپ خانہ کعبہ سے نکلے تو پیچھے پیچھے وہ بھی نکل آیا اور باہر آکر کہا کہ اچھا اب تو آپ اللہ کے گھر سے نکل آئے اب فرمائیے! آپ نے جواب دیا کہ بتاؤ دنیاوی ضرورت میں سے کچھ طلب کروں یا اُخروی؟ ــــ کہا دنیاوی! آپ نے فرمایا کہ دنیاوی ضروریات تو میں نے اس سے بھی نہیں مانگا جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے تو اس سے کیا مانگوں جس کے قبضہ میں کچھ نہیں[1]!

---

(۲) جابر جعفی کہتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے حضرت محمد بن علی زین العابدینؒ فرمانے لگے کہ اے جابر! میں بہت مغموم اور فکرمند ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو کیا غم ہے اور کیا فکر ہے؟ فرمایا یہ کیا پوچھنے کی بات ہے۔ جو شخص بھی قلب صافی کے ساتھ اللہ کے دین میں داخل ہوتا ہے وہ ایک فکر مول لے لیتا ہے اور دین کی فکر میں باقی ساری فکریں ختم ہو جاتی ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو، مجھے کوئی دنیاوی فکر ہے! دنیا میں رکھا ہی کیا ہے، بس ایک سواری جس پر سوار ہو لیجئے ایک کپڑا جس کو پہن لیجئے اور ایک عورت جس سے خواہش نفس پوری کر لیجئے ــــــ اے جابر! ایمان والے دنیا میں کبھی دل نہیں لگاتے، آخرت کی آمد سے ایک لمحہ کے لئے بے فکر نہیں ہوتے

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۱

ان کے کان دنیا کی باتیں سنتے ہیں وہ ہزار فتنہ سامانیوں کے باوجود ان کے دلوں کو اللہ یاد سے غافل نہیں کرپاتیں اور دنیا کی جوچمک دمک ان کی آنکھیں دیکھتی ہیں وہ مشاہدۂ حق میں حجاب نہیں بن پاتیں اور آخرکار وہ ابرار کے ثواب سے سرفراز ہوتے ہیں. اہل تقویٰ دنیا والوں میں سب سے سبکبار ہوتے ہیں اور تمام اہل دنیا میں وہی تمہاری سب سے زیادہ مدد کرسکتے ہیں. اگر تم ان کو فراموش کرو تو وہ تم کو یاد کریں اور اگر تم یاد کرو تو وہ تمہاری مدد کریں. ڈنکے کی چوٹ پر اللہ کا حق کہنے والے اور اس کا حکم قائم کرنے والے. بس اے جابر دنیا میں ایک منزل کی طرح قیام کرو کہ کچھ دیر کے لئے اُترے اور پھر چل پڑے یا ایسے سمجھو جیسے کچھ مال تمہیں خواب میں مل گیا لیکن جب آنکھ کھل گئی تو سب ندارد ــــــ اور اللہ کے دین اور حکمت کی حفاظت کر جس کی حفاظت پر اُس نے تمہیں مقرر کیا ہے[1]

---

(۳) جابر ہی راوی ہیں کہ مجھ سے محمد بن علی نے فرمایا اے جابر میں نے سنا ہے کہ اہل عراق کی ایک جماعت جو ہم سے محبت جتاتی ہے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر زبان دراز کرتی ہے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ میں نے انھیں اس بات کا حکم دیا ہے. تم میری طرف سے انھیں یہ پہونچا دو کہ میں ان سے اللہ کے یہاں بری ہوں ـــــ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر میرے ہاتھ میں اقتدار ہوتا تو میں ان لوگوں کے خون سے اللہ کا تقرب حاصل کرتا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ نصیب ہو، اگر میں ان دونوں بزرگوں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا نہ کروں. یہ دشمنان خدا اُن کے مقام سے بے خبر ہیں[2].

---

(۴) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی خلافت کا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد قیلولہ کے لئے گھر میں تشریف لے گئے تو ان کے صاحبزادہ عبدالملک پہونچے اور عرض کیا امیرالمومنین کیا ارادہ ہے. فرمایا بیٹے میں تھوڑی دیر لیٹنا چاہتا ہوں، صاحبزادہ نے عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں گے اور مظالم و شکایات کو رفع نہ فرمائیں گے. فرمایا کہ بیٹے رات تمہارے چچا سلیمان

---

[1] صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۶۲ [2] ایضاً صفحہ ۶۱

کی تجہیز وتکفین میں مجھے رات بھر جاگنا پڑا اس لئے اس وقت ذرا کمر سیدھی کرنا چاہتا ہوں بس ظہر تک لیٹوں گا اور نماز ظہر کے بعد لوگوں کی شکایات سنوں گا۔ صاحبزادہ نے عرض کیا امیر المومنین ظہر تک آپ کی زندگی کی کیا ضمانت ہے؟ بس یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا جان پدر قریب آؤ، اور قریب بلا کر سینے سے چمٹا لیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا شکر ہے اس پروردگار کا جس نے میری صلب سے ایسی اولاد پیدا فرمائی جو میرے دین میں میری مددگار ہے اور پھر قیلولہ کئے بغیر باہر آگئے اور اسی وقت منادی کرائی کہ جس کو کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے[1]!

---

(۵) ہشام کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے قریب مسلمہ بن عبدالملک حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ امیر المومنین آپ نے زندگی میں اپنے بچوں کو مال سلطنت سے محروم رکھا اور اب آپ ان کو بے سروسامان ہی چھوڑ کر جا رہے ہیں اچھا ہو کہ آپ مجھے یا خاندان کے کسی بزرگ کو ان کا وصی بنا جائیں۔ حضرت عمر نے یہ سن کر تکیہ زار زار سے فرمایا ذرا مجھے کچھ سہارا لگا کر بٹھا دو، پھر مسلمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں نے بچوں کو مال سے مطلق محروم رکھا، بخدا جتنا ان کا حق تھا اس سے میں نے انھیں محروم نہیں رکھا اور ہاں جو ان کا حق نہیں تھا وہ میں نے بیشک انھیں نہیں دیا۔ اب رہا آپ کا یہ کہنا کہ میں کسی کو ان کا وصی بنا دوں، تو سنئے ان کے حق میں میرا وصی اور ولی اللہ ہے ——— وہ اللہ جس نے نازل فرمائی کتاب پاک اور وہی نیکوکاروں کا ولی ہے ——— مجھے پتہ نہیں کہ میری اولاد کس قسم کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اہل تقویٰ میں سے ہو اگر ایسا ہوا تو مجھے کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لئے خود تنگی اور پریشانی سے بچاؤ کی راہ پیدا فرمائے گا ——— اور اگر (خدانخواستہ) گنہگار اور نافرمان ہوئی تو میں ان کا انتظام کر کے انھیں اللہ کی نافرمانی پر قوی نہیں کر سکتا! ——— اس کے بعد اپنے لڑکوں کو بلا بھیجا جو اللہ کے فضل سے بارہ چودہ تھے۔ وہ سب آگئے تو ان کی طرف ایک نظر دیکھا، آنکھیں

---

[1] صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۵

بھر آئیں اور فرمایا قسم ہے اپنی جان کی، یہ نوعمر جنھیں میں خالی ہاتھ اور بے سروسامان چھوڑ رہا ہوں بحمد للہ میں انھیں بہت خیر میں چھوڑ رہا ہوں ـــــ اے میرے بیٹو! تمہارا باپ دوراہے پر کھڑا ہوا تھا، ایک صورت یہ تھی کہ تم دولت مند بن جاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں داخل ہو جائے اور دوسری صورت یہ تھی کہ تم مفلس رہو اور تمہارا باپ جنت میں چلا جائے، تمہارے باپ نے جنت میں جانا پسند کیا ہے ـــــ بس جاؤ اللہ تمہارا نگہبان ہے[1]

---

(۶) حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادہ حضرت عامرؒ کے متعلق روایت ہے کہ مرض الوفات کے آخری لمحات تھے مکان مسجد سے قریب ہی تھا مغرب کا وقت آ چکا تھا کہ اذان کی آواز کانوں میں آئی، تیمارداروں سے فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑو (سمجھ گئے کہ مسجد جانا چاہتے ہیں) عرض کیا گیا کہ آپ بیمار ہیں، فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اللہ کے منادی کی آواز سنوں اور لبیک کہوں مجبوراً لوگ مسجد میں لے گئے، نماز میں شریک ہوئے اور ایک ہی رکعت پڑھ پائے تھے کہ روح پرواز کر گئی[2]

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۳۰۷ [2] ایضاً ۵۰۷

انتخاب

(کراچی کے ماہنامہ "ریاض" کے فاضل مدیر جناب رئیس احمد صاحب جعفری ندوی نے اپنے پرچہ میں ملائیت پر کچھ اظہار خیال کیا تھا۔ ملائیت کے دیرینہ کرم فرما" جناب نیاز فتحپوری نے اس پر کچھ چلتے ہوئے اعتراضات فرمائے۔ جعفری صاحب نے ستمبر کے ریاض میں اس پر تعاقب کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ قارئین الفرقان بھی اس سے مستفید ہوں۔ اسی خیال سے ہم اس کا ایک اہم حصہ انتخاب میں لے رہے ہیں —— ملاحظہ فرمائیے!) (ادارہ)

نیاز صاحب نے فرمایا ہے:۔

"چوں کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مذہبی سیادت و رہنمائی صرف علمائے دین کا حق ہے اس لئے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں وہی PRIEST HooD پیدا ہو گئی ہے جو کسی وقت عیسائیوں میں پائی جاتی تھی اور علم دین عوام کے لئے شجر ممنوع ہو کر رہ گیا۔"

بلا شبہ مذہبی سیادت و رہنمائی صرف علمائے دین کا حق ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اگر ریاضی، سائنس اور انجینیرنگ وغیرہ کے مسائل اور مشکلات، کسی ملاح، کسی زرگر، کسی شاعر، کسی ادیب، کسی ماہر موسیقی سے حل نہیں کرائے جا سکتے بلکہ کسی "اکسپرٹ" ہی سے حل کرائے جا سکتے ہیں تو مذہبی مسائل میں بھی لب کشائی کا حق اسی کو مل سکتا ہے جو اس فن کا ماہر ہو۔ لیکن جتنی مذکورہ بالا بات سچ ہے اتنا ہی یہ خیال غلط ہے کہ مسلمانوں میں عیسائیوں کی سی پریسٹ ہڈ قائم ہو گئی ہے اور اس سے زیادہ یہ غلط ہے کہ علم دین عوام کے لئے شجر ممنوع بن گیا ہے۔ پریسٹ ہڈ کے معنی یہ ہیں کہ بغیر پادری یا پنڈت کے شعائر مذہبی ادا نہ ہو سکیں مثلاً گرجا میں عبادت پادری کرائے گا، مندر میں پنڈت کے بغیر پوجا مکمل نہیں ہو سکتی۔ نکاح، طلاق، میت کے مراسم

اور مرنے کے بعد کے معمولات پورے نہیں ہو سکتے، جب تک کہ پادری یا پنڈت رہنمائی کے لئے موجود نہ ہو، کیا نیاز صاحب دیانت داری کے ساتھ فرما سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی یہ بات ہے کیا نکاح اسی وقت منعقد ہوگا جب قاضی آئے، کیا نماز کی امامت صرف عالم دین ہی کا حق ہے؟ کیا مردے کی لاش سڑتی رہے گی جب تک مولوی صاحب نہ تشریف لائیں گے، دقیق اور مشتبہ مسائل میں علما کی رہنمائی بیشک ضروری ہے لیکن کیا ان کی بجا آوری اور تعمیل کے لئے بھی مولوی یا مولانا کی موجودگی لازمی ہے، ہر مسلمان اگر مسائل و ضوابط سے واقف ہے، امام ہو سکتا ہے، قاضی کے فرائض انجام دے سکتا ہے، شعائر دینی کی تکمیل کر سکتا ہے، وہ کسی مذہبی معاملہ کی انجام دہی کے لئے ہرگز ہرگز کسی مولوی، مولانا یا ملا کا پابند نہیں ہے۔ پرلیسٹ ہڈ کے معنی ہیں بندے اور خدا کے درمیان واسطہ کی کڑی اگر پادری اور پنڈت نہ ہو تو بندہ کسی طرح خدا سے ربط نہیں پیدا کر سکتا، اس کا ہر عمل رائگاں، اس کا ہر اخلاص بیکار اور اس کی ہر سعی بے نتیجہ ہے اس کے برعکس اسلام اس طرح کا کوئی واسطہ نہیں تسلیم کرتا یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں کبھی بھی پرلیسٹ ہڈ نہ پیدا ہو سکی اور نہ کبھی پیدا ہو سکتی ہے، ہمارا عالم اس لئے ہے کہ ہم پوچھیں تو بتائے اس لئے نہیں ہے کہ خدا کا نائب اور قائم مقام بن کر ہر کام کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لے، پھر سب سے عجیب بات نیاز صاحب نے یہ فرمائی ہے کہ "علم دین مسلمانوں کیلئے شجر ممنوع ہو کر رہ گیا ہے" بار بار کوشش کرنے کے باوجود اس مختصر سے جملہ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا، آخر کس خانقاہ یا دار العلوم کی طرف سے یہ فتوی شائع ہوا ہے کہ علم دین صرف مسلمان "برہمنوں" کو ہی سکھایا جاتا ہے، مسلم عوام میں سے جو علم دین سیکھنے کی کوشش کرے گا اس کی زبان کاٹ لی جائے گی آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی اور کانوں میں پگھلا ہوا کھولتا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے گا؟ پاکستان کو چھوڑیئے بھارت میں دار العلوم دیوبند ہے مدرسہ مظاہر العلوم ہے۔ خود جس شہر (لکھنؤ) کو یہ شرف حاصل ہے کہ نیاز صاحب وہاں مقیم ہیں، وہاں ندوۃ العلماء ہے، فرنگی محل ہے، سلطان المدارس ہے، ان میں ایک درسگاہ (ندوہ) میں نیاز صاحب تعلیم بھی حاصل کر چکے ہیں، آخر وہ کونسی درسگاہ ہے جو صرف مسلم برہمنوں کے لئے مخصوص ہے اور جہاں مسلم عوام یعنی شودروں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، بلکہ حقیقتاً کیا یہ صورت حال نہیں ہے کہ علوم دین حاصل کرنے والوں میں غالب ترین اکثریت عوام ہی کی ہے اس لئے کہ خواص تو حصول

دنیا کی راہ میں اسے ایک روڑا سمجھنے لگے ہیں ۔۔۔ پھر بھی اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ علوم دین کا حصول عوام کے لیے شجر ممنوع بن گیا ہے تو اس پر وہی یقین کرے گا جسے یہ یقین ہو کہ سیاہ رنگ سفید ہوتا ہے اور سفید سیاہ ۔۔۔۔۔ اور میں مانتا ہوں دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں ۔۔۔۔

اسی سلسلۂ بیان میں نیاز صاحب نے فرمایا ہے :-

"ہمارے علما جس وقت اسلام کے عہد ماضی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے سامنے نہ ابن رشد ہوتا ہے نہ بوعلی سینا، نہ رازی، نہ غزالی بلکہ صرف مالک بن انس، ابو ہریرہ، ابو یوسف اور اسی قبیل کے چند محدث اور فقیہ جن کی روایات کے سہارے پر وہ خود زندہ ہیں لیکن دوسروں کو جینے نہیں دیتے"

گفتگو کا ایک طرز یہ بھی ہے کہ مغالطہ دیا جائے، نیاز صاحب کی یہ بات اسی قبیل سے ہے انھیں اپنے قارئین کی فکر وفہم پر اعتماد کامل ہے کہ وہ بڑی آسانی سے مغالطہ میں آجائیں گے، لہذا پوری دلیری سے وہ ایک غلط بات غلط تر رنگ میں پیش کر رہے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نیاز صاحب نے رواۃ حدیث کے علاوہ جن ائمہ فن کا اسم گرامی لیا ہے وہ تقریباً سب کے سب فن کے بہت بڑے عالم ہی تھے! ۔۔۔۔ ناظرین نگار کے بارے میں تو میرا کچھ عرض کرنا مناسب نہ ہوگا لیکن نیاز صاحب کے بارے میں وہ اگر انکار بھی کریں تو بھی میں نہ مانوں گا کہ ان حضرات کو وہ عالم نہیں سمجھتے ۔۔۔ دوسرے علوم سے قطع نظر، خالص مذہبی علوم میں ابن رشد کی ہدایۃ المجتہد، رازی کی تفسیر کبیر، اور غزالی کی احیاء علوم الدین کا پایہ کس صاحب علم سے مخفی ہے، رہا یہ طعن کہ علمائے علماء کو فراموش کر کے صرف چند محدثین و فقہا کو یاد رکھا سو یہ دلچسپ تو ضرور ہے لیکن اسکی نچیں آتنی ہی بے ثبات ہے جتنا یہ دعویٰ ۔۔۔ حقیقت منکشف ہونے کے بعد حیرت کے سوا کچھ پلے نہ پڑیگا۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا　　　اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

نیاز صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علماء اسلام ترجیح بلا مرجح کے قائل کبھی نہیں رہے، وہ ہر ایک کا مقام پہچانتے ہیں، جہاں موقع ہوتا ہے وہ ابن رشد کا ذکر کرتے ہیں، جہاں ضرورت ہوتی ہے ابو ہریرہ کا ۔۔۔ اور یہ جو نیاز صاحب نے فرمایا ہے کہ روایات کے سہارے علماء خود تو زندہ ہیں لیکن دوسروں کو نہیں جینے دیتے ضروری تھا کہ اس کی کچھ تشریح بھی فرمائی ہوتی آخران روایات میں وہ کونسا زہر ہے جو غیر علماء کو ہلاک کر دیتا ہے اور وہ کونسا تریاق ہے جو علماء کو حیات جاوداں بخش دیتا ہے ؎

کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ہیں　　　آج غالبؔ غزل سرا نہ ہوا

تعارف وتبصرہ

قرآن اور پیغمبر | از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ۴۸ صفحات، بہتر کتابت وطباعت، معمولی کاغذ، قیمت پانچ آنے۔ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور

یہ کتابی شکل میں ایک مختصر مقالہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن نے اپنے لانے والے کے اصلی خدوخال کو اتنی جامعیت کے ساتھ اپنی آیات میں محفوظ کردیا ہے کہ بالفرض اگر آپ کی تفصیلی سیرت و سوانح کسی وقت محفوظ نہ رہے تب بھی دیکھنے والا قرآن کی روشنی میں آپ کو اپنے اصلی رنگ میں دیکھ سکتا ہے اور اگلے پیغمبروں اور پیشواؤں کی طرح آپ کی شخصیت تلبیسات وتحریفات کے پردوں میں چھپ نہیں سکتی۔ ——— اپنے موضوع پر مفید مقالہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام | از جناب ابوسلیم محمد عبدالحی صاحب مدیر رسالہ الحسنات۔ کتابت طباعت بہتر، کاغذ معمولی، صفحات ۱۶۸، قیمت ایک روپیہ۔ مکتبہ الحسنات رام پور

قرآن پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے حالات کو مختلف پیرایوں میں کبھی تفصیل کے ساتھ کبھی اجمال کے ساتھ بار بار دُہرایا ہے۔ قرآن میں اتنی جگہ کسی پیغمبر اور ان کی امت کے حالات کو نہیں ملی۔ اس لئے کہ ان حالات میں اُمت محمدیہ کے لئے بڑے اہم اشارات وتنبیہات کا مواد تھا اور آج ہندی مسلمانوں کے لئے تو بالخصوص یہ ایک گنجینۂ ہدایت ہے جس میں ان کی رہنمائی اور عقدہ کشائی کے لئے بہت واضح اشارات ہیں، اس لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت، بہت بروقت اور لطیف رہنمائی کا مصداق ہے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور اس کے ماحول اور مختلف مراحل کو نہایت دل نشیں آسان اور موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے مضمون زیادہ تر قرآن سے ماخوذ ہے کہیں کسی ضروری پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے بقدر ضرورت توریت

کے بیانات سے بھی مدد لی گئی ہے ـــــ ایک چیز جو صرف اپنا احساس ہے ضروری نہیں کہ اور لوگ بھی اس سے متفق ہوں یہ محسوس ہوتی ہے کہ دعوت موسوی پر بنی اسرائیل کے بعض طبقوں کی سرد مہری اور قبطیوں کی عام بے رخی اور مخالفت کو جماعت اسلامی کی دعوت اور اس کے مخالفین منکرین کے رویہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے ـــــ اگر یہ احساس صحیح ہے تو پھر یہ عرض کرنا ہے کہ ایسی کتاب جو عام مسلمانوں کو فائدہ پہونچا سکتی ہے اس کو اگر جماعتی تاثرات سے محفوظ رکھا جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا اور یوں بھی پیغمبر کے مخالفین اور اپنے مخالفین کو ایک عینک سے دیکھنا دکھانا نہایت خطرناک بے احتیاطی ہے۔

صفحہ ۱۲ پر حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی" قرآن میں بیشک وحی کا لفظ ہے مگر وہاں اصطلاحی وحی مراد نہیں ہے لیکن اردو میں وحی کا لفظ صرف وحی اصطلاحی کے لئے مستعمل ہے۔

صفحہ ۲۲ پر حضرت شعیب کی صاحبزادیوں کے اور لوگوں کی موجودگی میں اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانے کی وجہ ان کی زبان سے یہ بتلائی گئی ہے کہ "ہم ان کے مقابلہ میں کمزور رہیں" ممکن ہے یہ بھی سبب ہو مگر قرآن میں اگر کسی سبب کی طرف اشارہ ملتا ہے تو وہ حیا ہے۔

صفحہ ۴۰ پر پہنچ کر قاری کو یکایک ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پہلا فرعون مر کر دوسرا فرعون اسکی جگہ تخت نشین ہو چکا تھا اس کا ذکر اگر پہلے کسی مناسب موقع پر کر دیا جاتا تو اچھا تھا کیونکہ یہ ایک غیر مشہور بات ہے ـــ بہرحال یہ چند امور ہمارے خیال میں توجہ طلب ہیں اور ان پر مزید یہ ہے کہ فہرست مضامین میں قید صفحات کا ترک بالکل ایک غیر مفید جدت ہے جس کا ترک کر دینا ہی قارئین کے لئے زیادہ مفید اور سہولت بخش ہے۔

		ملنے کا پتہ
۱- اچھے قصے	مرتبہ مولوی ارشد حسین صاحب ندوی صفحات ۵۴ قیمت ۲۰ نئے	
۲- آسان فقہ (حصہ اول)	" " عبداللہ عباس ندوی " ۵۶ " "	مکتبہ دین و دانش
۳- دروس الاطفال (" ")	" " " " " " ۶۴ " "	سکارم نگر لکھنؤ

(۱) احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں متعدد عبرت انگیز اور نصیحت خیز قصے ہیں، مولانا ارشد حسین صاحب ندوی نے ان میں سے تین قصوں کا انتخاب کر کے ان کو اردو کے قالب میں پیش کیا ہے، بڑے اور بچے سب ہی ان قصوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

(۲) اس میں پانی اور جسم کی پاکی ناپاکی کے اسباب اور طریقے، وضو، غسل اور تیمم کے عام

کثیرالوقوع مسائل آسان زبان میں بیان کئے گئے ہیں تاکہ بچے اور کم پڑھے لکھے مرد اور عورتیں بھی فائدہ اٹھا سکیں اور اسی بنا پر اصطلاحی الفاظ لانے سے احتراز کیا گیا ہے ابتدا میں کچھ ضروری اصطلاحات کی تشریح بھی کردی گئی ہے۔

(۳) عربی تعلیم کو آسان اور مختصر بنانے کی بہت سی کوششیں ہو رہی ہیں، اسی سلسلہ کی یہ ایک کڑی ہے یہ ایک بالکل ابتدائی ریڈر ہے اور امید ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی کیونکہ مصنف ملک کی مشہور درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل اور کئی سال سے اس درسگاہ میں عربی ادب کے استاذ ہیں۔

ترتیب کا انداز یہ ہے کہ متعلم کے سامنے پہلے مفرد الفاظ پیش کئے گئے ہیں اور اس کے بعد بتدریج مرکبات کی مشقیں دی گئی ہیں۔ جن سے ابتدائی صرفی و نحوی قواعد متعلم از خود معلوم کرلے یا استاد کی معمولی سی توجہ قواعد کلیہ اخذ کرنے کے لئے کافی ہو۔

۱۔ ہادیِ اعظم (حصہ اول) } از ابو خالد صاحب ایم اے ۴۸ صفحات قیمت ۵۰ نئے پیسے
۲۔ ہماری دنیا (حصہ سوم) } از افضل حسین صاحب ایم اے، ایل ٹی ۱۰۶ ″ ″ ۷۵ ″
۳۔ آسان ریاضی (″) } از شوکت علی صاحب بی اے، ایل ٹی ۱۴۲ ″ ″ ۱۲ ″
} ملنے کا پتہ: مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور (یو۔ پی)

یہ تینوں کتابیں جماعت اسلامی کی درسیات کے سلسلہ کی ہیں۔

(۱) تاریخ اسلام کے سلسلہ کی پہلی کتاب ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ہجرت مبارکہ تک کے حالات دئے گئے ہیں اور مکی زندگی میں آپ کو اور آپ کے اصحاب باصفا کو دین کی راہ میں جو مصائب جھیلنے پڑے کمسن طلبہ کو مختصر طور پر ان سے آشنا کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۱ پر بتلایا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۲۵ سال تک آپ کے ساتھ راہ نبوت کے مصائب جھیلے یہ بہرحال مصنف کی غلط فہمی ہے یا کاتب کی غلطی، کیونکہ حضرت خدیجہؓ نے نبوت کے بعد صرف ۹ سال کی عمر پائی ہے۔

(۲) جیسا کہ ایک حد تک نام سے ظاہر ہے جغرافیہ کی کتاب ہے۔ بارہ چودہ سال کے طلبہ کیلئے لکھی گئی ہے مصنف نے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ جغرافیہ والوں کے تبدیل شدہ نقطہ نظر اور اس کے مطابق ڈھلتے ہوئے طریقہ تعلیم سے اس کتاب کی ترتیب میں پورا استفادہ کیا گیا ہے، نیز خالص فنی اور اصطلاحی مباحث کو بھی کافی دلچسپ انداز سے پیش کیا گیا ہے ـــــ ہم نے بھی چند ابتدائی صفحات دیکھ کر یہی خیال قائم کیا ہے کہ طلبہ اس کو خاصی دلچسپی سے پڑھ سکیں گے۔

(۳) یہ بھی غالباً اتنی ہی استعداد کے طلبہ کیلئے حساب کی کتاب ہے۔ غالباً اس کے سابقہ دونوں حصوں یا کسی ایک حصہ کا تذکرہ انہیں صفحات میں پہلے آچکا ہے اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کردیا گیا تھا تبصرہ کا حق

یا اس فن کے ماہرین کو یا تھوڑی بہت دلچسپی رکھنے والوں ہی کو ہو سکتا ہے۔ (ع م ر)

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۴ء | نمبر ۳

اگر اس ◯ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۵ ر کو روانہ کر دیا جاتا ہو، اگر ۲۰ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارا ایمان ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی و رسول تھے اور تمام بنی آدم کے لیے آپ کی مرکزی دعوت یہ تھی کہ ایک اللہ کے بندے بن جاؤ اور زندگی کے بارہ میں جو احکام اور ہدایات اپنے اور تمہارے پیدا کرنے والے کی طرف سے میں لایا ہوں، اپنی زندگی کو ان کا پابند بنا دو، یعنی من مانی اور جی چاہی زندگی کا جاہلی طریقہ چھوڑ کے بندگی والی زندگی کا اسلامی طریقہ اختیار کر لو۔

ہم مسلمانوں کے لیے آپ کی یہی دعوت و تعلیم دراصل اس بات کی کسوٹی ہو کہ ہم نے آپ کو اور آپ کی دعوت کو قبول کیا ہو یا نہیں، اور آپ کے ساتھ ہمارا تعلق کس قسم کا اور کس درجہ کا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اطہر اور جسم مقدس کے ساتھ اگرچہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں لیکن آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کا پیغام موجود ہو اور وہ آپ کی دعوت و تعلیم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت ہی ہو، پس آپ کی تعلیم و شریعت کے ساتھ جس کا جو معاملہ اور برتاؤ ہو دراصل وہ معاملہ اور برتاؤ آپ ہی کے ساتھ ہو، یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت سے جو جس قدر قریب ہو وہ اسی قدر آپ سے قریب ہو اور جو جس قدر دور ہو وہ اسی قدر آپ سے دور ہو ـــ یہ اتنی کھلی ہوئی اور بدیہی بات ہو کہ اس میں شک اور تردد صرف کسی ایسے ہی شخص کو ہو سکتا ہو جس کو اللہ نے عقل و نگاہ سے بالکل ہی محروم کر دیا ہو۔

بدقسمتی سے مسلمانوں میں بہت بڑی تعداد اس حال میں ہو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت و تعلیم کو ارادہ اور شعور کے ساتھ اس طرح قبول ہی نہیں کیا ہو جیسا کہ قبول کرنے کا حق ہو، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے ایمانی اور اعتقادی تعلق کی بنیاد صرف یہ ہو کہ خوش نصیبی سے وہ کسی مسلمان خاندان میں پیدا ہو گئے ہیں اور پھر اس کے بعد بھی ان کو اس کا موقع نہیں ملا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس

ایمانی دعوت کی حقیقت کو جان کر اور اس کی ذمہ داریوں اور اس کے تقاضوں کو سمجھ کر دل کے شعور اور فیصلہ کے ساتھ انھوں نے کبھی اس کو اپنایا ہو' اس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ لوگ مسلمان ہیں مگر ان کی زندگی مسلمان نہیں' یہ اللہ و رسول کے احکام کے تابع و پابند نہیں' بلکہ اپنی خواہشات نفس اور اپنے نفسانی جذبات کے پیرو کار ہیں' کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کیلئے اللہ و رسول کی ہدایت کی تلاش کے بالکل عادی نہیں' بلکہ جو جی چاہے اور جو من کو بھائے اس کے کرنے کے عادی ہیں ـــ اور اپنی اسی حالت اور اسی سیرت کے ساتھ چونکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے ساتھ بھی ایک تعلق ہو' اور یہ کبھی کبھی اس تعلق کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا یہ اظہار تعلق قدرتی طور پر جاہلی اور غیر اسلامی طریقوں ہی پر ہوتا ہو۔

ربیع الاول کے اس مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی یاد کو تقریب بنا کر بہت سے مقامات پر جو جاہلی تماشے کیے جاتے ہیں اور وہ دوسری خدا ناشناس قوموں کی تقلید اور نقالی میں جو سوانگ رچائے جاتے ہیں دراصل اُن کی حقیقت اور ان کا پس منظر یہی ہو' ان کا مزاج تماشبین ہو' یہ ہنگامہ آرائی کے شوقین ہیں' سال میں ایک دفعہ یہ (العیاذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بھی اپنے ذوق تماشبینی اور شوق ہنگامہ پسندی کا تختۂ مشق بنا لیتے ہیں اور ظالم گرنادان) اس کو کارِ خیر کہتے ہیں ـــ !

بازی بازی با ریش بابا ہم بازی !!

کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اس طرح منائی جاتی کہ آپ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو صحیح اور استوار کرنے کی ایک دوسرے کو دعوت دی جاتی اور ایمانی ذمہ داریوں کو ادا کرنے اور آپ پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے عہد و میثاق کو تازہ کیا جاتا' تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اس سے خوش ہوتی اور آپ کے مشن کی یہ سب سے بڑی خدمت ہوتی۔

مگر کیا کہا جائے! مسلمانوں کے اس طبقہ کی مزاجی کیفیت اس وقت بالکل وہ ہوگئی ہو جو بعض اگلی مغضوب اور توفیق سے محروم قوموں کی قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہو۔

وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلاً وان یروا سبیل الغي یتخذوہ سبیلاً۔ (الاعراف رع ۱۷)	اگر یہ دیکھیں ہدایت کا راستہ تو اسکی طرف ان کے قدم نہ اٹھیں' اور اگر یہ دیکھیں گمراہی کا راستہ تو اس کی طرف دوڑ پڑیں۔

قرآنی دعوت

(۱۴)

نبی کی حیثیت اور مقام نبوت :-

قرآن مجید جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت و پیروی کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہے کہ ان کی حیثیت و مقام اور ان کے کام کو صحیح طور پر جانا جائے اور ان کے بارہ میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی :-

انبیاء علیہم السلام کی شان میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی یہ ہو کہ ان کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار اور ان کی تکذیب کی جائے اور جو ہدایت و تعلیم اور جو احکام وہ خدا کی طرف سے لاتے ہیں ان کو تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہو کہ یہ بھی اسی طرح کفر ہو جس طرح کہ خدا کا انکار کفر ہو۔ اور خدا کے منکرین کی طرح اس جرم کے مجرمین بھی اللہ کی مغفرت اور بخشش سے قطعی محروم رہنے والے ہیں ـــــ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن مجید کا اعلان "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (النساء ع ۲۱) پہلے گزر چکا ہو جس کا مطلب یہی ہو کہ ایسے لوگ قطعی کافر ہیں اور جہنم کا دردناک عذاب ان کے لیے تیار ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم و حوا کے اس دنیا میں آنے کے بعد جب انسانی تاریخ کا یہاں آغاز ہوا تو اس وقت پوری نسل آدم کے لیے جو چند اصولی اور بنیادی ہدایتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ	اے اولاد آدم، اگر تمھارے پاس ہمارے
مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ	بھیجے ہوئے پیغمبر آ دیں، جو تم ہی میں سے

اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الاعراف رع ۴)

ہوں گے اور تم کو میرے احکام بتائیں گے تو جو لوگ (ان کی ہدایت کو قبول کرکے) پرہیزگاری اختیار کریں گے اور اپنے احوال و اعمال کو درست کرلیں گے تو ان کو کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ انکار و سنگباری کی راہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ازراہ تکبر ان کو قبول نہیں کریں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ ہی میں پڑے رہیں گے۔

اور چند ہی آیات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور اُن کی لائی ہوئی تعلیم کے ان ہی مکذبین و منکرین کے بارہ میں پھر فرمایا گیا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف رع ۵)

جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ازراہ تکبر ان کے ماننے سے انکار کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ کبھی ہرگز جنت میں نہ جا سکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے (مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ کا گزرنا ناممکن ہے، اسی طرح اللہ کی آیات کے مکذبین و منکرین کا جنت میں جانا ناممکن ہے)۔

اور ان کے برخلاف جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرکے نیک عملی کی زندگی گزاریں ان کے متعلق اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (یعنی علم و عمل میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کریں — اور یہ کوئی ناممکن یا بہت مشکل نہیں، کیونکہ ہم

کسی کو اس کے امکان اور اس کی طاقت و وسعت کے سوا تکلیف نہیں دیتے ۔ تو وہ

جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ۔

پھر فرمایا گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کے طفیل جب یہ بندگانِ خدا جنت میں پہونچ جائیں گے تو ان کی زبانوں پر اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبروں کے اعتراف و شکریہ کا یہ نغمہ ہوگا ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا	اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہو جس نے ہم کو اپنے
لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا	فضل سے اس مقام تک پہونچایا، اور اگر
اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ	وہ نہ پہونچاتا تو یہاں تک ہماری ہرگز رسائی
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط (الاعراف ع ۵)	نہ ہو سکتی ۔ بے شک ہمارے اللہ کے پیغمبروں

کی تعلیم و دعوت بالکل حق تھی اور انھوں نے جو کچھ ہم کو بتایا سب سچ تھا ۔

الغرض قرآن مجید نے ان آیات میں بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کی تعلیم کا انکار اللہ کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہو اور جس طرح انکارِ خدا کی سزا جہنم کا ابدی عذاب ہو اسی طرح پیغمبروں کی تکذیب کی سزا بھی اللہ نے یہی مقرر کی ہو ، ایسے لوگ کبھی جنت کی ہوا بھی نہ پا سکیں گے ۔ ـــــــ جنت صرف ان ہی کے لیے ہو جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں اپنی زندگی کو سنواریں ۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسی فیصلہ کا اعلان ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کیا ہو

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ	ہم پیغمبروں کو صرف اسی لیے بھیجتے ہیں کہ وہ
اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ فَمَنْ	ثواب کی خوشخبری سنائیں اور عذاب سے ڈرائیں ۔
اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ	پس جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے
وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ	ایمان لائیں اور اُن کی تعلیم و ہدایت کے
كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ	مطابق اپنے کو درست کر لیں تو ان کو کوئی
بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝	اندیشہ اور کوئی غم نہیں ، اور اس کے برخلاف
(الانعام ع ۵)	جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے

وہ اپنی بدکاری اور نافرمانی کی وجہ سے ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس اعلان اور انتباہ کے علاوہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو یہ بھی بتلاتا ہو کہ پچھلے زمانوں میں جن قوموں نے اور قوموں کے جن سرداروں نے اللہ کے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کی اُن کو کبھی معاف نہیں کیا گیا، چنانچہ سورۂ ص میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب، اور فرعون کا نام بنام ذکر کرکے ان کے جرم اور اس کی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہو۔

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝	ان سب نے یہی کیا کہ میرے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کا انکار کیا، اس لیے میرا عذاب ان پر واقع ہوا۔
(ص ع ۱)	

اسی طرح سورۂ الحاقۃ میں فرعون اور اس سے پہلے کے بعض منکرینِ انبیاء کے متعلق فرمایا گیا

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝	انھوں نے کہنا نہ مانا اپنے رب کے رسولوں کا تو اللہ نے لے لیا ان کو سخت گرفت میں۔
(الحاقۃ ع ۱)	

الغرض پیغمبروں کے حق میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی ان کی تکذیب اور ان کی اطاعت سے انکار ہو۔ اور قرآن مجید نے جا بجا واضح کر دیا ہو کہ یہ قطعی کفر اور ناقابلِ معافی جرم ہو۔

پھر اس سے کم درجہ کی تفریط اور ناقدر شناسی یہ ہو کہ ان کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی جائے، قرآن مجید بتلاتا ہو کہ یہ بھی ایسا جرم ہو کہ اس کے کرنے والوں کو اللہ کے دردناک عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے ڈرنا چاہیے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	جو لوگ رسولِ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ کوئی آفت ان پر آن پڑے یا دردناک عذاب ان پر نازل ہو جائے۔
(النور ع ۹)	

اسی لیے قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی ویسے ہی زور کے ساتھ دیا گیا ہو۔ بہت سے مقامات پر فرمایا گیا ہو۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ[1] — اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت، رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی وابستہ ہے، چنانچہ سورۂ نور میں اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دینے کے بعد فرمایا گیا۔

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ——— (النور ع ۷) — اگر تم رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پا جاؤگے۔

گویا اس آیت میں قرآن مجید نے اعلان کردیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے وہ اللہ کی ہدایت سے محروم اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے رہیں گے ——— ایک دوسرے موقع پر اس حقیقت کا اعلان قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی فرمایا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (الاحزاب ع ۵) — اور جو نافرمانی کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے کہ ہمارے پیغمبر (ع) کی بے چون و چرا اطاعت اور ان کے ہر حکم اور فیصلہ کو خوشدلی سے قبول کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے۔ جس کا یہ حال نہ ہو اس کو ایمان کا مقام ہرگز حاصل نہیں، سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء ع ۹) — (اے ہمارے پیغمبر!) قسم تمہارے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے (اور ایمان کے مقام پر نہیں پہونچ سکتے) جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ حَکَم بنائیں تم کو اپنے نزاعی معاملات میں، پھر (جب تم اپنا فیصلہ دیدو تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ سے اور تسلیم کرلیں اسکو پوری طرح مان کر۔

---

[1] النساء ع ۸ ، المائدہ ع ۲ ، النور ع ۷ ، محمد ع ۴ ، تغابن ع ۲۔

اور سورۂ حشر میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر تمہارے حق میں جو مثبت یا منفی فیصلہ کریں اور جو حکم دیں اس کو مانو اور بجالاؤ، اگر اس کے خلاف راستہ اختیار کیا گیا تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ	ہمارے رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو
وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ج وَ	اور جس سے منع کریں، اس سے رک جاؤ
اتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ	اور اس بارے میں اللہ (کی پکڑ) سے ڈرو
الْعِقَابِ ہ　(الحشر ع ۱)	اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور سورۂ احزاب میں پیغمبر کا حق اور مرتبہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے اوپر جتنا حق اور جتنا اختیار اپنی ذات کا ہوتا ہے اس سے زیادہ حق اور اختیار ایمان والوں پر پیغمبر کا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے پیغمبر کسی کو ایسا حکم دیں جس میں اس کی جان جاتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ بے دریغ جان دے کر اس حکم کی تعمیل کرے ——— ارشاد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ	پیغمبر کا زیادہ حق ہے اہلِ ایمان پر خود
اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ	ان کی اپنی ذاتوں سے، اور پیغمبر کی بیویاں
(الاحزاب ع ۱)	کل اہلِ ایمان کی مائیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور مالک ہے، اس کو ہم پر ہر طرح کا حق اور اختیار ہے، یہاں تک کہ جن تصرفات اور جن فیصلوں کا اپنی جان اور اپنی ذات کے بارہ میں خود ہم کو بھی حق نہیں اللہ تعالیٰ کو اُن تمام تصرفات اور فیصلوں کا بھی حق ہے، اور پیغمبر اس دنیا میں چونکہ اس کے نائب اور نمائندہ ہیں، اور وہی اللہ کے احکام لانے والے اور ان کو نافذ کرنے والے ہیں، اس لیے عملاً ضروری ہے کہ اُن کا حق و اختیار بھی ایسا ہی مانا جائے ——— آگے فرمایا کہ" ان کی بیویاں تمام اہلِ ایمان کی ماؤں کی جگہ ہیں" اس لیے اُن کا ادب و احترام اپنی ماؤں کی طرح کیا جائے۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور اُن کے احکام کی اطاعت کرنے اور اُن کا حق اور مرتبہ پہچاننے پر زور دینے کے علاوہ اس کی بھی تاکید کرتا ہے کہ ان کے حضور میں بلند آواز سے اور بے باکی سے بولا بھی نہ جائے۔ بلکہ جب کسی کو اُن کے سامنے کچھ عرض کرنا ہو تو پورے ادب سے اور دبی آواز سے

عرض کیا جائے، قرآن مجید آگاہی دیتا ہے کہ اگر اس بارہ میں کوتاہی ہوئی تو تمھارے سارے اعمال اکارت ہو جانے کا خطرہ ہے ۔ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا
أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ
رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝
(الحجرات ، ع ۱)

اے ایمان والو تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو، اور آپ سے اس طرح کھل کر بھی بات نہ کیا کرو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرتے ہو، مبادا تمھارے سارے اعمال (ادب کی اس کوتاہی سے) اکارت ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور میں اپنی آوازیں نیچی کر کے باتیں کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے خاص کر لیا ہے، ان کے لیے ہی اللہ کی بخشش اور بڑا اجر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں تفریط و ناقدرشناسی اور بے ادبی کی گمراہی سے بچانے کے لیے تو قرآن مجید نے یہ ہدایات دیں (جو مذکور ہوئیں) اب اس کے بعد وہ ہدایات بھی سنیے جو افراط اور غلو کے فتنہ سے بچانے کے لیے قرآن مجید نے دی ہیں ۔

افراط اور غلو کا فتنہ :۔

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں جس غلو اور افراط میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں، وہ یہ ہے کہ انھوں نے سمجھا کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کو انسانوں سے بالاتر کسی جنس سے ہونا چاہیے، اور انسانی ضرورتیں اور انسانیت کے لوازم بھی اُس کے ساتھ نہ ہونے چاہئیں، چنانچہ بہت سی قوموں نے اسی گمراہی کی بنا پر اپنے زمانہ کے پیغمبروں کا انکار کیا، قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے ان کی قوم نے کہا تھا

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (مومنون - ع ۲)

(یہ تو تمھاری طرح کے ایک انسان ہیں (پھر یہ خدا کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں۔)

اور نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا میں پھر گمراہی پھیلی اور اللہ نے اپنے ایک اور نبی کو بھیجا تو اُن کی قوم نے بھی یہی کہہ کے اُن کا انکار کیا ۔ کہ

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ (مومنون - ع ۲)

(یہ تو تمھاری طرح ایک انسان ہیں، جو تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ کیسے رسول ہو سکتے ہیں)

اور سورۂ تغابن میں زمانۂ قدیم کی منکر قوموں کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے کہ ان کے کفر و انکار کا باعث یہی ہوا کہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے وہ تیار نہیں ہوئیں کہ انسان بھی نبی ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا... (تغابن - ع ۱)

(ان کے اس کفر کا سبب یہی ہوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن دلائل اور واضح احکام لے کر آئے، تو ان کمبختوں نے کہا کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ پس (اسی بنیاد پر) انھوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا اور اُن سے روگردانی اختیار کی

اور دوسری جگہ فرمایا گیا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ع ۱۱)

(جب لوگوں کے پاس ہماری ہدایت پہونچی تو ایمان لانے سے ان کو صرف یہی چیز مانع ہوئی کہ انھوں نے کہا کیا آدمی کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (یہ بات تو ہم نہیں مان سکتے)

اور خود قرآن کے لانے والے (خدا کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ان کے منکروں نے کہا۔

مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان ۔ع ۱)	یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں، اور (اپنے کاموں سے) بازاروں میں بھی جاتے ہیں۔

مطلب یہی تھا کہ خدا کا رسول تو وہ ہی ہو سکتا ہو جو ان انسانی لوازم و خصوصیات سے مبرا اور بالاتر ہو۔

الغرض پیغمبروں کے بارہ میں بہت سی قومیں اس گمراہی میں مبتلا رہی ہیں کہ وہ انسان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کو کسی بالاتر جنس سے ہونا چاہیے۔ اور انسانی عادات و خصوصیات بھی ان میں بالکل نہ ہونی چاہئیں ــــ مگر قرآن مجید نے اس گمراہی کی پوری صراحت و صفائی سے بیخکنی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ۔ (یوسف ۔ع ۱۲)	اور ہم نے آپ سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ہم ان ہی کی طرف اپنے احکام کی وحی کرتے تھے۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (الفرقان ۔ع ۲)	اور آپ سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور (اپنی ضرورتوں سے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار حکم دیا گیا کہ اپنے بارہ میں صاف صاف ان لوگوں سے کہدیجئے اور اعلان کر دیجئے

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (کہف ع ۱۲۔ حٰم سجدہ ع ۱)	کہ میں تو بس تمھاری ہی طرح ایک انسان ہوں۔

اور پیغمبروں کے بارہ میں غلو اور افراط ہی کے سلسلہ کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ ان کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ساری کائنات پر ان کا تصرف اور اختیار ہو اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوں اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین نے آپ سے کہا تھا ـــ قرآن کا بیان ہو۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى	یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ
تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۙ	لاویں گے جب تک کہ تم ایسی باتیں کرکے نہ
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ	دکھادو (مثلاً یہ کہ) تم حکم کرو اور زمین سے
وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا	چشمہ پھوٹ نکلے یا تمہارے لیے کھجور اور
تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا	انگور کا ایک باغ لگ جائے اور پھر تم اس
زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ	میں پانی کی بہت سی نہریں جاری کرکے
الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ	دکھاؤ یا جیسے کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کے
بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي	ٹکڑے ہم پر گرا دو یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے
السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى	سامنے لے آؤ، یا تمہارے لیے ایک سونے
تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ	کا گھر بن جائے، یا تم پرواز کرتے ہوئے
(بنی اسرائیل ع ۱)	آسمان میں چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے اس

چڑھ جانے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس اتار لاؤ، جس کو ہم پڑھ سکیں۔

مگر قرآن مجید میں ان سب مطالبوں کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ـ کہ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا	آپ ان سے کہہ دیجیے، سبحان اللہ! میں
بَشَرًا رَّسُوْلًا ۧ	کوئی خدا ہوں، میں اسکے سوا کچھ نہیں کہ ایک
(بنی اسرائیل ع ۱)	آدمی ہوں خدا کا پیغام پہونچانے والا۔

اس مختصر آسمانی جواب کا مطلب یہی ہو کہ اے منکرو! تمہاری یہ بنیادی غلطی ہو کہ تم سمجھتے ہو کہ نبی و رسول وہ ہوتا ہو جس کے اختیار اور قبضہ میں سب کچھ ہو، اور زمین و آسمان پر اس کا کن فیکونی تصرف ہو، حالانکہ یہ شان خدا کی ہو، بیشک وہ کسی چیز سے عاجز نہیں، اس کی قدرت میں سب کچھ ہے، لیکن میری حیثیت تو صرف یہ ہو کہ میں تم میں کا اور تمہاری جنس کا ایک انسان ہوں جس کو اللہ نے رسالت و پیغمبری کا کام اور منصب عطا فرما دیا ہو۔ میں اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں۔

اسی طرح سورۂ عنکبوت میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین نے آپ سے کہا کہ جو معجزے اور جو نشانیاں ہم چاہتے ہیں وہ آپ کیوں نہیں دکھلاتے؟ تو اس کا جواب بھی آپ سے یہی دلوایا گیا۔ کہ

قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ○ (عنکبوت۔ ع ۵)	آپ ان سے کہہ دیجیے کہ معجزے اور نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں (ان پر میرا اختیار نہیں) میں تو بس صاف صاف آگاہی

دینے والا اور ہشیار کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اور اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کے لیے ایک دوسری جگہ آپ کو حکم دیا گیا۔

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ (الانعام ع ۵)	آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں، اور نہ (میں یہ کہتا ہوں کہ) مجھے علم غیب ہو اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (میرا حال تو یہ ہو کہ) جو وحی اللہ کی طرف سے

مجھ پر کی جاتی ہو اور جو حکم مجھے دیا جاتا ہو میں تو بس اس کا اتباع کرتا ہوں۔

اور اسی مقصد کے لیے آپ سے اعلان کرایا گیا

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ○ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ○ (الجن۔ ع ۲)	آپ صاف کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں نہیں مالک ہوں تمھارے نقصان کا اور نہ تمھاری بھلائی کا (یعنی تمھارا بنانا بگاڑ میرے اختیار میں نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہو۔) آپ کہہ دیجیے (کہ خود میرا معاملہ

یہ ہو) کہ مجھے بھی نہیں بچا سکتا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور میں نہیں پا سکتا اس کے سوا کوئی جائے پناہ، اور کوئی ٹھکانا!

اور سورۂ اعراف میں فرمایا گیا!

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا	آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ	نفع نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں ہوں!
الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۚ وَمَا	مگر جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہو (سب کچھ
مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ	اسی کی مشیت اور اسی کے فیصلہ پر موقوف ہے)
وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝	اور اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو
(الاعراف ع ۲۳)	بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا، اور کبھی کوئی

ناگواری اور خلاف مرضی بات مجھے پیش نہ آتی، میں تو بس انجام کے خطرہ سے ہشیار کرنے والا اور انعامات الٰہیہ کی خوش خبری سنانے والا ہوں۔ ایمان و یقین والوں کو۔

ان سب آیتوں میں اسی غلو اور افراط کی بیخکنی کی گئی ہو جو انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں بہت سی قوموں اور اُمتوں میں مختلف زمانوں میں رہا ہو اور جو آج بھی موجود ہو۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے ماننے والے بہت سے مسلمان جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں پر رسول کا پورا اختیار اور تصرف ہونا چاہیے۔ اور اُن کو علم غیب بھی ہونا چاہیے۔ اور دین و دنیا اور آخرت کے بارہ میں ان کو مختار مطلق ہونا چاہیے۔ حالانکہ معلوم ہو چکا کہ قرآنِ مجید نے ان تمام گمراہانہ خیالات و ضلالات کی پوری صراحت اور صفائی سے بیخکنی کی ہو۔

اسی سلسلہ میں قرآنِ مجید کی یہ چند آیتیں اور بھی پڑھ لیجیے :-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ	آپ کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا نرالا نہیں
وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا	ہوں رسولوں میں سے (جس طرح مجھ سے
بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى	پہلے اللہ کے بہت سے رسول آئے اسی
اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝	طرح میں بھی اس کا ایک رسول ہوں) اور
(احقاف ع ۱)	(میرا حال یہ ہو کہ) جو کچھ مستقبل میں میرے

ساتھ پیش آئے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا میں اس سب کو جانتا بھی نہیں، میں تو بس اُس کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی مجھے بتلایا جاتا ہے۔ اور میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا ہوں۔

اور سورۂ یونس میں ذکر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر و منکر جب آپ کی زبان سے

قرآن سنتے تھے، جس کی تعلیم اُن کے کافرانہ و مشرکانہ خیالات و اعمال کے خلاف تھی، تو کہتے تھے کہ اس قرآن کو تو ہم نہیں مان سکتے، لہٰذا یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ، یا اس کی تعلیم اور اس کے مضامین کو کچھ بدلو! تو اس کے جواب میں آپ کو حکم دیا گیا۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِيٓ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (یونس۔ ع ۲)

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے بالکل یہ حق نہیں ہو کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی ردّ و بدل کر سکوں، میں خود انہی احکام کی تابعداری کرتا ہوں، جو کہ خدا کی طرف سے میری طرف وحی کیے جاتے ہیں، اگر میں اپنے اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا مجھے بھی ڈر ہے۔

الغرض پیغمبروں کے بارہ میں غلو اور افراط کے سلسلہ کی جن جن گمراہیوں میں لوگ کبھی مبتلا ہوئے ہیں، یا مبتلا ہونے کے زیادہ امکانات اور خطرات ہیں۔ قرآن مجید نے ان سب ہی کی پوری پوری بیخکنی اور آئندہ کے لیے ناکہ بندی کر دی ہو، اور انبیاء علیہم السلام کی جو اصلی حیثیت اور ان کا جو حقیقی مقام ہو اس کو اس طرح واضح اور متعین کر دیا ہو کہ قرآن کو سمجھنے اور ماننے والوں کے لیے کسی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش قطعاً نہیں رہی ہو۔

صفحہ ۵۵ کا بقیہ مضمون باہر کے ملکوں سے لاکر اپنی فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ ابوالفدا (۱۲۷۳ء سے ۱۳۳۱ء تک) لکھتا ہے کہ کولم میں ایک خوبصورت مسجد اور مسلمانوں کا چوک تھا ابن بطوطہ نے کھمبایت سے کر سارے مالابار کے کنارے کا سفر کیا۔ اسے ہر جگہ مسلمان ملے اور وہ اچھی حالت میں تھے۔ اس کا بیان ہے کہ گوآ مسلمانوں کے قبضہ میں تھا کندیار میں مسلمانوں نے اس سے ملاقات کی۔ کوزکاہ میں اس نے ایک پرانی مسجد دیکھی۔ وہاں بہاسے حیدری درویشوں کی ایک ٹولی ملی غرضیکہ اسلام مختصر سے عرصے میں اپنی خوبیوں کی بنا پر ہندستانیوں کا محبوب مذہب بن گیا تھا۔
(الجمعیۃ دہلی)

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

(از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(اس مقالہ کی پہلی قسط گزشتہ اشاعت میں ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں ـــــ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ضخیم ضخیم کتابیں موجود ہیں لیکن ان میں ایسی چیزیں تلاش کرنے والے کو مشکل سے ملتی ہیں جن سے اس زمانہ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو اور حضرت شیخ کی داعیٔ عظمت کو کہا جا سکتا ہو، یہ مختصر مقالہ جو دراصل صاحب مقالہ کی زیر تصنیف کتاب "دعوت و عزیمت" کا جزء ہے اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں حضرت شیخ کے وہی حالات و ارشادات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے اس زمانہ میں بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے) مدیر

خلفاء اور حکام وقت پر تنقید حضرت شیخ صرف مواعظ، پند و نصیحت اور ترغیب و تشویق ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے جہاں ضرورت سمجھتے تھے بڑی صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، حکام و سلاطین اور خلیفۂ وقت پر بھی تنقید اور ان کے غلط افعال اور فیصلوں کی مذمت سے کبھی باز نہیں رہتے تھے اور اس بارہ میں کسی کی دوستی، حیا، اور اثر و نفوذ کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

کان یامر بالمعروف وینھی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاة والخاصة والعامة یصدعھم بذالک علی رؤس الاشھاد ورؤس المنابر وفی المحافل وینکر علی من یولی الظلمة ولا تأخذہ فی اللہ لومة لائم[1]	آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ، خواص و عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں اور برسر منبر علی الاعلان ٹوک دیتے، جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ کو پرواہ نہ ہوتی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۲

صاحب قلائد الجواہر لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ مقتضی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفا یحییٰ بن سعید بن یحییٰ بن المظفر کو قاضی بنایا جو ابن المزحم الظالم کے لقب سے مشہور تھا، تو حضرت نے برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

ولیت علی المسلمین اظلم الظالمین	تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم
ماجوابک غداً عند رب العالمین	بنایا ہے جو "اظلم الظالمین" ہے کل کو قیامت
ارحم الراحمین.	کے دن تم اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین
	ہے کیا جواب دوگے؟

مورخ موصوف کا بیان ہو کہ خلیفہ یہ سن کر لرزہ براندام ہوگیا اور اس پر گریہ طاری ہوگیا، اور اس نے اسی وقت قاضی کو اس عہدہ سے ہٹا دیا۔[1] حضرت شیخ ان " درباری سرکاری" علماء اور مشائخ کی بھی پرزور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے، جنھوں نے سلاطین اور ناخدا ترس حکام کی مصاحبت اختیار کی تھی اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا اُن کا شعار تھا جن کی وجہ سے ان سلاطین و حکام کو زیادہ جرأت اور بے خوفی پیدا ہوگئی تھی، ایک موقع پر اسی طبقہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:۔

" اے علم اور عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکوؤ، تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو، یہ نفاق کب تک رہے گا؟ اے عالمو اور اے زاہدو! شاہان و سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہوگے کہ اُن سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اُس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں، بارالٰہا منافقوں کی شوکت توڑ دے اور اُن کو ذلیل فرما، یا اُن کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما، اور زمین کو ان سے پاک کردے یا اُن کی اصلاح فرما۔"[2]

ایک دوسرے موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

---

[1] ص ۔ [2] فیوض یزدانی مجلس ۵۱

تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمتگاری اور حرام خوری پر آمادہ کردیا تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان (ظالم) بادشاہوں کا خدمتگار بنا رہے گا جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے، ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں ؏[1]

دین کے لیے دلسوزی اور فکرمندی

حضرت شیخ دینی اور اخلاقی انحطاط کو (جس کا سب سے بڑا مرکز خود بغداد تھا) دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے اور عالم اسلام میں جو ایک عام دینی زوال رونما تھا اس کے آثار دیکھ کر اُن کے سینہ میں حمیت اسلامی اور غیرت دینی کا جوش اُٹھتا تھا، وہ اپنے اس قلبی احساس اور درد کو بعض اوقات چھپا نہیں سکتے، اور یہ دریا اُن کے خطبات اور مواعظ میں اُمنڈ آتا　ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے درپے گر رہی ہیں اور اُس کی بنیاد بکھری جاتی ہیں، لے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کردیں اور جو ڈھے گیا ہو اُس کو درست کردیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے، لے سورج، لے چاند، اور لے دن تم سب آؤ[2]

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

"اسلام رو رہا ہے، اور ان فاسقوں، ان بدعتیوں، گمراہوں، مکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں کے (ظلم) سے جو ان میں موجود نہیں ہیں اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد مچا رہا ہے، اپنے متقدمین اور نظر کے سامنے والوں کی طرف غور کرو کہ امر و نہی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے (اور دفعتہ انتقال پاکر ایسے ہوگئے) گویا ہوئے ہی نہ تھے، تیرا دل کس قدر سخت ہے؟ کتا بھی شکار کرنے اور کھیتی اور مویشی کی نگہبانی اور مالک کی حفاظت کرنے میں اپنے

---

[1] مجلس ۲۰　[2] ملفوظات ص۹۷ (فیوض یزدانی)

مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر (خوشی کے مارے) کلاریاں کرتا ہے حالانکہ وہ اس کو شام کے وقت صرف ایک دو نوالے یا ذراسی مقدار کھانا دیا کرتا ہے اور تو ہر وقت اللہ کی قسم قسم کی نعمتیں شکم سیر ہو کر کھاتا ہے۔ مگر ان نعمتوں کے دینے سے جو اس کو مقصود ہے نہ تو اس کو پورا کرتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرتا ہے بلکہ (اس کے برعکس) اس کا حکم رد کرتا ہے، اور نہ اس کی حدود شریعت کی حفاظت نہیں کرتا ہے۔[۱]

بیعت و تربیت ان پر تاثیر اور انقلاب آفرین مواعظ سے اگرچہ اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہونچا اور ہزارہا ہزار انسانوں کی زندگی میں اس سے تبدیلی پیدا ہو گئی، لیکن زندگی کے گہرے تغیرات، ہمہ گیر اصلاح اور مستقل تربیت کے لیے صاحب دعوت سے مستقل اور گہرے تعلق اور مسلسل اصلاح و تربیت کی ضرورت تھی، مجالس دعوت و ارشاد مدارس کی طرح منضبط اور مستقل تربیت گاہیں نہیں ہوتیں، جہاں طالبین کی تسلسل و انضباط کے ساتھ تعلیم و تربیت اور نگرانی کی جائے، ان مجالس کے شرکاء و سامعین آزاد ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ وعظ سن کر چلے جائیں پھر کبھی نہ آئیں، یا ہمیشہ آتے رہیں لیکن اپنی حالت پر قائم رہیں اور ان کی زندگی میں بدستور بڑے بڑے خلا اور دینی اور اخلاقی شگاف باقی رہیں۔

اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ مدارس کے ذریعہ سے (جن کو بہت سی رسوم و قیود کا پابند ہونا پڑتا ہے) عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا اور کسی بڑے پیمانے پر کسی دینی و روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں اور پابندیوں کو شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت

---

[۱] ملفوظات ص۵۰

کی گرمی پیدا ہو اور اُس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت اور نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خداشناس پر اعتماد ہو، اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی ونفسانی میں علاج اور دین میں صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہو کہ خلافت کہ جس کا یہ اصلی فرض تھا اس لیے کہ جس نبیؐ کی نیابت ونسبت پر یہ خلافت قائم تھی بقول سیدنا عمر بن عبدالعزیز وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوا تھا، "جبایت" (تحصیل وصول) کے لیے نہیں، نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھی بلکہ اپنے اعمال وکردار کے لحاظ سے اس کام کے لیے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھی، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکّی واقع ہوئی تھی کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں وہ قیادت اور ریاست کی آمیزش باقی برداشت نہیں کرسکتی تھی، اس کو وہ فوراً کچل دیتی،

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم وضبط اور نئے سرے سے حرکت وعمل پیدا کرنے کے لیے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ایمان وعمل اور اتباع شریعت کے لیے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت وجاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ نائب پیغمبر اُن کی دینی نگرانی اور تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمئ محبت، خلوص وللّٰہیت، جذبۂ اتباع سنت اور شوقِ آخرت پیدا کردے، ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح وتربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت واعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر وہ اپنے تجربہ واجتہاد اور کتاب وسنت کے اصول وتعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت وتقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان واحتساب واخلاص، اور اُن کے اعمال وعبادات میں کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت وتربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء وتجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے، اور لاکھوں بندگان خدا کو "حقیقت ایمان اور درجۂ احسان" تک پہونچا دیا ہے، اس سلسلۂ زریں کے سرحلقہ اور گل سرسبد حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن

کا نام اور کام اس "طب نبوی" کی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن اور نمایاں ہے، الفاظ و اصطلاحات اور علمی بحثوں سے الگ ہو کر اگر واقعات و حقائق پر بنیاد رکھی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دورِ انتشار میں (جو ابھی تک قائم ہے) اصلاح و تربیت کا اس سے زیادہ سہل اور عمومی اور اس سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام کیا ہے اور ان کی تاریخ محفوظ ہے، لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوب و دل آویز شخصیت، خدا داد روحانی کمالات، فطری علو استعداد اور ملکۂ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و تربیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے آپ سے پہلے وہ اتنا مدون و مرتب اور مکمل و منضبط نہ تھا نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی جتنی آپ کی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے، اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہلِ سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا، یمن حضرموت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماترا میں یہ لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبولِ اسلام کا ذریعہ بنا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ و جزاہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

زمانہ پر اثر حضرت شیخ کا وجود اس مادیت زدہ زمانہ میں اسلام کا ایک زندہ معجزہ تھا اور ایک بڑی تائید الٰہی، آپ کی ذات، آپ کے کمالات، آپ کی تاثیر، اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کی مقبولیت کے آثار، اور خلق اللہ میں قبولیت و وجاہت کے کھلے ہوئے مناظر، آپ کے تلامذہ اور تربیت یافتہ اصحاب کے اخلاق اور ان کی سیرت و زندگی سب اسلام کی صداقت کی دلیل اور اس کی زندگی کا ثبوت تھا اور اس حقیقت کا اظہار تھا کہ اسلام میں سچی روحانیت، تہذیب نفس اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی سب سے بڑی صلاحیت ہے اور اس کا خزانہ عامرہ کبھی جواہرات و نادرات سے خالی نہیں۔

وفات ایک طویل مدت تک عالم کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کرکے اور عالم اسلام میں روحانیت اور رجوع الی اللہ کا عالم گیر ذوق پیدا کرکے ۵۶۱ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، صاحبزادہ حضرت شرف الدین عیسٰیؒ آپ کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

"جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے کہ جس میں انتقال فرمایا تو آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے کہ آپ کے بعد اس پر عمل کر دں، فرمایا ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو اور نہ اُس کے سوا کسی سے امید رکھو اور اپنے تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو، صرف اسی پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اُسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا جب دل خدا کیساتھ درست ہوجاتا ہے تو کوئی چیز اُس سے چھوٹتی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے، اور فرمایا میں مغز بے پوست ہوں، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا، میرے گردسے ہٹ جاؤ، میں ظاہر میں تمھارے ساتھ ہوں اور باطن میں دوسروں کے ساتھ ہوں، میرے پاس تمھارے سوا اور لوگ (فرشتے) حاضر ہیں ان کے لیے جگہ خالی کرو اور ان کے ساتھ ادب کرو یہاں بڑی رحمت نازل ہے، ان کے لیے جگہ تنگ نہ کرو، اور آپ بار بار فرماتے تھے تم پر سلام اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں! اللہ میری اور تمھاری مغفرت کرے اور میری اور تمھاری توبہ قبول کرے، بسم اللہ! آؤ اور واپس نہ جاؤ، اور یہ آپ ایک دن ایک رات برابر فرماتے رہے، اور فرمایا تم پر افسوس! مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں، نہ کسی فرشتے کی نہ ملک الموت کی، اے ملک الموت! ہمارے کارساز نے تم سے زیادہ ہم کو بہت کچھ دے رکھا ہے، اور اس دن جس کی شب کو آپ نے رحلت فرمائی ایک بڑی سخت چیخ ماری تھی اور آپ کے دو صاحبزادے شیخ عبدالرزاق و شیخ موسٰی فرماتے تھے کہ آپ بار بار دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلاتے اور فرماتے تھے تم پر سلام! اور

خدا کی رحمت اور برکتیں، حق کی طرف رجوع کرو اور صفت میں داخل ہو میں ابھی تمھارے پاس آیا، اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نرمی کرو، پھر آپ پر امرِ حق آیا اور موت کے نشہ نے غلبہ کیا اور آپنے فرمایا میرے اور تمھارے اور تمام خلق کے درمیان میں زمین آسمان کا فرق ہے، مجھے کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو مجھ پر پھر آپکے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپ کی تکلیف اور حال دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میں علمِ الٰہی میں پلٹے کھا رہا ہوں، اور آپکے صاحبزادہ شیخ عبدالعزیز نے آپکے مرض کو پوچھا تو فرمایا میرے مرض کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ کوئی سمجھتا ہے، نہ انسان نہ جن نہ فرشتہ، خدا کے حکم سے خدا کا علم نہیں ٹوٹتا، حکم بدل جاتا ہے اور علم نہیں بدلتا، حکم منسوخ ہو جاتا ہے علم منسوخ نہیں ہوتا، اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس اصلی تحریر ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اُس سے باز پرس نہیں ہوتی اور خلق سے باز پرس ہوتی ہے، صفات کی خبریں گزر رہی ہیں جیسی آئی ہیں، پھر آپکے صاحبزادہ شیخ عبدالجبار نے آپسے پوچھا کہ آپکے جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ فرمایا میرے کل اعضا مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے، پھر آپ کا وقت اخیر آیا تو آپ فرمانے لگے میں اُس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ پاک و برتر ہے اور زندہ ہے جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں، پاک ہے وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اور آپکے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے تھے کہ آپنے لفظ "تعزّز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا، تب آپ باربار اُسے دُہراتے تھے یہاں تک کہ آپنے آواز بلند اور سخت کرکے لفظ "تعزّز" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا پھر (تین بار) اللہ، اللہ، اللہ فرمایا اس کے بعد آپ کی آواز غائب ہوگئی اور زبان تالو سے چپک گئی اور روح مبارک

رخصت ہوگئی، رضی اللہ عنہ وارضاہ،[1]

حضرت شیخ اس دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اپنے پیچھے دین کے داعیوں اور نفوس و اخلاق کے مربیوں کی ایک جماعت چھوڑ گئے، جس نے آپ کے کام کو جاری رکھا اور بڑھتی ہوئی مادیت اور غفلت کا مقابلہ کرتے رہے،[2]

---

[1] التکملہ رموز الغیب ص ۱۸۹-۱۹۲

[2] حضرت شیخ کے بعد جن عارفین و مصلحین نے دعوت و تذکیر اور تربیت نفوس کا کام پوری طاقت اور عمومیت سے جاری رکھا، اور غفلت اور دنیا کی انہماک کا مقابلہ اور اخلاقی اور نفسانی امراض کا علاج کیا ان میں حضرت شیخ کے فیض یافتہ اور شیخ لغیاد شیخ ابوالنجیب سہروردی کے بھتیجے اور خلیفہ شیخ الشیوخ ابوحفص شیخ شہاب الدین سہروردی (۵۹۳ — ۶۳۲ھ) سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے جو طریقہ سہروردیہ کے بانی اور تصوف کی مقبول کتاب عوارف المعارف کے مصنف ہیں، ابن خلکان لکھتے ہیں لم یکن فی آخرعمرہ فی عصرہ مثلہ .... وکان شیخ الشیوخ ببغداد (اخیر عمر میں اُن کے زمانہ میں ان کی نظیر نہ تھی، اور وہ بغداد کے سب سے بڑے شیخ اور اپنے فن میں مرجع تھے[1] ابن النجار کہتے ہیں انتهت الیہ الریاسة فی تربیة المریدین ودعاء الخلق الی اللہ[2] (تربیت مریدین اور دعوت الی اللہ کے کام میں وہ مرجع خلائق تھے، ابن خلکان کہتے ہیں کہ "اُن کے زمانہ کے مشائخ دور دور سے ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور استفادہ کرتے رہتے تھے"[3] شیخ کے مواعظ سے خلق اللہ کو بہت نفع ہوا، ابن خلکان کے الفاظ میں وکان لہ مجلس وعظ وعلی وعظہ قبول کثیر ولہ نفس مبارک" وہ اہتمام سے وعظ فرمایا کرتے تھے، ان کے وعظ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قبولیت عطا فرمائی اور ان کے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو بڑا نفع تھا۔ (باقی بر صفحہ ۵۶)

[1] وفیات الاعیان ص ۱۱۹ ج ۳ (النہضۃ المصریہ) [2] مرآۃ الجنان للیافعی ص ۷۹ ج ۴ [3] وفیات الاعیان ص ۱۱۹ ج ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
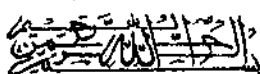
"شعورِ دینی میں انقلاب کس طرح پیدا کیا جائے؟"

(از — ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ، جامعہ عثمانیہ)

ہیزمے بودم بہ جنگل، ناگہاں　　　درگرۂ آتش فتادم عقلی آتش شدم!

(۱)

وصول الی اللہ کے لیے مجاہدہ ضروری ہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

"اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

ہدایت کے دو معنی ہیں: (۱) اراءۃ الطریق یا راستہ دکھلانا (۲) ایصال الی المطلوب یا مطلوب تک پہنچانا۔ مجاہدہ سے پہلے حق تعالیٰ کی ہدایت پہلے معنی میں ہوتی ہے۔ اور ظہورِ مجاہدہ کی علت ہوتی ہو۔ اسی کو توفیق بھی کہا جاتا ہو، اور مجاہدہ کے بعد ہدایت دوسرے معنی میں ہوتی ہے، یہ "اجتبار" و "اصطفار" ہو، مجاہدہ کی ابتدار و انتہا، دونوں جانب، ہدایت کا ہونا ضروری ہو، مبتدی و منتہی دونوں کو مجاہدہ کی ضرورت ہو، فرق صرف اتنا ہو کہ مبتدی کا مجاہدہ ہدایت کے پہلے معنی کا معلول ہوتا ہو، اور دوسرے معنی میں ہدایت کی علت، بالفاظ دیگر مبتدی کا مجاہدہ اس وقت شروع ہوتا ہو جب حق تعالیٰ اپنی عنایت سابقہ بے علت سے اس کو ہدایت کا راستہ دکھلاتے ہیں۔ اور راستہ پالینے کے بعد مبتدی مجاہدہ شروع کرتا ہو اور اپنے مطلوب تک جا پہونچتا ہو اور ہر قدم پر حق تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتے جاتے ہیں، اور بفحوائے حدیث قدسی

مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهُ	جو میری طرف چلتا آتا ہو میں اس کی
هَرْوَلَةً	طرف دوڑتا آتا ہوں۔

اس کو اپنی بارگاہ تک پہونچا دیتے ہیں، جب تک ان کی جانب سے کشش نہیں ہوتی بیچارے

عاشق کی "کوشش" کام نہیں آتی ؎

چوں از طرف معشوق نباشد کششے
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نہ رسد!

اور منتہی کا مجاہدہ ہدایت کے دوسرے معنی کا معلول ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ اور ہدایت کے پہلے معنی کی علت، بالفاظ دیگر منتہی جو مطلوب تک جا پہونچا ہے وہ حق تعالیٰ کے اصطفاء و اجتباء کی وجہ سے پہونچا ہے، ان کی توجہ اور کشش ہی سے پہونچا ہے، للہ در من قال

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری ست
رہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش!

ان دونوں ہدایتوں (اراءۃ الطریق و ایصال الی المطلوب) کے درمیان مجاہدہ واقع ہوا ہے، اس لیے قطعاً ضروری ہے کہ اس کے بغیر حال کی اصلاح ممکن نہیں، اس کے بغیر فساد اور تعطیل کے غالب آجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور سالک کے ہلاک ہو جانے کا خوف رہتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

"المجاھدۃ لازم وضروری من الابتداء الی الانتہاء لکل من المبتدئین والمتوسطین والمنتہین ولا تسقط عن ذمۃ العبد بای حال"

یعنی "ہر مبتدی، متوسط و منتہی کے لیے ابتدا سے لے کر انتہا تک مجاہدہ لازم و ضروری ہے اور کسی حال بندے کے ذمہ سے یہ ساقط نہیں ہوتا۔"

بہر صفت کہ میسر شود بکن جہدے!
کہ خویش را بسر کوئے آں نگار کشی!

جو کچھ ہو عمل ہو، جہد ہو، مجاہدہ ہو، اعمال نیک و اقوال نیک تمام سیر و سلوک کا حاصل ہیں، اسی لیے تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

انسان بڑے خسارہ میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے،

صوفیہ کرام کے ہاں بھی آگاہی، و مشاہدہ کا حاصل یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ پیدا ہوں، اور اخلاق نیک کا نتیجہ یہ ہے کہ اعمال نیک صادر ہوں اور اقوال نیک ظہور پذیر ہوں، پھر ان اقوال و اعمال نیک کا

نتیجہ ہو کہ اخلاق و اوصاف زیادہ نیک ہو جائیں اور اخلاق و اوصاف نیک کا نتیجہ یہ ہو کہ "ملکوت" سے نسبت پیدا ہو، اور تشبہ بالملائکہ کا نتیجہ یہ ہو کہ مؤانست الٰہی اور مشاہدہ و آگاہی نصیب ہو، اور پھر آگاہی و مشاہدہ کا حاصل یہ ہو کہ اخلاقِ نیک ظہور پذیر ہوں!

یہی "نسبت دوری" انسان کے ظاہر و باطن میں ہر وقت سائر و دائر ہے، ظاہر کے آثار باطن میں سرایت کرتے ہیں اور باطن کے آثار ظاہر میں نمایاں ہوتے ہیں اور دائماً یہی دور جب تک کہ روح و جسم کا اجتماع ہو گردش کرتا رہتا ہے! ان امورِ دوریہ میں سے اگر ایک امر بھی چھوٹ جائے تو تمام دور میں خلل پیدا ہو جاتا ہے اور راہِ فیض مفقود یا مسدود ہو جاتی ہے اور ہدایت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے!

مجاہدہ کا رُخ یا تو ظاہر کی طرف ہوتا ہے یا باطن کی طرف۔ بعض اکابر طریق سالک کی تربیت طرفِ ظاہر سے شروع کرتے ہیں، تزکیۂ نفس کو تصفیۂ قلب پر مقدم سمجھتے ہیں، ریاضت و مجاہدات کے ذریعہ اس کے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ طمع و شہوت، ہوا و ہوس، کبر و حسد، نفاق، بدخوئی، زود رنجی، کذب وغیرہ کو جو اصولِ فساد ہیں اس کے نفس سے دور کرتے ہیں تاکہ ان کے فروع یا شاخیں جو اعمالِ ناشائستہ افعالِ نابائستہ ہیں ظاہر نہ ہو سکیں!

بعض اکابر طریق سالک کی تربیت "طرف باطن" سے شروع کرتے ہیں، اور ابتدا ہی میں اس کو اذکار و اشغالِ باطن کی تلقین کرتے ہیں، اور تصفیۂ قلب کو تزکیۂ نفس پر مقدم جانتے ہیں۔ بہر حال ہر ایک کی نیت خیر ہے اور ہر ایک کے پیش نظر ایک مصلحت۔ ع از نکویاں جز نکو نیاید!

صحیح اصول تو یہی نظر آتا ہے کہ ہر شخص کی تربیت اس کے مناسبِ حال کی جانی چاہیے۔ اگر کسی کے نفس کو تزکیہ کی زیادہ ضرورت ہو تو تزکیۂ نفس ہی سے معاملہ کا آغاز ہونا چاہیے۔ اور اسی کے ضمن میں تصفیۂ قلب حاصل ہوتا جائے گا۔ بالفعل تزکیہ ہی کو مقدم سمجھنا چاہیے۔ اور ریاضات و مجاہداتِ مناسب کا حکم دینا چاہیے۔ اور اگر کسی کا قلب تصفیہ کا سخت محتاج ہو تو معاملہ کا آغاز تصفیہ قلب سے ہونا ضروری ہے، اور تصفیہ کو بالفعل مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی کے ضمن میں تزکیۂ نفس رفتہ رفتہ میسر ہو جائے گا، ایسے شخص کو اشغال و اذکار مناسب کا حکم دیا جانا چاہیے۔ اور مراقبات میں لگا دیا جانا چاہیے۔ جس طرح کہ امراض بدنی میں طبیب کا پہلا کام شدید مرض کا ازالہ ہوتا ہے، اور جو مرض کہ بالعرض ہو مرض شدید ہی کے معالجہ کے ضمن میں زائل ہو جاتا ہے، اسی طرح اصلاحِ باطنی میں اہم کو اہم جان کر

بصیرت وحذاقت کے ساتھ معالجہ ضروری ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو کہ حاذق طبیبِ روحانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اصطلاحِ قوم میں حاذق طبیبِ روحانی ہی کو "پیر" یا "مرشد" کہا جاتا ہے۔

محرمِ دولت نبود ہر سرے
بارِ مسیحا نکشد ہر خرے!

بہرحال مجاہدہ لازمی ہے، خواہ تزکیۂ نفس کے لیے ہو یا تصفیۂ قلب کے لیے مجاہدہ ناگزیر ہے ناگزیر سے غفلت حماقت ہے۔ لہٰذا ع

یک نفس غافل مباش از ناگزیر!

اکابرِ دین یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کامل علیہم الرضوان نے ہمیشہ نفس کے خلاف مجاہدہ کیا ہے اور سب سے بڑا دشمن نفس ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ رسالت پناہ صلعم کا قول ہے:

"اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ"

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے!

اور عام حکم نافذ فرمایا گیا کہ:

اُقْتُلُوْا نُفُوْسَكُمْ بِسُیُوْفِ الْمُجَاهَدَاتِ وَالْمُخَالَفَاتِ

اپنے نفسوں کو مجاہدے اور مخالفت کی تلواروں سے قتل کرو

اسی بنا پر مشائخ کرام رحمہم اللہ نے نفس کو "صنمِ اکبر" قرار دیا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ

مُخَالَفَةُ النَّفْسِ رَاسُ الْعِبَادَةِ وَمُوَافَقَةُ النَّفْسِ اَسَاسُ الْكُفْرِ

نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے، اور نفس کے ساتھ موافقت کرنا کفر کی بنیاد

اور فرمایا کہ

"گر حیاتِ خوب خواہی نفس را گردن بزن
زانکہ از نفسِ توی تر ہیچ دشمن دار نیست!"

جب تک نفس مقہور نہ ہو قلب غوغائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہوتا! کسی بزرگ نے اسی واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

تا یک نفس از نفسِ تو پیدا است ہنوز
بر درگہ دل ز دیو غوغا است ہنوز

نفس کا مقہور ہونا اس کی شکست، اس کی مراد کا پورا نہ ہونا اس کی نامرادی ہے، اس کی خواہش کا پورا نہ ہونا ہے۔ اکابر دین کا نفس بھی بمقتضائے بشریت اپنی خواہشات و مشتہیات کی طرف رغبت کرتا تھا اور بدی کی طرف مائل ہوتا تھا اور برائی کا حکم کرتا تھا، جیسا کہ اس پوشیدہ بات کو حضرت یوسفؑ نے ظاہر فرمایا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ

بیشک نفس برائی کا حکم کرتا ہے

حکیمانہ راز یہ ہے کہ نفس کا یہی معاملہ روحی ترقی کا موجب ہوتا ہے ورنہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ فرشتے تسبیح و تقدیس کے کام کو بوجہ احسن سرانجام دیتے ہی ہیں اور حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ ایک ایسی نوع سے جو "مُفْسِدُ فِی الْاَرْضِ وَسَافِکُ الدِّمَاءِ" (زمین میں فساد کرنے والی اور خون بہانے والی) ہے، خلیفۃ اللہ کو پیدا نہیں کرتی!

جب ان اکابر دین اور مقربان بارگاہِ الٰہی کا نفس اپنی خواہشات و ملائمات کی طرف رغبت کرتا تھا تو وہ اس کی مخالفت میں کوشش فرماتے تھے اور 'ہوائے نفس' کے خلاف مجاہدہ کرکے اس کا تزکیہ فرماتے اور اس کو "امارگی" سے نکال کر "مُطْمَئِنَّہ" بناتے اور حق تعالیٰ کے اس خطاب کے قابل بناتے:

یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً

"اے نفس مطمئنہ لوٹ اپنے رب کی طرف کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی"

اور نوید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی

سماعت فرماتے! ان کے پیش نظر ہمیشہ ان کے رب کا یہ وعدہ رہا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ هِیَ الْمَاْوٰی

اور جو ڈرا اپنے رب کے مقام سے اور روکا نفس کو اس کی خواہش سے تو بیشک جنت اس کا مقام ہے۔

تن فرعون میں نفس ہی نے دعوئے خدائی کیا تھا اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ بلند کیا تھا!

جب تک نفس کی مخالفت نہ کی جائے اور حق تعالیٰ کی غیر مرضیات اور منہیات سے اس کو روکا نہ جائے اور مجاہدہ و ریاضت سے اس کو مطیع و فرمانبردار نہ کیا جائے پشیمانی و سرگردانی کے سوا کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی! سچ کہا تھا کسی بزرگ نے ؎

ہر کہ پیش نفس خود مسکیں شود — او بسان ملحداں بے دیں شود
رستمی کن نفس را گردن بزن — زانکہ او سالار تست اندر بدن
بے ریاضت کے شود ایں نفس رام — چارۂ دیگر ندارد والسلام

جس اصول پر جمہور عقلاء کا اتفاق ہوا اور جس کی راہ کی تمام انبیاء نے رہنمائی کی ہو اس سے تخلف و انحراف وہی شخص کرتا ہے جو اپنی فہم ناقص و یافت بے حاصل پر بھروسہ کرتا ہے، یہ تیرہ دروں کشتۂ شہوت، زبونِ نفس، لذت کا پرستار ہوتا ہے اور "ہوائے نفس" کو اپنا معبود قرار دیتا ہے، یہ وہی بُت گر و بُت پرست ہے جس کی نشان دہی قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ

"کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود قرار دے رکھا ہے؟"

جس کو خدا پرستوں کی جماعت نے ہر زمانہ میں للکار کر کہا ہے:

عشوۂ ابلیس از تلبیس تست! — در تو یک یک آرزو ابلیس تست!
چوں کنی یک آرزوئے خود تمام! — در تو صد ابلیس زائد والسلام!

وہ اپنے تجربوں کی بنا پر جانتے ہیں کہ دنیا میں آسودگی محال ہے، نہ کسی کو نصیب ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے؛ دنیا محل حوادث ہے، سراسر ملال ہے، مکروہات سے مالامال ہے، اس کی ہر "راحت" اپنے ساتھ "جراحت" بھی رکھتی ہے، ہر لذت بیشمار آلام کا موجب ہوتی ہے! اسباب کے جمع کر لینے سے "دل جمعی" حاصل نہیں ہوتی خاطر خواہ آسودگی کسی وقت نہیں ہوتی۔

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

قیدِ حیات ایک "قفس" ہے "خار و خس" سے مملو، موت سے پہلے رنج و غم سے آزادی کا خیال وہم ہے، محض خیال، اس کا امکان نہیں!

زندگی کی اس حقیقت و ماہیت کا صحیح وجدان ہونے کے بعد ہی تمام عقلاء و مقربانِ حق نے "تزکیۂ نفس" کو ضروری قرار دیا ہے، نفس کی "امارگی" تزکیہ سے دور کی جا سکتی ہے اور اس کو اطمینان کے مقام تک پہونچایا جا سکتا ہے! تزکیہ سے نفس فلاح پاتا ہے، امارہ نہیں رہتا، مطمئنہ بن جاتا ہے! اب وہ "خواہش"

یا قرآنی الفاظ میں 'ہویٰ' کا غلام نہیں رہتا بلکہ احکامِ الٰہیہ کا پابند ہو جاتا ہے، اور حق تعالیٰ سے 'موافقت' کرتا ہے اور ان ہی کو اپنا دوست سمجھنے لگتا ہے! اور جب وہ حق تعالیٰ کو پا کر خلق سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنا کر سب کا مرجع بنا دیتا ہے، اسی تصور کو شیخ جیلیؒ نے یوں ادا کیا تھا:

"مَنِ اسْتَغْنَىٰ بِاللّٰهِ احْتَاجَ إِلَيْهِ كُلُّ شَيْءٍ"

یا اس مفہوم کو شاعر کے سریلے نغموں میں یوں سمجھو:

اے دل خیالِ قدمش در ہر سرے کہ باشد — آید بپائے بوسش ہر سرورے کہ باشد!

حق تعالیٰ سے محبت کی شرط ان کے ساتھ موافقت کرنا ہے: مِنْ شَرَائِطِ محبۃ اللّٰہ موافقتہ فِيكَ وَفِي غَيْرِكَ، یعنی جو کچھ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں خواہ وہ ہمارے نفس کے کتنا ہی خلاف کیوں نظر نہ آئے۔ ہمیں اتفاق حق تعالیٰ ہی کی رائے اور فیصلہ سے کرنا ہے اور اسی طرح ہمارے اور ہمارے سوا دوسروں کے معاملات میں قضا و قدر کے ساتھ موافقت کرنا ضروری ہے! جب نفس امارگی سے نکل آتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کے ہر فعل سے راضی ہو جاتا ہے، توافق بالقضا، رضا بالعطا اس کا حال ہو جاتا ہے! اب وہ دوسروں سے عارف رومی کے الفاظ میں کہا کرتا ہے:

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ — شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ
تا بماند جانت خنداں تا ابد — ہمچو جانِ پاکِ احمد تا احد
عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد — اے عجب من عاشق ایں ہر دو ضد
عاشقم بر رنج و خویش و درد خویش — بہر خوشنودئے شاہ فرد خویش

اب اس کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وناپسند شو حق تعالیٰ کے حکم سے یا ان کے اوامر ونواہی یا قضاء و قدر سے ناپسندی وناراضی ہے، یا خود پسندی ہے!

مذہبِ عشق خود پسندی نیست — جز غریبی و درد مندی نیست
بہ پسند انچہ میرسد، کانجا — ناپسندے چو ناپسندی نیست

نفس میں یہ تغیر کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے اس کے چند طریقے ہم یہاں بتلا رہے ہیں، ان طریقوں کو ہم نے اپنے سلوک میں مفید پایا ہے، ہمیں یقین ہے کہ تمہارے لیے بھی یہ مفید ہوں گے ؎

گر نہی گوشِ دل بجانبِ ما — بر تو خوانیم صحیفۂ اخلاص!

(۲)
(الف)

(۱) رات کو سوتے وقت اور دن میں جب قیلولہ کریں، ادعیہ ماثورہ کے پڑھ لینے کے بعد نہایت شعور و ادراک معنی کے ساتھ کہیں:۔

"قبول کردم دین مسلمانی را و آنچہ در وست بیزارم از کفر و کافری و آنچہ در وست اتوب الیہ و اقول"

"اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

(قبول کیا میں نے دین مسلمانی کو اور جو کچھ کہ اس میں ہو، بیزار ہوا کفر و کافری سے اور جو کچھ اس میں شامل ہے اور خدا کی طرف لوٹتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور اقرار کیا کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں)

اور تین مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُشْرِكَ	اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس امر سے
بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ	کہ میں جان کر کسی شے کو تیرا شریک قرار دوں
لِمَا لَا اَعْلَمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاَقُوْلُ	اور معافی مانگتا ہوں تیری اگر نہ جان کر ایسا کیا
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	ہو، تیری ہی طرف لوٹتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں

کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا اور محمد اس کے رسول ہیں۔

شرک کے سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک ظاہر اور شرک باطن۔ شرک ظاہر تو عبادتِ اصنام، یا بتوں کی پرستش کو کہتے ہیں، اور شرک باطن شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے الفاظ میں:

اَلْاِتِّكَالُ عَلَى الْخَلْقِ وَرُؤْيَتُهُمْ	خلق پر بھروسہ کرنا ہو، اور سود و زیاں، نفع و
فِی الضَّرِّ وَالنَّفْعِ	نقصان کو ان کی طرف سے جاننا ہو!

اسی مفہوم کی زیادہ وضاحت آپ نے "فتوح الغیب" میں یوں فرمائی ہو

لَيْسَ الشِّرْكُ عِبَادَةُ الْاَصْنَامِ	"شرک کچھ بت پرستی ہی نہیں، بلکہ خواہش نفس
بَلْ هُوَ مُتَابَعَتُكَ هَوَاكَ وَاَنْ	کی پیروی بھی اسی حکم میں ہو، اور حق تعالیٰ کے ہوتے
تَخْتَارَ مَعَ رَبِّكَ عَزَّ وَجَلَّ سِوَاهُ	ہوئے کسی شے کو ان کے سوا دنیا و آخرت اور ان میں جو کچھ ہے اس
مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا فِيْهِمَا،	سے، اختیار کرنا شرک ہو، کیونکہ جو کچھ حق تعالیٰ کے سوا
فَمَا سِوَاهُ عَزَّ وَجَلَّ غَيْرُهٗ، فَاِذَا	ہو وہ غیر اللہ ہو، اور جب تو غیر کی طرف مائل

تَرَكْتَ اِلٰی غَیْرِہٖ فَقَدْ اَشْرَكْتَ بِہٖ عَزَّ وَجَلَّ غَیْرَہٗ — ہوا تو گویا تو نے غیر کو حق تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اسی لیے نبی اکرم صلعم نے "متابعت ہوئی، خواہش نفس کی پیروی سے استعاذہ فرمایا ہے: "اللھم انی اعوذ بك من ھوی متبع"۔)

شرک کے معنی صرف بت پرستی ہی نہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو نافع و ضار مستقل طور پر جاننا، حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے ہوتے ہوئے ان کی پرواہ نہ کرکے خواہشات نفس کی پیروی کرنا یہ سب شرک کے مفہوم میں شامل ہیں، لیکن ان کو "شرک باطنی" کہنا زیادہ مناسب ہے۔ سوتے وقت تمہیں شرک کی ان سب قسموں سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہیے۔ ان سے کامل باطنی انقطاع کرنا چاہیے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت، سب سے تبری ضروری ہے، اور اسلام، توحید، صدق و اخلاص، اور اعمال حسنہ سے تولی یا محبت لازمی ہے۔ ع

تولی بے تبری نیست ممکن

سوتے وقت اس مراقبہ یا تفکر کی ہدایت اس لیے کی جاتی ہے کہ ہمارے ذہن کا بیشتر حصہ غیر شعوری یا تحت الشعور ہوتا ہے۔ انسانی شخصیت کی مثال برف کے اس انبار کی سی ہے جو سمندروں میں بہتا نظر آتا ہے۔ اس کا تھوڑا سا حصہ سطح سمندر کے اوپر اور باقی سب اس کے نیچے پوشیدہ ہوتا ہے، یہ حصہ جس کو غیر شعوری یا تحت الشعور نفس کہتے ہیں اہمیت کے لحاظ سے نفس شعوری سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہوتا ہے۔ نفس شعوری نفس کے احکام کو قبول کرتا ہے، ان میں قوت و شدت پیدا کرتا ہے اور جس قسم کے خیالات و تصورات شعوری نفس سے حاصل کرتا ہے، ان ہی کے مطابق انسان کے جسم و جان کی تعمیر کرتا ہے۔ سوتے وقت جب تم اپنے اس عقیدہ کی تکرار کرتے ہو کہ تم نے اسلام اور اس میں جو کچھ داخل ہے اس کو قبول کیا، اور کفر اور اس کے تمام متعلقات سے بیزار ہوئے تو تمہارا تحت الشعور نفس ان عقائد کو لیتا ہے، ان میں قوت و شدت پیدا کرتا ہے، اور انھیں کے مطابق بغیر تمہارے علم و شعور کے تمہارے جسم و جان کی تعمیر ہونے لگتی ہے۔ طبرانی، حصن حصین، ابوداؤد میں مروی ہے کہ نیند آنے تک سورۂ اخلاص پڑھنا چاہیے، یہ سورۂ توحید کا ایک کامل و مضبوط بیان ہے اور ہر قسم کے شرک کا پورا رد، ترمذی اور دارمی نے روایت کی ہے کہ آخری چیز جو آنحضرت صلعم بستر پر پڑھتے وہ سورہ کافرون تھی، اس سورہ سے بھی مشرکین کے طور طریقہ سے کلی طور پر بیزاری کا اظہار اور انقطاع کا اعلان ہے۔ بہرحال شعور میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ

ل "اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰىہُ"

ہم تحت الشعور نفس میں توحید کی محبت راسخ و مضبوط کریں اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ سوتے وقت دعاؤں کا اہتمام کریں اور وہ سب پڑھیں جن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، نیند اور موت میں کافی تشابہ پایا جاتا ہے، اس لیے سوتے وقت محاسبہ کے طور پر عارف رومی کا یہ شعر کافی موثر ثابت ہوتا ہے:

رو بخواہی کرد آخر در لحد
آں بہ آید کہ کنی خو با احد!

یعنی آخر ایک روز مرنا ہے اور قبر میں اکیلے ہونا ہے، بہتر ہے کہ مرنے سے پہلے ہم اخلاق الٰہیہ اپنے اندر پیدا کرلیں، اور شعور کے اس انقلاب سے پہلے اگر موت واقع ہو تو بقول عارف رومی انسان کی بھی اس کیڑے سے زیادہ قیمت نہیں جس کا جنم بھوم گوبر ہوتا ہے!

جائے روح پاک علیین بود!
کرم باشد کش وطن سرگیں بود!

(ب)

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد حسب ذیل طریقہ پر نفی اثبات کرنا تزکیہ و تصفیہ کے لیے نہایت مفید ہے۔

اللّٰھُمَّ اِن دَخَلَ الشّکُ فی ایمانی	اے اللہ اگر آپ پر جو ایمان میں رکھتا ہوں اسمیں
بك ولَمْ اعلم به تبتُ عنه واقول	شک داخل ہوگیا ہو اور اس کا مجھے علم نہیں تو میں
لا الٰہ الّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ	اس سے توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ الخ
اللّٰھم ان دخل الشرك فی توحیدی	اے اللہ اگر میری توحید میں شرک داخل ہوگیا ہو اور
ایاك ولم اعلم به تُبت عنه و	اس کا مجھے علم نہیں ہوا تو میں توبہ کرتا ہوں اور اقرار
اقول لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ	کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ [illegible]
اللّٰھم ان دخل الکفر فی ایمانی بك	اے اللہ آپ پر میرا جو ایمان ہو اگر اس میں کفر کا
ولم اعلم به تبتُ عنه واقول لا	دخول ہوگیا ہو اور اس کا مجھے علم نہیں ہوا تو میں
الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔	توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں: لا الٰہ الا اللہ الخ
اللّٰھم ان دخل النفاق فی قلبی من	اے اللہ اگر میرے قلب میں گناہوں کی کثرت کی وجہ

کثرۃ الذنوب ولم اعلم بہ تبت عنہ	نفاق داخل ہوگیا ہو اور اس کا مجھے علم نہیں ہوا
واقول لا الٰہ الا اللہ الخ	تو میں توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ الخ
اللھم ان دخل الکذب والغیبۃ	اے اللہ اگر میرے عمل میں کذب اور غیبت کا
فی العمل ولم اعلم بہ تبت عنہ و	دخل ہوگیا ہو اور مجھے اس کا علم نہیں تو میں
اقول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔	توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اللھم ان دخل العجب والکبر فی	اے اللہ اگر میرے قلب میں عجب اور کبر گھس گئے
قلبی ولم اعلم بہ تبت عنہ واقول	ہوں اور مجھے اس کا علم نہ ہو تو میں توبہ کرتا ہوں
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔	اور اقرار کرتا ہوں: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
اللھم ان دخل الرّیاء والسمعۃ فی	اے اللہ اگر ریا و شہرت کی خواہش میرے عمل کا محرک
عملی ولم اعلم بہ تبت عنہ واقول	بن گئی اور اس کا مجھے علم نہیں تو میں توبہ کرتا ہوں
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔	اور اقرار کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔
اللھم اسلمتُ نفسی واھلی و	اے اللہ میں نے اپنی جان کو اور اپنے
اولادی الیک وَجّھت وَجھِیَ الیک	اہل و عیال کو تیرے سپرد کیا۔ میں نے اپنا منھ
وفوّضت امری الیک رغبۃً و	تیری طرف کیا۔ اپنے کام تیرے حوالے کیے۔ رغبت
رھبۃً الیک لاملجأ ولامنجأ	خوف کے ساتھ! تیرے سوا نہ کوئی پناہ ہے اور نہ
منک الاّ الیک اٰمنتُ بکتابک	نجات کا راستہ! اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے
الّذی انزلتَ وبرسولک الّذی	نازل فرمائی، اور اس رسول پر بھی جو
ارسلتَ۔	تو نے بھیجے۔

اس عمل کو خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ نے اپنی (غیر مطبوعہ) کتاب مسلک العارفین میں لکھا ہے، تزکیۂ نفس و تطہیر قلب کے لیے نہایت مفید عمل ہے، اس کی پابندی ضروری ہو! کلمہ طیبہ لسانی، رذائل کے زائل کرنے میں نہایت نافع و زود اثر ہے۔ اس کے پڑھتے وقت معنی کا اس طرح لحاظ رکھنا چاہیے کہ میں لا الٰہ سے (مثلاً) اپنے ذمیمہ کبر کی نفی کر رہا ہوں اور الا اللہ سے حبّ خدا کا اثبات کر رہا ہوں یعنی لاکبر فیّ الاّحبّ اللہ (مجھ میں کبر نہیں حب اللہ ہے) اسی طرح دوسرے رذائل کے ازالہ کیلئے

کلمہ طیبہ کو استعمال کرنا چاہیے۔ تکرار سے مقصود شعور میں مفہوم کا نفوذ ہو، اذا اتکرر تقرر، تکرار سے بات ذہن نشین ہوتی ہو۔ خوب سمجھ لو کہ کسی خیال کے ذہن میں جمنے ہی سے عمل پیدا ہوتا ہو، عمل کی تکرار عادت کے قیام کا باعث ہو اور عادات ہی کے مجموعہ یا تنظیم کا نام سیرت ہو، اور سیرت ہی تمھاری قسمت ہو! جیسے تم ویسی تمھاری قسمت! فافہم ع

کجا نگاہ کہ بُرندہ تر ز پولا داست؟!

لا الٰہ الا اللہ کا ذکر نہ صرف نفی رذائل کے لیے بلکہ تمام مقاصد کے حصول کے لیے ایک زبردست آلہ ہو۔ خواجگان نقشبند اس ذکر میں مشغول ہوتے اور لا الٰہ الا اللہ سے یہ ارادہ کرتے اور اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ (مثلاً) کوئی اس آفت کا ٹلنے والا نہیں، یا کوئی رزق کا دینے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ اسی طرح جو چیز ان کے وقت اور حال کے مناسب ہوتی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً فتح باب کے لیے کہ کوئی شخص فلاں کام کرنے والا نہیں سوائے اللہ کے! اصطلاح میں اس کو ہمت کا استعمال بھی کہا جاتا ہو۔ ہمت کیا ہو؟ آرزو وطلب کی صورت میں اجتماع خاطر، یا دل کے قصد کا مضبوط ہو جانا ہو، اس طرح کہ دل میں کوئی خطرہ یا خیال نہ گزرے سوائے اس مطلوب ومراد کے! سمجھنے کے لیے اس پیاسے کی حالت پر غور کرو جسکو پانی کی طلب کے سوا کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی، یا عاشقِ زار کو لو کہ اس کو سوائے معشوق کے کسی اور چیز کا خیال نہیں ہوتا۔

چوں زلیخا کز سپنداں تا بعود نام جملہ چیز یوسف کردہ بود!

رذائل کے ازالہ میں بھی تمھیں ہمت سے کام لینا چاہیے اور نفی واثبات (کلمہ لا الٰہ الا اللہ) کو استعمال کرنا چاہیے۔ نماز عشا کے بعد اور سوتے وقت یہ عمل نہایت مفید ہو۔ مرد کی قیمت اس کی ہمت ہو۔ قیمۃ المرء قدر ہمتہ! ہمت سے کام لو کامیابی مقدم ہو!

اگر گوئی کہ بتوانم، قدم در نہ کہ بتوانی!
وگر گوئی کہ نتوانم، برو بنشیں کہ نتوانی!

(ج)

نماز عشا کے بعد ایک دوسرا عمل جو سالک کے لیے نہایت مفید ہو اسکو ہم شاہ محمد عاشق رح (جو حضرت شاہ ولی اللہ رح کے مرید ہیں) کی کتاب سبیل الرشاد سے لے کر پیش کرتے ہیں اس طرح ذکر

حضرت شاہ غلام علیؒ خلیفہ مرزا مظہر جانجاناںؒ نے بھی کیا ہو کہ جو شخص بطریق اویسیت آنحضرت صلعم سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہو وہ بعد نماز عشا قبلہ رو ہو کر خیال کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں میں اس کے ہاتھ ہیں اور صدق دل سے کہے :

بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ	بیعت کی میں نے رسول اللہ صلعم سے پانچ
علیہ وسلم علی خمسٍ شَھَادَۃِ	باتوں پر: ایک اس بات کی گواہی پر کہ
اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا	اللہ کے سوا کوئی معبود بندگی کے لائق نہیں،
رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ	اور بیشک محمد اس کے رسول ہیں۔ دوسری
اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ	نماز کے ٹھیک اور درست ادا کرنے پر،
وَحَجِّ الْبَیْتِ اِنِ اسْتَطَعْتُ اِلَیْہِ	تیسری زکوٰۃ کے دینے پر، اور چوتھی رمضان
سَبِیْلًا بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ	کے روزے رکھنے پر، اور پانچویں بیت اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَنْ	کے حج کرنے پر، اگر میں اس تک راہ پا سکوں۔
لَّا اُشْرِکَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا اَسْرِقَ	بیعت کی میں نے رسول اللہ صلعم کے
وَلَا اَزْنِیَ وَلَا اَقْتُلَ وَلَا اٰتِیَ بِبُھْتَانٍ	ہاتھ پر اس بات کی کہ میں اللہ کا شریک
اَفْتَرِیْہِ بَیْنَ یَدَیَّ وَرِجْلَیَّ	کسی چیز کو نہ ٹھہراؤں گا۔ اور نہ چوری
وَلَا اَعْصِیْہِ فِیْ مَعْرُوْفٍ	کروں گا اور نہ زنا کروں گا اور نہ قتل

کروں گا، اور دوسروں پر اپنی طرف سے بہتان لگاؤں گا، اور کسی بھلے کام میں رسول کی نافرمانی نہ کروں گا۔

خوب خیال رکھے کہ کس ذات کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر وعدے کر رہا ہو، اور کن چیزوں پر عمل کا عہد کر رہا ہو، اور اس کے بعد سو مرتبہ درود پڑھے، جو شخص اس عمل کو ہر رات کرے گا، مرشد کامل و مکمل کی صحبت کا اثر اس عمل سے پائے گا، اور بے شمار فوائد سے بہرہ یاب ہوگا!

اس عمل میں آنحضرت کی صورت مبارک کا پیش نظر رکھنا ضروری نہیں، صرف اتنا مراقبہ کافی ہو کہ اس کے دونوں ہاتھ اس ذات والا صفات کے ہاتھ میں ہیں! اس قسم کا مراقبہ یا تصور شریعت سے بھی ثابت ہو، شعور دینی میں انقلاب پیدا کرنے میں یہ عمل نہایت قوی تاثیر رکھتا ہو! ہر رات تصور و مراقبہ کے عالم میں مبداء وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرنا قلب کے تصفیہ اور نفس کے تزکیہ کے لیے جو تاثیر

رکھتا ہو وہ بیان سے باہر ہے!

سعادت ہا است اندر پردۂ غیب!
نگہ کن تا کرا ریزند در جیب!

یاد رکھو کہ تصفیۂ قلب سے مراد عقائد کی تصحیح، اور قلب کو خطرات ماسوی، حدیث نفس، اور حبِ دنیوی سے پاک کرنا ہو اور اس کو ذکر و یاد الٰہی میں مشغول رکھنا ہو، یہانتک کہ بالآخر قلب حضور و شہود الٰہی میں علی الدوام مستغرق ہو جائے اور حالت معیت و قرب حق سبحانہ تعالیٰ پیدا کرلے، صوفیہ کی اصطلاح میں یہی فنا قلب ہو۔ اس حالت میں بھی نہ دنیوی فرائض کی انجام دہی میں کوئی قصور واقع ہوتا ہو اور نہ امورِ شرعیہ کے اشتغال اور منہیات شرعیہ کے اجتناب میں تساہل ہوتا ہو، ایسا انسان غایت شعور و بیداری کی حالت میں اپنے دینی و دنیوی فرائض انجام دیتا ہو، لیکن اس کا قلب حق تعالیٰ سے مربوط ہو جاتا ہو اور ان کے عروۃ الوثقیٰ سے مضبوطی کے ساتھ تمسک پیدا کرلیتا ہو! او ربالفاظ شیخ جیلیؒ "جبیّنہٗ مع العِباد وَقلبُہٗ مع رَبِّ العِباد" اس کا گھر تو بندوں کے ساتھ ہوتا ہو، لیکن اس کا قلب 'ربّ العباد' کے ساتھ ہو جاتا ہو! ؎

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم بود اندر جہاں!

اور تزکیۂ نفس سے مراد تہذیب اخلاق، تصحیح اعمال و اقوال، اشتغال بامورات شرعیہ اجتناب از منہیات شرعیہ، عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا، رعونات نفسیہ کو توڑنا، قوائے حیوانیہ کو قوت ایمانیہ کے تابع کرنا ہو! بغیر تزکیۂ نفس (یا بالفاظ صوفیہ فنائے نفس) کے قلب کا تصفیہ ہی نہیں ہو سکتا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اعلیٰ یہی تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب ہو، جس کو 'عبادت' کی قرآنی اصطلاح میں ادا کیا جا سکتا ہے؛

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ!

اسی مقصد کے حصول کے لیے مولانا روم قلب میں شوق کی آگ دہکاتے ہیں؛

گر تو خواہی حرّی و دل زندگی — بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود بہر بندگی است — زندگی بے بندگی شرمندگی است
جز خضوع و بندگی و اضطرار — اندریں حضرت ندارد اعتبار

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی — کفر باشد پیش او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر — مغز باید تا دہد دانہ شجر!

زندگی میں سعی و اہتمام اس امر کا کرنا چاہیے کہ قلب کا تصفیہ اور نفس کا تزکیہ کامل طور پر ہو جائے اور نفس ناطقہ (جو حقیقتِ دل ہو جسکو قوت دراکہ و قوت عاقلہ بھی کہتے ہیں) ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہو جائے اور شعور غیر (جس سے مراد ملاحظہ اعتبارات کونیہ ہو) توجہ الی اللہ میں مزاحم اور آگاہی بحق سبحانہ تعالیٰ میں مانع نہ رہے اور یہ حالت دل کی صفت یا ملکہ راسخہ بن جائے، اس طرح کہ اگر اسکو فراموش کرنا چاہیں تو بھی فراموش نہ کر سکیں!

یاد رکھو کہ اس سعادت عظمیٰ کے حصول کا ایک نہایت قوی سبب ان کاملین کی صحبت ہو جو فانی زخویش و باقی بحق ہیں، حق تعالیٰ کے حضور و شہود سے مملو ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ان کے قلوب مطہرہ میں ہوتا ہو وہ بے اختیار دربے تحت تمہارے قلوب میں منطبع ہو جائے گا! سنت اللہ اسی طرح جاری ہو کہ زندہ سے زندہ کو فیض پہونچتا ہو، اور چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہو۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا! وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔

اسی لیے فرمایا تھا حکیم حاذق نے

اِصْحَبُوا مَعَ اللّٰهِ فَاِنْ لَمْ تَستطِيعُوا اَنْ — اللہ کے ساتھ صحبت اختیار کرو اور اگر اللہ کے ساتھ
تَصْحَبُوا مَعَ اللّٰهِ فَاصْحَبُوا مَعَ مَنْ يَصْحَبُ — صحبت اختیار نہ کر سکو تو پھر ان لوگوں کی صحبت اختیار
مَعَ اللّٰهِ حَتّٰى يُوصِلَكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ — کرو جو اللہ کے ہم صحبت ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تمہیں
اللہ عز و جل کی صحبت میں پہونچا دیں۔

مجاہد کا ترانہ رومی سامی کے یہ اشعار ہیں:

اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود — کہ عنایت با تو صاحب سر بود
دوست دارد دوست ایں آشفتگی — کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
کار کے کن کار تو کاہل مباش — اندک اندک خاک چہ را می تراش
چوں ز چاہے می کنی ہر روز خاک — عاقبت اندر رسی در آب پاک
چوں نشینی بر سر کوئے کسے — عاقبت بینی تو ہم روئے کسے!

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

(یہ تقریر امین الدولہ پارک لکھنؤ میں اسی ماہ کے ایک ایسے عام جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی جس میں غیرمسلم حضرات کی بھی خاصی تعداد شریک تھی تقریر اسی وقت قلمبند کرلی گئی تھی۔ اب محترم مقرر کی نظرثانی اور اضافہ وترمیم کے بعد ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے۔) ادارہ

اما بعد اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

ہم نے آپ کو اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت تلاوت کی ہے، یہ آیت اپنے اندر ایک بڑا دعویٰ رکھتی ہے۔ وہ دعویٰ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یہ دنیا جتنی وسیع ہے اور اس کی عمر جتنی طویل ہے۔ اس کے لحاظ سے یہ اعلان بڑا اعلان ہے اور یہ دعویٰ بڑا دعویٰ ہے بلکہ پوری تاریخ کے لئے ایک چیلنج ہے بغیر کسی پس وپیش کے صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ ہم مسلمانوں کا اس بات پر ایمان وعقیدہ ہے۔ مگر ذرا دیر کے لئے عقیدہ سے نظر ہٹا کر اور تمام مذہبی، قومی اور علمی تعصبات سے آزاد ہو کر خالص تاریخ اور واقعات کی روشنی میں دیکھیے، کیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے؟ یہ الفاظ ذہن ودماغ کو متوجہ کرنے والے ہیں، یہ دعویٰ چونکا دینے والا ہے، یہ دعویٰ ایک ایسے مقام سے کیا جا رہا ہے جو بڑا ذمہ دار ہے۔ ایسی کتاب میں کیا جا رہا ہے جو ساری دنیا

کے لئے ہے اور قیامت تک پڑھی جائے گی۔ اس وجہ سے ان الفاظ کی بڑی اہمیت ہے اور یہ قابل توجہ ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کثرت سے ایسے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے اس موقع پر وہ سب تاریخ کی سطح سے ابھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معمار و خدمت گذار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا یہ ٹھیک ہے ان کو بھی موقع دینا چاہیئے اور ان کی خدمات و احسانات کا موازنہ کرنا چاہیئے پھر فیصلہ کرنا چاہیئے کہ کون اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکماء و فلاسفہ کی جماعت ہے۔ ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایہ حکیم بھی ہمارا ذہن حکمت و فلسفہ سے شروع سے مرعوب رہا ہے ہم ان کو دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ انھوں نے انسانیت کا سرا ونچا کیا ہے اور اس کا دامن حکمت کے موتیوں سے بھر دیا ہے لیکن تاثرات اور عقیدت مندی سے ذرا آزاد ہو کر غور کیجئے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟ میں پوچھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا، اس کی کون سی پیاس بجھی، انھوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے! ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجیئے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالیئے، صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا، یہ حکما و فلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اور خدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر رہے تھے۔ انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لئے بھی ٹالا نہیں جا سکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں، جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی ان حکماء نے نہ ان مسائل کو چھیڑا نہ ان سے بحث کی اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے محدود دائرہ کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے لیکن انسانیت کو ان چھوٹے

چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی۔ یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں۔ اس یونان میں بھی سارے کے سارے فلسفی ہی تو نہیں تھے، ان فلسفیوں نے کواکب و سیارات سے تو بحث کی اور فلکیات پر موشگافیاں کیں مگر زندگی کے لئے کیا ہدایات دیں اور علمی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ انھوں نے بھٹکتی ہوئی انسانیت اور سسکتی ہوئی زندگی کے لئے کیا کیا۔ وہ زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے۔ انھوں نے اپنے گرد علم و حکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔

یہ ایک سیاسی دور ہے اور ہمارا ملک اب آزاد ہے۔ شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں۔ دیکھئے آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں۔ کوئی امریکی سفارتخانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے کوئی ایران کا۔ ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے۔ ان کے اندر بھی بہت سے لوگ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مبصر بھی ہیں لیکن ان کو ہمارے ملک کے اندرونی مسائل سے کوئی تعلق نہیں، ہمارے آپس کے تعلقات اور باہمی کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی و انحطاط سے ان کو بحث نہیں۔ ان کا ایک محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہی کام انجام دیتے ہیں۔ اس لئے وہ یہاں ہو کر بھی ایسے ہیں کہ گویا وہ یہاں نہیں ہیں بس اسی طرح حکمت و فلسفہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ کی طرح قائم تھا اور یہ حکماء و فلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم و حکمت کی نمائندگی کرتے تھے اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء و شعراء کی جماعت ہے، ہم کو اور آپ کو ادب و شاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب و شعر کی تحقیر نہیں کرتے لیکن بے ادبی معاف! کہ ادباء و شعراء نے بھی انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کیا۔ انھوں نے ہمارے لئے تفریح کا سامان بہم پہنچایا ہمارے ادب اور زبان کو مالا مال کیا لیکن انسانیت کی اصلاح کا درد سر مول نہیں لیا اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی، زندگی بنتی اور بگڑتی رہی انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سناتے رہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوگ اپنی اپنی مصیبتوں میں مبتلا ہوں کہیں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو کہیں زندگی کے مسائل درپیش ہوں اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سریلی

آواز میں بانسری بجاتا گزر جائے، آپ تھوڑی دیر کے لئے اس کا لطف لے سکتے ہیں آپ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں۔ شعر و ادب ہماری زندگی کے لئے کتنا ہی ضروری ہو اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور اس سے ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی حاصل ہو لیکن یہ ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء و شعراء کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا اور وہ کسی مقصد کیلئے جدوجہد بھی نہیں کرتے تھے اور نہ اس کے لئے قربانیاں کرنا ان کے بس کی بات تھی اور اصلاح و انقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا۔

تیسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے جنھوں نے ملکوں کو فتح کیا اور اپنے زور شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آرہی ہے بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی مگر ان کے نام کے ساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے؟ کیا عدل و انصاف کی یا د زندگی و سفاکی کی سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے کیا وہ انسانیت کا محسن تھا، اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیر و زبر کر دیا ملک کے ملک اس کی وجہ سے امن امان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، اس کے چلے جانے کے بعد بھی سینکڑوں برس تک یہ ملک سنبھل نہ سکے یہی حال سیزر، چنگیز خاں اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے۔ فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لئے رحمت ہو گر دوسری قوموں اور ملکوں کے لئے عذاب اور مصیبت ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں اور قومی لیڈر ہیں اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں، حقیقتاً انھوں نے اپنے اپنے ملک کیلئے بڑا کام کیا مگر اس ملک کے باہر بسنے والے انسانوں کے لئے کیا کیا؟ آپ ابراہام لنکن سے واقف ہوں گے وہ جدید امریکہ کا معمار ہے۔ مگر بتائیے ہندوستان، مصر و عراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ نتائج پر نظر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک امپریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔

سعد زغلول کون تھا، مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما مگر

مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے، یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لئے مصیبت ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لئے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنٹسٹ کہلاتا ہے جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کارآمد چیزیں بنائیں۔ بلا شبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی۔ یہ تمام ایجادیں جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل، ریڈیو اور یہ میکروفون جس کے بغیر میری آواز آپ کے ہر ہر فرد تک نہیں پہنچ سکتی۔ انھیں سائنٹسٹ حضرات کی مرہون منت ہے۔ اس کے لئے انھوں نے بڑی محنتیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آرہی ہیں مگر غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کے ساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر و ضبط نہ ہو، خدمت خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتاسیئے کہ یہ ایجادیں انسانیت کے لئے رحمت ہیں یا زحمت۔ انھوں نے یہ ایجادیں تو انسانوں کو دیدیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن وضمیر نہیں پیدا نہیں کیا جو ان سے فائدہ اٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے اور ان سے غلط کام لینے سے پرہیز کرے۔ گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خدا ترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر و عذاب ہیں رحمت و راحت نہیں۔ میں ان سائنسدانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا کارنامہ نیک مقاصد، اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر مکمل نہیں ادھورا ہے جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو اس کو وسائل و آلات، مواقع و امکانات اور سہولتیں و آسانیاں نیک نہیں بناسکتیں فرض کیجیے میرے پاس دینے کو روپیہ بھی ہے لینے کے لئے بہت سے محتاج بھی ہیں میرا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی کوئی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کرسکتا ہے۔

حضرات! اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے یہ پیغمبروں کا گروہ ہے، یہ گروہ ایجاد و اکتشافات کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب و شاعری پر ناز ہے وہ اپنے متعلق نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں نہ بے ضرورت خاکساری سے، وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو تین چیزیں عطا کرتے ہیں۔

(۱) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی

گزارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم کا نچوڑ۔

اب میں بتاتا ہوں کہ وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں اس لئے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا وہ سب اس عظیم کل کا ایک حقیر جزء ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اسکے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے۔ ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جزء ہیں اور غلہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے۔ بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے، ہماری اس زمین کی اس نظام فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس زمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسرے سیاروں اور ثوابت (STARS AND PLANETS) سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم الشان وطن سے بھی۔ آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جزء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جزء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم کے لئے اپنے وجود کو قربان کر دیا لیکن اے انسان تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟!

اگر میں اس جلسہ کے مقصد کو نہ جانوں اور اس کے مقصد کے خلاف تقریر شروع کر دوں تو آپ کو مجھ سے پوچھنے کا حق ہے اور اس جلسہ کے داعیوں کو حق ہے کہ مجھے روک دیں، یہ پانی کا گلاس جو میرے سامنے رکھا ہے اس کا پانی تک پینے کا مجھے اس وقت تک حق نہیں جب تک میں اس اجتماع کا مقصد نہ جان لوں اور اس مقصد سے مجھے اتفاق نہ ہو! اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا

کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے مگر یہ عجب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں بازار میں چہل پہل ہے تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لاتے، انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی۔ فلاسفہ و علماء، دادبا، و شعراء و ناقدین و حکمرانوں، کاشتکاروں، و تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے نا واقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانیت پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنا لیا ہے، تم کو کیا حق تھا کہ نا بالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔ اے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کر دی۔ وہ زندگی کے قلب و ضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اس کو پکارتا ہے۔ اس کے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک ان کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے۔ دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ و معدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات و صفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے، اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے وہ دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی و حکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلا شرکت غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا، برے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے۔ خدا کا راستہ ان کے بغیر ملے نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کو

تمام پیغمبر متفق ہیں، ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، فلاسفہ و حکماء میں سخت اختلاف ہے۔ ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

دوستو! لیکن علم کے لئے یقین ضروری نہیں، آج ہمارے معلومات کتنے زیادہ ہیں، مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا۔ قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض۔ آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء کرام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے آپ پر یقین بھی عطا کرتے تھے۔ علم بڑی دولت ہے مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کی تعیش اور دل کا اتفاق۔ پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اسکو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا۔ ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھئے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گرد و پیش کی دنیا میں دیکھئے۔

آج اگر یقین ہوتا تو بداخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لئے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بداخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھئے ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد چوری چھوٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے؟ معلوم ہوا کہ علم تنہا کافی نہیں۔

پھر علم ضروری، اور یقین ضروری مگر اس کی کیا ضمانت کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا، بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بری چیز ہے، اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر، حکیم ہوں گے، جو بدپرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بدپرہیزی خطرناک ہے، مگر وہ بدپرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بدپرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بدپرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا

فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

حضرات! ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی، اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آگئی، انسانیت پر حقیقی احسان انھیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا درود و سلام ہو ان پر کہ انھوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچالیا۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں علم صحیح گم ہو گیا یقین کا چراغ بجھ گیا نیک عمل کی خواہش مردہ ہو گئی چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیا کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا، شک بے عملی کی ظلمتوں میں علم ویقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں۔ اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہونچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے، وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں اشہدان لا الہ الا اللہ اور واشہدان محمد رسول اللہ کا ترانہ سننے میں نہیں آتا جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ، اللہ کے پیغمبر ہیں!

آج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو خواہ برطانیہ کا، کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا عرب کے نبی امی نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی؟!

حضرات! انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے۔ ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد!

اگر آج محمد رسول اللہ کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں پہونچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟!

دوستو! یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد رسول اللہ جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴-۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لئے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ "اے اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت ہو سکیگی"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لئے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لئے جھکایا تھا کہ سب سجدے اسکی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانۂ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکا دئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی یہ حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا، اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا۔ آپ کو بعثت محمدی کے بعد اسکے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں، وہ اسکی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دلیں گھر کر لیا۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزار پولیس، سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت گناہ سے نفرت، اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بیتاب ہو جاتے ہیں ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے اور وہ حضورؐ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں حضورؐ! مجکو پاک کر دیجئے، آپ رخ الور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں وہ اس طرف آکر کھڑے

ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ اُن کو سزا دلواتے ہیں، بتائیے کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی۔

آگے چلئے غامدیہ ایک اَن پڑھ عورت تھیں کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک بار بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا، مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزہ نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا کیا پینا؟ تمھیں پہلے پاک ہونا چاہئے اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں وہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب بچہ ہو جائے جب آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا اس بیچ انھوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود اُن سے زندگی کا تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے اور پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ وہ اب حضورؐ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصے کے بعد بچہ کو لے کر آئی، اور عرض کیا کہ حضورؐ میں اس سے بھی فارغ ہو گئی اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں، یہ بچہ اللہ کی امانت ہے اس کو کون ماں کی طرح دودھ پلائے گا، ابھی اس کو دودھ پلاؤ، جب دودھ چھوٹے جب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی نہ مچلکہ نہ ضمانت، کتنے خیال اُس کو آتے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا، مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں تیری ماں ناپاک ہے اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوتی ہے روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے وہ کہتی ہے یا رسول اللہ دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے، آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

میں پھر آپ سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ و ضمانت کے بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لئے اصرار کرواتی ہے، آج ہزاروں پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی، دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس سے بڑھ کر احسان کیا۔

میرے انسانی بھائیو! ہمیں اور دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہمارے نوعِ انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت و عظمت کے لئے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ سے اس دنیا کی رونق اور نوعِ انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی ملک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ جیسا انسانِ کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کونسا طبقہ ہے جس پر آپ کا براہِ راست یا بالواسطہ احسان نہیں، کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق بتلائے اور ان کے لئے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے، کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ بادشاہِ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس گروہ کی عزت بڑھائی کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ سچا اور راست گفتار اور دیانتدار تاجر قریب قریب نبیوں کے ہوگا، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو، کیا جانوروں تک پر بھی آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے اس کو آرام پہونچانا اور کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے فی کل ذات کبد حرّی صدقۃ، کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں انا شہید ان العباد کلہم اخوۃ، کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی ملک قوم نسل اور برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔ جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں "الحمد للہ رب العالمین" کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جزو بنا دیا گیا۔

دوستو! ہماری آپ کی دنیا میں حکما و فلاسفہ بھی آئے، ادبا و شعرا بھی، فاتح و کشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین و مکتشفین و سائنٹسٹ بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں وہ رحمتیں نوعِ انسانی کے لئے وہ دولتیں اور انسانیت کیلئے وہ نعمتیں لیکر آیا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، تیرہ سو برس [۱۳۰۰] کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے کہ

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو　　　ٹھیرے تو جس شجر کے تلے نونہال ہو

انتخاب

اسلام کو اپنی خوبیوں کی بنا پر فروغ حاصل ہوا

(از ڈاکٹر تاراچند سفیر ہند متعینہ ایران)

اسلام میں بلاشبہ چند ایسی خوبیاں ہیں اور خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اسے مختصر عرصہ میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوگیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب اسلام کا جھنڈا بلند ہوا اور عرب کی سب قومیں ایک جھنڈے کے سایہ میں جمع ہوگئیں تو عرب تیزی کے ساتھ چاروں طرف پھیلنے لگے۔ ان کی فوجیں جنگلوں میدانوں اور پہاڑوں کو عبور کرتی ہوئی شام، ایران، افغانستان اور بلوچستان کو طے کرکے ہندستان کی سرحد پر پہنچ گئیں۔ مسلم بیڑوں نے ایرانیوں کے بیڑوں کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونپ دیا اور بحر ہند پر اپنا قبضہ کرلیا۔ ان بیڑوں کے ساتھ عرب کے سوداگر بحر ہند کی ساری تجارت کے ٹھیکیدار ہوگئے۔ کولم میں میت کنو نام کے قبرستان میں علی ابن عثمان کی قبر پر [illegible] کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی میں مالابار کے ساحل پر مسلمان آباد ہوگئے تھے مسلمانوں کا اثر بہت جلد جلد بڑھا۔ ہندو راجاؤں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ان کو تجارت کی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ ان کو زمین خریدنے اور مسجدیں بنانے کی اجازت دی۔ مالابار میں آباد ہوتے ہی انھوں نے اپنے مذہب کے پھیلانے کی کوشش شروع کی۔ مسلمانوں میں پروہت اور پادری نہیں ہوتے لیکن ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مذہب کی اشاعت کرے۔ قرآن میں لکھا ہے کہ لوگوں کو خدا کے راستے پر چلنے کا پیغام دو اور ان کو عقلمندی اور رحم کے ساتھ بتاؤ (۱۶-۱۲-۱۲) اس تبلیغ کے کام میں نہ صرف مرد بلکہ عورتوں تک نے بڑا حصہ لیا ہے یہاں تک کہ مسلمان قیدی بھی اشاعت مذہب کے لئے تیار رہتے تھے۔ ایک مسلمان قیدی نے سب سے پہلے یورپ میں اسلام پھیلایا۔ غلام سرور نے خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ شیخ احمد مجدد کو جہانگیر نے قید خانہ میں بھجوا دیا تھا۔ انھوں نے دو برس میں

سینکڑوں ہندو قیدیوں کو مسلمان کر لیا۔ آٹھویں صدی میں مسلمانوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کے کئی اسباب تھے۔ دکن کے لوگ انھیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کی دولت اور بڑھتی ہوئی طاقت کا ان کے دلوں پر سکہ جم گیا تھا لیکن سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے خیالات، ان کے رواجوں ان کے اطوار اور چال چلن کا اثر پڑا۔ مسلمانوں کا مذہب سادہ، آسان اور اچھا تھا، ان کی پرستش کے طریقے دلوں میں گھر کرنے والے تھے اور رات و دن خدا کی یاد دلانے والے۔ رینانؔ ایک فرانسیسی عالم نے خود قبول کیا ہے کہ میں جب کسی مسجد میں جاتا ہوں تو میرا دل ایک ناقابل بیان کیفیت سے اُمنڈ آتا ہے اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں مسلمان کیوں نہ ہوا۔ جب رینان ایسے کٹر ملحد اور سائنسداں کے دل پر اسلامی عبادت کا ایسا اثر ہوتا تھا تو اوروں کا کیا ذکر ہے، ایک اور بات جو بھولنی نہیں چاہیئے وہ یہ ہے کہ پہلی صدیوں کا اسلام ایک بڑا عملی مذہب تھا۔ اسلام کے ماننے والے اپنے عقیدوں کو محض زبان سے نہیں دُہراتے تھے بلکہ اپنی زندگی اور چال چلن میں ان پر پابند ہو کر رہتے تھے، ان کی نماز کی صف بندی، روزوں کی سختی، خیرات اور زکوٰۃ کا قاعدہ، سماج میں برابری و مساوات کا برتاؤ، مذہب کے ایسے زبردست حصے تھے کہ آدمی کے دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اس کے خلاف آٹھویں صدی میں دکن میں ہندوستانی دھرموں میں سخت اختلاف تھا۔ بودھ، اور جین اور ویدک دھرم کے ماننے والے ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے برہمنوں کی کوشش سے بودھ اور جین مذہب دھرم ختم ہو چلے تھے اور شیو اور وشنو کا مت پھیل رہا تھا جس او رکرالی کی طاقتیں گھٹ رہی تھیں اور نئے گھرانے ابھر رہے تھے مسلمان دکن میں اُس وقت آئے جب سماج اور راج میں فساد برپا تھا، اُن کے آنے کا قدرتی طور پر بڑا اثر ہوا۔ نویں صدی کے اوائل میں مالابار کے خاندان کا جو چیرمن پیرول سے ملقب تھا خاتمہ ہوا اُس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے آخری راجہ نے جس کی راجدھانی کوڈنگلور تھی، اپنے دھرم کو چھوڑ دیا اور اسلام قبول کر لیا۔ راجہ کے مذہب بدلنے کی وجہ سے بڑی ہلچل مچی اور اس واقعہ نے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر ڈالا مالابار میں مدتوں یہ رواج رہا ہے کہ جس وقت راجہ تخت پر بٹھایا جاتا تھا۔ تو اس کا سر مونڈتے تھے اور اُسے مسلمانوں کا سا لباس پہناتے تھے، ایک موپلا اس کے سر پر مکٹ رکھتا تھا۔ گدی پر بٹھائے جانے کے بعد راجہ کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے تھے جو ایک ذات سے نکالے ہوئے آدمی کے ساتھ، وہ اپنے

گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ راجہ آخری چیرامن پیرومل کا وائسرائے ہے اور اپنے راجہ کے لوٹنے کا انتظار کر رہا ہے۔ ٹراونکور کے مہاراجہ تخت نشینی کے وقت تلوار کمر میں باندھے ہوئے یہ اعلان کرتے تھے کہ میں تلوار کو اس وقت تک رکھوں گا جب تک میرا چچا جو مکہ گیا ہے لوٹ نہ آئے۔ آخری چیرامن پیرومل کی داستان کہاں تک تاریخی حیثیت سے سچی ہے کہنا مشکل ہے لیکن اس واقعہ کے کچھ آثار باقی ہیں گو ان لوگوں کے ٹھیک ٹھیک نام معلوم نہیں ہیں کیونکہ چیرامن پیرومل خطابی نام ہے۔
لیکن اتنا ماننا پڑے گا کہ کوڈنگلور کے شاہی خاندان کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اس کے آخری راجہ نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔ کوچین کے راجہ (جسے زمورن کہتے ہیں) کی عرب سوداگروں پر بڑی مہربانی کی نگاہ تھی۔ اس کی اجازت سے راج میں بہت سے سوداگر آباد ہو گئے۔ ان کی تجارت سے راج کو بہت مالی فائدہ پہونچا اور ان کے بازوؤں کی قوت سے راج کی طاقت بڑھی۔ زمورن نے آس پاس کے راجاؤں کو شکست دے کر ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ جہاں جہاں راجہ کا تسلط ہوا وہاں مسلمان تاجروں نے منڈی قائم کی۔ اسی طرح کالی کٹ کی بندرگاہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ یہاں کا قاضی جسے وہاں والے "کویا" کہتے ہیں زمورن کا بڑا مددگار رہتا۔ اس کی طرف سے ہمیشہ دوسرے راجاؤں کے خلاف لڑا کرتا تھا۔ قاضی کی مدد کے سبب سے وہ جنوبی مالابار میں سب سے طاقتور راجہ بن گیا اور راجہ نے مہامکھم کے میلے کا نظم جو ترموئی کے مقام پر ہوتا تھا۔ اسی کے سپرد کیا اس سے اس کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی "کویا" کے بعد ہی راجہ کا گھرانا تھا جس کے نائک کولاتری راجاؤں کے بیڑوں کے سردار تھے۔ ہندو راجہ مسلمانوں کی اتنی عزت کرتے تھے کہ انھوں نے خود اپنی رعایا کو مسلمان ہونے کے لئے جوش دلایا۔ انھیں اپنے بیڑوں کے لئے مسلمان ملاحوں کی ضرورت تھی اس لئے انھوں نے اجازت دی کہ مکوان قوم کے ہر گھر میں ایک دو آدمی اسلام قبول کر لیں۔ نویں صدی کے بعد اسلام کا اثر دن بہ دن بڑھتا گیا۔ مسعودی نے ۹۱۶ء میں ہندوستان کا سفر کیا وہ لکھتا ہے کہ چول میں دس ہزار سے زائد مسلمان آباد تھے، ان کا اپنا سردار تھا جسے ہنرامہ کہتے تھے۔

ابو دولاف مسعر بن المہلہل چول کی مسجدوں کا ذکر کرتا ہے۔ ابن سعید نے تیرھویں صدی میں سمندر کے کنارے ہر جگہ مسلمانوں کو آباد پایا۔ سر مارکو پولو نے دیکھا کہ لنکا کے راجہ مسلمان سپاہیوں کو

(باقی صلا پر)

صفحہ ۲۵ کا بقیہ

تصوف کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب و سنت کو اس کا ماخذ بنانے کی کوشش میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہے، ان کی کتاب عوارف المعارف کو اگر اس فن کی قدیم کتابوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اُن کے اس تجدیدی کام کا اندازہ ہوتا ہے[1]

اللہ تعالیٰ نے شیخ شہاب الدینؒ کو بڑے بلند پایہ اور رجالی استعداد خلفاء عطا فرمائے جنھوں نے دعوت و تربیت کا کام بڑی قوت و وسعت کے ساتھ انجام دیا، ان کے صرف ایک خلیفہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ہندوستان میں جو فیض پہونچا اور خلق اللہ کو ہدایت ہوئی وہ اُن کی جلالت قدر اور عظمت شان کے لیے کافی ہے۔

---

[1] نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں "در تصوف سنی کتابے بہتر از عوارف نیست" اتحاف النبلاء صفحہ ۴۳

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہو اور ہمارا ایمان ہو کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہو
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہو، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہو، در اصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے، اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہو کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرة
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

"ادارہ الفرقان"

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مولینا محمد منظور نعمانی
اور
مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی
تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی
اجتماعات میں کی گئی تھیں —— اور جن کے مخاطب تبلیغی
جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ
۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات
حضرت مولینا محمد الیاس رح
جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیا
اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کر کے مرتب کیا
معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملف
معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسو

بہترین کتابت وطباع

قیمت غیر مجلد ایک رو

تصوف کیا ہے؟
مولینا محمد منظور نعمانی
مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویس ندوی
کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث
کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں
کے مقابلہ میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵۰ صفحات، بہترین کتابت وطباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپیہ چار آنے

قادیانی
غور کرنے کا سیدھا را

مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک
جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف
ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ
اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف
تھے یا نہیں؟ —— بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا
سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

غیر ممالک سے سالانہ چندہ ..... ۱۰ شلنگ اعزازی خریداروں سے سالانہ ۱۵	 قیمت فی کاپی آٹھ آنے	ہندوستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۶ؔ سالانہ چندہ (بسکہ پاکستان) ۶ؔ ششماہی ...... ۳ؔ

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء | نمبر ۴

اگر اس ◯ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۴ر تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے!

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ر کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ر تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

اس وقت کے پاکستان کو دیکھ کر ۴۵-۴۶ء کا زمانہ یاد آتا ہے جبکہ پاکستان کے حصول کی جد وجہد ہو رہی تھی مسلمانان ہند پاکستان کی شکل میں ایک اسلامی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے مسلم لیگ کے قائدین انھیں ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک بتلاتے پھر رہے تھے کہ پاکستان کے معنی کیا ؟ لا الہ الا اللہ "اور مسلمان تھے کہ ایمان بالغیب کی طرح مان رہے تھے کہ پاکستان واقعۃً لا الہ الا اللہ کی عملی تفسیر ہوگا، وہاں قرآن کی حکومت ہو گی، وہاں اسلام کا سکہ چلے گا، وہاں مسلمانوں کا نظام زندگی ان کے مذہب کی روشنی میں تیار ہو گا اور ان کا تہذیب وتمدن غیر اسلامی عناصر سے پاک ہو کر خالص اسلام کی نمایندگی کرے گا ____ لہٰذا پاکستان کی مخالفت لا الہ الا اللہ کی مخالفت ہے، اسلام کی مخالفت ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کی مخالفت ہے اور ملت کے حق میں ناقابل معافی جرم ہے ____ جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے اور اس کے مقابلہ میں جو سیاسی نظریہ پیش کرتے تھے وہ صحیح تھا یا غلط ؛ اس بحث کو جانے دیجئے کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ وہ ان دلفریب نعروں کے متعلق جب یہ کہتے تھے کہ یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے تو کیا وہ غلط کہتے تھے ؛ ان کی بات کتنی سیدھی اور صاف تھی کہ جن لوگوں کی زندگی نہ پہلے اسلامی تھی اور نہ ان نعروں کے لگاتے وقت اسلامی ہے بلکہ جو دینی زندگی کو اختیار کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور اُس پر برملا ایت کی پھبتیاں کسا کرتے ہیں، اُن سے آخر کیسے توقع کرلی جائے کہ وہ ایک اسلامی حکومت کی تعمیر کریں گے۔ حالانکہ اسلامی حکومت اگر واقعی اسلامی حکومت ہو تو اس کی نظرِ احتساب پر سب سے پہلے یہی لوگ چڑھیں گے۔ مگر مسلمان اُس وقت نشہ میں تھے وہ اپنے یقین میں کسی تشکیک کی دخل اندازی

کے روادار نہ تھے اور "گندم از گندم بروید جو زجو" جیسی ابدی سچائی پر بھی کان دھرنے کے لئے تیار نہیں تھے ـــــ مگر کیا کسی کے آنکھیں بند کرنے سے یہ حقیقت باطل ہوسکتی ہے اور جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرنے والے کی امید کبھی پوری ہو سکتی ہے، ایسی امیدوں کا نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کبھی کچھ اور نکلا ہے یا کچھ اور نکل سکتا ہے؟ مسلم لیگ کی مغرب زدہ قیادت سے اسلامی حکومت کے قیام کی امیدیں وابستہ کرنے کا نتیجہ آج سامنے ہے۔ جوں جوں وقت گذرتا جا رہا ہے اس "سرزمین پاک" پر اسلام مقہور سے مقہور تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اب اس کو ملا ازم کا نام دے کر کمیونزم کے ساتھ باندھ کر فنا کے گھاٹ اتارنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ "تیرہ سو برس کے عرصہ میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی بھی ہے؟ جو آج پاکستان میں قائم ہوگی"! اور دیدہ دلیری کی حد ہے کہ یہ بات خاص یو۔پی کی راجدھانی میں کہی گئی ہے جہاں آج بھی اگر کوئی کان لگائے تو فضاؤں میں "پاکستان کے معنی کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کے نعرے گونجتے ہوئے ملیں گے۔

جب تک پاکستان بنا نہیں تھا پاکستان کے معنی لا الٰہ الا اللہ کے تھے۔ اس کی مخالفت قرآن کی مخالفت تھی، قرآنی نظام کی مخالفت تھی، حکومت الٰہیہ کی مخالفت تھی، مگر جب پاکستان بن گیا تو قرآنی نظام حکومت کی مخالفت ہی میں اس کے استحکام کی ضمانت پوشیدہ ہوگئی اور قرآنی نظام حکومت کا مطالبہ تخریبی عمل قرار پاگیا ع

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اُس وقت جن علمائے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی انھیں دشمن اسلام اور غدارِ ملت کہہ کر انکی پگڑیاں اچھلوائی گئیں اور آج جو علماء اور مخلص مسلمان کل کے وعدوں کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ پاکستان کے دشمن اور شورش پسند قرار دئے جا رہے ہیں اور نادر شاہانہ انداز میں فرمایا جا رہا ہے کہ "یہ سب ہندوستان ہی سے گئے ہوئے لوگ ہیں، ان سب کو چاندی کی کشتی میں لگا کر ہندوستان ہی کو واپس کر دیا جائے گا" ـــــ یہ ہے اُس خواب کی تعبیر جو سات سال پہلے ہندوستان کے مسلمانوں نے دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو ٹھنڈا رکھے، اچھا ہوا وہ پہلے ہی تشریف لے گئے ورنہ انھیں دیکھنا پڑتا

کہ ان کی امیدوں اور آرزوؤں کا انجام کتنا حسرتناک ہے۔

ہمیں ان باتوں پر ذرا بھی حیرت نہیں ہے، جو پاکستان کے وزیر داخلہ نے لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر ایک مولوی صورت اخباری نمائندے سے کہیں اور نہ ہمیں ان فقروں پر ذرہ برابر حیرت ہے جو انھوں نے (پوری جرائت رندانہ کے ساتھ) اس مولویانہ صورت پر چسپت کیے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سات سال پہلے کی باتیں بیساختہ یاد آگئیں اور اپنی قوم کی بے شعوری پر بے اختیار ماتم کرنے کو جی چاہنے لگا جو اتنا نہیں جانتی کہ کن لوگوں سے کن باتوں کی امید رکھنی چاہئے۔ کاش یہی تجربہ آئندہ کے لئے اس کی آنکھیں کھول دیتا۔

قیام پاکستان کی جد وجہد کے زمانہ میں تحریک پاکستان کے لیڈر اپنے مخالف علمار کو طرح طرح کے القاب سے نواز کر جب گندے انڈوں اور ٹماٹروں والی تہذیب کا مظاہرہ کیا کرتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ علما چونکہ ملت فروشی کر رہے ہیں اس لئے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے اور یہ اپنے جرم کی بنا پر اسی کے مستحق ہیں لیکن حقیقت یہ تھی جو آج بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ اس الزام کی آڑ میں دراصل علمار کے وقار کو ختم کرنا مقصود تھا۔ اس لئے کہ انھیں کے ذریعہ سے مسلمانوں میں دین کا وقار واحترام اور پاس ولحاظ قائم تھا اور یہی اس کے پاسبان ونگہبان تھے اور دین کے وقار واحترام اور پاس ولحاظ کی موجودگی میں ان لوگوں کی دال مسلمانوں میں اچھی طرح نہیں گل سکتی تھی، یہ من مانی قیادت نہیں کر سکتے تھے اور قوم ان کی اغراض وخواہشات کا کھلونا نہیں بن سکتی تھی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ وہ علما جنھوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی، اس کو دینی سند بہم پہونچائی اور قائدین لیگ کے کندھے سے کندھا ملا کر چلے یا کم ازکم مخالفت نہیں کی وہ آج سربراہ کاران مملکت پاکستان کے اسی طرح معتوب بنے ہوئے ہیں جیسے کہ مخالف علمار تھے۔ ان کا وجود تک برداشت نہیں ہے اور ارادہ ہے (اگر خدا نے پورا ہونے دیا) کہ ان سب کو ملک بدر کر دیا جائے ——— ان کا کیا جرم ہے؟ انھوں نے بھی قوم کے مفاد سے غداری کی تھی، مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچنے کی ٹھانی تھی، اسلامی حکومت (پاکستان) کے قیام میں روڑے اٹکائے تھے؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟

ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ ان وعدوں کا ایفا چاہتے ہیں جو پاکستان بننے سے پیشتر کیے گئے

تھے، یہ اُس خواب کی تعبیر چاہتے ہیں، جو سات برس پہلے دکھایا گیا تھا۔ وہ پاکستان کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق بنوانا چاہتے ہیں، وہ حکومت کو اقامۃ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہی اسلامی حکومت کی علت غائی ہے اور انھیں چیزوں کو قرآن نے مسلمانوں کی حکومت کا نشان بتلایا ہے:۔

وَاِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔	اور اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔

اور ایسا ہونے میں پاکستان کی موجودہ قیادت کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ اپنی پسندیدہ تہذیب و تمدن کا گلا گھٹتا نظر آتا ہے اور ان منکرات کے لئے خطرہ نظر آتا ہے جن کے وہ دلدادہ ہیں اور جو ان کی زندگی کا جزوِ لاینفک بن گئے ہیں۔ ملک کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کے بعد کاک ٹیل پارٹیاں جاری نہیں رہ سکتیں، شراب کی بدمستیاں جاری نہیں رہ سکتیں، طاؤس و رباب اور جام وسبو کے مشغلے جاری نہیں رہ سکتے عیش وطرب کی رنگ رلیاں باقی نہیں رہ سکتیں، مینا بازاروں کی جلوہ ریزیاں اور عشوہ طرازیاں باقی نہیں رہ سکتیں، سینماؤں کی عریانیاں باقی نہیں رہ سکتیں، حوا کی جوان بیٹیوں کو سڑکوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں لاکر ذریعہ تفریح نہیں بنایا جاسکتا اور ان سے بائیں پاسٹ کراکے سلامیاں نہیں لی جاسکتیں ــــــ مختصر یہ کہ پاکستان کو لندن، پیرس اور نیویارک نہیں بنایا جاسکتا، جو ان کا منتہائے آرزو ہے اور جس کے بغیر ان کے نزدیک زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

ضروری نہیں کہ پاکستان کا ہر امیر و وزیر ان چیزوں کا دلدادہ ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ اصل زمام کار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان کا مذاق ومزاج اسی قسم کا ہے۔ پھر یہ گنتی کے چند افراد ہی نہیں ہیں جو اپنے تحفظات کے لئے اہل دین کو دبانا چاہتے ہیں بلکہ ایک پورا کا پورا طبقہ ہے جس کا ان سے گٹھ جوڑ ہے، کیونکہ اُس کا اور ان کا مفاد بالکل ایک ہے یہ دراصل اسی طبقہ کے نمائندے ہیں اور نمائندگی کا پورا حق ادا کر رہے ہیں اور اس کے اور اپنے مشترک مفاد کے لئے ہر ناکردنی کرنے کے لئے تیار ہیں۔

اور پھر یہ طبقہ صرف اسی سمت سے کوشش پر قانع نہیں ہے بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے جتنے بھی جتن وہ کرسکتا ہے

سب کر رہا ہے، ایک پورا گروہ کا گروہ اُس نے اہل قرآن کے نام سے کھڑا کر دیا ہے جو حدیث و فقہ کے دفاتر پر پوری قوت سے گھن بجا رہا ہے کیونکہ ان دفاتر سے قرآن کی جو تشریحات اور اسلام کی جو تفصیلات، اس کا عملی و اعتقادی نقشہ اور اس کے حدود و قیود نکلتے ہیں اُن سے علماء کے پیش کردہ مذہبی نقشہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور یہ نقشہ اس طبقہ کی خواہشات کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ اس نقشہ میں اس کی ان دلچسپیوں کی بالکل گنجائش نہیں نکلتی۔ اور تیسری سمت سے کوشش یہ طبقہ ارباب حکومت کے تعاون سے خود کر رہا ہے، یہ کوشش ہے اپنے مذاق اور اپنی دلچسپیوں کو متعدی کرنے کی تاکہ وہ اپنی قلت تعداد کی وجہ سے نکو نہ بن سکے۔ اس دُم کٹی لومڑی کی طرح جو انگشت نمائی سے بچنے کے لئے اپنے تمام ہم جنسوں کو دُم بریدگی کے فوائد سمجھاتی پھرتی تھی، یا اُس کوزہ پشت انسان کی طرح جو خود کو طعنہ زنی سے بچانے کے لئے تمام انسانوں کے کوزہ پشت ہونے کے لئے دست بدعا تھا۔

پس ایک طرف تو تبرج جاہلیہ کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ منکرات کو مرغوب بنانے کے لئے فلسفے بگھارے جا رہے ہیں منطقیں جھاڑی جا رہی ہیں اور ان اوصاف کی بے محابا نمائشیں کرکے نو واردوں کی جھجک دور کی جا رہی ہے اور اس مقصد کے لئے سوسائٹیاں قائم کی جا رہی ہیں، دوسری طرف ایک نیا اسلام ترتیب دیا جا رہا ہے جس میں رسول کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے ارشادات کی کوئی وقعت نہیں، اُس کے اسوۂ حسنہ کی کوئی اہمیت نہیں اور اس کی اطاعت کا کوئی سوال نہیں اور جب رسول ہی کچھ نہیں تو صحابہ کرام اور ائمہ دین کا تو سوال ہی کیا! اسلام کے اس جدید ماڈل میں نماز وہ نماز نہیں جس کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کے مسلمان پڑھتے آئے ہیں اور وہ نماز نہیں جس کی صفت قرآن نے تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ بتلائی ہے، بلکہ عیسائیوں کی PRAYER جیسی ہے جس میں نہی عن الفحشاء والمنکر کی کوئی طاقت نہیں اور جس کا گرجا سے باہر کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسلام عبادات پر کوئی زور نہیں دیتا کیونکہ جس طبقہ کے ایماء پر اس کی ترتیب و تالیف کا کام کیا جا رہا ہے اُسے نہ صرف یہ کہ عبادات سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ انھیں ایک وبال اور جنجال سمجھتا ہے، اور اس کی زندگی کے نقشہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اس سلسلہ میں اس نئے اسلام کو صرف اس منفی پہلو سے دلچسپی ہے کہ عبادات کا رائج نظام اور اس کے

قواعد وضوابط اللہ کے نہیں بلکہ "ملاؤں" کے مدون کردہ ہیں۔ لہذا ان کو دین سے خارج کرنا چاہیے۔ اسی طرح یہ اسلام دین کے اخلاقی حدود وقیود اور تمدنی ومعاشرتی ضوابط واحکام کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ ممکن حد تک ان کو اس طبقہ کی خواہشات سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ غرض دینی اصطلاحات اور اقدار کے وحی سے متعین شدہ مطالب ومفہومات کو "ملا" کی گڑھنت قرار دے کر ان اصطلاحات واقدار کو خود تراشیدہ وخود پسندیدہ معنی پہنانے کے لئے اہل قرآن کا یہ (برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق) گروہ پوری طرح سرگرم عمل ہے ــــــ صلوٰۃ کا ایک نیا مطلب تیار ہے۔ زکوٰۃ کی ایک نئی تشریح حاضر ہے۔ معروف ومنکر کا ایک ایسا مفہوم دریافت ہو چکا ہے جس نے معنوی تحریفات کا ابتک کا سارا ریکارڈ توڑ دیا ہے اور اس سب سے بڑھ کر دین کی اصل اساس آخرت کا ایک ایسا تصور پیش کر دیا گیا ہے کہ تنہا وہ ہی اگر مقبول ہو جائے تو بلا کسی مزید کوشش کے دین کی ساری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جائے گی اور "ملا" اور "دین ملا" کا خرخشہ ہی ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔

یہ دونوں کوششیں پوری سرگرمی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی میں جاری ہیں اور تیسرا محاذ خود حکومت نے قائم کر رکھا ہے۔ جہاں سے مختلف طریقوں سے اہل دین کی کوششوں کو پسپا کرنے کی جد وجہد جاری ہے۔ سب سے پہلے نفاق کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ کیونکہ یہ طریقہ ہمیشہ بہت کامیاب اور بے خطر رہا ہے۔ جب پبلک میں آتے زبان پر اسلام اور قرآن جاری ہو جاتا اسلام کے تعلق پر فخر کیا جاتا۔ قرآن جیسی ہدایت کے امین ہونے پر ناز کیا جاتا اور ذو معنین الفاظ میں لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کی جاتی کہ پچھلے وعدوں کو پس پشت نہیں ڈالا گیا ہے مگر منافقت کی ٹٹی خالی زبان کے بل پر قائم نہیں رہا کرتی، اس کے لئے کچھ روپ بھرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ تقلید اور تکلف ان سے نہ ہو سکا۔ قول وعمل کا تضاد نمایاں سے نمایاں تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی کہ کعبہ کا نام لے کر قافلہ کو نہایت تیزی کے ساتھ ترکستان کی طرف بڑھایا جا رہا ہے۔ بعض لوگوں نے اندرونی طور پر قائل معقول کرنے کی کوشش کی اور بعض لوگوں نے باہر سے احتجاج شروع کیا جس کے بعد قافلہ کا رخ کچھ پھرتا نظر آیا۔ اس تبدیلی سے مغرب زدہ طبقہ کو (وہی طبقہ جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے) اپنا مفاد اور اپنا مستقبل خطرہ سے دوچار ہوتا نظر آیا۔ وہ بے چین تھا کہ اس تبدیلی کو کیسے روکے کہ یکایک اسے ایک بہترین موقع مل گیا۔ قادیانیت

اُن گردن زدنی علماء کا مطالبہ اس سے زیادہ کب ہے کہ آپ پاکستان کے آئین کے لئے قرآن و حدیث کو بنیاد تسلیم کر لیجئے تاکہ اس کی بنیاد پر مملکت کا قانون اسلامی قانون ہو سکے۔ رہا اس کو عمل میں لانے کا مسئلہ ؟ تو نہ وہ پہلے ناقابل عمل تھا اور نہ اب ناقابل عمل ہے بلکہ یہ اُن لوگوں پر موقوف ہے جن کے ہاتھ میں اس قانون کا نفاذ ہو! اگر وہ لوگ باہمت ہوئے تو یہ من و عن نافذ ہو گا جیسا کہ پہلے ہوا ہے اور اگر کم ہمت، نفس پرست اور بندگان عیش و طرب ہوئے تو اس میں رخنے پڑیں گے جیسے کہ پہلے پڑے۔

الغرض اوّلاً تو یہ بات ہی غلط ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد پورے تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی حکومت کا آئین و قانون اسلامی نہیں رہا۔ دوسرے اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ آخر اس بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے کہ ہو بھی نہیں سکتا ؟ اسکندر مرزا صاحب تاریخ سے ایسی کوئی ایک مثال پیش کریں کہ فلاں حکمران نے چاہا کہ اس کی حکومت کا قانون اسلامی ہو مگر تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ ناقابل عمل اور نامناسب ہے! ہمارا دعویٰ ہے کہ تاریخ کے تمام دفتر چھان لینے کے بعد بھی ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کے برعکس ہم آج بیسویں صدی میں ایک ایسے ملک کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جس نے اسلام کے قوانین پر عملدرآمد شروع کیا تو ہندوستان جیسی غیر اسلامی اور سیکلر اسٹیٹ کا وفد اس کے نتائج دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور اس نے اپنے ملک میں آکر بے ساختہ اس تاثر کا اظہار کیا کہ ہم نے اس فتنہ و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں ایک گہوارۂ امن و امان دیکھا ہے ——— یہ ملک سعودی عرب ہے!

اسلامی نظام حکومت تو خیر صدہا برس تک اس دنیا میں قائم رہ چکا ہے اور نہ صرف قائم رہ چکا ہے بلکہ اس کا آئیڈیل تک عالم وجود میں آچکا ہے اور یہ فخر تنہا نظام اسلامی ہی کو حاصل ہے ورنہ دنیا میں جتنے بھی نظام فلاح انسانی کے لئے پیش کئے گئے ان کا آئیڈیل ہمیشہ پیش کرنے والوں کے تصور ہی میں رہا تصور سے نکل کر عالم وجود میں کبھی نہیں آسکا۔ آج بھی کمیونزم اور جمہوریت جو ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اپنے آئیڈیل کا چہرہ دیکھنے کے لئے ترستے ہیں اور یقین ہے کہ عمر بھر ترستے ہی رہیں گے۔ بس ایک ایسے نظام کا تو سوال ہی کیا یہ دلیل تو کسی ایسے نظام کے مقابلہ میں بھی غلط ہے جس کا سرے سے کبھی وجود ہی نہ ہوا ہو اور وہ محض عالم تخیل میں ہو ——— اور

اگر یہ دلیل کوئی دلیل ہوتی تو دنیا میں کسی شخص کو کوئی نئی بات پیش کرنے کی کبھی جرات نہ ہوتی اور انسان ترقی کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خواہ یہ مانا جائے کہ تیرہ سو برس کے بیشتر حصہ میں زمین کے ایک بڑے حصہ پر اسلامی قانون کو قانون حکومت کی حیثیت حاصل رہی اگرچہ اس پر پورا عمل نہیں ہوا یا یہ مانا جائے کہ خلافت راشدہ کے بعد کسی حکومت کا دستور و قانون اسلامی نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچاتی کہ اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، یہ نتیجہ تو جب صحیح ہو سکتا ہے جبکہ کچھ مثالیں اس قسم کی پیش کی جائیں کہ فلاں حکومت نے اپنا دستور و قانون اسلامی بنانا چاہا مگر وہ ناکام رہی یا اس پر عملدرآمد کیا گیا تو عوام نے اسے اپنے لئے مضر اور ناقابل قبول قرار دیا۔ مگر اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا، نہ کسی حکومت نے نیک نیتی کے ساتھ ارادہ کرنے کے بعد قرآن و حدیث کو ناقابل عمل پایا اور نہ اس کے عوام نے اسلامی قانون کو ناقابل قبول قرار دیا بلکہ ہمیشہ اس کے لئے اپنی آغوش وا کر دی اور "علی الراس والعین" کہہ کر استقبال کیا البتہ ایک چھوٹا سا گروہ ضرور ایسا نظر آتا ہے جس کے حلق سے اسلامی قانون نہیں اترتا تھا کیونکہ یہ قانون اس کی ناجائز خواہشات کی راہ میں سنگ گراں تھا، یہی گروہ تھا جس نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر کا پیالہ پلایا کیونکہ انھوں نے ساٹھ سال کے بعد حکومت میں پھر خلافت راشدہ کا رنگ بھرا تھا اور اس گروہ کی ناجائز خواہشات کا راستہ بند کر دیا تھا اور آج بھی یہی گروہ ہے جو اسکندر مرزا جیسے لوگوں کی شکل میں مسلمانوں میں موجود ہے جو سمجھتا ہے کہ اسلامی دستور اور اسلامی قانون اس کی ناجائز خواہشات کے لئے موت کا پیغام ہے! ــــــ پہلے زمانہ کے اس گروہ نے (جو خاندان خلافت اور امراء پر مشتمل تھا) اسلامی قانون کی کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ صرف اُن افراد کو ہٹانا کافی سمجھا جو اس قانون کو اس کی پوری روح کے ساتھ نافذ کرنا چاہتے تھے کیونکہ مطلق العنانی کے اس دَور میں یہ بات آسان تھی کہ ملک کا قانون تو اسلامی رہے مگر اصحاب اقتدار اپنی پرائیویٹ زندگی میں اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے جو چاہیں کریں وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھے مگر اس زمانہ کا یہ گروہ جانتا ہے کہ اب صورت حال مختلف ہے مطلق العنانی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب عوام کا ایک ایک فرد حکمراں کی زندگی کا احتساب کر سکتا ہے، الیکشن کے ذریعہ

ہر چند سال بعد حکومت کو بدلا جا سکتا ہے اس لئے وہ سرے سے اسلامی دستور اور قانون ہی کا راستہ روکنا چاہتا ہے، مگر دلائل کی طاقت سے محروم ہونے کی بنا پر اس قسم کی لچر اور مغالطہ آمیز باتیں کہہ کر اپنے رویہ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتا ہے کہ تیرہ سو برس میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی بھی ہے اور جب ان باتوں سے کام چلتا نہیں دیکھتا تو نشۂ قوت میں مدہوش ہو کر تشدد کی دھمکیاں دینے لگتا ہے۔ اور کچھ الزامات تراش کر اپنے اس آخری ہتھیار کو استعمال کر ڈالتا ہے۔

ہم نے اسکندر مرزا صاحب کی دلیل پر جو کچھ کہا ہے وہ اس خیال کی بنیاد پر کہا ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے قرآنی حکومت ہونے سے انکاری نہیں ہیں اور تیرہ سو سال سے ان کی مراد اس کے بعد سے ہے لیکن اگر ان کے انکار میں خلافت راشدہ کا دور بھی داخل ہے جیسا کہ اکثر حضرات نے سمجھا ہے تو پھر کچھ بعید نہیں کہ کل کو اگر انھیں کوئی دن میں شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھے اور کہے کہ حضرت آپ نے تو فرمایا تھا کہ "میں سچا مسلمان ہوں اور غروب آفتاب سے قبل کبھی شراب نہیں پیتا" تو وہ جواب میں کہہ دیں کہ اس دنیا پر کبھی آفتاب طلوع ہوا بھی ہے؟ یقیناً وہ اتنے جری ہیں کہ دن کو رات اور رات کو دن، سپید کو سیاہ اور سیاہ کو سپید کہہ دیں اور وہسکی کے نشہ میں سمجھ لیں کہ حقائق ان کی زبان کے تابع ہیں —— اس موڈ کا آدمی قطعی طور پر مرفوع القلم ہے اور ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کسی بات کا نوٹس لیا جائے اور اسے کوئی سنجیدہ جواب دیا جائے۔

کاپی ابھی پریس گئی نہیں تھی کہ یہ خبر ملی کہ مصر میں اخوان المسلمون کے کئی افراد اسی طبقہ کی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیے گئے ہیں جس کی نمائندگی پاکستان میں جنرل اسکندر مرزا وغیرہ کرتے ہیں —— مصر کے حالات پر تو (اگر موقع ملا) ہم انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اظہار خیال کریں گے اس وقت صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ خون انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ اور اگر اخوان نے کرنل ناصر کے اس بھر پور وار کو سنبھال لیا تو عالم اسلامی کے سر سے اسلام دشمن قیادت کی لعنت ضرور ختم ہو کر رہے گی —— عالم اسلامی کی سب سے بڑی نحوست اس کا یہی برسر اقتدار طبقہ ہے جس کے گلے سے اسلام تو اترتا نہیں مگر وہ مسلمان قوموں کی قیادت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

قرآنی دعوت

(۱۵)

خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی :-

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی خدائی کو جان لینے اور بندوں کی ہدایت کے لئے اُس کے قائم کئے ہوئے سلسلۂ رسالت کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کے بعد خود بخود بندہ کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ اصولی فیصلہ کرلے کہ اس دنیا میں مجھے اللہ کے احکام اور اُسکی نازل کی ہوئی ہدایت کا مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزارنا ہے۔ لیکن قرآن مجید صرف اس لزوم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مستقل طور سے اس اصل کی بھی دعوت دیتا ہے اور پوری تاکید کے ساتھ جا بجا اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ خدا کی ہدایت اور اس کے احکام (جو پیغمبر وقت کے ذریعہ اسکی طرف سے آئیں ان کی) پیروی کو زندگی کا اصول بنائیں اور اس کے سوا کسی کو اطاعت و پیروی کے قابل نہ سمجھیں، نجات و فلاح کی یہی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کا راستہ ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا:-

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
(انعام - ع ۹)

اے پیغمبر آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگار عالم کی حکمبرداری کریں۔

اور سورہ اعراف کے بالکل شروع میں فرمایا گیا:-

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ
(اعراف - ع ۱)

اس ہدایت کی پیروی کرو جو اتاری گئی ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے اور اُسکے سوا اور آقاؤں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ حقیقی آقا اور رب صرف وہی ہے)

اور سورہ زمر میں ارشاد ہوا:۔

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (زمر۔ ع ۲)	اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اسکی حکم برداری کرو قبل اسکے کہ آجائے تم پر اس کا عذاب اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور اتباع کرو اس بہترین ہدایت کا جو اتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ آجائے تم پر اچانک عذاب اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ تو خداوندی ہدایت کے اتباع کی تاکید تھی (نیز قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ " یا ان کے ہم معنی الفاظ میں بھی جا بجا اس کا مطالبہ کیا گیا ہے)

اب ماننے اور نہ ماننے والوں کا انجام بھی قرآن ہی کی زبان سے سُنئے!۔

سورہ فتح میں ارشاد ہے:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (الفتح۔ ع ۲)	جو لوگ حکمبرداری کریں گے اللہ اور اس کے رسول کی اور چلیں گے اُنکی ہدایت پر انکو پہنچائیگا اللہ اُن بہشتی باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری

ہیں اور جو نہ مانیں گے اور حق کی اس راہ سے مُڑ کر چلیں گے انکو اللہ تعالیٰ اس جرم کی دردناک سزا دیگا۔

اور دوسری جگہ ماننے والوں کے متعلق فرمایا گیا:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (احزاب۔ ع ۹)	اور جو لوگ تابعداری کریں اللہ اور اسکے رسول کی تو انھوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اور سورہ نساء میں اس بڑی کامیابی (فوز عظیم) کی تفسیر و تشریح یہ فرمائی گئی:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ	اور جو بندے فرمانبرداری کریں اللہ اور اُسکے رسول کی تو وہ اللہ کے اُن خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اس کا خصوصی انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین۔ اور

وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (النساء - ع ۹)

کیا اچھے ہیں یہ رفیق ۔ یہ ان پر فضل ہوگا اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

اور ان ہی خوش نصیب بندوں کے متعلق جنھوں نے ہر طرف سے رخ موڑ کے اور دنیا کے سارے طریقوں کو چھوڑ کے اللہ کی ہدایت کی پیروی ہی کو اپنا اصول زندگی بنا لیا ہے، سورہ مومن میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے وہ خاص خاص مقرب فرشتے (حاملین عرش و من حولہ) جنھیں بارگاہ خداوندی میں ہمہ وقت حاضری نصیب رہتی ہے، وہ اللہ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ان بندگان خدا کے لئے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے آباء و اجداد اور بیوی بچوں کے لئے بھی ہر دم دعائے خیر کرتے رہتے ہیں ۔۔ قرآن مجید میں ان کی اس دعا کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں پڑھئے اور بار بار پڑھئے !!

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۝ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۝ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۝ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (المومن - ع ۱)

اے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، پس تو اپنے ان بندوں کی مغفرت فرما دے جو تیری طرف رجوع ہوئے اور انھوں نے تیری ہدایت کی پیروی کی اور تیری بتائی ہوئی راہ پر چلے اور دوزخ کے عذاب سے ان کو بچا لے، اے پروردگار اور ان غیر فانی جنتوں میں ان کو پہنچا دے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے ماں باپ اور ان کے بیوی بچوں میں سے جو بھی اچھے ہیں ان کو بھی ان کے ساتھ جنت میں رکھ، تو زبردست حکمت والا ہے اور تکلیفوں اور برائیوں سے ان کو بچا اور قیامت کے دن جن کو تو نے تکلیفوں سے بچایا تو ان پر تیری رحمت ہوئی اور یہ اُن کی بڑی کامیابی ہے۔

گویا اللہ کے یہ بلند مرتبت مقرب فرشتے مامور ہیں کہ اللہ کی بندگی اور اس کی حکمبرداری والی زندگی گزارنے والے بندوں کے حق میں یہ دعائے خیر اللہ کے حضور میں کرتے رہیں ـــــ اور ظاہر ہے کہ جس اللہ نے انھیں اس دعا پر مامور فرمایا ہے اور اپنی حمد و تسبیح کے ساتھ اس دعائے خیر کو اُن کا

وظیفہ بنایا ہے وہ ان کی اس دعا کو کیوں نہ قبول فرمائے گا، بلکہ قرآن مجید میں یہ دعا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کے جو بندے اللہ کی بندگی والی زندگی گزارتے ہیں اور اس دنیا میں اس کی ہدایت کے پابند ہو کر رہتے ہیں اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ اُس نے اپنے مقرب ترین فرشتوں کو ان کا دعا گو بنا دیا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا اپنی حمد و تسبیح کی طرح ان کا وظیفہ مقرر فرما دیا ہے

اور اس کے برعکس جو بدنصیب بندے اللہ کی ہدایت اور اُسکی نازل کی ہوئی شریعت کے بجائے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں ان کی محرومی اور بربادی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا گیا۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥

(قصص ع ۔ ۵)

اور ان سے زیادہ گمراہ اور بھٹکا ہوا کون ہے جو اللہ کی ہدایت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کی پیروی کریں، اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ط اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ٥ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ٥ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ٥

(الفرقان ۔ ع ۴)

ذرا اُن بدنصیبوں کو دیکھو جو (خدا کی بندگی اور اُس کی ہدایت کی پیروی چھوڑ کر اپنی خواہشات نفس کے پرستار ہو گئے ہیں، کیا تم اُن کو سنبھالنے کا ذمہ لے سکتے ہو (وہ ہرگز درست نہ ہوں گے) کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں سے بہت سے کچھ سُنتے اور سمجھتے ہیں، نہیں وہ تو بس لایعقل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اسلام میں نبوّت کا تصوّر

(از ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ

"(اے محمد) کہدو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں،
(فرق صرف یہ ہے) کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے" (القرآن: حٰم السجدہ)
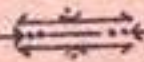
دُنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس کی ہدایت ضروری تھی، اس کے لیے خدا نے اپنے پاکیزہ اور مقبول بندے بھیجے۔ ان سچّے اور اچھے لوگوں کو پیغمبر یا نبی یا رسول کہتے ہیں۔ خدا ان کو تعلیم دیتا تھا اور یہ خدا کی تعلیم دوسرے انسانوں تک پہونچاتے تھے۔

آج دنیا میں سچائی اور نیکی کی جو بھی شعاعیں پائی جاتی ہیں وہ ان ہی انبیاء کی عطا کی ہوئی ہیں۔ خدا کی عظمت کا احساس، اچھے بُرے کی تمیز، عدل و انصاف کی قدر، حتیٰ کہ آزاد خیال، بے دین اور ملحد لوگوں کی نکوکاری بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ ان ہی کی برکتوں کا پَرتو ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے محسوس نہ کیا جائے یا اس کا اعتراف نہ کیا جائے۔

تمام انبیاء اپنے عہد کے بہترین انسان تھے۔ خدا ان سے راضی تھا اور وہ خدا سے راضی تھے۔ اور اگرچہ بشریت میں وہ عام انسانوں ہی کی طرح تھے، مگر باطن اور معنویت میں بہت بلند تھے۔ امام غزالی نے نبوت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے، معراج القدس، میں لکھا ہے کہ "نبوت انسانیت کے رتبہ سے بالاتر ہے۔ جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔" امام موصوف علیہ الرحمہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ نبوت "عطیۂ الٰہی اور موہبت ربّانی ہے اور سعی و محنت و کسب و تلاش سے نہیں ملتی"[1]

---

[1] ماخوذ از سیرۃ النبی، جلد چہارم صفحہ ۲۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (القرآن۔ الانعام) "اللہ بہتر جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیامبری کا منصب بنائے۔"

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (القرآن: جمعہ) "یہ نبوت، خدا کا فضل ہو وہ جس کو چاہے دے۔"

نبی کا مقام مصلح اور مفکّر کے مقام سے اعلیٰ اور ارفع ہے، تمام انبیاء پاکیزہ اور معصوم، گناہوں سے دور اور خطاؤں سے محفوظ تھے۔ ان کے سپرد گنہگاروں کی رہنمائی تھی، اگر وہ خود بھی گنہگار ہو سکتے تو اس سعادت کے کیسے مستحق ہو سکتے تھے؟۔ اس کے برعکس اگر کسی مصلح یا مفکّر کے دامن پر معصیت کے دھبے بھی ہوں تب بھی اس کے منصب میں کوئی فرق نہیں آتا، مثلاً ایک جیّد فلاسفر اور حریّت کے علمبردار کی حیثیت سے سقراط کی تعظیم ہمیشہ ہوتی رہی ہو اور ہوتی رہے گی۔ اگرچہ اس کی جنسی زندگی بہت مکروہ تھی۔

قرآن مجید میں بلا تفریق تمام انبیاء کی عفت کا اعلان کیا گیا ہو۔ اور ان تمام شرمناک باتوں کو قلمزد کیا گیا ہے جو توریت، انجیل اور اکثر دوسری کتابوں میں ان معصوموں سے منسوب کی گئی ہیں۔

وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ (القرآن: انبیاء) "ان میں سے ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔"

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (انعام) "یہ سب صالحوں میں تھے۔"

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ایضاً) "اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور سیدھی راہ پر چلایا۔"

دوسرا فرق یہ ہو کہ مصلحوں اور مفکّروں کے برخلاف انبیاء اپنے تمام افعال میں ہدایت ربّانی کے تابع ہوتے تھے۔ نہ خود ان کی کوئی مرضی تھی نہ ارادہ اور وہ وہی کہتے اور کرتے تھے جس کا انھیں خدا کی طرف سے حکم دیا جاتا تھا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (القرآن: نجم) "اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس کے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔"

خدا اور انبیاء کے درمیان پیام رسانی اور سفارت کا کام عموماً فرشتوں کی وساطت سے ہوتا تھا خدا کے یہ فرمانبردار قاصد ایک اطاعت شعار اور بے اختیار محکوم کی طرح خدا کے احکام اس کے پیغمبروں تک پہونچاتے تھے۔

بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (القرآن: عبس)	"ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں جو کرم اور برگزیدہ ہیں۔
لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ. (تحریم)	اللہ جو ان کو حکم دیتا ہے وہ اس میں نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی کرتے ہیں، جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہو۔

ان احکام کو وحی کہتے ہیں:

'لسان العرب' میں وحی کے معنی حسب ذیل بتائے گئے ہیں۔ "اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا، اور جو کچھ تم دوسرے کے خیال میں ڈالو" یعنی منھ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا اور اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ کوئی دوسرا نہ سن سکے! لیکن دینی اصطلاح میں لفظ 'وحی' کا اطلاق صرف ان باتوں پر کیا جاتا ہو جو خدا اپنے پیغمبروں پر اتارا کرتا تھا۔

ان آسمانی ہدایتوں میں کوئی نبی اپنی طرف سے ردّ و بدل نہیں کر سکتا تھا۔

اور بفرض محال اگر کوئی نبی خدا کی طرف کبھی کسی ایسی بات کے منسوب کرنے کا ارادہ بھی کرتا جو اس کی طرف سے نہ ہوتی تو قبل اس کے کہ وہ اس پر عمل کر سکتا خدا اس کی زندگی ہی کا خاتمہ کر دیتا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ (القرآن: حاقہ)	"اور اگر وہ کوئی جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی گردن کی شہرگ کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی اس کو ہم سے بچا نہ سکتا"

دشمنوں کے شر اور فتنہ سے بھی خدا اپنے نبیوں کی حفاظت کرتا رہتا تھا، اور ہر حال میں ان کی دستگیری فرماتا تھا تاکہ شیاطین، خواہ وسوسوں کی شکل میں خواہ جن و انس کی صورت میں انکو گمراہ نہ کر سکیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ۔ (القرآن: نساء)	"اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ایک گروہ نے تجھے گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، اور وہ گمراہ نہیں کریں گے لیکن خود اپنے کو اور تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

انبیاء کے سامنے نہ جاہ طلبی ہوتی تھی نہ حُبِ مال، اپنی عدیم المثال خدمت کے معاوضے میں وہ عزت، شہرت، طاقت، حکومت، مال اور دولت کے بجائے لوگوں سے تقویٰ اور پرہیز گاری ہی مانگتے تھے۔ ان کا کام محض اللہ کے لیے تھا اور ان کا اجر بھی تمام تر اللہ ہی کے پاس تھا۔

يَٰقَوْمِ لَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي (القرآن: ہود)	"میں اپنی نصیحت کی تم سے اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔"
وَيَٰقَوْمِ لَا أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ (ایضاً)	میں اپنی تبلیغ کے عوض میں تم سے مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اجر تو بس خدا کے پاس ہے۔

سب سے بڑا فرق شخصیت اور منصب کی جامعیت کا ہے، مصلح کا فرض قوم میں ایک آدھ اصلاح جاری کر کے ختم ہو جاتا ہے، مفکر کا کام فکر کی انجمن میں نئی شمعیں روشن کرنا ہے اور بس۔ لیکن نبوت حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں کی احاطہ گیر ہوتی ہے، یہ بات بھی دنیا نے پیغمبر اسلام کی وساطت سے جانی۔ یہودیوں کے وہاں نبوت کے معنی پیشینگوئی کے تھے۔ نبی وہ صرف اس کو کہتے تھے جس کی بابت اطلاع بالغیب کا عقیدہ رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی دعائیں اور بد دعائیں اثر کر جاتی ہیں۔ اسی اصول کی بنا پر وہ اکثر جلیل القدر انبیاء کے مقابلہ میں کاہنوں کو زیادہ قابل احترام خیال کرتے تھے۔ انجیل میں بھی نبوت کی کوئی صاف اور واضح تصویر نہیں پائی جاتی ہے، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ "مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے۔"[۵]

---

[۵] انجیل۔

آنحضرت صلعم نے بتایا کہ انبیاء ہادی (رہنما)، نذیر (ہشیار کرنے والے)، داعی (خدا کی طرف بلانے والے)، مبشّر (خوشخبری سنانے والے) معلّم (سکھلانے والے)، مبلّغ (خدا کے احکام پہونچانے والے) نور (روشنی)، مبین (خدا کی صفات بیان کرنے والے) مزکّی (پاک وصاف کرنے والے)، حاکم (فیصلہ کرنے والے) مطاع (واجب الاطاعۃ) آمر (حکم دینے والے)، ناہی (منع کرنے والے)، صاحب حکمت اور صاحب خلق عظیم تھے۔

اسلام سے پہلے ہر قوم اس وہم میں مبتلا تھی کہ وہی خدا کی محبوب اور مخصوص قوم تھی اور صرف اسی کی سرزمین روحانی پیشواؤں کا مسکن بننے کے لائق تھی۔ باقی تمام قومیں فیوض ربّانی سے محروم تھیں، ہندو آریہ ورت ہندوستان ہی کو دیوتاؤں کی جنم بھومی سمجھتے تھے۔ زردشت نے ایرانیوں کے سوا ساری دنیا کو راندۂ درگاہ ٹھہرا دیا تھا، بنی اسرائیل خود کو خدا کا کنبہ سمجھتے تھے اور دوسری اقوام میں انبیاء کا مبعوث ہونا ان کے خیال ہی میں نہ آتا تھا، یہی حال عیسائیوں کا تھا، لیکن پیغمبر اسلام نے آکر بتایا کہ رنگ ونسل اور زبان ووطن کی تفریقیں خدا کی نظر میں بے حقیقت ہیں۔ تمام قومیں اسی کی خلق کی ہوئی تھیں، سب کی فلاح اسے یکساں عزیز تھی، اس نے اپنے پیغمبر دنیا کے ہر گوشے میں بھیجے تھے اور کوئی قوم نور ہدایت سے محروم نہیں رہی تھی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (القرآن: یونس)	"اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہوا ہے"
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (نحل)	"اور ہم نے یقیناً ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔"
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر)	"اور کوئی قوم نہیں جس میں ایک ہشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔"
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ	"اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا تاکہ وہ ان کو بتا سکے۔"

یہ سلسلۂ نبوت پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آخری پیغمبر یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا نبیوں کی مجموعی تعداد کا تعین مشکل ہو۔ قرآن میں بہت سے نبیوں کا تذکرہ پایا جاتا ہو، مگر یہ فہرست محض نمونہ کے طور پر ہو اور اس میں وہی نام گنائے گئے ہیں جن سے

اہل عرب یا ان کی ہمسایہ قومیں، یہود اور نصرانی پہلے سے واقف تھے۔ بعض مسلمان مصنفین نے پیغمبروں کی کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی ہو[1]۔ اور بعض نے اس سے کم۔ لیکن اس بارہ میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا احتیاط کے خلاف ہوگا، اسی طرح مختلف قوموں کی ان باعظمت ہستیوں کے نبی ہونے یا نہ ہونے کی بابت بھی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہو۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، مگر ان کے نبی ہونے کا امکان ضرور ہے۔

ہم پر تمام انبیاء کا احترام فرض ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر مذاہب اس سلسلہ میں اپنے پیروؤں کی تنگ نظری کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہودیوں پر حضرت موسیٰ کے علاوہ کسی اور نبی کا اقرار ضروری نہیں رہا ہے۔ ہندو تمام غیر ہندو انسانوں کو ملیچھ اور چنڈال سمجھ کر بھی بہترین ہندو رہ سکتے ہیں۔ مسیحی حلقوں میں تو گویا پیغمبر اسلام کی تحقیر ہی بڑائی کی پہچان بن گئی ہو، غرضکہ عام طور پر، ایک مذہب کے ماننے والے اپنے دائرہ کے باہر کے کسی نبی کی عزت و توقیر ضروری نہیں سمجھتے ہیں، لیکن مسلمان ایسا نہیں کرسکتے ان پر تمام انبیاء کی تعظیم ویسے ہی واجب ہو جیسے کہ خود اپنے نبی کی تعظیم، اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کچھ کو مانیں اور کچھ کو نہ مانیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا

(القرآن: نساء)

"بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے، اور چاہتے ہیں کہ اسکے بیچ بیچ کوئی راستہ نکالیں۔ وہی تو حقیقت میں کافر ہیں۔"

بقول علامہ سلیمان ندوی "کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہوسکتا جب تک وہ موسوی، عیسوی .... نہ بن لے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ اور یہ

---

[1] طبرانی۔

یقین نہ کرے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہو اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہو جیسا کہ خدا کا ماننا۔"[1]

(۲)

اپنے سارے فضائل و اوصاف کے باوجود انبیار انسان ہی تھے۔ وہ خدا یا خدا کے بیٹے، یا خدا کے اوتار نہ تھے۔ دراصل انبیار میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی تسلیم کر لینے کے بعد توحید اور نبوت کی حیثیتیں ہی مشتبہ نہیں ہو جاتی ہیں، اور خدا کی یکتائی کا تصور ہی مجروح نہیں ہو جاتا ہو بلکہ انبیار کی بعثت کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے، اور اُن کی زندگیاں ہمارے لیے کچھ زیادہ مفید نہیں رہتیں۔

مثلاً حضرت عیسیٰ کی سیرت کتنی پاکیزہ نظر آتی ہو، ان کی معصومیت اور بے نفسی، ان کے عفو اور درگزر، صبر و توکل اور حلم اور بردباری کا ہمارے اوپر کتنا اچھا اثر پڑ سکتا ہو، لیکن الوہیت کا رنگ دینے کے بعد اِن کا حسن ضائع ہو جاتا ہو۔

اگر اناجیل ہی کے بیان کو معیار قرار دیا جائے تو الوہیت کے معیار پر حضرت عیسیٰ کی زندگی عجیب حسرت ناک منظر پیش کرتی ہو۔ خدا اور بندوں کے آگے بے بس ہو، اس پر ظلم کے پہاڑ ٹوٹیں۔ اس کی توہین ہو، اور وہ عاجزی اور لاچاری کا مرقع بنا رہے! حدیہ ہو کہ خدا ماننے کے بعد ان کے حیرت انگیز معجزے بھی بے حقیقت معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کیونکہ ان خوارق کی قدر و قیمت صرف اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ ان کو بہ تائید غیبی ایک برگزیدہ انسان ہی کی برکات و کرامات سمجھا جائے، ورنہ قدرتِ خدا وندی کی ان سے کہیں زیادہ عجیب و غریب باتیں تو دن رات نظر آتی رہتی ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے صحیفۂ حیات میں کوئی بات بھی تو نہیں ملتی جو اہلِ کلیسا کے اس دعوے کی تصدیق کر سکے کہ وقتِ مقررہ پر خدائے قادر و توانا گوشت اور خون کا لباس پہن کر ان کی ہیئت میں ظاہر ہوا تھا۔ عیسائی مبلغین اس سلسلہ میں اکثر ان کے معجزات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن صدور خوارق حضرت عیسیٰ ہی کا طرۂ امتیاز نہ تھا۔ تمام انبیار اس سے ممتاز ہوئے تھے۔ اور انجیل میں بھی دوسرے پیغمبروں کی بابت ایسی ہی باتیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ اور لا علاج مریضوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ اور ان کی ضرب سے سمندر پھٹ جاتا تھا، وغیرہ وغیرہ تو کیا ان سب کو عیسائی حضرات خدا یا خدا کے

---

[1] سیرۃ النبی، جلد چہارم، صفحہ ۵۰۹۔

بیٹے یا خدا کے اوتار ماننے پر تیار ہیں؟

علاوہ ازیں، کسی نبی کو خدا یا خدا کے اوتار کا مقام دینے کے بعد اس کی زندگی ہمارے لیے نمونہ اور مثال کے کام کی نہیں رہتی، کیونکہ ہم بہر حال اسی کی اقتدا کر سکتے ہیں جو قوت و اختیار کے معاملہ میں ہمارے ہی جیسا ہو، یا دوسرے لفظوں میں ہم اسی کے نقش قدم کو خضر راہ بنا سکتے ہیں جس کے قدم ہم سے مختلف نہ ہوں، مختلف الجنس مخلوق ہم کو مرعوب تو کر سکتی ہے مگر رہنمائی اور رہبری نہیں، اور نہ وہ ہمارا آئیڈیل بن سکتی ہے. مثلاً شیر یا ہاتھی ہم کو سہما سکتے ہیں، خوف زدہ کر سکتے ہیں، حیرت میں ڈال سکتے ہیں، اور کبھی کبھی پسندیدگی اور رشک کے جذبات بھی پیدا کر سکتے ہیں. لیکن ہم ان کو اپنا ہیرو بنانے سے معذور ہیں. کیوں کہ ہم لاکھ چاہیں شیر یا ہاتھی بننا ہمارے امکان میں نہیں ہے.

آئیڈیل یا ہیرو کا تعین کسی ایک ذات میں وہ تمام اچھائیاں جمع کر کے جو مختلف افراد میں نظر آتی ہیں اور اس میں سے تمام برائیاں خارج کر کے کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ہم جنسوں میں نمونہ اور مثال کا کام دے سکے. اوتاروں میں چونکہ ایسی طاقتیں یقین کی جاتی ہیں جن پر دوسرے انسانوں کو قدرت نہیں ہوتی ایسے انھیں منتہائے انسانیت یا انسانوں کے آئیڈیل یا ہیرو بنا لینا درست نہیں ہو سکتا ہے. انسان عملاً اپنی زندگی ان کے نمونہ پر ڈھالنے سے ہمیشہ معذور رہے گا.

انبیاء انسانوں میں مبعوث ہوتے تھے اور ان کے سپرد انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت ہوتی تھی ان کی دعوت کی کامیابی کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ تمام تر بشر ہی ہوتے اور زندگی کے نشیب و فراز سے گذرنے کے لیے اور مختلف دشواریوں کو عبور کرنے کے لیے وہ وہی تدبیریں اور وسیلے استعمال کرتے جو نوع انسانی کا خاصہ ہیں.

خدا کے رسولوں کی بڑائی کا انحصار ان کے کائنات پر متصرف ہونے اور طرح طرح کے معجزے دکھانے پر نہیں بلکہ لوگوں میں حق اور غیر حق کی تمیز پیدا کر کے ان کی روحانی اور اخلاقی سطحوں کو بلند کرنے میں ہے. معجزات سے معارض کو لاجواب اور خاموش کیا جا سکتا ہے. لاجواب اور خاموش کر کے ہم دشمنوں کو زیر تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں تسکین اور تشفی پیدا کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے. تسکین اور تشفی کے لیے اتحاد جنسیت ضروری ہے. یہی چیز دلوں کو کھینچتی ہے، اضطراری اور عارضی طور پر نہیں، بلکہ عادتاً اور مستقلاً، اور ان میں نیکی اور سچائی کے عناصر پیدا کرتی ہے. مولانا روم فرماتے ہیں.

موجب ایماں نباشد معجزات
بوئے جنسیت کند جذب صفات
معجزات از بہر قہر دشمن است
بوئے جنسیت سوئے دل بردن است
قہر گردد دشمن امّا دوست نے
دوست کے گردد بہ بستہ گردنے

اسلام سے پہلے انبیاء کو غیر از بشر سمجھنے کا عام دستور تھا۔ ان کی بابت انسانوں کے بجائے انسانوں کے بھیس میں خدا یا فرشتہ ہونے کا عقیدہ رکھا جاتا تھا۔ اور یہی غلط تصور لوگوں کو ان پر ایمان لانے سے روکتا تھا۔ قرآن مجید نے اس کی نفی کی۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (القرآن: بنی اسرائیل)	"ہدایت آجانے کے بعد لوگوں کو اس کے قبول کرنے سے اس کے علاوہ کوئی امر مانع نہیں ہوکر وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ "کہدو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم کسی فرشتے ہی کو ان کے پاس رسول بنا کے بھیجتے۔"

یعنی رہبری اور قیادت کے لیے اشتراکِ جنسیت ضروری تھا۔ چنانچہ تمام انبیاء اپنے تمام جسمانی خصائص، یعنی جینے، مرنے، بیمار پڑنے اور صحت یاب ہونے، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے، صورت شکل، ہاتھ پاؤں، وغیرہ کے اعتبار سے خالص بشر ہی تھے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ۝ (القرآن: الانبیاء)	"ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں، اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے بھی نہ تھے۔"
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا	"اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے تھے

نوحی الیھم من اھل القریٰ (القرآن: یوسف)

وہ بشر ہی تھے آبادیوں کے رہنے والے ہم ان پر وحی کرتے تھے۔

یہ ہدایت دراصل نئی نہ تھی، لیکن نبوت کا مافوق الفطرت تصور اتنا قوی تھا کہ ہر نبی کو اس کا از سرِ نو سامنا کرنا پڑتا تھا، حضرت نوح علیہ السلام پر بھی ان کی قوم کی جرح یہی تھی کہ

مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (القرآن: ہود)

"ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔"

اور جواب میں انھوں نے یہی فرمایا تھا کہ

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ (ایضاً)

"میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے قبضہ میں خدا کے خزانہ ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی صاف کہہ دیا تھا کہ

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔ (القرآن: مریم)

"میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔"

پھر بھی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا تو ان کی قوم تعجب سے پکار اٹھی کہ

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا (بنی اسرائیل)

"خدا نے (تو) انسان کو پیغمبر بنا کے بھیجا ہو۔" (القرآن: بنی اسرائیل)

أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا۔ (تغابن)

"کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے؟"

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ۝ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ ...... (فرقان)

"اور لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہو اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہو، کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اس کے ساتھ لوگوں کو ڈراتا ہوتا یا اس کے پاس خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا ......"

اس کج ذہنی کے پیش نظر آنحضرت صلعم نے عبدیت کو اپنے اوپر اس قدر غالب کر لیا اور انبیاء کی بشریت کا اعادہ آپ نے اس صفائی اور شدت سے کیا کہ کل مسئلہ ہمیشہ کے لیے روشنی میں آ گیا اور کم از کم مسلمانوں کے لیے نبوت اور الوہیت کے مفہوموں میں غلطی کرنے کا امکان باقی نہ رہا۔ قرآن کی یہ آیات ملاحظہ ہوں:

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (القرآن: بنی اسرائیل)

"میں تو ایک انسان پیغمبر ہوں۔"

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (کہف)

"کہدے کہ میں تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہو کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہو۔"

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (ایضاً)

"محمد تو صرف ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے کئی ایک رسول گذر چکے ہیں۔"

دنیا کی تمام چیزوں پر انبیاء کو براہ راست قادر سمجھا جاتا تھا، غیب کا علم، نفع و نقصان پر اختیار، مارنے اور جلانے پر قدرت، ہوا میں اُڑنا، خدا سے رو در رو باتیں کرنا، غرض تمام عجیب و غریب باتیں اُن سے منسوب کی جاتی تھیں، اسلام نے ان اوہام و خرافات کی بھی بیخ کنی کی۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ۔ (القرآن: انعام)

"اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہو جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔"

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ۔ (اعراف)

"اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دے کہ خود میرا نفع و نقصان میرے قبضۂ اختیار میں نہیں، لیکن جو خدا چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو خود اپنا بہت سا نفع

کر لیتا، اور نہ مجھ کو کوئی گزند پہونچتا"

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا.....	"کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے رو در رو باتیں کرے۔ الا یہ کہ وحی کے
(القرآن: شوریٰ)	ذریعہ اپنا پیغام پہونچائے..... الخ

اقرار عبدیت کا یہ بھی کتنا اچھا اسلوب تھا جس کے اختیار کرنے کا رسول کو حکم ملا۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔	"میری نماز، میری قربانی، میری زندگی میری موت اللہ ہی کے لیے ہو جو تمام عالم کا پالنے والا ہو، اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہو، مجھے اسی کا حکم ملا ہو اور میں سب سے پہلے اس کے حکم بردار
(القرآن: انعام)	میں ہوں"

یا یہ کہ "اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا، اور بیٹا ہوں تیرے بندہ کا، اور بیٹا ہوں تیری بندی کا، ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، نافذ ہو میرے بارہ میں تیرا حکم، عین عدل ہو میرے باب میں تیرا فیصلہ.......![1]"

پیغمبروں کو خدائی یا نیم خدائی کا مرتبہ دینے کی بڑی حد تک ذمہ داری مقدس ہستیوں کی اعتدال سے بڑھی ہوئی تقدیس و تکریم پر ہو، معتقدوں کی غلو آمیز خوش عقیدگی اکثر اوقات دینی رہنماؤں کو معبود و مسجود کے مقام تک پہونچا دیتی ہو۔ پیغمبر اسلام نے اس خطرہ کا ساری عمر لحاظ رکھا، اور کبھی اپنی بے جا تعظیم کی اجازت نہ دی۔

آپ سے یہودیوں نے ایک بار دریافت کیا کہ "کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کیا کریں، جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں؟" ارشاد ہوا۔ "معاذ اللہ! میں اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں"[2]

یہ آیات قرآنی اسی وقت نازل ہوئی تھیں۔

---

[1] طبرانی۔ [2] رحمۃ للعالمین، جلد اول، ص ۲۴۷

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ	"جس بشر کو خدا کتاب اور حکم اور نبوت
الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ	عطا کرے اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر
يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا	وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کے سوا میرے
لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا	بندے بن جاؤ۔ بلکہ اس کی ہدایت دعوت
رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ	یہی ہوتی ہے کہ ہو جاؤ سب اللہ والے مطابق
تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ	اس کے کہ پڑھتے پڑھاتے ہو اللہ کی کتاب
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ	کو، وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ فرشتوں کو یا نبیوں
وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ	کو بھی رب بنالو، بھلا وہ کفر کے لیے کہہ
وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ	سکتا ہے، بعد اس کے کہ تم اللہ کے فرماں بردار
بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ	بندے بن چکے ہو؟

(القرآن ۔ آل عمران)

ایک دوسرے موقع پر ایک صاحب نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ "جو خدا چاہے اور آپ چاہیں" انھیں فوراً ٹوکا گیا کہ "تم نے مجھے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا۔ کہو کہ جو تنہا خدا چاہے"۔[۱]

ایک صحابی قیس بن سعد کو حیرہ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگ جب رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں لوٹ کر آئے تو حضور سے عرض کیا کہ "آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ زیادہ مستحق ہیں"۔ جواب ملا۔ "تم میری قبر پر گذرو گے تو سجدہ کرو گے؟"۔ کہا۔ "جی نہیں"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "تو پھر جیتے جی بھی سجدہ نہ کرنا چاہیے"۔[۲]

ایک بار حضور کہیں جا رہے تھے، راستہ میں ان کو دیکھ کر ایک شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کانپنے لگا۔ آپ اس کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا۔ "ڈرو نہیں۔ میں ایک ایسی قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے کھایا کرتی تھی"۔[۳]

یہی وہ بوئے جنسیت ہے جس کے بغیر صحیح عقیدت کے جذبات نہیں پیدا ہوتے، اور عقیدت کے جذبات پیدا کیے بغیر کسی نبی یا مصلح کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

---

۱ امام بخاری، ادب المفرد ۲ ابو داؤد۔ کتاب النکاح ۳ ترمذی۔

انبیاء اور صالحین کی پرستارانہ تعظیم و تکریم اگرچہ ان کو خدائی کے مرتبہ تک نہیں پہونچا سکتی مگر ان کو کوئی نقصان بھی نہیں پہونچا سکتی، البتہ ان کے نیازمندوں اور معتقدوں کے لیے بے حد ضرر رساں اور ان کو گمراہی کی پستی میں ڈھکیلنے والی اور خدا سے دور کرنے والی چیز ہے، قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کا بڑا جرم یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ	"انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ	اور راہبوں کو اپنا رب بنا لیا ہے
ابْنَ مَرْيَمَ۔	اور مسیح بن مریم کو خدا قرار دیا
(القرآن : توبہ)	ہے۔"

چنانچہ اپنی بابت رسول اللہ صلعم کا یہ مستقل حکم تھا کہ "میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی شان میں کیا ہے۔"[۱]

خدا کی ہمسری یا اس کی مشیت میں دخیل ہونا کیا، آپ نے خود کو اس کے سامنے ہمیشہ عاجزوں سے زیادہ عاجز اور بے بسوں سے زیادہ بے بس ظاہر کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ جو شخص جس قوت کا جتنا زیادہ علم رکھتا ہو، اس سے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہے۔

حضرت اسعدؓ آپ کے خاص مقرب تھے، آپ نے قبا میں ان ہی کے مکان پر قیام فرمایا تھا، لہذا جب سنہ ھ میں ان کا انتقال ہوا تو آپ کو بہت رنج پہونچا، یہودیوں نے اس پر طعنہ دیا کہ اگر محمد (صلعم) واقعی خدا کے رسول ہوتے تو اس صدمہ میں کیوں مبتلا ہوتے، آپ نے سنا تو فرمایا۔ "میں خدا کے یہاں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔"[۲]

اپنی عقل و دانائی پر انسان کتنا ہی نازاں کیوں نہ ہو، اس میں عجیب و غریب باتوں سے متاثر ہونے کا مادہ، عارضی ہی طریقہ پر سہی ـــ پایا جاتا ہے۔ اکثر وہ ان چیزوں کے آگے سر جھکا دیتا ہے جن کو وہ غیر معمولی سمجھے۔ اور جو اس کے قیاس و تجربہ سے بالاتر ہوں، اور اس کے برعکس وہ بات جو مافوق الفطرت نہ ہو، اپنی صداقت کے باوجود کبھی کبھی اس کی روح کو متوجہ کرنے سے قاصر رہتی ہے، اسی لیے پیغمبروں کو دوسری تدبیروں کے ساتھ معجزوں سے بھی کام لینا پڑتا تھا، عربوں میں ناخواندگی اور جہالت

---

[۱] بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ [۲] طبری۔ ص ۱۲۶۲

کے باعث یہ کمزوری بالخصوص نمایاں تھی، اور وہ ہر غیر معمولی بات دیکھ کر سہم جایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم کے دور میں بھی بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے ان کے اوہام زدہ ذہنوں کو چونکا دیا اور وہ خوف زدہ ہو کر آپ کی رسالت کے قائل ہو گئے، مگر آپ نے ان خیالات کی ہمیشہ تردید کی اور لوگوں کو سوچنے اور سمجھنے کی نصیحت فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی صاحبزادے نہ تھے، ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا، یہ قدرتی طور پر آپ کو بہت محبوب بھی تھے۔ لیکن اللہ کی مشیت کہ دودھ پینے ہی کے زمانہ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا، آپ کو بہت صدمہ ہوا، اتفاق سے اسی دن اس زور کا سورج گرہن پڑا کہ بالکل اندھیرا ہو گیا، عربوں میں قدیم زمانے سے یہ خیال رائج تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم المرتبت شخص کے مر جانے سے پڑا کرتا ہے، اس لیے اس واقعہ سے کفار اتنا متاثر ہوئے کہ ان میں سے کچھ آپ کے پاس گئے اور اپنی مخالفت کی معافی چاہی، آپ چاہتے تو ان کو فوراً اسلام میں داخل کر لیتے، لیکن اسلام نے چونکہ دین کی بنیاد تفکر و تدبر پر قائم کی تھی اور نبی کے ذمہ حیوان عاقل کو اس کے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے نہ کہ کرشمہ سازی سے دعوت دینا رکھا تھا، اس لیے آپ نے یہ پسند نہ فرمایا اور لوگوں کو جمع کر کے اس کے متعلق ایک مستقل خطبہ دیا جس میں لوگوں کو آگاہ کیا کہ "سورج اور چاند خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے یا جینے سے ان میں گہن نہیں لگتا۔" اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم دی ہو تو اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہی خطبہ آپ کی صداقت کے یقین کے لیے کافی ہے۔ اس خطبہ کے الفاظ صحیح بخاری کتاب کسوف میں محفوظ ہیں۔ (باقی)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

ایک عارف باللہ اور محقق

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

عموماً لوگ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو ایک متکلم، مناظر، محدث اور فقیہ (حنبلی) کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کے علمی کمالات اور ان کی مناظرانہ تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے اپنے ذہن میں ان کا جو تصور قائم کرتے ہیں، وہ ایک نہایت ذہین و ذکی وسیع العلم، قوی الحجت، اور ایک عالم ظاہر سے کچھ اور زیادہ نہیں ہوتا، ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ کو مستثنیٰ کر کے (جنھوں نے شیخ الاسلام ہروی کی کتاب منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں اپنی اور اپنے محبوب اُستاد کی زندگی کا باطنی پہلو محفوظ کر دیا ہے، اور ثابت کر دیا ہو کہ دونوں اعلیٰ درجہ کے عارف باللہ اور صاحب ذوق و معرفت بزرگ تھے) جن لوگوں نے عام سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی مدد سے شیخ الاسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یا ان کے متاخر متبعین و منتسبین کو دیکھ کر ان کے متعلق قیاس کیا ہو وہ ان کو ایک محدث خشک اور ایک عالم ظاہر بیں سے زیادہ مقام نہیں دے سکے۔ لیکن مدارج السالکین میں ابن قیم نے جستہ جستہ شیخ الاسلام کے جو اقوال و احوال پیش کیے ہیں، اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے تذکرہ میں بر سبیل تذکرہ ان کے اخلاق و اذواق، عادات و شمائل اور اشغال و اعمال کا تذکرہ کیا ہو، اس کو سامنے رکھنے سے ایک منصف شخص اس نتیجہ پر پہونچتا ہو کہ شیخ الاسلام کا شمار اس اُمت کے عارفین اور اہل اللہ میں کیا جانا چاہیے، اور اس کو اس بات کا وجدان حاصل ہو جاتا ہو کہ وہ ان منازل پر فائز اور ان مقاصد سے بہرہ مند تھے، جن کے حصول کے لیے سالہا سال ریاضت، مجاہدہ، آئمہ فن سلوک کی صحبت اور دوام ذکر و مراقبہ کا راستہ بالعموم اختیار کیا جاتا ہے، اور جس کو متاخرین صوفیہ نسبت مع اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اہل نظر اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ذوق و معرفت، ایمان حقیقی اور یقین، اخلاص و استقامت تزکیۂ باطن اور تہذیب اخلاق کامل اتباع سنت اور فنا فی الشریعۃ، وہ حقیقی مقاصد ہیں جن کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے جاتے ہیں، محققین ان مقاصد کے حصول کو کسی ایک وسیلہ میں منحصر نہیں مانتے، بلکہ کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے (اور کچھ غلط نہیں کہا) کہ الطرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق، ابتداء میں ان مقاصد کے حصول کے لیے سب سے موثر اور طاقتور ذریعہ صحبت نبوی تھی جس کی کیمیا اثری عالم آشکارا ہے۔ اس نعمت سے محرومی کے بعد اطبار امت اور خلفائے نبوت نے اپنے اپنے زمانہ میں مختلف بدل تجویز کیے، آخر میں مختلف اسباب کی بنا پر صحبت اور کثرت ذکر پر زور دیا گیا جس کا ایک منقح اور مدون طریقہ وہ نظام ہے جو تصوف و سلوک کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں کہ ان مقاصد کا حصول ان وسائل میں منحصر نہیں، اجتباء و موہبت کے علاوہ ایمان و احتساب، محاسبہ نفس، سنتوں کا تتبع، کتب حدیث و شمائل سے محبت و عظمت کے ساتھ اشتغال، کثرت نوافل و دعا، کثرت درود، نیت و احتساب کے ساتھ خدمت خلق، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی استحضار و اہتمام کے ساتھ تقرب کا ذریعہ اور حصول نسبت کا سبب بن سکتی ہے[1]، وسائل مختلف ہو سکتے ہیں لیکن مقصود ایک ہے، شیخ الاسلام کے حالات کے مجموعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ مقصود حاصل تھا، اور اسی کا اظہار یہاں مقصود ہے۔

کسی شخص کے متعلق اس کے بے تکلف حالات و اذواق، اخلاق و عادات اور کیفیات دیکھ کر ہی اس بات کی شہادت دی جا سکتی ہے کہ وہ عارفین و محققین اور مقبولین و کاملین میں سے تھا، اس کا کوئی ظاہری مقیاس اور پیمانہ اور کوئی منطقی دلیل نہیں ہوتی، اہل اللہ اور عارفین کے حالات بکثرت پڑھنے اور ان کی صحبت میں رہنے سے ایک سلیم الفطرت اور صحیح الذوق انسان کو ایک ملکہ اور وجدان حاصل ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی کچھ حالات و علامات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی دینی سطح میں عوام سے بلند اور دین کی صحیح کیفیات و اذواق اور اہل اللہ کے اخلاق

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ "صراط مستقیم" ملفوظات سید احمد شہیدؒ جمع کردہ مولانا اسمٰعیل شہید و مولانا عبدالحیؒ، بالخصوص حصہ سلوک راہ نبوت۔

سے بہرہ مند ہو، مثلاً ذوق عبودیت و انابت (توجہ الی اللہ) کی ایک خاص کیفیت، عبادت کا ذوق و انہماک ذوق دعاء و ابتہال، زہد و تجرید و تحقیر دنیا، سخاوت و ایثار، فروتنی اور بے نفسی، سکینت و سرور، کمال اتباع سنت، صالحین میں مقبولیت، اور علمائے وقت کی شہادت، متبعین و محبین کی دینداری اور حسن سیرت، وغیرہ وغیرہ ہم اس موقع پر انھیں عنوانات کے ذیل میں شیخ الاسلام کے معاصرین اور مورخین کی شہادت اور ان کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

ذوق عبودیت و انابت ذوق عبودیت و انابت الی اللہ کی حقیقی کیفیت اس بات کی بین شہادت ہو کہ اس شخص کا باطن یقین سے معمور، اللہ کی عظمت و کبریائی سے بھرپور، اپنی بے بسی، بیچارگی اور مالک الملک کی قدرت و جلال کے مشاہدے سے پر نور ہے، یہ یقین و مشاہدہ جب باطن میں پیدا ہو جاتا ہو، جب الفاظ اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہو، اس سلسلہ میں حقیقت و تکلف میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔ یہ فرق صاحب نظر اور صاحب وجدان سے چھپ نہیں سکتا۔

لیس التکحل فی العینین کالکحل

ابن تیمیہ کے واقعات بتلاتے ہیں کہ ان کو یہ یقین و مشاہدہ حاصل تھا اور اس نے ان کے اندر ایک افتقار و اضطرار اور ایک انابت و عبودیت کی کیفیت پیدا کر دی تھی، یہی وجہ ہے، کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اشکال یا کسی آیت کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی تو وہ کسی سنسان مسجد میں چلے جاتے تھے اور پیشانی خاک پر رکھ کر دیر تک یہ کہتے رہتے کہ یا معلم ابراھیم فھمنی[1] (اے ابراہیم کو علم عطا کرنے والے مجھے اس کی سمجھ عطا فرما)، ذہبی کہتے ہیں:

لم ار مثلہ فی ابتہالہ و استغاثتہ وکثرۃ توجھہ	میں نے گریہ وزاری، اللہ تعالیٰ سے استمداد و فریاد اور توجہ الی اللہ میں انکی نظیر نہیں دیکھی

وہ فرماتے ہیں

انہ لیقف خاطری فی المسألۃ او الشیٔ او الحالۃ التی تشکل علیّ فاستغفر اللہ تعالیٰ الف مرۃ او اکثر او اقل حتی ینشرح الصدر	کسی وقت کسی مسئلہ میں میری طبیعت بند ہو جاتی ہو یا کسی معاملہ میں مجھے اشکال پیش آ جاتا ہو تو میں ایک ہزار بار استغفار کرتا ہوں، یا اس سے کم یا زیادہ یہاں تک کہ

[1] العقود الدریۃ ص ۲۔

وینجلی اشکال ما اشکل	طبیعت کھل جاتی ہو اور وہ بدلی چھٹ جاتی ہو اور اشکال رفع ہو جاتا ہو

اس کیفیت میں جلوت، مجمع، بازار، شور وشغب کوئی چیز مانع نہیں ہوتی، فرماتے ہیں۔

واکون اذ ذالک فی السوق اوالمسجد	ایسی حالت میں کبھی بازار میں، کبھی مسجد
اوالدرب اوالمدرسة لایمنعنی	میں یا گلی یا مدرسہ میں ہوتا ہوں، لیکن ذکر و
ذالک من الذکر والاستغفار الی	استغفار میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی اور
ان انال مطلوبی	برابر مشغول رہتا ہوں یہاں تک کہ مطلوب

حل ہو جاتا ہے۔

ذہبی کہتے ہیں کہ یہ یقین اور ذوق عبودیت جب پیدا ہو جاتا ہو اور باطن میں سرایت کر جاتا ہو تو انسان میں اپنی بے بسی و بیچارگی، اپنی تہی دستی اور بے بضاعتی کا ایسا احساس پیدا ہو جاتا ہو کہ وہ آستانہ شاہی پر کشکول گدائی لے کر کھڑا ہو جاتا ہو اور خدائی کا صدقہ اور رحمت کی بھیک مانگتا ہو۔ اس وقت اس کے روئیں روئیں سے یہ صدا آتی ہے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو	شیئاً للہ از جمالِ روئے تو
دست بکشا جانب زنبیلِ ما	آفریں بر دست و بر بازوئے تو

ابن تیمیہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ دولت فقر اور یہ عز تذلل حاصل تھی۔ ابن قیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس بارے میں ایسا حال دیکھا ہو جو کسی کے یہاں نظر نہیں آیا۔ وہ فرماتے تھے، نہ میرے پاس کچھ ہو، نہ میرے اندر کچھ ہو۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

انا المکدّی أنا المکدّی	وھکذا کان ابی وجدّی

(ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! ہاں میں تیرے در کا بھکاری ہوں! اور کوئی نیا بھکاری نہیں، خاندانی بھکاری ہوں، اور پشتینی سائل، میرا باپ بھی تیرے در کا بھکاری تھا اور میرا دادا بھی)

ف[۱] الکواکب الدریہ ص ۱۴۵

ذوق عبادت وانہماک عبادت کا ذوق اور اس میں انہماک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان کو اس کی لذت اور اس کا حقیقی ذائقہ نہ نصیب ہو اور وہ اس کے درد کی دوا، قلب کی غذا اور روح کی قوت نہ بن جائے اور اس کو مقام جعلت قرۃ عینی فی الصلاۃ اور ارحنا یا بلال سے مناسبت نہ بخشی جائے۔

ابن تیمیہ کے معاصرین اور واقفین حال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس دولت بیدار سے حصہ ملا تھا اور ان کو خلوت و مناجات اور نوافل و عبادات کا خاص ذوق تھا، اور ان کا انہماک اس سلسلہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، الکواکب الدریۃ میں ہے۔

وکان فی لیلہ منفرداً عن الناس کلہم خالیا بربہ عزوجل ضارعا الیہ مواظباعلیٰ تلاوۃ القران العظیم مکرراً لانواع التعبدات اللیلیۃ والنہاریۃ وکان اذا دخل فی الصلاۃ ترتعد فرائصہ واعضاءہ حتی یمیل یمنۃ و یسرۃ۔[1]	رات کو وہ تمام لوگوں سے علیحدہ رہتے تھے، اس وقت خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ تھے اور گریہ وزاری، برابر قرآن مجید پڑھتے تھے، رات اور دن مختلف قسم کے نوافل وعبادات میں مشغول رہتے۔ جب نماز شروع کرتے تو ان کے شانے اور اعضاء کانپنے لگتے، یہاں تک کہ ان کو دائیں بائیں لرزش ہوتی۔

ایسے اہل قلوب اور اہل ذوق کی طاقت ونشاط، ذکر وعبادت سے قائم ہوتا ہے، اگر اسمیں فرق واقع ہو تو ان کی قوت جواب دے جاتی ہو اور ان کو محسوس ہوتا ہو کہ فاقہ ہوا، ابن قیم لکھتے ہیں۔

وکان اذا صلی الفجر یجلس فی مکانہ حتی یتعالی النہار جداً وکان اذا سئل عن ذلک یقول ھذہ غدوتی لولم اتغد ھذہ	نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ دن اچھی طرح سے چڑھ آتا، کوئی پوچھتا تو فرماتے کہ یہ میرا ناشتہ ہو، اگر میں ناشتہ نہ کروں تو میری قوت میں سقوط

---

[1] الکواکب صہ ۱۵۶

الغذی وقد سقطت قوای[۱]　　ہو جائے اور میرے قوی کام نہ کریں۔

اس ذوق و اہتمام کے بعد اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرما دیتا ہے اور ذکر و عبادت و معمولات طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ لہ اوراد واذکار یدیمہا بکیفیۃ جمعیۃ (وہ اپنے اوراد و اذکار کی پوری پابندی کرتے تھے اور ہر حالت میں جمعیت خاطر کے ساتھ ادا کرتے تھے۔[۲]

زہد و تجرید و تحقیر دنیا

زہد اور دنیا کی تحقیر کی سچی کیفیت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی حقیقت پوری طرح منکشف اور ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان اور ما عند اللہ خیر و ابقیٰ کا حال پوری طرح طاری نہ ہو جائے اور یہ یقین اور معرفت صحیح اور تعلق باللہ کے بغیر ممکن نہیں، ان کے معاصرین نے ان کے زہد و تجرید اور فقر اختیاری کا جا بجا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے رفیق درس اور ہم عصر شیخ علم الدین البرزالی (م ۷۳۹ھ) فرماتے ہیں۔

وجری علیٰ طریقۃ واحدۃ من　　شروع سے آخر تک ان کی حالت یکساں
اختیار الفقر والتقلل من الدنیا　　رہی کہ انھوں نے ہمیشہ فقر کو ترجیح دی،
ورد ما یفتح بہ علیہ[۳]　　دنیا سے بقدر ضرورت اور برائے نام تعلق
رکھا، اور جو ملا اس کو واپس کر دیا۔

جب یہ کسی کا حال بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو غنائے قلب کی دولت سرمدی سے نوازتا ہے تو اس کو کسریٰ و قیصر کی سلطنت ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے۔ اور وہ اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ اور اللہ کی نعمت کی ناشکری سمجھتا ہے، اس وقت وہ ایک بیخودی کے عالم میں کہتا ہے

من دلق خود با طلس شاہاں نمی دہم　　من فقر خود بملک سلیماں نمی دہم
از رنج فقر در دل گنجے کہ یافتم　　ایں رنج را براحت شاہاں نمی دہم

اس کے مقام سے بے خبر کبھی اس کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ سلطنت پر طمع کی نگاہ ڈالتا ہے اور وہ ان کی بے خبری اور بد ذوقی پر ماتم کرتا ہے کہ اس دولت جاوید کے بعد بھی اس ملک فانی پر نگاہ کی جا سکتی ہے؟۔

۱؎ الرد الوافر صفحہ ۳۶　۲؎ الرد الوافر صفحہ ۳۱　۳؎ الرد الوافر صفحہ ۳۵۔

ابن تیمیہ کا یہی حال تھا، الملک الناصر نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ بہت لوگ آپکے مطیع ہو گئے ہیں، اور آپکے دل میں سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال ہو! شیخ نے بڑے اطمینان کے ساتھ بلند آواز سے جس کو تمام حاضرین نے سُنا جواب دیا۔

انا افعل ذلك واللہ ان ملکك و ملك المغل لا یساوی عندی فلساً[1]	میں ایسا کروں گا؟ خدا کی قسم تمھاری اور تاتاریوں کی سلطنت مل کر بھی میری نگاہ میں ایک پیسے کے برابر نہیں۔

سخاوت و ایثار اہل اللہ اور اخلاق نبوی کی میراث میں حصہ پانے والوں کی خاص صفت سخاوت و ایثار ہو۔ ابن قیم نے زاد المعاد میں الم نشرح کی تفسیر میں لکھا ہے کہ شرح صدر کی دولت اور ایمان و یقین کا نتیجہ سخاوت و ایثار ہو۔ اس لیے جس کو اس دولت سے حصہ ملیگا، سخاوت و ایثار اس کا شعار ہوگا، شیخ الاسلام کے معاصرین اور احباب ان کی سخاوت کے بیحد معترف اور ثنا خواں ہیں۔ الکواکب الدریہ میں ہو وھو احد الاجواد الاسخیاء الذین یضرب بہم المثل[2] (وہ ان معدودے چند اہل سخاوت میں سے ہیں جن کی سخاوت ضرب المثل ہی)

الحافظ ابن فضل اللہ العمری جو ان کے معاصر ہیں اس سخاوت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں،

کانت تأتیہ القناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث فیھب ذلك باجمعہ و یضعہ عند اھل الحاجۃ فی موضعہ لا یاخذ منہ شیئاً الا لیھبہ ولا یحفظہ الا لیذھبہ[3]	ان کے پاس ڈھیروں سونا چاندی، اعلیٰ اصیل گھوڑے، جانور، املاک واموال آتے۔ وہ سب کا سب اٹھا کر دوسروں کو دے دیتے۔ یا اہل ضرورت کے پاس رکھوا دیتے اور صرف دوسروں کو دینے کے لیے لیتے، اور صرف عطا کرنے کے لیے اٹھا رکھتے۔

ان کی سخاوت یہاں تک پہونچی ہوئی تھی کہ اگر دینے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو کپڑا اتار کر دے دیتے۔

---

[1] الکواکب الدریہ صہ ۱۶۶ [2] الکواکب صہ ۱۴۶ [3] الکواکب صہ ۱۵۱

کان یتصدق حتی اذا لم یجد شیئاً نزع بعض ثیابه فیصل به الفقراء[1]

صدقہ کرتے تھے، جب کچھ پاس نہ ہوتا تو اپنا کوئی کپڑا ہی اتار کر دے دیتے اور اہل حاجت کی کاربراری کرتے۔

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

وکان یتفضل من قوته الرغیف والرغیفین فیؤثر بذلك علی نفسه[2]

کھانے سے ایک روٹی دو روٹیاں بچا لیتے اور اپنے اوپر ایثار کر کے دوسروں کو دے دیتے۔

فروتنی وبے نفسی فروتنی وبے نفسی اہل اللہ کی خاص صفت اور وہ مرتبہ کمال ہو جو ہزاروں کرامتوں سے بلند اور ہزار فضیلتوں سے بالاتر ہو، یہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہو جب خودی مٹ جاتی ہو اور نفس کا کامل تزکیہ ہو جاتا ہو، شیخ الاسلام کو اپنے کمالات علمی اور عروج دینی و دنیاوی کے ساتھ یہ کمال بھی حاصل تھا، ان کے اقوال پتہ دیتے ہیں کہ بے نفسی اور للّٰہیت اور ہضم نفس اور انکار ذات کے درجۂ علیا پر پہونچے ہوئے تھے۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کہتے تھے مالی شیئ ولا منّی شیئ ولا فی شیئ، اگر کوئی ان کے منھ پر ان کی تعریف کرتا تو فرماتے

واللہ انی الی الآن اجدد اسلامی کل وقت وما اسلمت بعد اسلاماً جیداً[3]

خدا کی قسم میں ابھی تک برابر اپنے اسلام کی ہر وقت تجدید کرتا رہتا ہوں، اور ابھی تک نہیں کہہ سکتا کہ کامل طور پر مسلمان ہوں۔

کبھی کوئی تعریف کرتا تو یوں بھی فرماتے کہ أنا رجل ملة لا رجل دولة[4] (میں امت کا ایک عام آدمی ہوں، سلطنت وحکومت کا آدمی نہیں)

بے نفسی اور عبودیت کے اس درجہ پر پہونچکر آدمی کی یہ حالت ہو جاتی ہو کہ وہ اپنا نہ کسی پر

---

[1] الکواکب ص۱۵۶ [2] الکواکب ص۱۵۷ [3] مدارج السالکین ص۱۹۶/ج۱ [4] الکواکب الدریۃ ص۱۶۴

کوئی حق سمجھتا ہو، نہ اس کا کوئی مطالبہ ہوتا ہو، نہ اس کو کسی سے شکایت ہوتی ہو نہ اپنے نفس کا انتقام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام پر پہونچا دیا تھا، ابن قیم فرماتے ہیں:-

سمعت شیخ الاسلام ابن	میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ
تیمیہ قدس اللہ روحہ یقول	روحہ سے سنا کہ فرماتے تھے عارف اپنا کسی
العارف لا یری لہ علی احد	پر حق نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہو کہ اسکو
حقاً ولا یشھد لہ علی غیرہ	کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، اسی لیے
فضلا ولذلک لا یعاتب ولا	نہ وہ کسی کی شکایت کرتا ہو، نہ مطالبہ کرتا
یطالب ولا یضارب[۱]	ہو نہ مار پیٹ کرتا ہو۔

ان کے حالات سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ "حدیث دیگراں" میں وہ اپنا ہی حال بیان کر رہے ہیں۔

سکینت و سرور اس ایمان و یقین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس صحیح تعلق اور مخلوق سے آزادی اور قلب کی وارستگی اور بے تعلقی کے بعد انسان کو وہ سکینت و سرور حاصل ہوتا ہو کہ اس زندگی ہی میں اس کو جنت کا مزا آنے لگتا ہو، شیخ الاسلام نے جیسا کہ ابن قیم نے نقل کیا ہو، خود ایک بار فرمایا کہ

ان فی الدنیا جنۃ من لم	دنیا میں (مومن کے لیے) ایک ایسی جنت
یدخلھا لم یدخل جنۃ	ہو کہ جو اس میں یہاں داخل نہیں ہوا،
الآخرۃ[۲]	آخرت کی جنت سے بھی محروم رہے گا۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے مخلص بندوں کو اس زندگی میں بھی "لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" کی دولت عطا فرما دیتا ہو اور وہ اس کا نمونہ (بقدر وسعت دنیا) یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں، شیخ الاسلام کے حالات اور ان کے رفقاء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہو کہ ان کو یہ دولت حاصل تھی۔ خود بھی ایکبار جوش میں آکر فرمایا۔ کہ

---

[۱] مدارج السالکین ص ۴۹۶ ج ۱   [۲] الردالوافر ص ۳۶

"اگر اہل دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس لطف و عیش میں ہیں تو تلواروں سے ہم پر حملہ کریں اور چین سے بیٹھنے نہ دیں۔"

یہ نسبت سکینت رضا زندگی میں اور بعد وفات ان کے ساتھ رہی، ابن قیم نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے بعض اعمال قلبیہ کا ذکر کیا، اس پر شیخ نے فرمایا۔

اما أنا فطریقی الفرح و السرور بہ	بھائی میری نسبت تو فرحت و سرور کی ہے۔

ابن قیم لکھتے ہیں

وھکذا کانت حالہ فی الحیاۃ، یبدو ذلک علی ظاھرہ وینادی بہ علیہ حالہ[۵۲]	یہی حالت ان کی زندگی میں تھی کہ ان کے چہرہ پر فرحت و سرور کے آثار نظر آتے تھے، اور ان کی کیفیت اس کا اعلان کرتی تھی

کمال اتباع سنت

اس مقام (قبولیت و صدیقیت) کی ابتدا اتباع سنت سے ہو اور اسکی انتہا بھی کمال اتباع سنت پر ہو، حدیث و سنت کے ساتھ ابن تیمیہ کا شغف و انہماک ان کے مخالفین کو بھی تسلیم ہو۔ لیکن یہ شغف و انہماک محض علمی و نظری نہ تھا، عملی و ظاہری بھی تھا۔ ان کے معاصرین شہادت دیتے ہیں کہ مقام رسالت کا جیسا ادب و احترام اور اتباع سنت کا جیسا اہتمام ابن تیمیہ کے یہاں دیکھا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا، حافظ سراج الدین البزار قسم کھا کر کہتے ہیں۔

لا واللہ ما رأیت أحداً أشدّ تعظیماً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ولا احرص علی اتباعہ	خدا کی قسم میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب و احترام کرنے والا اور آپکے اتباع اور آپکے دین کی نصرت

---

۵۱ اغاثۃ اللھفان ۵۲ مدارج السالکین

ونصر ما جاء به منه[1] — کی غرض رکھنے والا ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہ چیز ان پر اتنی غالب اور ان کی زندگی میں نمایاں تھی کہ دیکھنے والوں کا قلب شہادت دیتا تھا کہ اتباع کامل اور سنت کا عشق اس کا نام ہے۔ علامہ عماد الدین الواسطی فرماتے ہیں۔

ما رائینا فی عصرنا هذا من تستجلی النبوة المحمدية وسننها من اقواله وافعاله الا هذا الرجل يشهد القلب الصحيح ان هذا هو الاتباع حقيقة[2]	ہم نے اپنے زمانہ میں ابن تیمیہ ہی کو ایسا پایا کہ نبوت محمدی کا نور ان کی زندگی میں اور سنتوں کا اتباع ان کے اقوال و افعال میں عیاں تھا۔ قلب سلیم اس کی شہادت دیتا تھا کہ حقیقی اتباع اور کامل پیروی اسی کا نام ہے۔

صالحین میں مقبولیت اور علمائے وقت کی شہادت

کسی انبوہ اور عوام کی بھیڑ کا کسی شخص کی تعریف کرنا مقبولیت عند اللہ و استقامت و علوم تبت کی دلیل نہیں، دلیل اس کے زمانہ کے اہل صلاح و استقامت اور اہل علم اور اہل بصیرت کی شہادت اور توصیف ہے، نیز یہ کہ اس کے پیرووں، اس سے محبت و تعلق رکھنے والوں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں صلاح و سداد، حسن اعتقاد، تقویٰ و احتیاط اور آخرت کی فکر و اہتمام پایا جائے اور وہ اپنے ابنائے زمانہ سے اپنی دینداری اور سلامت روی میں ممتاز ہوں۔

ابن تیمیہ کا معاملہ یہی تھا کہ اس زمانہ کے ممتاز ترین اہل صلاح و رشد اور اصحاب علم و نظر ان کی عظمت و فضیلت، صحت اعتقاد، اور سلامت عقیدہ کے قائل و معترف اور ان کے مداح تھے اور ان کے مخالفین میں بڑی تعداد حکومت کے متوسلین اور ابنائے دنیا کی تھی جو جاہ طلبی کے مریض اور دولت و عزت کے خواہاں تھے[3] صاحب "کواکب" لکھتے ہیں۔

قالوا ومن امعن النظر ببصيرته	لوگ بیان کرتے ہیں کہ جو ذرا غور سے

---

[1] الکواکب الدریۃ ص ۱۴۹ [2] جلاء العینین ص [3] اس کلیہ سے وہ حضرات مستثنیٰ ہیں جن کو کوئی غلط فہمی تھی یا ان کا اختلاف خالص علمی و اصولی تھا۔ وما من عام الا وقد خص منه البعض

لم یر عالماً من اهل ای بلد شاء موافقاً له الا ورآه من اتبع علماء بلده للکتاب والسنة واشغلهم بطلب الآخرة والرغبة فیها وابلغهم فی الاعراض عن الدنیا والاهمال لها ولا یری عالماً مخالفاً له منحرفاً عنه الا وهو من اکثرهم نهمة فی جمع الدنیا وأکثرهم ریاءً وسمعة والله اعلم [1]

کام لے گا وہ دیکھے گا کہ ان کا جو موافق جس شہر میں بھی ہو وہ اس شہر میں سب سے زیادہ کتاب وسنت کا متبع اور طلب آخرت میں مشغول اور سب سے زیادہ اس کا حریص اور دنیا سے بے پرواہ اور اس کی طرف غیر متوجہ نظر آئے گا۔ اس کے برخلاف ان کا جو مخالف نظر آئے گا وہ دنیا کا حریص بوالہوس، ریاکار، اور شہرت کا طالب دکھائی دے گا۔

واللہ اعلم

علامہ ذہبی کے یہ الفاظ بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ

واخیف فی نصر السنة المحفوظة حتی اعلی الله تعالیٰ مناره وجمع قلوب اهل التقوی علی محبته والدعاء له [2]

سنت کی نصرت میں ان کو بہت ڈرایا دھمکایا گیا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو سرخرو اور معزز کیا اور اہلِ تقوےٰ کے قلوب کو ان کی محبت اور دعاء کیلئے مجتمع کر دیا۔

فراست وکرامت

ہر چند کہ کشف وکرامت نہ بزرگی ومقبولیت کا جزء ہو نہ اس کی دلیل، محققین نے صاف لکھ دیا ہو کہ الاستقامة فوق الکرامة اور یہ مسئلہ اب کسی بحث کا محتاج نہیں، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے مقبول بندوں کو بطریق انعام یہ دولت بھی عطا فرماتا ہو اور ان کے ہاتھوں یا زبان سے ایسے واقعات کا ظہور ہوتا ہو جو ان کی مقبولیت ووجاہت کے مویدات و آثار میں سے ہوتے ہیں۔ اہلسنت کا متفق علیہ مسئلہ ہو کہ کراماتُ الاولیاءِ حقٌ اور قرآن مجید وحدیث میں اسکے متعدد شواہد وواقعات ہیں۔ اور خود شیخ الاسلام کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تقریر اور اس حقیقت کا اثبات ہو۔

ان واقعات کی شہادت جو بطریق کرامت وخرقِ عادت پیش آئے، ان کے تلامذہ واحباب و

[1] الکواکب الدریہ صفحہ ۱۶۱ [2] جلاء العینین صفحہ ۶

معاصرین نے دی ہو اور متاخرین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہو کہ وہ اس قدر مشہور اور بکثرت منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں، علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری شرح البخاری تقریظ الرد الوافر میں لکھتے ہیں۔

وھذا الامام مع جلالۃ قدرہ فی العلوم نقلت عنہ علی لسان جم غفیر من الناس کرامات ظھرت منہ بلا التباس[1]	اپنی علمی عظمت کے ساتھ ان سے ایسی کرامات کا بھی صدور ہوا ہو جس کو ایک جم غفیر نے نقل کیا ہو اور ان میں شبہ کی گنجائش نہیں۔

انھیں کرامات کا ایک شعبہ "فراست صادقہ" ہو جو اکابر مومنین اور اولیاء متقین کو حاصل ہوتی ہو اس فراست کے عجیب و غریب واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ولقد شاھدت من فراسۃ شیخ الاسلام اموراً عجیبۃ وما لم اشاھدہ منہا اعظم واعظم ووقائع فراستہ تستدعی سفراً ضخماً[2]	میں نے شیخ الاسلام کی فراست کے عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کیا ہو اور جو واقعات میرے مشاہدہ میں نہیں آئے (بلکہ میں نے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں) وہ اور بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی فراست کے واقعات کے نقل کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب چاہیے۔

مسئلہ وحدت الوجود، معرفت، اعمال قلبیہ وغیرہ پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہو اس سے پتہ چلتا ہو کہ وہ عملی طور پر بھی ان منازل سے گزرے ہوئے تھے۔ اور اس سلسلہ میں ان کو "اذواق عالیہ" اور "تحقیقات نادرہ" حاصل تھیں اور وہ جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں وہ محض عام ذہانت، قوت علم یا زور قلم کا نتیجہ نہیں ہو، بلکہ ان کے تجربات و مشاہدات ہیں۔

انھیں امور کو دیکھ کر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہو کہ

ومن طالع شرح منازل السائرین تبیّن لہ انھما کانا من اکابر اھل السنۃ والجماعۃ ومن اولیاء ھذہ الامۃ[3]	اور جو شخص بھی منازل السائرین کی شرح (مدارج السالکین) دیکھے گا اسے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں حضرات (ابن تیمیہ و ابن قیم) اکابر اہلسنت والجماعت اور اولیاء امت میں سے تھے

[1] الرد الوافر صفحہ ۸۹ [2] مدارج السالکین صفحہ ۲۵۰/۲ [3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۴۷

تعارف و تبصرہ

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین[1]

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی جو تازہ کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر حال ہی میں شائع ہوئی ہے وہ چند سال پیشتر عربی میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے نام سے مصر میں شائع ہو چکی ہے اور اب قاہرہ میں اس کے تیسرے اڈیشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ عالم عربی نے جس فراخ حوصلگی کے ساتھ اس کا استقبال اور مصنف کی عظمت و عبقریت کا اعتراف کیا ہے اس کا ایک نمونہ یہ تبصرہ ہے جو مصر کے ماہنامہ "الثقافہ" میں استاذ شکری فیصل کے قلم سے پہلے اڈیشن پر نکلا تھا ــــــ سید محمد حسنی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ہم اردو اڈیشن کی حالیہ اشاعت کی مناسبت سے اسے ہدیہ ناظرین الفرقان کر رہے ہیں ــــ ادارہ

کیا مسلمان اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتے ہیں اور انسانی قافلہ کی پہلی صف میں اپنی پرانی جگہ پر واپس آسکتے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ وہ ضعف کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں: کیا وہ نظام زندگی جو یورپ میں رائج ہے اور جس کی تقلید ایشیا والے بھی کرنا چاہتے ہیں، زندگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور اس کے اندر اخلاقی بلندی، مادی ترقی اور روحانی و مادی اقدار کی باہم آمیزش کا پورا سامان موجود ہے، کیا یورپ انسانی زندگی کو ان بلند مقاصد کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو عقل و فکر کے آغاز ہی کے ساتھ انسان کے مدنظر تھے، یا وہ اس شاہراہ سے ہٹ گیا ہے اور اپنی منزلِ مقصود سے دور ہو گیا ہے؟ ہم کس صورت سے معاصر تہذیب کی کمزوریوں سے باخبر ہو سکتے ہیں، وہ کون سے عناصر ہیں جن سے یورپ محروم ہے، وہ کون مہیب خطرہ ہے جو اس کے

[1] ۳۰۴ صفحات، عمدہ کاغذ مجلد مع گرد پوش، قیمت للعہ۔ ناشر مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ۔

اندر پوشیدہ ہے اور قریب ہے کہ اُس کو تباہ کردے۔ کون کون سی قومیں اور مذاہب اس زبردست بوجھ کو اُٹھا سکتے ہیں۔ غلطی کی اصلاح، خالی جگہ کی خانہ پُری اور صحیح رہنمائی کا بوجھ۔

وہ کون سا رشتہ ہے جو عالم اسلام کو عالم عربی سے منسلک کرتا ہے، مسلمان عربوں کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اہل عرب کا مقام خود ان کی نظروں میں کیا ہے۔ اہل یورپ کا نقطۂ نظر مسلمانوں اور عربوں کے بارہ میں کیا ہے، مسلمانوں کے آپس کے تعلقات اور مسلمانوں اور اہل عرب کے تعلقات کی کیا نوعیت ہے، عربوں اور مسلمانوں کی آرزوؤں میں یکجہتی کیوں کر ہے، ان کے امراض ونقائص یکساں کس طور پر ہیں، یہ امراض کیا ہیں ان کا علاج کیا ہے؟

مسلمانوں کے سفر کا آغاز کہاں سے ہو، وہ کس طرح اپنے ماضی، حال اور مستقبل سے باخبر بنیں اور سمجھ سکیں کہ زمانہ کی دوڑ میں وہ کس منزل پر ہیں، اسلام کے منتہائے نظر اور کفر کے منتہائے نظر میں کیا فرق ہے اور دنیا کو کیا نقصان پہنچا جب مسلمان اپنے مقاصد کو فراموش کر کے بیٹھ رہے؟

یہ سب سوالات اور ایک دوسرے سے پیوستہ عنوانات اس کتاب کا موضوع ہیں، بلکہ وہ کتاب میں اسی صورت سے نظر آتے ہیں، کتاب آپ کو ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف لیجاتی ہے، ایک کڑی دوسری کڑی سے ملاتی ہے، اور ایک مقصد سے دوسرے مقصد تک پہونچاتی ہے لیکن ایک بڑا نصب العین پوری کتاب پر برابر چھایا رہتا ہے، یہ وہ نصب العین ہے جس کا خلاصہ ڈاکٹر احمد امین نے کتاب پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے۔

"یہ کتاب مسلمانوں سے احساس کمتری کو دور کرنا چاہتی ہے، جو انحطاط سے اور اپنی کمزوری کے احساس سے اور مغربی تہذیب کو وہ درجہ دینے کی وجہ سے جس کی وہ مستحق نہیں ہے پیدا ہو گیا ہے"

مصنف نے کتاب کو پانچ ابواب[1] پر تقسیم کیا ہے۔ باب اول عہد جاہلیت۔ باب دوم جاہلیت سے اسلام کی طرف، باب سوم اسلامی عہد، باب چہارم مغربی عہد، باب پنجم اسلامی قیادت، پھر ہر باب بہت سے ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے مصنف نے کوشش کی ہے کہ وہ سب باہم مربوط رہیں اور اس مقصد تک رہنمائی کریں جو کتاب کا اصل موضوع ہے۔

سب سے پہلے مصنف نے زمانہ جاہلیت کی بہترین تصویر کشی کی ہے۔ اس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا، فساد خشکی و تری میں پھیل چکا تھا اور دنیا کو اسلام اور اس کی

[1] اردو اڈیشن بجائے پانچ ابواب کے سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ع

تعلیمات کی سخت ضرورت تھی۔ باب دوم (جاہلیت سے اسلام کی طرف) میں مصنف نے انبیا کے مختلف اصلاحی طریقوں کو بیان کیا ہے۔ بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق دعوت و اصلاح ان کی تاثیر و تربیت اور اس عظیم معجزہ کا ذکر کیا ہے جس نے ایک نئی اور طاقتور نسل اور جدید اور بیدار سوسائٹی کو پیدا کیا۔

باب سوم میں کئی فصلیں ہیں ایک فصل اسلامی قیادت کے بارے میں ہے اور اس میں اسلامی اصولوں اور اقوام و مذاہب پر اس کے اثر و نفوذ کا بیان ہے دوسری فصل اسلامی زندگی کے انحطاط و تنزل کے بارے میں ہے جس میں انحطاط و زوال کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے، تیسری فصل قیادت عثمانی کے بارہ میں ہے۔

باب چہارم میں مغربی عہد کی داستان بیان کی گئی ہے جو یورپ کی بت پرستی اور مسیحیت اور ان دونوں کا نزاع، پھر ان دونوں کا امتزاج، وطن پرستی اور قومیت کا ظہور، مادیت کا غلبہ اور زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا اقتدار اور جاہلی رجحانات و خیالات کا نئے سرے سے تسلط جیسے مباحث پر مشتمل ہے۔

جب مصنف ہم کو باب پنجم تک لیجاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ ایمان حاصل ہو چکا ہوتا ہے کہ جو جاہلیت بعثت نبوی سے قبل دنیا پر حاوی تھی وہی جاہلیت آج بھی دنیا پر حاوی ہے گویا کہ دنیا نے اپنی وہی پرانی شکل اختیار کر لی ہو جو اس دن تھی جس دن مسلمان جزیرہ نمائے عرب سے دنیا کو جاہلیت اور بت پرستی کے چنگل سے بچانے کے لئے نکلے تھے (ص ۲۳۳) اور اس لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام نئے سرے سے ترقی کرے اور عالم عربی بھی نئے سرے سے بیدار ہو، اور ضروری ہے کہ یہ نشاۃ ثانیہ انھیں بنیادوں پر ہو جن بنیادوں پر نشاۃ اولی ہوئی تھی۔ میری مراد ان دو اصولوں سے ہے جن پر (جیسا کہ مصنف کا خیال ہے) پوری اسلامی تحریک کا دارومدار ہے یعنی جہاد و اجتہاد (ص ۹۶)

یہ حقیقت ہے کہ کتاب اصلاح کی ایک باشعور آواز ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہے اور ایمان سے لبریز ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلامی دنیا اس کی سخت حاجتمند ہے اور اس کی حالت سدھر نہیں سکتی جب تک کہ وہ علمی شعبہ میں اجتہاد اور عسکری شعبہ میں جہاد کی طرف خاص توجہ نہ دے اسی لئے مصنف ان دونوں اصولوں پر بہت اصرار کرتے ہیں اور ان پر بہت زور دیتے ہیں یہاں تک کہ کوئی باب اور کوئی فصل اس سے خالی نہیں جاتی۔ وہ جنگی صنعت کا ذکر کرتے وقت اس کے انحطاط کو ترکوں کے تنزل کا سبب بتاتے ہیں (ص ۱۱۷) پھر وہ اسی بات کو مسلمانوں اور عالم عربی کے عروج کے باب میں دہراتے ہیں (ص ۲۳۸) بلکہ وہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ علمی و صنعتی شعبوں میں عالم اسلام کا جمود ہی وہ

سبب تھا جس کی وجہ سے اس کو طویل غلامی، ذلیل زندگی، اور ظالم مغربی اقتدار کا مزہ چکھنا پڑا۔ (صفحہ ۲۲۹)

میں نے کہا تھا کہ مصنف نے کتاب میں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف راستے اختیار کئے ہیں۔ کبھی وہ محقق کے روپ میں نظر آتے ہیں کبھی مبلغ کے کبھی مومن کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، کبھی تاریخ و قصص کی راہ اختیار کرتے ہیں، کبھی عبرت و نصیحت کا انداز اختیار کرتے ہیں کبھی منطق و استدلال سے کام لیتے ہیں کہیں کہیں خطابت کا طرز جھلکنے لگتا ہے مگر بہت کم!

کتاب میں دو چیزیں بظاہر کھٹکنے والی ہیں پہلی چیز تطویل و اطناب، مثلاً یہ عنوانات، یورپ خودکشی کی طرف۔ ایٹم بم اور اسکی لرزہ خیزیاں۔ لیکن یہ تطویل بلا وجہ نہیں ہے۔ اس کا مقصد خیال کی توثیق اور دل و دماغ کو اس منظر سے بھر دینا ہے۔ دوسری چیز وہ خطابی رنگ ہے جو کہیں کہیں نظر آجاتا ہے۔ لیکن اس کا مقصد بھی بڑے طریقے سے دل و دماغ کو متاثر کرنا ہے اور غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ ناظر دیکھتا ہے کہ مغربی تہذیب پر شدید تنقید کی گئی ہے اور اس کے زوال و خودکشی پر بار بار زور دیا گیا ہے اور کتاب کے بہت سے صفحات اس سے پُر ہیں۔ جبکہ ظاہر ہے کہ صرف اتنی ہی بات (اگر مصنف جہاد و اجتہاد پر زور نہ دیتے) مسلمانوں کے زوال و اضمحلال کو دور کرنے کے لئے کافی نہ تھی بلکہ وہ ان میں اپنے حریف کی طرف سے اطمینان اور بے خوفی کا سبب بن سکتی تھی۔

دوسری چیز جو مصنف کو ممتاز کرتی ہے اور ان کو اسلام کے عظیم مفکرین کی صف میں داخل کرتی ہے وہ حیات انسانی کے ارتقاء پر ان کی جامع وسیع اور گہری نظر ہے۔ پانچوں ابواب جن پر کتاب مشتمل ہے، ان کی وسعت نظری ظاہر کرتے ہیں جس میں عام انسانی تاریخ اور اسلامی تاریخ کا جائزہ لے کر اس کو ایک خاص نقطہ پر مرکوز کیا گیا ہے۔ کتاب کے ان صفحات کے اندر اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک کی تاریخ بھی (مذہبی و اجتماعی حیثیت سے) ملے گی۔ مذہبی تحریکات کے واضح اور روشن نقوش، اخلاقی تحریکات کے عام میلانات و رجحانات، ان کا عروج و زوال اور نشیب و فراز، یہ سب چیزیں ہیں، جو آپ کو واضح نتیجہ تک پہنچاتی ہیں:

لیکن یہ بڑے انقلابات و تحریکات مصنف کو جزئی واقعات کے حوالہ و استشہاد سے غافل نہیں کرتے، وہ بسا اوقات روزمرہ کے واقعات سے استدلال و برہان کا کام لیتے ہیں اس لئے کہ ان چیزوں کی بھی بحث و تحقیق کے میدان میں ایک جگہ ہے اور ان کے وسیلے سے اہم نتائج تک باریابی

ہو سکتی ہے ان مثالوں نے ایک طرف کتاب کو زندگی اور نشاط عطا کیا ہے۔ دوسری طرف وہ کتاب کی پوزیشن بھی مضبوط کرتی ہیں اور غالباً ۱۴۰۔۱۵۶ کے صفحات جہاں مصنف نے یورپ کی مادیت پر بحث کی ہے ان کے طرز بیان اور اسلوب کی بہترین مثال ہے جو فکر عام کو سمیٹنے کے ساتھ جزئی مثالوں پر بھی مشتمل ہے۔

مصنف جہاں کہیں بھی کسی رائے اور نظریہ کا اقتباس پیش کرتے ہیں تو فوراً اس کا حوالہ و ماخذ بیان کر دیتے ہیں اور اس طور پر وہ امانت داری اور وفا شعاری کی ایک مثال قائم کرتے ہیں جس کی ہمیں آج کل سخت ضرورت ہے، اگرچہ یہ اقتباسات کبھی کبھی ہلکے قسم کے بھی ہو گئے ہیں تاہم اقتباسات اور ضروری حوالوں کے پہلو ہی میں آپ کو مصر الفتاہ (ص۶۲) کا حوالہ بھی ملے گا، دوسری جگہ مجلۃ الامنیین (ص۲۱) کے کسی مقالہ سے اقتباس کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقالہ نگاروں نے مضامین برسبیل تفریح لکھے ہوں گے اگرچہ اس تفریح کے پیچھے حقائق کا سایہ بھی ہے۔

اسلوب کتاب کے متعلق ایک بات اور عرض کرنا ہے۔ ڈاکٹر احمد امین نے کتاب پر مقدمہ لکھتے وقت یہ جملہ لکھا ہے "اور قاری سے میری معذرت؛ اگر اس میں چند غامض عبارتیں نظر آئیں، اس لئے کہ فاضل مصنف ہندی نژاد اور ہندی تہذیب کے فرزند ہیں جنھوں نے عربی علم و ادب اپنی جدوجہد اور محنت سے حاصل کیا ہے اگرچہ کتاب (اور اس میں کوئی شبہ نہیں) بلیغ اور خوبصورت تشبیہات سے خالی نہیں"

کیا کتاب میں غامض عبارتیں پائی جاتی ہیں؟ میں تو نہیں سمجھتا! حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب کا ایک خاص وصف اس کا یہی واضح اسلوب ہے، اور شاید اسلوب کی یہی شگفتگی، عقیدہ و نظریہ کے نکھار اور اس پر ایمان و یقین کا عکس ہے۔ اس کے علاوہ یہ اسلوب بہت پختہ اور متین ہے۔ مصنف قرآن مجید سے استشہاد پر پوری طرح قادر ہیں (مثال ۵۵-۵۶-۵۳-۱۶۷) بہت سی جگہ حدیث اور اشعار سے بھی استشہاد ہے (ص۱۹۸) قرآنی اور دوسری عربی ترکیبوں کا بہترین استعمال، عنوانات کا لاجواب انتخاب اور تنوع، اور ہر چیز کو اپنی جگہ رکھنا گویا وہ اسی کے لئے تھی، یہ سب باتیں ایک متین پختہ، واضح اور شگفتہ اسلوب کی نشانیاں ہیں۔

ایک چیز اور ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ کتاب عالم اسلام کے مسائل پر ہندوستانی طرز فکر کا نمونہ ہے۔ خواہ مصنف نے اپنے افکار پیش کئے ہوں یا اپنے معاصر مفکرین کے افکار کو نقل کیا ہو۔

اور ہم مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے کہ ہمارے افکار و نظریات ایک دوسرے سے قریب آئیں اور ہم سمجھ سکیں کہ ہند و پاکستان، مشرقی جزائر، ایران و افغانستان کے مسلمان عالم اسلام کے مسائل میں کیا نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور ان کا طرزِ فکر کیا ہے، ورنہ اس کے بغیر اصلاح و ترقی کی کوششیں ناقص اور نا تمام رہیں گی۔

ایمان ویقین اور زندگی سے لبریز صفحات مسلمانوں کی موجودہ حالت پر باشعور افسوس اور ان کے اندر خیر کے سرچشموں کو چھیڑنے کی مبارک کوشش، اسلامی قیادت کے صحیح خد و خال اور اس کے اوصاف و خصائص کی تصویر (ص۲۳۰) اسلام کے بلند نصب العین کی طرف توجہ، روحانی زندگی اور پاکیزہ مادی زندگی کے اجتماع کی گرم جوشی سے دعوت، فکر اسلامی کو مابعد الطبیعی اور کلامی مباحث کی پیچیدگیوں سے ہٹا کر حقیقت پسندانہ فکر، روشن اور زندہ ایمان اور توحید خالص کی طرف رہنمائی جو زندگی اور انسانی فکر کے تمام عقدے حل کرتی ہے، ایسی زندگی کے احیا کی کوشش جو رنگ و نسل کے امتیازات سے پاک ہے، عالم عربی کو اس پیغام کی ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت یہ ہے کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اور اس بنیاد پر یہ کتاب اس قابل ہے کہ مشرق عربی کا کوئی گھر اس سے خالی نہ رہے اور ہمارا کوئی نوجوان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے شاید وہ ہمارے نوجوانوں میں یقین و اعتماد پیدا کر سکے اور اس گمشدہ راہ پر لاسکے جو بہت عرصہ ہوا چھوٹ چکی ہے۔

اگر کتاب کا کام صرف یہی ہوتا کہ وہ ان موضوعات پر ابھار دیتی تب بھی وہ بہت قابل شکر اور لائق ستائش تھی۔ اور ڈاکٹر احمد امین کو جنھوں نے جیسا کہ مجھے معلوم ہے کتاب کے لئے اپنی صحت و قوت کی پروانہ کرتے ہوئے بے دریغ اپنا وقت خرچ کیا اور "لجنۃ التالیف" کو جس نے ہم کو عظیم اسلامی مفکر سید ابو الحسن علی ندوی سے تعارف حاصل کرنے کا موقع دیا میرا بہت شکریہ!

(شکری فیصل)

اُردو عربی ڈکشنری از مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی۔ اعلیٰ کاغذ، بہتر کتابت و طباعت ۸۰۴ صفحات، مجلد مع گرد پوش قیمت چھ روپے۔ ملنے کا پتہ، صغیر احمد صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء۔ بادشاہ باغ لکھنؤ۔

مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی استاذ ندوۃ العلماء اس سے پہلے عربی اُردو ڈکشنری "مصباح اللغات" کے نام سے ترتیب دے چکے ہیں جسے بہت ہی مفید پایا گیا۔ چند مہینے ہوئے جب

ان کی یہ نئی ڈکشنری جو اردو سے عربی ہے شائع ہوئی ہے اور اس لحاظ سے یہ اُس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اب تک اُردو سے عربی میں کوئی قابل اعتماد معجم موجود نہیں تھا۔ امید ہے کہ مولانا کی اس کاوش سے اُن بہت سے لوگوں کی دقتیں دور ہو جائیں گی جو ایسی ڈکشنری کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

کتاب میں جامعیت کتنی ہے؟ اور تمام ضروری اور روزمرہ الفاظ کو سمیٹا جا سکا ہے یا نہیں؛ اس کا جواب تو تجربہ کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے مگر سرسری نظر میں کوئی خاص کمی نہیں معلوم ہوتی ہاں ایک چیز ایسی ہے جو سرسری نظر ہی میں محسوس ہونے والی ہے۔ وہ یہ کہ بہت سی جگہ اردو کے بجائے ہندی اور انگریزی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ خاص طور پر ہندی الفاظ کا استعمال بڑی بے تکلفی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ محترم مصنف مشرقی یو۔پی کے رہنے والے ہیں .... جہاں کی عام بول چال میں ہندی بھاشا اسی طرح داخل ہے جس طرح مغربی یو۔پی کی زبان میں عربی فارسی۔

کوئی مضائقہ نہ تھا اگر ایسا کیا گیا ہوتا کہ ان ہندی انگریزی الفاظ کا مرادف جو اصل اردو لغت کسی دوسرے حرف کے تحت آ سکتا اُسے بھی اپنی جگہ پر لایا جاتا —— مثلاً ک کے ذیل میں کارسپانڈنٹ (انگریزی) لایا گیا تو خ کے ذیل میں خط و کتابت (اردو) بھی آیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا —— مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ اور یہ چیز یقیناً ایسی ہے کہ کتاب کی افادیت کو ان لوگوں کے حق میں ضرور کم کر دے گی جو انگریزی یا ہندی سے نابلد ہوں گے۔

وصیۃ الاحسان

ملفوظات حضرت مولانا وصی اللہ صاحب اعظمی۔ مرتبہ جامی صاحب ۲۰×۲۶/۸ یعنی الفرقان سائز، کاغذ اور کتابت طباعت بہتر، ۸۸ صفحات بلا ٹائیٹل قیمت ۱۱ر۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامی داخوانہ، حسن منزل، الہ آباد۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفا میں سے ہیں۔ آپ کے ایک متوسل جناب جامی صاحب نے آپ کے اُن مجلسی ارشادات کو اس رسالہ میں شائع کیا ہے جو مرض نفاق اور اس کے طریقہ علاج سے متعلق ہیں شروع کے ہیں صفحے

میں کچھ خاص ملفوظات کو ایک مربوط اور مسلسل مضمون کی شکل دے کر مقدمہ بنا دیا گیا ہے جس میں نفاق کی حقیقت اور منافقین کے وجود سے بحث کی گئی ہے۔

ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نفاق کو اس زمانہ کا خاص اور عمومی مرض سمجھتے ہیں اور اسی نظریہ کو انھوں نے اپنی تعلیم و تربیت کی اساس بنایا ہے چنانچہ ان کا زیادہ تر روئے سخن اور توجہ اسی کی طرف رہتی ہے —— یہ مجموعہ ملفوظات ان حضرات کے لئے مفید ہوگا جو مشائخ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے طرز گفتگو سے مانوس ہیں۔

پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

ماہنامہ نئی راہ کا خاص نمبر۔ مرتبہ ظل عباس صاحب عباسی۔
۱۰۰ صفحات۔ قیمت عہ ر دو عہ باختلاف کاغذ
ملنے کا پتہ۔ نمبر ۹ بی۔ ہیرجی گوندجی بلاکس۔ بمبئی نمبر ۸

ادارہ نئی راہ نے ربیع الاول کے موقع پر یہ خاص نمبر پیش کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے متعلق پچاس ساٹھ معروف اور غیر معروف غیر مسلموں کے خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ نئے مضامین تو چند ہی ہیں زیادہ تر مطبوعہ مضامین اور کتابوں کے اقتباسات ہیں، کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے —— لکھنے والوں میں ہندو، سکھ، عیسائی سب ہی طرح کے لوگ ہیں۔

یہ نمبر اس لحاظ سے تو مفید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غیر مسلموں کے ایک سنجیدہ طبقہ کا طرز فکر سامنے آجاتا ہے، مگر بلا کسی امتیاز کے ہر رطب و یابس کو قبول کر لینا اور اسے عقیدت کی مالا میں جگہ دینا اپنے اندر مضرت کا پہلو رکھتا ہے —— اور اس نمبر کا یہی پہلو خاص طور پر قابل تنقید ہے۔

پنڈت سندر لال صاحب الہ آبادی کے مضامین اور کتابوں سے کئی لمبے لمبے اقتباسات اس نمبر میں لئے گئے ہیں۔ ان میں کئی باتیں سخت تنقید کی محتاج ہیں، کیونکہ وہ قرآن اور سیرت کی بہت سی باتوں کی حقیقت غلط سمجھتے ہیں مگر انہیں اصرار ہے کہ وہ صحیح سمجھتے ہیں لہذا جو کچھ لکھتے ہیں اس طور پر نہیں لکھتے کہ یہ ان کا خیال ہے بلکہ اس طور پر کہ گویا اصل حقیقت (بلا اختلاف) یونہی ہے —— اس لئے ایسی چیزیں یا تو لینا ہی نہیں تھیں اور اگر لی گئی تھیں تو ان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرنا تھا۔

(ع۔س)

انتخاب

نئی رجعت پسندی

دکن ٹائمس (مدراس) مورخہ ۲۸ نومبر کے ایڈیٹوریل صفحہ سے۔

"مرد و عورت کے اختلاط کی مخالفت ہر اچھے مذہب نے کی ہے اور اسی بنا پر اسکولوں اور کالجوں کی مخلوط تعلیم ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یکے بعد دیگرے ہر ملک مخلوط تعلیم کے خلاف ہی قانون بنا رہا ہے۔ تازہ ترین مثال اسپین کی ہے۔ اسپینی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جو اسکول ایک مہینہ کے اندر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کامل فصل نہیں پیدا کرتا، وہ بند کر دیا جائے گا۔ اور حکومت کے بیان میں ہے کہ یہ کارروائی اخلاقی بنیاد پر کرنا پڑی ہے۔ جنرل فرینکو کی حکومت جوں ہی برسر اقتدار آئی تھی اس نے مخلوط تعلیم کی ممانعت کر دی تھی۔"

یہ اسپینی گورنمنٹ والے بڑے ہی دقیانوسی، صدیوں قبل کے قرون وسطی کے زمانہ کے معلوم ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے وسط میں بھلا ایسی بات کوئی زبان سے نکالتا ہے اور یہ دکن ٹائمس اس نے تو انگریزی زبان میں ہو کر "روشن خیال" صحافت کی مٹی ہی پلید کر دی۔ ایسی دل بجھا دینے والی خبر کو چھاپنا ہی کیا ضرور تھا، اور اگر چھاپا بھی تھا تو یہ لکھنا اور یاد دلانا کیا ضرور تھا کہ اکیلا اسپین ہی نہیں، یہ یورپ کے اور بھی بہت سے ملک کر چکے ہیں! رجعت پسندی کی بھی ایک حد ہونا چاہئے!۔

"روشن خیالی" کے سمندر سے نئے نئے نظریات کی کیسی کیسی لہریں بلند ہوتی ہیں اور تجربہ کی سخت چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر کس طرح واپس ہوتی رہتی ہیں۔

شذرہ لکھا جا چکا تھا کہ اسپین سے متعلق یہی خبر ٹائمس آف سیلون (۱۰ نومبر) میں نظر سے گزری مع ایک دوسری خبر کے کہ سیلون کے بھی کسی اسکول میں ایسا ہی حکم امتناعی نافذ ہو گیا ہے۔ اس اسکول میں پانچ برس ہوئے جب سے لڑکیاں بھی ساتھ پڑھنے لگی تھیں۔ لڑکوں کے امتحان کے نتیجے خراب سے خراب تر ہی ہونے لگے تھے۔ (صدق جدید)

سیاسی مسخرے

مسخرے پن کی ویسے تو بہت سی قسمیں ہیں، خانگی، مجلسی، کاروباری، علمی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے مسخرے پن انسانی تمدن کے ساتھ ساتھ چلے آرہے ہیں لیکن دنیا میں اب ایک نیا مسخرہ پن ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے سیاسی مسخرہ پن۔ یہ سیاسی مسخرہ پن چونکہ بہت ہی نیا فن ہے اس لئے جدید ترین فن کاریوں سے مسلح بھی ہے۔ نفسیات انسانی اور علم قیافہ اس کے خاص اسلحہ ہیں۔ اور مسخرے پن اتنے اتھلے ہوتے ہیں کہ بہت جلد ایک فریق کو پتہ چل جاتا ہے کہ وہ بے وقوف بن گیا لیکن یہ سیاسی مسخرہ پن سطحی نتائج پیدا نہیں کرتا۔ بے چارہ بے وقوف بننے والا عرصے تک بلکہ مدت العمر یہی سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اس سودے میں کامیاب ہے۔

زندگی کا رجحان چونکہ ہمہ جہتی ہے اس لئے یہ سیاسی مسخرے بھی ہمہ جہتی ہوتے ہیں۔ فرض کیجئے انھیں کسی ایسے مجمع سے کھیلنا ہو، جو مزدوروں پر مشتمل ہے تو ان کی گفتگو کا ماحصل یہی ہوگا کہ دنیا کی اصل طاقت مزدور ہے۔ وہی کھیتوں کو لہلہاتا ہے، سڑکوں کو روشن کرتا اور مشینوں کو چالو کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے دیہاتوں میں تازگی ہے اور شہروں میں ہماہمی۔ وہی حکومت کی جان ہے۔ وہی سماج کی روح ہے اور وہی حاصل کائنات ہے۔ انھیں صاحب کو کسی کارخانہ کے افتتاح کا پروگرام دے دیا جائے تو فرمائیں گے کہ دنیا کی اصل طاقت سرمایہ ہے اور دنیا کے حقیقی محسن وہ ہیں جو سرمایہ کی طاقت کو پھیلاتے اور بڑھاتے ہیں۔ یہ آج ایک ملک کے دامن میں پھیل رہا ہے تو ملک اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور کل اسے ساری دنیا پر حاوی کر دیا جائے تو پوری دنیا کے لئے نعمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ لادینوں کے مجمع میں جائیں گے تو کہیں گے کہ دین سارے فسادات کا سرچشمہ ہے اس سے فتنے پھوٹے ہیں اور تباہیاں رونما ہوئی ہیں اور لادینی ایک نعمت ہے۔ مگر انھیں سے جب کسی مذہب کے جلسے میں یا کسی دینی پیشوا کے حالات پر تقریر کرنے کے لئے کہا جائے گا تو فرمائیں گے کہ دنیا کا اصل مرض مادی زبوں حالی نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی پستی ہے اور یہ پستی صرف دین کے سہارے دور ہو سکتی ہے، میرے موضوعِ تقریر دینی پیشوا کے حالات زندگی ایسے ہیں کہ ان کی سیرت کو اپنا کر دنیا اپنے مصائب سے نجات پا سکتی ہے۔

بیسویں صدی کے یہ مسخرے۔ برابر بڑھتے جا رہے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ ان کے مسخرے پن سے کب جا کر لوگ واقف ہوسکیں گے۔ (دعوت دہلی)

لیلائے وزارت آندھرا کی سابقہ حکومت کے وزیر مسٹر پرکاشم نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اب کانگریس میں شریک ہو جائیں گے۔ مسٹر پرکاشم اگرچہ ستر سالہ بوڑھے ہیں لیکن ابھی ان میں یہ ہمت ہے کہ لیلائے وزارت سے آنکھیں چار کر سکیں اور اس سے اپنا گھر بسانے کے جتن کریں۔ مسٹر پرکاشم اب تک کسی ایک پارٹی سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اور گذشتہ دنوں انھوں نے جو وزارت بنائی تھی وہ آزاد آدمی کی حیثیت سے بنائی تھی اور اسے مختلف جماعتوں کی تائید حاصل تھی لیکن اب جبکہ ان کی وزارت عدم اعتماد کی بنا پر برخاست کر دی گئی اور اس بات کے امکانات ختم ہو گئے ہیں کہ وہ کسی ایک آزاد نمائندہ کی حیثیت سے حکومت بنا سکیں تو انھوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ کانگریس میں شامل ہو جائیں گے مطلب یہ ہوا کہ اب اپنے آزاد وجود کو کسی پارٹی کا پلڑا بھاری کرنے کے لئے استعمال کریں گے اور اس کے ذریعہ پھر "وزارت نشیں" ہو جائیں گے۔

کتنی تعمیری، کتنی اصولی اور کتنی اخلاقی ہے وہ سیاست، وہ نظام اور وہ طریقِ زندگی جس کے ماتحت آدمی لیلائے وزارت کو جیتنے کی خاطر طرح طرح کے کھیل کھیل سکتا ہے! (دعوت)

Regd No (A-353)

کلمہ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور موثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے۔ اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور جامع رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں ——— تازہ اڈیشن ——— قیمت ۸/ر

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص ذہنی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے "اسلامی تعلیمات" پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ان شاء اللہ کافی ہو، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیس سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور موثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجئے، اور اگر آپ کا کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے .... کاغذ و طباعت اعلیٰ ......

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

تعلیم یافتہ مسلمان کو بالخصوص ضرور پڑھنا چاہئے، نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے، دینی فضا میں وہ حاضری اور روحانیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور آئمہ دین، حضرت خضر، امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

کلمۂ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے

تازہ اڈیشن ...... کاغذ و طباعت اعلیٰ ...... قیمت (۱۰/)

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے

اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنے

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
19 JAN
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔
"ادارہ الفرقان"
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق جنوری ۱۹۵۷ء | نمبر ۵

اگر اس ◯ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی۔پی ارسال کیا جائے گا

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳۰ تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے!

پاکستان کے خریدار اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

تاریخ اشاعت رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ کو روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ دوبارہ بھیجدیا جائے گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

مصر میں اخوان المسلمین پر جو ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں اُن پر تمام عالم اسلام اشکبار رہے۔ کئی ملکوں میں زبردست مظاہرے اور ہڑتالیں ہوئیں اور اسلامی دنیا کے تقریباً ہر گوشہ سے مصری حکومت کی اس وحشت و بربریت کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اور اخوان فی الواقع ایسی ہی ہمدردی اور غمخواری کے مستحق تھے۔

اخوان المسلمین عالم عربی کی وہ تنہا جماعت ہے جس نے ان ملکوں میں اور خاص طور پر مصر میں دین کا کھویا ہوا وقار واپس دلایا۔ لاکھوں عرب نوجوانوں میں اسلامی غیرت کا صور پھونک دیا، جدید تعلیم کے باوجود ان کے افکار و کردار میں اسلامیت کو رچا دیا اور موت فی سبیل اللہ کو ان کی شیریں تر آرزو بنا دیا۔

وہ مشرق وسطیٰ جس پر یورپ کے تسلط نے اسلام کو اس کے اپنے دیس میں اجنبی بنا دیا تھا۔ جہاں اسلام کا نام لینے والے تضحیک کا نشانہ بنتے تھے، جہاں دینی افکار و اعمال کو قدامت پرستی کی علامت سمجھا جانے لگا تھا اور مصر اس مغرب زدگی میں تمام مشرق وسطیٰ کا امام ہو چلا تھا۔ اسی مشرق وسطیٰ میں اور خاص طور پر مصر میں آج اخوان کی بدولت سب سے اونچی آواز میں جو نعرہ گونج رہا ہے وہ یہ ہے:-

اللّٰہُ غایتُنا، والقرآنُ دستورُنا، والرَّسُولُ زعیمُنا، والجہادُ سبیلُنا

والموتُ فی سبیلِ اللّٰہِ اسمیٰ أمانینا

اللہ ہمارا مقصود ہے۔ قرآن ہمارا دستور ہے۔ رسول ہمارا رہنما ہے، جہاد ہمارا راستہ ہے

اور اللہ کے راستہ میں موت ہماری سب سے بڑی آرزو ہے

یورپ کے اقتدار کا مزہ ہم چکھ چکے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ اس اقتدار کے جلو میں جو تعلیم اور تہذیب آئی تھی اس نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ اس اقتدار کی بدولت ہمارے یہاں الحاد و دہریت اور دین سے بے اعتنائی کے وہ جراثیم پھیلے کہ جن کا کبھی پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک پوری نسل کی نسل ہمارے یہاں پیدا ہو گئی جو نام اور قومیت کے لحاظ سے تو مسلمان ہے لیکن افکار و جذبات کے لحاظ سے اسے اسلام سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں اور آج بھی ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کا عام حال کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے، بس اسی پر مصر اور دوسرے عربی ملکوں کو قیاس کر لیجئے جہاں اہل یورپ کے سبز قدم پہونچے ہیں --- مگر آج اخوان کی بدولت مصر و شام اور سوڈان کا حال یہ ہے کہ وہاں کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے ہزاروں نوجوان الازہر کے طلبہ سے بھی زیادہ پرجوش مسلمان ہیں۔ انھیں اپنے اسلام پر فخر ہے اور "اللہ اکبر وللہ الحمد" ان کا شعار بن گیا ہے۔

فلسطین میں جب یہودیوں سے عربوں کا ٹکراؤ ہوا تو اسلام کے یہی پرجوش اور جاں نثار خادم تھے جو عرب حکومتوں کی باقاعدہ فوجوں سے بھی آگے آگے تھے اور قبلہ اول کی حفاظت کے لئے بے نظیر شجاعت کا ثبوت دے رہے تھے۔ یہ نوجوان عرب قومیت سے زیادہ اسلامیت کی روح سے سرشار تھے اور ان کا مقصد عرب قوم کے دفاع سے زیادہ اسلام کا دفاع تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جب اخوان کے فوجی مرکز میں آکر اپنا نام پیش کرتے تھے اور قبول کر لئے جاتے تھے تو الحاح کے ساتھ اپنے بزرگوں سے کہتے کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں قبول کرلے۔ اور لوگوں کی چشم دید شہادت ہے کہ ان میں ایسے ایسے نوجوان بھی ہوتے جن کی مسیں بھی نہیں بھیگی ہوتیں ---- شہادت کی یہ تڑپ، یہ آرزو اور یہ ولولہ جس نے بیسویں صدی میں رافع بن خدیج اور سمرہ بن جندب کی یاد تازہ کر دی اس کا سہرا بیسویں صدی کی جس جماعت کے سر ہے اسی کا نام "الاخوان المسلمون" ہے۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں کی الحاد زدہ اور دین کش فضا کو دیکھئے اور مصریوں کی یورپ کے لادینی افکار سے مرعوبیت کو ذہن میں رکھئے اور پھر اس واقعہ کو سنئے کہ نقراشی پاشا (سابق وزیر اعظم) کے قتل کے بعد جب مصر میں اخوان کی عام پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تو پولیس والوں کا بیان ہے کہ انھیں اخوان کی خاص پہچان یہ بتلائی گئی تھی کہ چہرے پر داڑھی[1] اور جیب میں قرآن شریف۔ یہ پہچان عربی مدرسوں کے

[1] یعنی اگر ایسا ہو تو وہ ۔۔۔

طالب علموں یا مسجد کے ملاؤں کی نہیں تھی بلکہ اخوانی نوجوانوں کی تھی جن میں سیکڑوں کا تعلق کسی کالج یا یونیورسٹی سے تھا۔

مخدومنا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی خود اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شام میں ایک دوست انھیں ایک اجتماع میں لے گئے۔ وہاں پہونچے تو ایک مسئلہ چھڑا ہوا تھا مسئلہ یہ تھا کہ قومی ہیروں کے اسٹیچو نصب کرنا کیسا ہے؟ اور مسئلہ چھڑنے کی وجہ یہ تھی کہ برازیل کے شامیوں نے شام کے ایک قومی ہیرو کا اسٹیچو بنوا کر بھیجا تھا۔ مولانا علی میاں مدظلہ ایک طرف خوشی اور ایک طرف افسوس کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ نصب کرنے کی حمایت میں وہاں کے ایک مقتدر عالم بھی تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے اپنے برازیلی بھائیوں کی خواہش کو ٹھکرا دیا تو متمدن دنیا ہم پر ہنسے گی لیکن اس کی مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش شامی یونیورسٹی کے طلبہ تھے جو دنیا کی کسی دلیل کو ماننے کے لئے صرف اس لئے تیار نہ تھے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، دنیا ہنستی ہے تو ہنسا کرے ——— یہ کس چیز کا اثر تھا؟ ان طلبہ سے جاکر پوچھئے تو یہ بتلائیں گے کہ یہ اخوان کی دعوت کی برکت ہے۔

مشرق وسطیٰ کے یہ مسلمان ملک عرصہ سے مغربی اقوام کے مقابلہ میں جس ذلت اور بے بسی سے دوچار ہیں ہمارا ایمان ہے کہ اس کی بنیادی وجہیں صرف دو ہیں۔ ایک ان ملکوں کی دین سے بے رغبتی اور دوسری قربانی سے گریز اور موت سے خوف ——— دین سے مخلصانہ تعلق اور شہادت کا والہانہ شوق مسلمانوں کی طاقت کے وہ عناصر تھے جن کا توڑ ان کے کسی دشمن کے پاس نہیں تھا شہادت کا شوق ان کے ظاہری اسباب کو باوجود قلت کے ایک نرالی قوت بخشتا تھا اور دین کی تابعداری انھیں ضرورت کے وقت غیبی امداد بہم پہونچاتی تھی اور اس طور پر ان کی طاقت ناقابل شکست ہوجاتی تھی مگر ان ملکوں نے اپنی بدقسمتی سے اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی بدقسمتی سے اپنی طاقت کے ان جوہری عناصر کو کھو دیا ——— اللہ کے بندے کبھی کبھی اٹھتے رہے اور ان کو واپس لانے کی جدوجہد کرتے رہے مگر کل شیٔ مرھون بوقتہ (ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے) یہ کام بڑے پیمانہ پر نہ ہوسکا۔ سمندر کی سطح ساکن پر چھوٹی چھوٹی موجیں ابھر کر غائب ہوتی رہیں عمومی حال جیسا کا تیسا ہی رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مصر کی گود میں ایک بچہ پرورش کیا جسے آج دنیا حسن البنا کے نام سے جانتی ہے۔

شیخ حسن البناؒ کے جب شعور کی آنکھ کھلی تو ان کے دل میں اس صورت حال سے ایک بے چینی پیدا ہوئی اور جوں جوں شعور جاگتا گیا یہ بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہی انھیں اس بے چینی نے عمل اور جد و جہد کے راستہ پر لگا دیا، اور پھر بیس سال کی لگاتار محنت، خدا داد صلاحیت اور توفیق الٰہی سے انھوں نے ان ملکوں میں وہ انقلاب حال کر دیا جس کی چند مثالیں اوپر گزریں شیخ حسن البناؒ کا خاص کارنامہ جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے انہی دونوں عناصر کو واپس لانا ہے ـــــ جن کو کھو کر مشرق وسطیٰ کے یہ ممالک ہر ظالم اور ہر بد نیت کا لقمۂ تر بن گئے ہیں اور عرصہ سے دنیا کے پست ترین ممالک میں شمار ہو رہے ہیں اور ان ملکوں کے جن لاکھوں افراد میں ان عناصر کا ظہور ہو گیا ہے انھیں کا نام الاخوان المسلمون ہے۔

کوئی بتلائے کہ ایک ایسی جماعت جو ان اعلیٰ خصوصیات میں منفرد اور بجا طور پر عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل کہلانے کی مستحق ہے ـــــ اگر ظلم کی چکی میں پیسی جائے تو اس سے ہر قلب مسلم کو تکلیف کیوں نہ ہو اور ان لوگوں سے نفرت کیوں نہ پیدا ہو جن کے ہاتھ ان مخلصین لدین اللہ والمجاہدین فی سبیلہ کے خون سے رنگین ہوں۔ اس لئے عالم اسلام کو ان کی مظلومیت سے جتنا بھی رنج ہو وہ بالکل بجا ہے اور جتنی بھی ہمدردی ان کے ساتھ کی گئی وہ ان کے استحقاق سے زیادہ نہیں! لیکن بعض حضرات نے اس موقع پر اظہار افسوس کا ایسا طرز اختیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اصل افسوس اخوان کی مظلومیت کا نہیں بلکہ اس بات کا ہے کہ اخوان کی تحریک خارجیت کی طرف مائل ہو گئی چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ کیسی کیسی مفید اصلاحی تحریکیں اٹھتی ہیں مگر زیادہ دن نہیں گزرنے پاتے کہ وہ اپنے پرجوش کارکنوں کے ہاتھوں خارجیت سے جا ملتی ہیں۔ گویا اخوان کے ساتھ مصر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سرا سر ظلم نہیں بلکہ اس میں بہت کچھ دخل ان کی خارجیت کا ہے۔

اخوان فی الواقع خارجیت کی طرف مائل ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ تو بعد کا ہے اور ہم اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں؛ اور نہ صرف غور کرنے کے لئے تیار ہیں بلکہ اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ اگر اخوان کی خارجیت ثابت ہو جائے تو ہم بھی آئندہ کے لئے ان کی ہمدردی سے کانوں پر ہاتھ دھریں اور صرف ان کے لئے دعائے ہدایت پر اکتفا کریں مگر پہلا سوال یہ ہے کہ اخوان اگر بالفرض خارجی ہیں بھی تو ان واقعات کا ان کی خارجیت سے کیا تعلق ہے؟

خارجیت تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اِن الحکم الا للہ کی اس غالیانہ تشریح کو اختیار کرنے اور اور اس سے انکار کرنے والوں کو مباح العرض والدم سمجھنے کا نام ہے جو حضرت علی کے مقابلہ میں خوارج کہلانے والے فرقہ کا شعار تھی ـــــ اور غالباً ان حضرات کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا ـــــ پس ہم تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ اخوان بھی اس گمراہی کا شکار رہیں اور ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ اخوان نے کرنل ناصر اور ان کی کیبنٹ کو ختم کرنے کی سازش کی تھی جس کی وجہ سے ان کو یہ پھانسیاں دی جا رہی ہیں، مگر کیا کوئی صاحب ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اس سازش کا محرک اُن کی وہ گمراہی تھی! اور وہ مصر کی فوجی کیبنٹ کے قتل کے درپے اس لئے تھے کہ وہ اِن الحکم الا للہ کی اس غالیانہ تشریح کو قبول نہیں کرتی؟ ـــــ اور تو اور خود حکومت مصر نے بھی یہ بات نہیں کہی اس کے اعلامیہ میں بھی صرف اتنا ہی بتلایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے تشدد کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی! پھر آخر وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سازش کا محرک ان کی خارجی ذہنیت تھی؟

جو لوگ مصر کے موجودہ واقعات کے پس منظر سے ذرا بھی واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان واقعات کی بنا مصر اور برطانیہ کا تازہ معاہدۂ سوئز ہے۔ مصر کی فوجی حکومت نے جسے کوئی بھی منصف مزاج مصر کی نمائندہ حکومت نہیں کہہ سکتا، برطانیہ سے نہر سوئز کے تخلیہ کے متعلق ایک معاہدہ کرلیا اور غالباً اس حکومت کو اس بات کا پورا خطرہ تھا کہ اہل مصر اس کی شدید مخالفت کریں گے ـــــ اور واقعی وہ معاہدہ تھا بھی ایسا ہی کیونکہ جب اس کی تفصیلات ہمارے یہاں کے اخبارات میں شائع ہوئیں تو بلا یہ جانے ہوئے کہ اہل مصر پر اس کا ردعمل کیا ہے ہمارا ذاتی تاثر اس کے متعلق یہی تھا کہ اس میں تو مصر کی وہ قومی اُمنگیں کہیں بھی پوری نہیں ہوئیں جن کے پورا کرنے کے لئے فوجی حکومت اہل مصر کو روزانہ یقین دلاتی تھی ـــــ اس لئے اس نے ہر تنقید کو تخریب قرار دے کر قطعی ممنوع قرار دے دیا اور ہر زبان اور ہر قلم پر قفل چڑھا دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر حسن ہضیبی صاحب مرشد عام اخوان المسلمین کے کئی خط موجود ہیں جن میں انھوں نے کرنل ناصر سے بار بار درخواست کی کہ وہ اس بے جا پابندی کو اٹھالیں مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بقول ہضیبی صاحب ان کی باتوں کا جواب ہمیشہ گالیوں سے دیا گیا اور ان گالیوں کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت معاہدہ ہوا ہے اس وقت ہضیبی صاحب

اپنی جماعت کے بعض اہم افراد کے ساتھ شام میں تھے اور معاہدہ کی اطلاع پاکر انھوں نے دمشق ریڈیو سے ایک تقریر نشر کی تھی جس میں اس معاہدہ پر تنقید کی تھی بس یہیں سے مصری حکومت چراغ پا ہوگئی اور پھر اس کا رہا سہا دماغی توازن اس سے خراب ہوگیا کہ جب سعید رمضان صاحب کی مذکورہ بالا خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اخوان نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں معاہدہ پر تنقید کی اور اسے خفیہ طور پر ملک میں تقسیم کردیا۔ علیٰ ہذا اخوان کے بعض خطیبوں نے اپنی جامع مساجد میں اس معاہدہ پر اور حکومت کے جابرانہ رویہ پر نکتہ چینی کی۔ چنانچہ حکومت کا دماغی توازن اس حد تک بگڑا کہ اس نے اس نکتہ چینی کے جواب میں مسجد کے اندر ہی تشدد شروع کردیا۔

پس اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ اخوان نے مصری کیبنٹ کے قتل کی سازش کی تھی اور وزیراعظم مصر پر قاتلانہ حملہ اسی سازش کا شاخسانہ تھا تو بھی اس میں کسی تأمل کی گنجائش نہیں کہ اس سازش سے ان کی پرجوش مذہبیت یا "خارجیت" کو کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں بلکہ اس کا تعلق سراسر ایک غیر مذہبی سیاسی مسئلہ سے ہے۔ اس لئے ہم ان واقعات کا رشتہ اخوان کی خارجیت سے جوڑنے والے بزرگوں سے ادب کے ساتھ درخواست کریں گے کہ اگر انھوں نے ان واقعات کے پس منظر کو سمجھنے میں غلطی کی ہے تو ان کے مقام کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنی اس غلطی کا اعتراف فرمائیں ورنہ ہمیں سمجھائیں کہ ہم نے اس کو سمجھنے میں کیا غلطی کی ہے!

رہ جاتی ہے یہ بات کہ اس سازش کا منشا خارجیت نہ سہی لیکن اس سازش کے بعد وہ بہرحال سراسر مظلوم اور مصر کے حکمراں سراسر ظالم نہیں ٹھہرائے جا سکتے اور اس حیثیت سے کہ اخوان مصر میں مذہب کی نمایندگی بھی کرتے ہیں، ان کا یہ فعل بجا طور پر قابل افسوس ہے۔ اختلافات میں تشدد کا راستہ اختیار کرنا یوں بھی ایک غیر معقول بات ہے چہ جائیکہ مذہب کے علمبردار اس کا ارتکاب کریں ـــــ تو ہم اس کے متعلق علی اسبیل التسلیم یہ عرض کریں گے کہ اس سازش کو صرف اختلاف رائے کا نتیجہ قرار دینا کھلی ناانصافی ہے۔ آپ پورے پس منظر کو ذہن میں رکھئے اور پھر بتلایئے کہ کیا اسے محض اختلاف رائے کے سر تھوپا جا سکتا ہے؟ اس کے پس منظر میں تنہا اختلاف رائے نہیں بلکہ وہ پابندیاں بھی جو اظہار رائے پر عائد کی گئیں اور وہ ناروا تشدد بھی ہے جو ان پابندیوں کی خلاف ورزی پر روا رکھا گیا ـــــ حال ہی میں روزنامہ الجمعیۃ اور قومی آواز کی کسی اشاعتوں میں اخوان

اور انقلابی کونسل کا جو پورا فیصلہ شائع ہوا ہے (جو لبنان کے ایک اخبار سے ترجمہ کیا گیا ہے) اس میں ان تمام باتوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے جن کی طرف ہم نے اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ کہ اخوان کی ایک مسجد میں جب ایک جمعہ کو ایک اخوانی لیڈر نے حکومت کے رویہ پر نکتہ چینی کی تو اس کی سزا میں پولیس نے مع جوتوں کے مسجد کے اندر آکر بندوق کے کندوں کا مزہ چکھایا اور خاص خاص لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ اور (جیسا کہ اس بدتمیزی پر عین ممکن ہے غالباً نمازیوں کا مجمع برافروختہ ہو گیا تو) ان پر گولیاں برسائی گئیں جن سے بیسیوں تک مجروح ہوئے ـــــ پھر کیسے اخوان کو ملعون کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے صرف اپنی رائے کو غالب کرنے کے لئے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ حکومت کے جبر و تشدد نے اخوان میں جوابی تشدد کا رجحان پیدا کیا۔ تنگ آکر آمادہ بجنگ ہونے والے کو انصاف پسند دنیا نے کبھی مجرم قرار نہیں دیا اور فقہ اسلامی کا بھی مشہور مسئلہ ہے البادی اظلم (اصل مجرم وہ ہے جو ابتدا کرے)

ہم پوچھتے ہیں کہ جب پرامن اختلاف کے راستے مسدود کر دئے جائیں، زبان و قلم پر تالے چڑھا دئے جائیں اور پھر اگر کوئی زبان اس دستورِ زباں بندی کے خلاف فریاد کرے تو اسے قلم کر لیا جائے ایسی صورت میں اگر کسی کا ہاتھ اٹھنے کا ارادہ کرے تو اس ارادۂ دست درازی کا ذمہ دار کون ہے؟ ـــــ پوچھیے انصاف سے! اگر اس کی زبان آپ سمجھتے ہوں! اور فتویٰ لیجئے نفسیاتِ انسانی سے ـــــ کہ اس ارادہ میں اس ہاتھ والے کا دخل کتنا ہے اور اس کی زبان قلم کرنے والے کا کتنا؟ ـــــ اور پھر جب اس ارادۂ جواب کا جواب اندھا دھند پھانسیوں سے دیا جائے جن کی تعداد اس وقت سولہ تک پہونچ چکی ہے تو پھر کوئی صاحب ہمیں سمجھائیں کہ اخوان کو مظلوم اور مصری حکومت کو ظالم کہنے والے کیا گناہ کرتے ہیں؟

یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ سازش کے الزام کو صحیح تسلیم کر لیا جائے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس الزام کو صحیح تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ ہمارے سامنے اب تک نہیں آئی ہے ـــــ مدعی کا بیان تو ظاہر ہے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ عدالت کا فیصلہ بیشک ایک وزن رکھتا ہے مگر وہ جب کہ جج ایک تیسرا شخص ہو۔ لیکن یہاں صورت یہ ہے کہ مدعی خود ہی جج بن کر بیٹھ گیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اخوان کے مقدمہ کی سماعت کے لئے جو عدالت ترتیب دی گئی ہے وہ انقلابی کونسل ہی کے

تین ممبران پر مشتمل ہے جو خود ایک فریق ہے اور پھر ان ممبران میں بھی بعض وہ ہیں جو اخوان کے مرشد عام سے سخت عناد اور نفرت کا جذبہ رکھتے ہیں، جس کے گواہ خود حکومت مصر کے سرکاری ترجمان التحریر کے پرچے ہیں۔ ایسی صورت میں اس عدالت کو عدالت کے لفظ سے یاد کرنا بھی اس مقدس لفظ کی توہین ہے، چہ جائیکہ اس کے فیصلہ کا کوئی وزن محسوس کیا جائے ـــــ اس لئے اتنے سنگین الزام کو صحیح تسلیم کر لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اور نہ صرف صحیح تسلیم کرنا بلکہ اس صورت میں ملزم کو قضاءً بری نہ سمجھنا اور اس پر سزا کا نفاذ کرنے والوں کو معذور سمجھنا اس کا بھی کیا جواز ہے؟

کہا جا سکتا ہے کہ خونیں انقلاب کی سازش نہ ہی مگر اس کو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وزیر اعظم کے قتل کی سازش کی گئی کیونکہ اس کا تو اقبال بعض ملزمین نے خود کیا ہے ـــــ ہم عرض کریں گے کہ اقبال جرم بیشک کبھی کوئی وزن رکھتا تھا مگر جب سے سویٹ روس میں سازشی مقدمات چلنے شروع ہوئے ہیں اس کا سارا بھرم جاتا رہا ہے اور اب جب بھی روس سے کسی ملزم کے اقبالی ہونے کی خبر آتی ہے ساری دنیا ایک ساتھ قہقہہ لگا کر ہنس پڑتی ہے! کیا ثبوت ہے کسی کے پاس کہ یہ اقبال بھی ایسا ہی مضحکہ خیز نہیں ہے؟ ـــــ اور اگر یہ اقبال کوئی وزن بھی رکھتا ہو تب بھی یہ بے پناہ پھانسیاں تو دنیا کے ہر قانون جزا و سزا کی رو سے ظلم ہی رہیں گی۔

زیادہ سے زیادہ جو بات تسلیم کی جا سکتی ہے ـــــ اگرچہ اس میں بھی کلام کی بیحد گنجائش ہے اور لوگوں نے کیا بھی ہے جو شک پیدا کر دینے کے لئے بہت کافی ہے ـــــ وہ یہ ہے کہ ایک اخوانی نے وزیر اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں مگر یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا حکومت کی اس آمرانہ پالیسی پر نہیں ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق جس کا تعلق ہر مصری کی زندگی اور اس کے مستقبل سے تھا اظہار رائے کا حق چھین لیا گیا اور ہر مخالف آواز کا گلا گھونٹ کر جیتے جاگتے انسانوں کو مردہ بن جانے پر مجبور کیا گیا؟ اور کیا اس کی ذمہ داری تشدد کی اس گرم بازاری پر نہیں ہے جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا؛ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سارا الزام حملہ آور غریب ہی کے سر رکھ دیں؟

اور پھر چلئے قصور وار یہی شخص سہی! اور اس کو پھانسی دینے والے معذور سہی! مگر اس جماعت غریب کا کیا قصور تھا جس سے یہ حملہ آور اتفاق سے تعلق رکھتا ہے، جو اسے توڑ دیا گیا،

اس کے عظیم الشان دفتر کو نذرِ آتش کرادیا گیا اور اس کی پوری قیادت کو عمر بھر کے لئے قیدی بنا دیا گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا؟ ــــ حالانکہ اس حملہ کی ذمہ داری اگر حملہ آور کے سوا کسی اور پر ہو سکتی ہے تو وہ حکومت اور صرف حکومت ہے جس نے ملک میں ایسے حالات پیدا کئے جنھوں نے کتنے ہی منچلوں کو اس اقدام پر اکسایا ہوگا اور بالآخر ایک اخوانی اس غلط راستہ پر بہہ گیا کیونکہ اسی کی جماعت اپنی جرأت حق گوئی کی وجہ سے اس جبر وتشدد کا خاص نشانہ تھی ــــ کیا اس سے جماعت پر کوئی ذمہ داری آتی ہے؟ اور کسی محتاط اور قصہ دار آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ جماعت کو اس فعل کا ذمہ دار گردانے؟ اور پھر اس کے ساتھ جماعت کی مذہبیت کو ملا کر "خارجیت" کا نتیجہ نکالے؟ ــــ ان مصر کی نادرشاہی حکومت کے لئے ضرور یہ ایک اچھا بہانہ بن سکتا تھا جو اسی تاک میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کوئی بات ملے اور اسے بتنگڑ بنا کر اس جماعت کو توپ دم کر دے۔ جو نہ صرف یہ کہ اس کے حکم سے خود زندہ ہوتے ہوئے مردہ بننے کے لئے تیار نہیں ہے بلکہ اوروں میں بھی زندگی کا صور پھونک رہی ہے اور جبکہ دوسرے قومی سنگینوں کے خوف سے "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کا منظر پیش کر رہے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ خود دم سادھنے پر راضی نہیں ہے بلکہ دوسروں کے منھ میں بھی زبان پیدا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ نجیب بھی دم بخود ہیں اور نحاس پاشا کا منھ بھی بند ہے ــــ جن کے ساتھ پر اگر نہیں دو تہائی مصر ضرور رہے ــــ مگر اخوان ہیں کہ گویا جب تک ان کے منھ میں زبان ہے یہ حکم زباں بندی نہیں مان سکتے ــــ چنانچہ اُس نے اس واقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان شوریدہ سروں کو چن چن کر ٹھکانے لگا دیا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت مصر صرف ایک بہانہ کی تلاش میں تھی اور اس واقعہ میں اُسے ایک اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا، تو یہ محض سوءِ ظن یا نکات بعد الوقوع والی بات نہیں ہے بلکہ اس کو نفس الامری حقیقت ثابت کرنے کے لئے ایک ایسا قرینہ بھی موجود ہے جو کسی بھی غیر جانبدار آدمی کے لئے باعث اطمینان ہو سکتا ہے۔ وہ قرینہ معاہدۂ سوئز کے مسئلہ پر حکومت کے جذبات کی وہ غیر معمولی نزاکت تھی جس کی طرف ہضیبی صاحب سے اختلاف رکھنے والے بعض اخوانیوں نے ان کی دمشق ریڈیو سے تقریر کے بعد فوراً اشارہ کیا تھا ــــ صالح عشماوی صاحب ایڈیٹر الدعوہ (اخوان المسلمین کے ایک بہت اہم سابق رکن) نے اس تقریر کے بعد "الدعوہ" کا جو پہلا ہی اداریہ لکھا اس میں اس بات پر سخت تنقید کی کہ ہضیبی صاحب نے مصر آکر مجلس شوریٰ سے مشورہ کئے بغیر دمشق ہی سے کیوں معاہدہ پر تنقید کر ڈالی حالانکہ اس کے

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

قرآنی دعوت

(١٦)

عملِ صالح :-

[اس سلسلہ کی گزشتہ قسط میں ــــ خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی ــــ کے زیرِ عنوان بیان کیا گیا تھا کہ قرآن مجید جس طرح خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہے کہ خدا کے بندے اپنے خدا کی نازل کی ہوئی اور اس کے رسولوں کی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت و پیروی کو اپنی زندگی کا اصول بنائیں، اور اس کے مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزاریں۔ اس بارہ میں قرآن مجید کی تاکیدات، اور ماننے اور نہ ماننے والوں کے بارہ میں اس کی بشارات اور تنبیہات ذکر کی جا چکی ہیں ــــ اب آج کی قسط میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کو بھی اسی عنوان کے تحت سمجھنا چاہیے۔]

اسی اتباعِ ہدیٰ اور اطاعتِ خدا و رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عملِ صالح والی زندگی بھی ہے، قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہے۔ اور جو ہم کو اس کا محبوب بندہ بنانے والی ہے، قرآن پاک میں بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر عملِ صالح والی اس زندگی پر ایسی کیف آور بشارتیں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کے لیے لذت و سرور اور نشاط و مستی کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہے جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہوگا ــــ چند آیتیں یہاں بھی سن لیجیے!

سورۂ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ پوری انسانی دنیا کو ہمارا یہ پیغام

سُنا دیجئے، ارشاد ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ (الحج ع ۷)	اے پیغمبر آپ اعلان کر دیجئے، اور سب کو سُنا دیجئے کہ اے انسانوں میں تو اللہ کی طرف سے تم کو صرف خبردار کرنے والا اور اس کا پیغام کھول کھول کر سنانے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائیں، اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں ان کے لیے ان کے پروردگار کی

طرف سے بخشش ہو، اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ ہمارے احکام و فرامین کا مقابلہ کریں وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۞ (طٰہٰ ع ۴)	اور میری بڑی بخشش ہو اُن کے لیے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں، اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (العنکبوت ع ۱)	اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، ہم ان کی خطائیں معاف اور ان کی برائیاں دور کر دیں گے۔ اور ان کو ان کے اعمال کا استحقاق سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اور سورۂ نساء میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ	اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ہم ضرور ان کو اُن

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ (النساء ع ۱۰)	بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ وعدہ ہے اللہ کا بالکل سچا، اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ سے زیادہ سچی

اور سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ (شوریٰ ع ۳)	اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں وہ جنت کے باغیچوں میں رہیں گے، اُن باغ ہائے بہشتی میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار کے پاس وہ اُن کو ملے گی، یہ اُن پر اللہ کا بڑا انعام ہے، اللہ اس خوش انجامی کی بشارت اپنے اُن بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔

اور سورۂ کہف میں فرمایا

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (الکہف ع ۱۲)	بیشک جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، ان کے پروردگار کی طرف سے اُن کی مہمانی کے لیے فردوس یعنی جنت کے باغات ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور) نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ	اور جو بندے اپنے پروردگار کے حضور

فَأُولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ۝	مومن ہو کر حاضر ہوں گے اور عمل
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ	صالح والی زندگی انھوں نے گزاری
تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِينَ فِيهَا	ہو گی۔ ان کے لیے وہاں نہایت بلند
وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى ۝	درجے ہیں، کبھی نہ فنا ہونے والے
(طٰہٰ ع ۳)	بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری

ہیں، اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ صلہ ملے گا ان کو جو کفر و نافرمانی کی گندگی سے پاک ہوں گے۔

ان سب آیتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کے لیے آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت اور اس کے فضل و بخشش اور جنت و نعمائے جنت کی بشارتیں ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو کہ اللہ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان و یقین نصیب فرمایا ہو اُن کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بشارت اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو اللہ کی رضا و مغفرت اور جنت نصیب ہو جائے۔

بالفرض اگر ایمان و عمل صالح کے صلہ میں اس فانی دنیا میں کچھ بھی نہ ملے، اور صرف آخرت ہی میں وہ مل جائے جس کا وعدہ ان آیتوں میں کیا گیا ہو تو بھی یقیناً نفع ہی نفع ہے، اور ہر مومن بندہ اس سودے پر دل و جان سے راضی ہو کر اپنے رب کریم کا شکر گزار ہی ہو گا ——— لیکن واقعہ یہ ہو کہ عمل صالح اور ایمان کے صلہ میں آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اس دنیا میں بھی جو کچھ عطا فرمانے کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہو وہ اس دنیا کی بھی سب سے بڑی نعمت ہے ——— مثلاً سورۂ مریم میں فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	بلاشبہ جو بندے ایمان لائیں اور عمل
سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝	صالح والی زندگی گزاریں، بڑی رحمت
(مریم ع ۶)	والا پروردگار ان کو ضرور محبت سے

نوازے گا۔

یعنی اس دنیا کی زندگی میں ان کو اللہ کی محبت و محبوبیت کا مقام نصیب ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ

اپنی مخلوقات کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرما دے گا ــــــ سوچئے! کسی بندہ کے لیے اس دُنیا میں اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہو کہ اس کے دل کو اللہ سے محبت و تعلق کی دولت نصیب ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت کے لیے چن لے اور عامہ مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت و مقبولیت پیدا کر دی جائے ــــــ صرف مادّی لذّتوں اور بُرائیوں سے دلچسپی رکھنے والے جو انسان اپنی انسانیت کھو کر حیوانیت کی سطح پر آ چکے ہیں غالباً ان کے نزدیک تو اس دنیا کی بڑی نعمتیں صرف روپیوں کے ڈھیر اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے عالیشان محلات، انواع و اقسام کے لذیذ و مرغن کھانے بیش قیمت کپڑے اور قیمتی سواریاں ہی ہوں گی۔ لیکن جو واقعی انسان ہیں انھیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی محبت و محبوبیت اور اور عام خلائق کی نگاہ میں مقبولیت کا ایک لمحہ اس پوری عمر سے زیادہ لذیذ اور قیمتی ہو جس میں مذکورۂ بالا ساری مادّی نعمتیں تو میسر ہوں لیکن اللہ کی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کی اس نعمت سے محرومی ہو،

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے جس بندہ کو اپنی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کا کوئی حصہ نصیب فرمائے بس وہی جانتا ہو کہ اس کو کتنی بڑی دولت اور زندگی کا کیسا لطف حاصل ہو ــــــ اسی کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ "حیوٰۃ طیبہ" فرمایا گیا ہو۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل ع ۱۳)	جو بندہ عمل صالح والی زندگی گزارے خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحب ایمان بھی ہو، تو ہم ضرور اس کو حیاتِ طیبہ "(نہایت اچھی بالطف زندگی) دیں گے اور آخرت میں ان کے اعمالِ حسنہ کا

اُن کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا صلہ ان کو عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں عملِ صالح والی زندگی پر جس "حیوٰۃ طیبہ" کا وعدہ کیا گیا ہو اس کا تعلق اسی دُنیا سے ہے، وہ اللہ کی محبت و محبوبیت، سکینت و طمانیت اور مخلوق کی مقبولیت کی وہی زندگی ہو جس کا ابھی اُدھر ذکر کیا گیا، اور بلاشبہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت اور سب سے بڑی لذت ہو۔

دُنیا میں یہ "حیوٰۃ طیبہ" ملنا تو ایمان اور عملِ صالح والی زندگی کا وہ صلہ ہو جس سے ہر وہ فرد نوازا جاتا ہے جو ایمان و عملِ صالح کی شرط کو پورا کرے۔ خواہ مرد ہو یا عورت! ــــــ اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا انعام اور صلہ اس دُنیا میں ایمان اور عملِ صالح کی زندگی رکھنے والوں کو یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کا انتظام اُن کے سپرد کر دیتا ہے، اور نظم و نسق ان کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے، جس کے بعد وہ اللہ کی زمین کا انتظام اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اور اس انتظام میں وہ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ انعام اور صلہ انفرادی نہیں، بلکہ اجتماعی ہو، یعنی ہر فرد کو اس کے ایمان اور عملِ صالح پر یہ صلہ نہیں دیا جاتا، بلکہ اگر کوئی قوم اور جماعت ایمان اور عملِ صالح والی زندگی کو اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس قوم اور جماعت کو اس نعمت سے نوازتے ہیں۔

ایمان اور عملِ صالح کے اسی انعام کا وعدہ سورۂ نور میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہو

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص (النور ع ۶)	اللہ کا وعدہ ہو ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عملِ صالح والی زندگی اختیار کریں کہ ان کو ضرور منتظم اور خلیفہ بنائے گا زمین کا جیسا کہ ان سے پہلے گزشتہ اُمتوں کے مومنین صالحین کو خلیفہ بنایا تھا...........

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ اور اس کا ازلی قانون ہو کہ اگر دنیا میں ایمان اور عملِ صالح کی زندگی رکھنے والی اُمّت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کے انتظام حکومت کے لیے اُسی کا انتخاب کرتا ہو، اور اُسی کو اپنی خلافت و نیابت دیتا ہے، یہ آیت بتاتی ہو کہ نزولِ قرآن سے پہلے زمانوں میں بھی یہی ہوا اور نزولِ قرآن کے بعد کے دَور کے لیے بھی یہی وعدۂ الٰہی اور دستور خداوندی ہے، سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں اسی خداوندی دستور کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ	اور ہم لکھ چکے زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے اور

الصّٰلِحُوْنَ ۔ (الانبیاء ع ۷) اُس کا انتظام کرینگے میرے صالح بندے۔

ضروری انتباہ ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ دنیا میں حکومت صرف صالحین کو ملتی ہو اور کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا اس کے صالح ہونے کی نشانی ہو بڑی گھٹیا درجہ کی غلط فہمی ہے، اِن آیات کا مفاد جیسا کہ ادھر ہم نے بتلایا صرف یہ ہو کہ جب دُنیا میں ایمان اور عمل صالح رکھنے والی کوئی اُمّت اور جماعت موجود ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید اور نصرت سے زمین کا اقتدار و انتظام اور اُس کی خلافت اُس کے سپرد کردے گا' اور یہ اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام اور مزید ترقیات کا باعث ہوگا۔

مَعَارِفُ الحَدِیْث

(بقیہ صفحہ ۲۴)

کریں)، پس یہی ان کی نیت ہے، اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو ان کی بُری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا جو تیسرے قسم کے لوگوں کو اُن کے برے اعمال کا گناہ ہوگا)

(ترمذی)

تشریح) حدیث کے نفس مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کردی گئی ہو۔ البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے اور جو گویا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق اور اپنی طرف سے اس کے کرگزرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اس درجہ کی ہوگی تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

اگر حسن عمل کی توفیق ہو تو دنیا کی زندگی بڑی نعمت ہے

(۷۲) عَنْ اَبِی بَکْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ ـــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) ابوبکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال اچھے رہے ـــــ پھر اسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بُرا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اس کے بُرے رہے ـــــــــ (مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمال صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اسی قدر اس کے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جس کے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۷۳) عَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوْا

دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ صَلٰوتُهٗ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔

——————— (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(ترجمہ) عبید بن داؤد سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ (یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریب ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہو گئے) پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی) انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لیے یہ دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب و رضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے) اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہونچا کے) اپنے اُس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کر دے (تاکہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) ——— یہ جواب سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمال خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کیے۔ یا آپ نے یوں فرمایا کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے ——— (راوی کو شک ہو کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ——— ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہو جتنا کہ زمین آسمان کے درمیان فاصلہ ہو ——— (ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ

اپنے فضل وکرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ کر دے ـــــــ حالانکہ بعد میں مرنے والے اس بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے اور جو دوسرے اعمال خیر کیے، تمھیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمال خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہو، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے ـــــــ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہ خدا کے سپاہی اور جہاد کے لیے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے، اس لیے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقام شہادت پر بھی فائز ہوئے اور بعد کے نماز روزہ وغیرہ اعمال خیر نے ان کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین وآسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا۔

(۷۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِي عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفِيْنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا، فَكَانُوْا عِنْدَهُ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ اَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْاٰخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَاَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَاَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ اَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتُشْهِدَ اٰخِرًا يَلِيْهِ وَاَوَّلُهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِيْ مِنْ ذَالِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَالِكَ فَقَالَ وَمَا اَنْكَرْتَ مِنْ ذَالِكَ؟ لَيْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْاِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ ـــــــ (رواہ احمد)

(ترجمہ) عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی عُذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (اور حضور کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا کہ ان نومسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ یہ تینوں ان کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لیے روانہ فرمایا تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے۔ اور وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے، پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے ان کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔

(حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں ان تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے وہ سب سے آگے ہیں۔ اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہو گا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہو، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہیے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہی ہونا چاہیے کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان و اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر)، اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(تشریح) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہو اُسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لیے بڑا سبق ہو۔ جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز روزہ ذکر و تلاوت وغیرہ اعمال خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ

دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہو وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ ویحسبون انھم یحسنون صنعاً۔

(۷۵) عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ ــــــــ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) شداد بن اوس سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہوشیار اور توانا وہ ہو جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لیے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کیلئے) عمل کرے اور نادان و ناتوان وہ ہو جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کردے، (اور بجائے احکامِ خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

(تشریح) دنیا میں کیس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہو جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کچا چلنے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتوان وہ سمجھا جاتا ہو جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو، اور اہلِ دنیا جو اس دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہیے ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے، بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہو اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کے لیے ہو جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزاریں، اس لیے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنھوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہو ــــ اور اس کے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہو کہ انھوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا دیا ہو، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش اکم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں کہ جو حقیقی اور دائمی زندگی آنے والی ہے

اُن کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات کو نہیں سمجھتے کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو	از مکافاتِ عمل غافل مشو

(۷۶) عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ فَاِنَّہٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَۃٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَۃً صَبَرَ عَلَیْھَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِھَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْہُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَعِلْمًا فَھُوَ یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَیَصِلُ رَحِمَہٗ وَیَعْلَمُ لِلّٰہِ فِیْہِ بِحَقٍّ فَھٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ مَالًا فَھُوَ صَادِقُ النِّیَّۃِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُھُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ عِلْمًا فَھُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِہٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَلَا یَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَلَا یَعْلَمُ فِیْہِ بِحَقٍّ فَھٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَھُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْہِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَھُوَ نِیَّتُہٗ وَوِزْرُھُمَا سَوَاءٌ۔	(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) ابوکبشہ انماری سے روایت ہو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لیجیو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں اُن میں سے ایک تو یہ ہو کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی۔ اور جس خدا کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا وہ اپنے خزانۂ غیب سے اسکو دیتا رہے گا) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے

عوض بڑھادے گا اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے اور اس کو ستایا جائے اور وہ بندہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کی عزت و رفعت دُنیا میں بھی بڑھائے گا) اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ فقر و محتاجی اس پر مسلط ہوگی) گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں، اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمھیں یاد کرلینا اور یاد رکھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لیے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں) — ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ صلہ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک اور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہیے اللہ کی رضا کے ساتھ وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں، اور (دوسری قسم) وہ بندے ہیں جنکو اللہ نے صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے لیکن ان کو مال نہیں دیا، پس ان کی نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے وہ بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے ان لوگوں کو حسن نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا) اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا اور اس کے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ اور خدا سے بے خوف ہوکر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے ذریعہ صلہ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہیے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح اور اسی کے طریقہ پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی

اسلام میں نبوت کا تصور

(از، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی، ایچ، ڈی)

دوسری اور آخری قسط

(۳)

اسلام سے قبل ولایت اور نبوت کے آلۂ شفاعت ہونے کا ایک بہت غلط تصور پھیلا ہوا تھا۔ اس کا خاص سبب یہ خیال تھا کہ جو نسبت ایک مطلق العنان بادشاہ اور اس کی رعایا کے درمیان ہوتی ہو کم و بیش وہی خدا اور اس کے بندوں کے درمیان بھی ہو اور جس طرح ایسے بادشاہوں کے دربار میں مقربوں اور سفارشیوں کے بغیر رسائی نہیں ہوسکتی اسی طرح بارگاہ خداوندی میں بھی درمیانی وسائل کے بغیر شنوائی ہونا محال ہو یہ درمیانی وسائل ان لوگوں کے نزدیک دیوی، دیوتا، پیغمبر اور راہب وغیرہ تھے۔ اس لیے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے اور کہتے تھے :۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (القرآن زمر) — "ہم ان کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ کا تقرب حاصل کرا دیں"

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس) — "یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں"

طبیعتیں جب انسانوں میں خدائی اوصاف دیکھنے کی عادی ہوجاتی ہیں تو وہ خدا کا اندازہ بھی انسانی عادات و اطوار پر لگانے لگتی ہیں۔ لوگ ظاہر پر غیب کو قیاس کر لیتے ہیں اور دنیاوی تجربات کی بنا پر خدائی معاملات کی بابت بھی فیصلے کرنے لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان خود فریبی کی حد تک آسان پسند ہو۔ وہ دشوار مگر صحیح کے مقابلہ میں آسان مگر غلط کی طرف جلد مائل ہوجاتا ہو چنانچہ

دے آخرت کے خوف سے چھٹکارہ پانے کا یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ اپنے دینی رہنماؤں کی سفارش و شفاعت پر کلی تکیہ کرلے۔

عیسائیوں میں آج بھی کفارہ کا عقیدہ عام ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اس پر بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف دو عیسائی مفکرین ہی کی رائیں نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

سر آرتھر کینن ڈائل نے لکھا ہے کہ :-

"کسی کافر تر نے بھی اس سے زیادہ بھونڈی بات نہیں اختراع کی کہ انسان موروثی گناہ کا داغ لے کر پیدا ہوتا تھا جس کے لیے وہ بذات خود ذمہ دار نہ تھا اور جس کے لیے کفارہ کی ضرورت تھی اور رب العالمین کو مجبوراً اپنے بے گناہ بیٹے کی زندگی جان قربان کرنا پڑی تاکہ اس پر اسرار لعنت کے اثر کو زائل کیا جاسکے۔"[1]

اور ربیکا وسٹ کا قول ہے کہ

"میرے نزدیک کفارہ کا عقیدہ مہمل ہے۔"[2]

اب کفارہ اور شفاعت کے اس عقیدہ کے متعلق قرآنی بیانات ملاحظہ ہوں :-

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ (زخرف)	"یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں مگر وہ جس نے شہادت دی حق کی۔
وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا (نجم)	"اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ نہیں پہونچاتی۔"
أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ (زمر)	"کیا ان کافروں نے غیر اللہ کو شفیع بنایا ہے؟ کہہ دے کہ اگر یہ کچھ اختیار اور سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی (شفیع بننے کے قابل ہیں)؟"

قیامت کے دن جب سارے پردے اٹھ جائیں گے تو ان کی مایوسی اور سراسیمگی دیکھنے کے

[1] ڈیلی اکسپریس مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۲ء (ماخوذ از ہیڈ پرانٹ۔ دیباچہ) [2] ایضاً

قابل ہوگی جو خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنی شفاعت کا ضامن سمجھے بیٹھے تھے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَٰٓؤُا وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝ (روم)	"اور جب قیامت قائم ہوگی تو مشرکین مایوس ہو کر رہ جاویں گے اور جن کو وہ خدا کا شریک کار بتاتے تھے ان میں سے کوئی ان کا شفیع نہ ہوگا" اور یہ انکار کریں گے ان شرکا سے۔
خاص کر یہودیوں کو ڈرایا گیا کہ:- وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ (بقرہ)	"اے بنی اسرائیل .... ڈرو اس دن سے جس میں کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ قبول ہوگا اور نہ شفاعت فائدہ دے گی"

اور عیسائیوں کو جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ مسیح کے جانشینوں یعنی پوپوں اور پادریوں کے سامنے اعتراف گناہ کرنے سے مغفرت ہو جاتی ہو سمجھایا گیا کہ:-

وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران)	"(اور) خدا کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہو"

ان کے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے کہ" روز قیامت خدا کا بیٹا یعنی مسیح خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ کے عدل و انصاف کرے گا" بتایا گیا کہ واقعہ یوں ہوگا کہ خدا حضرت عیسیٰ سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی؟ ———— اور وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار! میں نے تو ان کو وہی ہدایت دی تھی جس کا تو نے حکم دیا تھا۔ اب

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (مائدہ)	"اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو (تو سب کچھ کر سکتا ہو کہ) تو غالب اور حکمت والا ہو"

الغرض اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مغفرت کا معاملہ بس خدا کے ہاتھ ہے۔ کوئی دوسرا اس میں دخیل نہیں۔ انبیاء کی شفاعت کا یہ خود مختارانہ تصور اور عقیدہ باطل ہے۔ خدا جسے چاہے گا اپنی رحمت سے نوازے گا، اور جسے چاہے گا اُسے سزا دے گا۔ البتہ اس کی اجازت اور رضامندی سے اس کے رسول اور صالحین دوسروں کے حق میں شفاعت کر سکیں گے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (یونس) — "خدا کے بارگاہ میں کوئی شفیع نہیں لیکن اس کی اجازت کے بعد۔"

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (بقرہ) — "وہ کون ہے جو خدا کے سامنے کسی کی شفاعت کر سکے، لیکن اس کی اجازت سے۔"

اور یہ شفاعت بھی ہر شخص کے لئے نہ ہو سکے گی۔ صرف وہی اس سے فیض یاب ہوں گے جن کو خدا چاہے گا۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (انبیاء) — "اور وہ شفاعت نہیں کریں گے علاوہ اس کے جس کے لیے خدا اپنی خوشنودی ظاہر کرے اور وہ اس کے خوف سے ترساں ہوں گے۔"

اور جن کا جرم خدا کے نزدیک ناقابل معافی ہو گا ان کے حق میں کسی کی بھی دعا یا سفارش کارگر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بعض منافقین کے لیے آپ کے دعاء مغفرت کی تو جواب ملا

اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (توبہ) — "تم ان کی مغفرت چاہو یا نہ چاہو اگر تم ان کے لیے ستر دفعہ بھی مغفرت چاہو گے تو خدا ان کی مغفرت نہ کرے گا۔"

تکرار قرآن کا ایک خاص اسلوب ہے۔ شفاعت کے مسئلہ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر بار بار اور طرح طرح سے روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے بعد کسی طرح کی غلط فہمی میں گرفتار نہ ہو سکے۔

ہر شخص کو اپنے اعزا اور احباب کی فلاح محبوب ہوتی ہے۔ حضور کو بھی فطرتاً اپنے اعزا کی

مغفرت کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعض ایسے قریبی عزیزوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا چاہی جن کو اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی تھی تو آپ کو اس کی اجازت نہیں ملی[1]

نیز اسی خیال سے کہ آپ کے اقربا، شرف قرابت کی وجہ سے خوف آخرت سے غافل نہ ہو جائیں آپ نے ان کو جمع کر کے نصیحت فرمائی کہ "اے قریشیو! اے اولاد عبدالمطلب (آپ کے دادا)! اے عباس (آپ کے چچا)! اے صفیہ (آپ کی پھوپھی)! اے فاطمہ (آپ کی صاحبزادی) میرے مال سے جو مانگو میں دے سکتا ہوں لیکن خدا کے یہاں میں تمھارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا[2]

نیز اپنے بارہ میں بھی فرماتے تھے کہ:-

"میں پیغمبر ہو کے بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا"[3]

(۴)
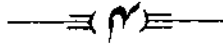
مختلف انبیا اپنے ساتھ اُصول دین کے علاوہ شریعتیں بھی لاتے تھے۔ اصول دین کا تعلق خدا کی ہستی، اس کی توحید، اس کی صفات کاملہ، اس کی خالص عبادت، رسولوں کی بعثت، یوم آخر، اچھے اور بُرے اعمال کی بازپرس اور جزا و سزا، جیسے بنیادی اور اصولی امور سے ہے۔ اور شرع کے معنی راستہ کے ہیں یہ اصول دین کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت کی چیز ہے اور اصل مقصد نہیں بلکہ ذریعہ ہے۔

سارے پیغمبر ایک ہی خدا کے فرستادہ ہونے کے باعث اصولاً ایک ہی پیغام لے کر آتے تھے، یعنی اصولی طور پر ان سب کی ایک ہی دعوت تھی اور سب کا ایک ہی دعویٰ تھا۔ چنانچہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد علیہ السلام تک جتنے سچے مذہب خدا کی طرف سے آئے وہ سب ایک تھے اور اسلام اُسی ایک مذہب کا نام ہے۔ جو اختلاف ان مذاہب میں بعد میں پیدا ہوا وہ دراصل خود انسانوں کا پیدا کیا ہوا ہے جن کے نسیان و تغافل اور تصرف و تحریف نے دین اور اس کے ساتھ انسانیت کے ٹکڑے کر ڈالے ہیں اور خدا کی بہترین مخلوق کو بے شمار فرقوں اور گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ　　اس نے متعین کر دی ہے تمھارے لیے دین

---

[1] مسلم۔ کتاب الجنائز [2] بخاری [3] بخاری۔

بہٖ نُوحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی الآیۃ (شوریٰ)

کی وہی راہ جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور جس کی ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔ الخ

مگر جزئیات احکام یعنی شرع یا منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ ہر مذہب اور قوم کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتا رہتا تھا۔ گویا ایک ہی روشنی مختلف محفلوں میں وقت اور شرکائے محفل کے تقاضہ اور مذاق کے اعتبار سے مختلف قندیلوں میں ڈھل کر آتی تھی۔

لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا۔ (مائدہ)

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور العمل اور ایک راستہ بنا دیا۔"

اس آیت سے ایک طرف یہ واضح ہوتا ہو کہ راستوں کا اختلاف منزل کے مختلف ہونے کی دلیل نہیں ہو اور دوسری طرف یہ کہ شرعی احکام و قوانین کے اختلافات بھی خدا ہی کی طرف سے تھے اور ان میں انبیاء کی رائے یا پسند کو دخل نہ تھا*، انبیاء صرف شارح تھے شارع نہیں۔ ان کا منصب اور کام خدا کے قانون کی تشریح اور وضاحت اور اس قانون کی روشنی میں لوگوں کے دلوں میں خوفِ خدا پیدا کرنا تھا، قانون وضع کرنا نہیں۔

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (مائدہ)

"ہمارے رسول پر صرف پیغام پہونچا دینا ہے۔"

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ (رعد)

"(اے رسول) تو تو صرف ڈرانے والا ہی۔"

۵

بحث کا لبّ لباب یہ ہو کہ انبیاء نہ خدا تھے، نہ خدا کے بیٹے، نہ خدا کے اوتار، نہ خدا کے شریک نہ اس کے ہم پلہ و ہمسر اور نہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح خدا سے کشتی ہی لڑتے تھے[1]

انبیاء خدا کے بندے اور اس کے عبد تھے۔ ہماری ہی طرح ایک بشر لیکن پاک و صاف، برگزیدہ

* — اور اگر اس نے تو تم سب کیلئے ایک ہی دستور العمل بنا دیا ہوتا، یہ اس کا حق تھا

[1] توراۃ (آیت ۲۴ تا ۲۹) میں حضرت یعقوب کا خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہو۔

معصوم۔ خدا فتنہ اور شر سے ان کی حفاظت کرتا تھا، ان پر اپنے احکام نازل فرماتا اور وہ ان احکام کو قول سے اور عمل سے دوسرے انسانوں تک پہونچاتے تھے۔ ان سب کا دین واحد تھا اگرچہ شریعتیں مختلف تھیں۔

خدا کے پیغام میں تبدیلی یا اضافہ کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا اور نہ وہ اپنی یا کسی اور کی بابت اس کے یہاں کوئی طاقت ہی رکھتے تھے۔ خدا کی مرضی، اس کی عادت وسنت اور اس کے حکم کے سامنے وہ ایسے ہی بے دست وپا تھے جیسے کہ ہم اور آپ۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صداقتوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسا جذب کر لیا تھا اور اپنے وجود کو اس کامیابی کے ساتھ اس تعلیم کی جیتی جاگتی تصویر بنا لیا تھا کہ جبکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے القاب سے مشہور ہوئے آپکا مستقل لقب ہی عبداللہ پڑ گیا۔

یہ معتدل اور متوازن تعلیم انسانوں کے حق میں کتنی مبارک ثابت ہوئی اور ان میں حق پرستی، حریت فکر اور خود اعتمادی کی اعلیٰ صلاحیتوں کی افزائش میں اس سے کیا مدد ملی اس کا اندازہ اس خطبہ سے ہوتا ہے جو خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر دیا تھا[1]

مَن کان یَعْبُدُ محمداً فانَّ	(اے لوگو) جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت
محمداً قد مَاتَ ومَن کَانَ	کرتا تھا اسکو معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد کا انتقال
یَعْبُدُ اللہ فان اللہَ حَیٌّ	ہو گیا ہے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ
لا یموت ــــ وما محمدٌ الّا	بے شک زندہ ہے اسکو کبھی موت نہیں (اللہ تعالیٰ
رسولٌ قد خَلَتْ من قبلِہٖ	فرما چکا ہے کہ) محمد صرف رسول ہی تو ہیں (اور)
الرُّسُل أفان مات او قُتِلَ	ان سے پہلے کتنے ہی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر
انْقَلَبْتُم علیٰ اَعْقَابِکُم ومَنْ	وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں
یَنْقَلِبْ علیٰ عَقِبَیْہِ فَلَنْ	پھر جاؤ گے؟ اور (یاد رکھو) جو کوئی ایسا کریگا
یَضُرَّ اللہَ شیئاً وسیَجْزِی	وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا، اور اللہ ان لوگوں
اللہُ الشاکرین ○	کو عنقریب اچھا صلہ دیگا جو شاکر رہیں گے۔

[1] بخاری، باب مرض النبی۔

"هادم اللذات"

ایک سیاسی قوال کا عبرتناک عروج و زوال

(۳)

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مد ظلہ العالی)

"کچھ مہینے سے زیادہ مدت گذر گئی" "ہادم اللذات" کی کہانیاں سنانے والا اس عرصہ میں خود اسی "ہادم اللذات" کی پرچھائیوں کے نیچے آگیا، لیکن بقول اکبر مرحوم

کمزور رہی میری صحت بھی، کمزور رہی میری بیماری
اچھا جو رہا کچھ کر نہ سکا، بیمار پڑا تو مر نہ سکا

کچھ نہیں معلوم کہ مہلت جو ملی ہے اس کی مدت بھی کتنی ہے قل ان الموت الذی تفرون منہ فانہ ملاقیکم ——— مدیر "الفرقان" کا اصرار ہے کہ

جب تک بس چل سکے ساغر چلے

بحول اللہ وقوتہ ساغر کو پھر ہاتھ میں اٹھا لیتا ہوں، جو پینا چاہتے ہیں ان کے لیے "صلائے عام" ہے، انسانی زندگی کے چند لازوال زندہ حقائق جن کا شعور عہد حاضر کے قلوب میں مردہ کہیے یا پژمردہ ہو کر رہ گیا ہے، اسی شعور کا جگانا، اس جھنجھوڑنے سے مقصود ہو۔ تاریخ[1] کی صرف نقاب چہرے پر چڑھالی گئی ہو، اکبر مرحوم ہی کے مشہور شعر کو بادنیٰ تصرف یوں پڑھ لیجئے

سرد موسم ہے ہوائیں چل رہی ہیں برفبار
شاہد معنی نے یوں اوڑھا ہو تاریخی لحاف

---

[1] ہمارے مخدوم و محترم رفیق الجامعۃ العثمانیہ مولانا شاہ عبد الباری الندوی مد ظلہ العالی نے ان چند سیاسی نظریات کو پڑھ کر جن کا انتساب خاندان کی طرف کیا گیا تھا، فقیر کو ارقام فرمایا کہ گڑی ہڈیوں کے اکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ بلکہ دوسرے مورخین کے ساتھ (بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

کسی نئی داستان کے چھیڑنے سے پہلے مناسب ہو کہ نامکمل قصہ ہی کو پورا کر لیا جائے، قصہ دمشق کی مروانی حکومت کے ایک گورنر (والی) خالد بن عبداللہ القسری کے عروج و زوال کا سنا رہا تھا، ہشام بن عبدالملک نے اپنے عہد خلافت میں خالد کو اس علاقہ کا حاکم و والی بنا دیا تھا جس پر حکمرانی کرنے والے ایرانیوں کے عہد میں "کسریٰ" کے لقب سے ملقب ہو جاتے تھے۔ خالد ایک یمنی الاصل عرب تھا، ایک زمانہ اس پر وہ بھی گذرا تھا خود کہتا تھا کہ اس کا بیٹا ایک ایک درم کے لیے ترستا تھا، اسی خالد کے سامنے پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ محل کے چہ بچے میں انگوٹھی گر گئی جس پر بیس ہزار درم کا نگینہ جڑا ہوا تھا، انگوٹھی چہ بچے سے نکالی گئی لیکن یمنی شریف باندی رائقہ نامی کو اس لیے استعمال کرنے کی اجازت خالد نے نہ دی کہ "گندے چہ بچے سے نکالی ہوئی انگوٹھی اس کی نازک انگلیوں سے مس نہیں ہو سکتی۔"

مناظر احسن گیلانی

چودہ سال کی مدت گزر چکی تھی، پندرھواں سال بھی قریب تھا کہ پورا ہو جائے، کل چند مہینے باقی تھے کہ وہی خالد بن عبداللہ القسری جو مروانی حکومت کے ایرانی بلکہ تورانی مقبوضات کا بھی مطلق العنان حاکم بنا ہوا تھا، لے رہا تھا اور دے رہا تھا، کوفہ کے تجار اور کاروباری لوگوں کے محافظ خانوں میں کہیے، یا بینکوں میں، خالد کے مقرر کردہ حکام و ولاۃ لاکھوں لاکھ کی رقمیں جمع کیے ہوئے تھے۔[1]

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اپنی ذمہ داریوں کو کیوں بڑھاتے ہو۔ مولانا نے اپنی اس تنبیہ سے چونکانے والے ہی کو چونکا دیا، یقیناً ایک پہلو اس قسم کے مضامین کے متعلق یہ بھی پیدا ہوتا ہے، مولانا کو لکھ بھی دیا تھا کہ آئندہ انشاء اللہ احتیاط سے کام لوں گا۔ یاد آتا ہے کہ خالد والے مضمون کی تکمیل کی اجازت بھی لے لی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخی واقعات جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں ان کی واقعیت پر اصرار کرنے والوں پر تو شاید ذمہ داری عاید ہو سکتی ہو، لیکن کفر کی نقل بھی جب جاعاً کفر نہیں ہے تو فاقصص القصص لعلہم یتفکرون کے قرآنی حکم کی تعمیل پیش نظر رکھتے ہوئے مرے ہوئے لوگوں کے مردہ نظریات و خیالات کو ان لوگوں کو اگر یاد دلایا جائے جو ان خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں کہ ان کی نئی زندگی ان کے نئے زندہ افکار و انظار سے پیدا ہوئی ہے، تو تفکر اور عبرت آفرینی کے لیے ان قصہ خوانیوں کی اجازت کیوں نہیں دی جا سکتی، غیر تاریخی قصوں اور کہانیوں تک کو اسلاف جب نیک مقاصد میں مسلسل استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں تو جن روایات کا واقعات سے تعلق ہے ہم ان سے بھی آخر کیوں نہ فائدہ اٹھائیں۔ وانما الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی۔ ۱۲

[1] طبری ص ۱۵۲ ج ۸ میں خالد کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

خالد کا حقیقی بھائی اسد بن عبداللہ بھائی کا نائب بن کر خراسان میں جس شان سے گورنری کر رہا تھا، اس کا حال سنا ہی چکا ہوں، نوروز کے جشنوں میں جو تحفے تحائف خراسانی زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرف سے پیش ہوتے تھے، ابن عساکر کے حوالے سے اس کی فہرست بھی پیش ہو چکی ہے، خالد کے صرف ایک ایک لڑکے کی سالانہ آمدنی میں طین درم سے بھی متجاوز ہو چکی تھی۔ کوفہ میں دریائے فرات پر جو جسر (پل) بنا ہوا تھا، اسی پل کے پاس خالد کے دوسرے بھائی اسماعیل بن عبداللہ کا مشہور محل تیار ہوا تھا، الغرض اسلیجاب (ترکی سرحد) سے عبرشک خالد اور خالد کے حوالی و موالی جو کچھ بھی کرنا چاہتے تھے کر رہے تھے، کوئی بھی ان کا نہ روکنے والا تھا اور نہ ٹوکنے والا، تبوء فی الارض (زمین میں ٹھکانا بنانے) کی اس نعمت سے سرفراز تھے، خالد کے مصارف کا حال یہ تھا کہ سرکاری خراج جسے شاہی خزانہ عامرہ میں داخل کرنا اس کا فرض تھا، خود اسی کا بیان طبری نے نقل کیا ہے کہ پوچھنے والے نے اس سے جب پوچھا کہ سرکاری مالیات کے سلسلہ میں بقایا کی کتنی رقم آپ کے ذمہ واجب الادا ہے، تو اس نے کہا کہ

ماۃ الف الف　　(صفحہ ۲۵۳ ج ۸)　　یعنی ایک سو طین درم

مگر باوجود اس کے ہشام بن عبدالملک جو اپنی مالی سخت گیری میں مشہور تھا، اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کر رہا تھا، چند سال سے بقایا کی یہ رقمیں خالد کے ذمہ چڑھتی جا رہی تھیں، لوگ حیران تھے اور اس تماشہ کو دیکھ رہے تھے، خالد بھی مطمئن تھا، کسی کو خطرہ بھی اس کا نہ تھا کہ کم از کم ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت تک خالد کا کوئی بال بھی بیکا کر سکے گا،

لیکن وہی آسمان تھا، وہی زمین تھی، وہی ہشام تھا وہی خالد تھا، ہر نیا دن نئی کامیابیوں کے ساتھ اس پر سے گزرتے ہوئے آسائش و آرام سے بھری ہوئی نئی نویلی راتوں کی گود میں اس کو سلاتا چلا آرہا تھا کہ پہلی دفعہ جیسا کہ طبری وغیرہ کا بیان ہے، ہشام کے عطر خانہ کے داروغہ حسان نبطی نے ٹھیک اس وقت جب عطر کا ایک نیا "امیزہ" تیار کر کے ہشام کے سامنے حاضر ہوا تو سنا کہ خلیفہ زیر لب گنگنا رہا ہے۔

امرتک امرا جازما فعصیتنی　　فاصبحت مسلوب الامارۃ نادماً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عامل طارق سعید بن راشد الزہری ابان بن الولید کے اعترافات نقل کیے ہیں کہ نجاح ابی الکوفہ کے پاس الولید سے بعضوں نے چالیس طین، بعضوں نے بیس بیس طین اور اس قبیل بیش قرار رقوم جمع کرائے ہیں۔ ۱۲

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "مجھے میں نے ایک قطعی حکم دیا لیکن تو اسے بجا نہ لایا، بس امارت (گورنری) سے بصد ندامت تو محروم ہو گیا۔" حسان نبطی کے کان تو کھڑے ہوئے۔ اتنی بات تو سمجھ میں آگئی ہوگی، کہ کسی صاحب امارت والی کی شاید شامت آگئی، لیکن خطاب کا رُخ کس کی طرف ہو؟ خود بھی اس کو سمجھ نہ سکا، اور خلیفہ سے پوچھنے کی بھلا وہ غریب کیا ہمت کر سکتا تھا، مگر اسی کے ساتھ جب ہشام نے اپنے داروغہ عطر خانہ سے یہ دریافت کیا کہ "یمن سے چل کر آدمی عراق کتنے دن میں پہونچتا ہے"۔ جس کے جواب میں گو حسان نے لاعلمی کا اظہار کیا، لیکن پرانا درباری آدمی تھا، جو واقعہ پیش آنے والا تھا، اس کی نوعیت اس پر واضح ہو گئی، تاہم راز کی بات تھی، دوسروں پر ابھی اس نے ظاہر بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک ملک کے طول و عرض میں یہ خبر پھیل گئی کہ

"خلیفہ وقت ہشام نے خالد بن عبداللہ القسری کو عراق کی گورنری سے معزول کر کے یمن کے والی (گورنر) یوسف بن عمرو کا تقرر کر دیا ہے۔"

اچانک راز پردے سے باہر ہو گیا، خالد اس زمانہ میں دورے پر تھا، کوفہ کا دارالامارت خالی تھا ہشام نے کچھ ایسے رازدارانہ طور پر یوسف کا تقرر کیا تھا کہ کوفہ پہونچنے کے بعد خالد کو یہ خبر اس وقت ملی جب وہ اپنے معزمنہ علاقہ کے مشہور تعمیر شہر واسط میں ٹھہرا ہوا تھا، جہاں "القبۃ الخضراء" نامی دارالامارہ حجاج کا بنایا ہوا تھا، اور ولاۃ و امراء اسی میں ٹھہرا کرتے تھے، وہی "القبۃ الخضراء" جس کے متعلق جی، بی اسٹیرینج نے لکھا ہو کہ

"اس محل کا عالیشان گنبد تھا جس پر کھڑے ہو کر سات فرسخ (اکیس میل) پرے شمال کی طرف نم الصلح کا شہر دکھائی دیتا تھا۔" (ص ۳۳ جغرافیہ خلافت مشرقی)

لیکن اسی گنبد والے ایوان میں خالد جو مقیم تھا، اس غریب پر اپنے سر کی پیشانی کا نوشتہ بھی اس وقت تک مخفی رہا، جب تک کہ کوفہ سے آنے والے اس کے بعض عمال نے اس انقلاب حکومت سے اسے باخبر نہ کیا۔

کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ اپنے ماں جائے بھائی اسد بن عبداللہ والی خراسان کی موت کے حادثے سے اس کا قلب مجروح تھا، ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ ہوا تھا کہ اپنی موت کی تو نہیں لیکن اپنے جلال و اقبال کی موت کی خبر کا تیر بھی اس کے جگر میں ترازو ہو گیا، معزولی کی خبر سننے کے بعد واسط سے روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک یوسف بن عمرو جو اس کا جانشین مقرر ہوا تھا، ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے ساتھ خود واسط پہونچ

گیا، خالد گرفتار کر لیا گیا، پابزنجیر وہ کوفہ کے بالمقابل دریائے فرات کے پار جو حیرہ کا پرانا شہر تھا، وہیں لایا گیا یوسف اس کے ساتھ کچھ قدیم موروثی عداوت رکھتا تھا حیرہ لا کر اس نے قید کر دیا، اور ہشام سے اجازت طلب کی کہ سرکاری بقایا کے مطالبہ میں اس پر سختی کروں، ہشام نے شروع میں تو شرافت سے کام لیا لیکن بار بار یوسف کے اصرار سے مجبور ہو کر اس نے لکھا کہ قتل کے سوا تیرے جو جی میں آئے خالد کے ساتھ برتاؤ کر سکتا ہے۔ لکھا ہے کہ وہی حیرہ جس کے قدیم تاریخی قصور خورنق[۵] اور سدیر خالد کی سیرگاہیں تھیں، اسی حیرہ میں ایک بلند چبوترے پر خالد باندھ کر ڈال دیا گیا تھا، لوگوں کا ہجوم تھا، ظالم یوسف بن عمر وکوڑے سے خالد کو پٹوا رہا تھا، اور خالد گردش ایام کے ان تماشوں کو سکوت اور خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا، یوسف غالباً چاہتا تھا کہ معذرت خواہ ہوتے ہوئے خالد اس کے قدموں پر جھک جائے، لیکن عربی کردار کا خالد ایک مثالی نمونہ تھا، پٹ رہا تھا، پٹوایا جا رہا تھا، طبری میں ہے۔

فلم یکلمہ واحدۃ۔ ج۹ ایک لفظ بھی تو خالد کی زبان سے نہ نکلا۔

ہاں! غصہ میں یوسف نے خالد کے نسب پر حملہ کرتے ہوئے ایک ایسا فقرہ کہا کہ خالد تلملا گیا۔ اور صرف یہ کہتے ہوئے کہ

'او شراب فروش کے بچے، تیرا باپ شراب فروش ہونے کے سوا اور کچھ بھی تھا؟[۶]

بجائے جھکنے کے خالد کی یہ سرکشی یوسف کے لیے اس حد تک ناقابل برداشت تھی، کہ غریب خالد کا شاید حیرہ کے اسی چبوترے پر کام تمام کر دیتا، لیکن اس کو معلوم تھا کہ ہشام کی طرف سے ایک جاسوس بھی اس کی نگرانی کرنے کے لیے آیا ہوا ہو جسے ہشام نے حکم دے رکھا تھا کہ اسی وقت تم یوسف ہی کو قتل کر دینا، اگر خالد کے ختم کرنے کا وہ ارادہ کرے۔ اسی لیے اس وقت تو معاملہ صرف تازیانہ بازی ہی کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہو کہ علاوہ پرانی موروثی عداوتوں کے خالد کی اس آن بان، استغنا اور بے نیازی کی اداؤں نے یوسف کے دل میں انتقام کی انگیٹھی بلکہ شاید الاؤ ہی جوڑ دیا، وہ خالد اور خالد کے خاندان کے

---

۵ عراق کی مشہور تاریخی عمارتوں کا نام ہے، ایام جاہلیت کے شعراء کے کلام میں ان کا بہت چرچا پایا جاتا ہو۔ ۱۲

۶ یوسف طائف کے قبیلہ بنی ثقیف سے تعلق رکھتا تھا، طائف میں بکثرت وسیع پیمانے پر انگور کی کاشت ہوتی تھی۔ اسی لیے متعدد بھٹیاں ایام جاہلیت میں وہاں قائم ہو گئی تھیں۔ ۱۲

ایک ایک فرد کو قتل کر کے انتقام کی اس آگ کو بجھانا چاہتا تھا، لکھا ہو کہ حیرہ کے قید خانے میں خالد کے ساتھ انکا بیٹا، بھائی اور بھتیجے سب ہی قید تھے، اٹھارہ مہینوں تک قید و بند کی زندگی حیرہ ہی میں ان کو گزارنی پڑی، آخر ہشام ہی کو رحم آگیا، دمشق سے فرمان یوسف کے نام جاری ہوا کہ خالد اور اس کے خاندان کے جو افراد حیرہ میں قید ہیں سب کو چھوڑ دیا جائے۔ یوسف ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن خلیفہ کے فرمان سے سرتابی کی بھی کوئی شکل نہ تھی، خالد اور اس کے خاندان کے لوگ چھوڑ دیئے گئے۔ خالد عراق سے بھاگ کر گرتے پڑتے شام پہونچ گیا، اور ہشام کی صحرائی قیام گاہ الرصافہ کے پاس آکر اس لیے ٹھہرا کہ پھر ہشام سے تعلقات کی تجدید کا موقعہ میسر آئے، مگر انتہائی کوششوں کے باوجود ہشام نے باریابی کا موقعہ نہ دیا، مایوس ہو کر خالد دمشق چلا گیا روم کی طرف موسم گرما میں جو فوج روانہ ہوئی تھی، اپنی وفاداری دکھانے کے لیے اس فوج میں اپنے خاندان کے نوجوانوں سمیت شریک بھی ہو گیا، لیکن بجائے فائدہ کے زمانہ ایک نئے فتنہ کے ساتھ خالد کے آگے کھڑا ہو گیا۔ قصہ تو طویل ہو، خلاصہ یہ ہو کہ خالد اور اس کے گھر کے نوجوان تو فوج میں تھے لیکن عورتیں بچے، غلاموں نوکروں چاکروں کے ساتھ دمشق ہی کے مکان میں مقیم تھے، شہر میں ایک نیا ہنگامہ برپا ہوا، لکھا ہو کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا کوئی گروہ تھا جو راتوں میں چھپ کر دمشق کے باشندوں کے گھروں میں پہلے تو آگ لگا دیتا، اور جب لوگ آگ بجھانے میں مشغول ہوتے تو ارباب ثروت و دولت کے جن گھروں کو لوٹنا مقصود ہوتا، ان ہی میں چوروں کا یہ گروہ داخل ہو جاتا، افراتفری کی صورتیں کچھ ایسی پیدا ہو جاتی تھیں کہ لوگ ان کو پکڑ بھی نہیں سکتے تھے پایہ تخت میں مسلسل چوری اور ڈاکے کے ان عجیب و غریب حوادث سے شہر والے بدحواس بنے ہوئے تھے، ہشام وقت کا حکمراں اس زمانہ میں اپنی اسی صحرائی قیام گاہ الرصافہ میں مقیم تھا، شہر کی نگرانی جس افسر کے سپرد تھی خالد سے وہ بھی للّٰہی بغض رکھتا تھا، یا اس کی گزشتہ ترقیوں سے حسد کرتا تھا، موقعہ کو غنیمت خیال کر کے اس نے یہ جعلی مقدمہ تصنیف کیا کہ خالد اپنے گھر کے جوانوں کے ساتھ خود تو فوج میں شریک ہو گیا ہے، لیکن ڈاکے اور چوری کے یہ سارے واردات شہر میں اسی کے اشارہ سے ہو رہے ہیں۔ یہ ساری کارروائی خالد کے نوکر چاکر، حوالی موالی انجام دے رہے ہیں، خالد کی مسرفانہ زندگی کو دیکھتے ہوئے اس الزام کا

---

۵ دمشق میں عموماً طاعون کی وبا پھوٹ پڑتی تھی، اس لیے مروانی حکمرانوں نے صحرائے شام کے بادیہ میں محلات تعمیر کیے تھے جہاں طاعون کے زمانہ میں بھاگ کر پناہ گزیں ہوتے تھے، اسی کا نام الرصافہ تھا۔

انتساب اس بے چارے کی طرف آسان تھا، گویا مافات کی تلافی کی ایک شکل اس نے یہ نکالی ہے، ہشام کو مسلسل عرائض کے ذریعہ سے یہی خبر دمشق کا نگراں کار افسر دیتا رہا، بالآخر وہ بھی متاثر ہوگیا، لکھا ہے کہ ہشام کا فرمان الرصافہ سے دمشق پہونچا کر

ان یحبس آل خالد الصغیر منہم	خالد کے گھر کے سارے لوگ چھوٹے ہوں
والکبیر وموالیہم والنساء	یا بڑے ان کے موالی موالی اور عورتوں
طبری ص	کو بھی گرفتار کرکے جیل میں دے دیا جائے۔

شاہی فرمان کی تعمیل میں دیر ہی کیا تھی، دمشق کے نگراں کار افسر کی تو یہی آرزو تھی، لکھا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ جیل میں

حبس ام جریر بنت خالد	قید کردی گئی خالد کی بیٹی ام جریر، اور (اس
والرائقۃ وجمیع النساء	کی شرعی باندی) رائقہ بھی ان کے سوا گھر
والصبیان۔	کی ساری عورتیں اور بچے بھی جیل بھیج دیے گئے۔

عورتوں کے سلسلے میں آپ دیکھ رہے ہیں، رائقہ کا نام بھی ہے، وہی رائقہ جس کی انگلیوں کے لیے چہ بچہ میں گر جانے کی وجہ سے بیس ہزار درم کے نگینہ والی انگوٹھی کا استعمال بھی باعث ننگ و عار تھا، آج وہی رائقہ بے چاری جیل میں سڑ رہی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ آتش زنی، چوری، اور ڈاکے کے سارے حوادث جن کو خواہ مخواہ خالد کے لوگوں کی طرف منسوب کیا جا رہا تھا، درحقیقت یہ ساری کارستانیاں عراق کے ایک مشہور ڈاکو ابو العمرس نامی اور اس کے رفقاء کی تھیں، ہشام کو ندامت ہوئی حکم دیا کہ خالد کے لوگوں کو جیل سے باہر نکال دیا جائے، اس عرصہ میں خالد بھی فوج سے دمشق واپس ہوا۔ لوگ ملنے کیلئے آئے، اس کی دو لڑکیاں زینب اور عاتکہ بھی پاس ہی بیٹھی تھیں، چاہا کہ پردے میں چلی جائیں، تو جھنجھلا کر خالد نے کہا کہ

مالهما تنحیان وهشام فی کل یوم	کس لیے یہ عورتیں ہٹتی ہیں، جب ہشام
لیسوقهن الی الحبس۔	(خلیفۂ وقت) انھیں روزانہ جیل خانے میں
(طبری ص)	گھسیٹ کر داخل کرتا رہتا ہے۔

الغرض چڑھائے اور گرائے جانے کے بعد اپنے گرنے اور گھٹنے کے ان دردناک تماشوں کو خالد بھی دیکھ رہا تھا۔
اس کے گھر کے لوگ بھی دیکھ رہے تھے، جو اتنا اونچا تھا کہ حکمرانِ وقت کے بعد سارے مروانی محروسہ میں خالد سے اونچا کسی کا سر نہ تھا، سالہا سال تک وہی ایران کا کسریٰ اور ترکستان کا خاقان بھی بنا رہا تھا، لیکن آج دمشق کی گلیوں میں وہی خالد کس مپرسوں کی زندگی بسر کر رہا ہو، لوگ حیران تھے کہ کمال کے بعد زوال کے ان عجیب و غریب نظاروں کے اسباب کیا تھے اور اس وقت تک اسلامی تاریخ کے فیل شناسوں کے لیے یہ ایک دلچسپ موضوع بنا ہوا ہو، ڈھونڈھنے والوں نے اسباب و علل کا انبار ہی کتابوں میں نقل کر دیا ہو۔
لیکن ان ہی مورخین کی کتابوں میں جب ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ ہشام برسر دربار اعلان کرتا تھا کہ
"خالد پر جو الزام بھی لگایا جائے لیکن اس کی وفاداری ہمیشہ غیر مشتبہ رہی ہے" (طبری)
تو ارباب تاریخ کی ساری توجیہیں سچ پوچھئے تو صرف ایک پینہ وربانہ اُپج سے زیادہ اور کچھ باقی نہیں رہتیں اور یہ واقعہ بھی ہو کہ خالد حالانکہ چاہتا تو ہشام کے مقابلہ میں بہت کچھ کر سکتا تھا، لیکن جہاں تک تاریخی شہادتوں کا تقاضا ہو، ہشام کی زندگی تک زوالی حوادث کے ایام میں خالد اسی طرح وفادار رہا جیسے اقتدار و عروج کے دنوں میں اس کا اور اس کی حکومت کا وہ بہی خواہ تھا۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ہشام کے عہد حکومت میں یوں تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں سب ہی کچھ گزری لیکن اس غریب کی جان تک مصائب کے ان تھپیڑوں کا اثر نہ پہونچا، تا آنکہ ہشام بھی مر گیا۔
ہشام کے بعد مروانی گدی پر ولید بن یزید بن عبد الملک قابض ہوا، خالد کے ساتھ ولید کے قصے بھی پیش آئے، ہشام کی موت پر ایک سال کا زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ ولید کی خدمت میں خالد کے پرانے دشمن یوسف بن عمرو نے جو اس کا جانشین ہوا تھا، یہ مسئلہ پیش کیا کہ خالد پر حکومت کا جو بقایا ہو، یہ رقم میں خزانۂ شاہی میں بایں شرط داخل کر سکتا ہوں کہ خالد میرے حوالہ کر دیا جائے، ولید نے گویا خالد کو بیچ دیا، روپیہ لے لیا گیا، اور خالد اپنے دشمن یوسف بن عمرو کے حوالہ کر دیا گیا، اور اس طور پر حوالہ کر دیا گیا کہ یوسف جو کچھ چاہے خالد کے ساتھ کر سکتا ہو، لکھا ہو کہ کھلی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے یوسف خالد کو دمشق اپنے ساتھ لے چلا، راستہ میں حد سے زیادہ توہینی و تحقیری برتاؤ کے ساتھ غریب کو طرح طرح کی جسمانی تکلیفیں بھی پہونچاتا تھا، راستہ کی ایک منزل میں خالد کے ایک دوست نے جو یوسف کا ملازم تھا عرق انار میں گھولا ہوا ستو کا ایک پیالہ بھیجدیا، کسی طرح اس خفیہ حسن سلوک کی خبر یوسف کو

مل گئی، اس غریب کی بھی اس نے کوڑوں سے خبر لی جس نے یہ ستو خالد کو بھیجا تھا، اور اس ملازم کو بھی پیٹا جس نے خالد تک اس ستو کو پہونچایا تھا، آخر منزل بہ منزل ان ہی حالات میں خالد حیرہ تک یوسف کے ساتھ پہونچا، حیرہ جہاں یوسف کو خالد نے گالیاں دی تھیں، اسی حیرہ میں پہونچ کر شتر کینہ یوسف نے خالد کے ساتھ جو سلوک کیا، اب بھی اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی زمانہ میں سزا دینے کے آلات میں ایک آلہ شکنجہ بھی تھا، شکنجہ میں بھی بدترین شکنجہ وہ تھا جس کا نام اس زمانہ میں

"المضرسہ"

تھا، یہ دندانہ دار شکنجہ ہوتا تھا، سزا یافتہ غریب اسی شکنجے میں کس دیا جاتا تھا، اور یوں روح اس کے قالب سے نکالی جاتی تھی، طبری نے ایک چشم دید گواہ کی شہادت یہ نقل کی ہے

"جس وقت خالد کو ختم کرنے کے لیے لوگ باہر لائے میں موجود تھا، میں نے دیکھا کہ اسی دندانہ دار شکنجے میں پہلے خالد کی دونوں ٹانگیں کسی گئیں، اور چند آدمیوں نے شکنجہ کو کسنا شروع کیا، تاآنکہ خالد کی ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں، پھر شکنجہ کو آگے کی طرف کھسکایا گیا، اور پنڈلیاں خالد کی توڑی گئیں، شکنجہ اور اوپر کی طرف بڑھایا گیا، زانو کی ہڈیاں توڑی گئیں، زانو کے بعد کمر تک شکنجہ پہونچا، اور کمر بھی خالد کی توڑ دی گئی، بالآخر سینہ تک شکنجہ پہونچایا گیا، کسنے والے کستے جاتے تھے، تاآنکہ ایک ایک کرکے سینہ کی ہڈیاں بھی ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو گئیں۔"

راوی جو خود بھی حد سے زیادہ سنگدل معلوم ہوتا ہے، اسی کا بیان ہے کہ ان تمام مرحلوں میں

فو اللہ ما تکلم	خدا کی قسم خالد کے منہ سے نہ کوئی لفظ ہی
ولا عبس	نکلا، اور نہ اس کا چہرہ بگڑا۔

حتی مات

تاآنکہ خالد مرگیا

یہ سب کیا تھا، جو زندہ ہوتے ہیں ان کو کسی نہ کسی شکل کے ساتھ ہو، بالآخر مرنا ہی پڑتا ہے، آج بھی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے آلاتِ موت سے دنیا دھمکائی جا رہی ہے، کھینچنے والے اس "موت" کا جو قتل کے ان جدید آلات سے پیدا ہوگی، اسی کا نقشہ مہیب اور ہوش رُبا، جان فرسا الفاظ کے قالب میں کھینچ

کھینچ کر دنیا کو لرزا اور سہا رہے ہیں، حالانکہ "موت" سے آگے تو ان آلات کے نتائج نہیں پہونچ سکتے۔ ان "بموں" سے بھی جب موت ہی پیدا ہوگی اور موت ہی کو پیدا کر کے ان آلات کی قوت ختم ہو جائے گی تو کچھ میں نہیں آتا کہ پھر نئی بات ہی کیا پیدا ہوئی، جب یہ آلات نہ تھے جب بھی موت سے کس کو رستگاری تھی، مرنے والے کسی نہ کسی طرح مرتے ہی چلے آ رہے تھے۔ تو آئندہ موت ہی تو ان آلات سے بھی پیدا ہوگی، اور آپ دیکھ رہے ہیں کن کن دردناک شکلوں میں پہلے بھی یہی "الموت" آدم کے بچوں کے سامنے آ چکی ہو، پس سوچنے کی چیز یہ نہیں ہو کہ خالد کس طرح مارا گیا، کوئی شبہ نہیں اس کی "موت"

"مرگ کی تاریخ"

میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہو، "ہادم اللذات" کے زیر عنوان اس کے ذکر کرنے کی بڑی وجہ یہی تھی، لیکن کچھ بھی ہو "موت" ہی کے اس نتیجہ تک خالد بھی پہونچا جس سے اس کا قاتل یوسف بھی بچ نہ سکا، یوسف کو مرنا پڑا، اور بری موت کے ساتھ مرنا پڑا، اس کو بھی، ہشام کو بھی جس نے خالد کو معزول کر کے یوسف کو عراق کا گورنر بنا دیا تھا، اور ہشام کے بعد ولید کو بھی جس نے یوسف کے ہاتھ غریب خالد کو بیچ کر قتل کرایا تھا، سوال یہی ہو کہ مرنا تو بہرحال ہر ایک کے لیے ناگزیر و مقدر ہی تھا، لیکن اسلام اور نبوت محمدیہ علےٰ صاحبہا الف سلام و تحیۃ کے طفیل میں عرب کے اُن صحرا نشینوں کو حکومت اور سیاست کی غیر معمولی قوت جو اتفاق سے میسر آ گئی تھی، اس قوت سے انھوں نے زندگی میں کیا کام لیا، ظاہر ہو کہ آدمی کو خدا نہیں، بلکہ بندہ بنانے کے لیے یہ قوت ان کو عطا ہوئی تھی، لیکن عبدیت اور بندگی کی تعمیر میں اس قوت سے کام لیتے

ؔلہ ہشام کے بعد مروانی تخت کا مالک ولید ہوا، لیکن ایک سال چند ماہ سے زیادہ حکمرانی کا موقعہ اس کو نہ ملا، مارا گیا، اس کی جگہ یزید بن الولید بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اسی یزید کے زمانہ میں یوسف بن عمر بھی کچھ عجیب شان کے ساتھ یزید کی تخت نشینی کی خبر سن کر بلقا نامی مقام کی طرف بھاگا جہاں اس کی جاگیر تھی، لوگ تعاقب میں تھے ایک گاؤں میں چھپا ہوا تھا، سرکاری دوش کو دیکھ کر بدحواسی کے عالم میں بھاگا، جوتے تک نہ پہن سکا، چند عورتوں نے اوپر سے چادر ڈال دی تھی اور خود چاروں طرف اسی چادر کے گوشوں پر بیٹھ گئیں۔ لیکن بات چھپ نہ سکی، ٹانگ پکڑ کر چادر کے نیچے سے لوگوں نے باہر نکالا، اس کی ڈاڑھی کافی دراز تھی، ایک ایک بال اس کا لوگوں نے نوچ لیا، یوسف کچھ دنوں قید خانے میں رہا بالآخر جیل ہی میں قتل کر دیا گیا۔ یوسف کے بعض عجیب حالات آپ کو میری کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" میں بھی ملیں گے، اسی طرح خالد کے قتل سے ایک (باقی اگلے صفحہ پر)

بجائے اس کے انھوں نے چاہا کہ اپنی اپنی خدائی جھوٹی خدائی کی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے کھڑا کرنے میں اسی مال و مصالح سے کام لیں، جو بندے بنا کر پیدا کیے گئے تھے، وہ خدا تو بن نہیں سکتے تھے، نتیجہ صرف یہی ہوا کہ بندگی اور عبدیت کی تعمیر کا جو موقع مل گیا تھا، اس موقعہ کو بھی کھو بیٹھے، اور یہ جھوٹی جھوٹی خدائیاں باہم ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں، غیر طبعی اور غیر فطری استعمال ہر قوت کا اسی نتیجہ کو پہلے بھی پیدا کرتا رہا ہے، اور آج بھی اس پر یہی ثمرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اور جب تک "خدائی" سے ہٹ کر بندگی کی تعمیر میں انسانیت مشغول نہ ہوگی، ان ہی تلخ پھلوں کے پھلنے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ باوجود اختصار و اجمال کے خالد ہی کے قصے میں بہت زیادہ وقت ضائع ہو گیا۔ چاہا تو یہی تھا کہ اسی نقطہ پر اس داستان کو ختم کردوں لیکن دل نہیں مان رہا ہے، خالد کی نیابت میں بصرہ کی حکومت جن صاحب کے قبضہ اقتدار میں تھی، نام ان کا پہلے بھی گزر اہے، بلال بن ابی بردہ تھا، یاد ہوگا کہ جذام کی بیماری میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے علاجاً یہی بلال بن ابی بردہ روزانہ گھی میں غسل فرمایا کرتے تھے، اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بصرے کے بازار میں گھی فروخت کے لیے بھیج دیا جاتا تھا، لوگوں کو جب اس کا علم ہوا تو مدتوں بازار کا گھی کھانا بصرہ والوں نے چھوڑ دیا تھا۔

بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا خالد کی معزولی کا معاملہ حد سے زیادہ سینۂ راز میں انجام پایا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی ذریعہ سے اس کی بھنک بلال کے کانوں تک پہونچ گئی تھی، یا خود ہی حالات کی وجہ سے اس وسوسہ میں مبتلا ہوا کہ کوئی آفت خالد پر آنے والی ہے، لکھ کر دریافت کیا کہ اجازت ہو، تو بصرہ سے ڈاک کی چوکی پر صرف ایک دن کے لیے میں کوفہ حاضر ہو جاؤں، کوفہ کا فاصلہ بصرہ سے (۲۴۰) میل یا اسی فرسخ تھا، لیکن چوبیس ۲۴ گھنٹوں میں بلال رواروی کرتا ہوا، اجازت ملنے کے بعد واقعی کوفہ پہونچ گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سال پہلے ہشام خناق کی بیماری سے جس وقت مرا تو جیسا کہ مورخین کا اتفاق ہو مروانی خزانے میں جتنی دولت ہشام نے جمع کی کسی نے نہ کی لیکن جوں ہی کہ اس کا دم نکلا تو ہشام کے بعد جو اس کا جانشین ہوا یعنی ولید کے آدمیوں نے حکومت کی ایک ایک چیز پر قبضہ کرلیا، غسل میت کے لیے ضرورت لکڑی کے برادے کی ہوئی جس سے پانی گرم کیا جاتا۔ لیکن ہشام کے لیے لکڑی کے برادے کی بھی اجازت ظالموں نے نہ دی، غلام نے کفن دفن کا انتظام کیا، کہتے ہیں کہ سانس جب ہشام کی اکھڑ رہی تھی اور دیکھ رہا تھا کہ اس کی جمع کی ہوئی دولت پر دوسرے قبضہ کر رہے ہیں تو سنا گیا کہہ رہا تھا "ہم نے ہیں کیا ولید کا صرف خزانچی تھا" ہشام کے بعد ولید کو بھی اپنے فسق و فجور، اور ملحدانہ خیالات کی وجہ سے لوگوں نے بالکور (طرم) کی شکار گاہ میں مار ڈالا۔ کٹا ہوا سر اس کا نیزے پر دمشق پہونچا، اور دمشق کی فصیل پر لٹکا دیا گیا۔ ۱۲

بعضوں کا بیان یہ بھی ہو کہ

کان بلال اتخذ داراً بالکوفۃ و	بلال کوفہ میں اپنا ایک محل تعمیر کرا رہے تھے
انما استاذن خالداً لینظر الی دارہ	درحقیقت اسی محل کے دیکھنے کے لیے یہ اجازت
طبری صہ ۲۵۶ ج ۸	خالد سے انھوں نے حاصل کی۔

گویا خالد کو ہشام کی رائے سے مطلع کرنا، یہ تو صرف بہانہ تھا ورنہ اصل مطلب بلال کا یہ تھا کہ اپنے نو تعمیر محل کے معائنہ کا موقع اس طریقہ سے مل جائے گا، کہتے ہیں کہ بلال نے جس زمانہ میں ہشام کے آئندہ اقدام کے خطروں سے خالد کو آگاہ کیا تھا، اس وقت چونکہ معزولی کا ہلکا سا خطرہ بھی بظاہر نہ تھا، اس لیے بلال نے اس سلسلہ میں جو مشورے خالد کو دیئے ان کو خالد نے درخور اعتنا نہ قرار دیا، بلال واپس ہو گیا، کچھ ہی دن بعد معزولی واقعہ بن کر خالد کے سامنے آ گئی، یوسف نے خالد کے مقرر کیے ہوئے دوسرے حکام و ولاۃ کی دھر پکڑ لگا دی ان ہی میں غریب بلال بن ابی بردہ بھی تھے، بصرہ سے کوفہ بلائے گئے اور وہی نو تعمیر محل جس کے دیکھنے کے شوق میں انھوں نے بقول شخصے دو سو چالیس میل کا فاصلہ چوبیس گھنٹوں میں طے کیا تھا، اسی مکان میں قید کر دیے گئے اور ان کے بعد مدت دراز تک بلال کا یہی مکان سرکاری جیل خانے کی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا۔

طبری میں ہو کہ

فما نزلها الا مقیداً	اپنے اس نو تعمیر محل میں بلال قیدی بن کر
ثم جعلت سجناً	داخل ہوئے اور ان کے بعد اس وقت تک
الی الیوم۔	(یعنی راوی جس زمانے میں روایت بیان
صہ ۲۵۶ ج ۸	کر رہا تھا) یہ محل جیلخانہ ہی بنا دیا گیا ہو۔

اسی قید خانے میں بلال مرے بھی اور عجب طرح سے مرے، حافظ ابن حجر اور حافظ ابن عساکر نے اس عبرتناک حادثہ کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہو ان کا خلاصہ یہ ہو کہ بلال نے جیل کے داروغہ کو اس پر راضی کیا کہ ایک لاکھ درم لے کر کسی طرح اس جیل خانے سے نکل جانے کا موقعہ میرے لیے پیدا کرے۔ یوسف بن عمر و کوفہ کا جو اس وقت حاکم تھا اور اسی کے حکم سے بلال کو جیل خانہ ہوا تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ کسی قیدی کی موت کی خبر جب اس کو دی جاتی تو حکم دیتا کہ مرنے والے کے وارثوں کے حوالہ لاش کر دی جائے، بلال اور داروغہ جیل میں طے ہوا کہ بلال کی موت کی یوسف کو خبر دی جائے، اس طریقہ سے خلاصی کی صورت نکل آئے گی،

لیکن اتفاقاً یہ عجیب صورت پیش آئی کہ روپئے داروغہ تک جب پہونچ گئے اور یوسف کو حسب قرارداد بلال کی موت سے داروغہ نے یہ سمجھتے ہوئے مطلع کیا کہ بلال کے وارثوں کو لاش کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا، خلاف توقع یوسف نے کہا کہ

"بلال کی لاش! میرے سامنے لائی جائے، میں خود بھی اس کا معائنہ کروں گا۔"

جیل خانے کا داروغہ حیران تھا کہ اب کیا کرے، اپنی دی ہوئی خبر سے پھر بھی نہیں سکتا تھا اسکے سوا خلاصی کی صورت کوئی سمجھ میں نہ آئی کہ جیل پہونچ کر بلال پر ایک لحاف داروغہ نے ڈلوادی، اور لحاف ہی کے نیچے حکم دیا کہ ان کی سانس گھونٹ دی جائے، زندہ بلال تھوڑی دیر بعد واقعی مردہ بلال بن گئے۔ داروغہ لاش لے کر یوسف کے دربار میں پہونچ گیا۔

حافظ ابن حجر نے ابن الانباری کا قول نقل کیا ہو کہ

قتلہ دھاءہ　　　بلال اپنی روشنی طبع کے خود شکار ہوگئے

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمن سنبھلی)

پنجشنبہ ۲۲/۴/۷۰ھ - ۱/۲/۵۱ء

ڈاکٹر احمد امین صاحب سے ملاقات

آج علی الصباح "بین العالم وجزیرۃ العرب" کا مقدمہ لکھا اس کے بعد جیزہ کا رخ کیا، وہاں ڈاکٹر احمد امین صاحب کو منتظر پایا نشست ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے یوگ کے بارے میں سوال کیا میں نے کہا یہ ایک علم ہے جو ہندوستان میں بہت پھیلا ہوا ہے اہل ہند کے پاس جسمانی ورزش اور جسم کی تقویت اور تندرستی کی حفاظت کے سلسلہ میں بعض بہت عمدہ تجربات ہیں لیکن روحانیت کے سلسلہ میں وہ تعذیب جسم، تصفیۂ نفس، کسر شہوات اور طبیعت کی محکومی سے نکل جانے پر اعتماد کرتے ہیں یہیں وہ مدت دراز تک حبس دم جیسے اشغال کرتے ہیں لیکن ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے اتباع شریعت اور عمل بالسنۃ کے بعد ان چیزوں کی ضرورت نہیں رکھی۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ تصفیۂ نفس کے بڑے عجیب وغریب آثار ہوتے ہیں اور انسان اپنی طبیعت پر فتح حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ چیز ولایت سے زیادہ...... کسی دوسرے فنی کمال سے مشابہت رکھتی ہے اور اسی لئے متبع سنت صوفیہ نے تصفیۂ نفس پر تصفیۂ قلب کو ترجیح دی ہے۔

بات ہوتے ہوتے تصوف اور صوفیہ تک پہونچ گئی اور اسی گفتگو میں یہ انکشاف ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کو اس علم میں بھی دخل ہے اور انھوں نے ایک نقشبندی شیخ سے (جو ایک افغانی

کے مالک تھے) اس فن کے کچھ اسباق بھی لئے ہیں ــــــ میں نے کہا کہ بے شک حضرات صوفیہ کے کچھ خاص قلبی اذکار ہیں جن سے انھیں سکینت اور قوت قلب حاصل ہوتی ہے۔

حکیم اور عارف کا فرق
ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے بعض حکایات میں پڑھا ہے کہ ایک بار شیخ الرئیس ابن سینا اور مشہور صوفی سلطان ابوسعید ابوالخیر کا دروازہ ہی پر آمنا سامنا ہوگیا۔ دونوں حضرات تین دن تک ایک ساتھ کھڑے رہے۔ پھر جب جدا ہوئے تو ایک شخص نے ابن سینا سے شیخ ابوالخیر کے متعلق دریافت کیا ابن سینا نے کہا ''جو میں جانتا ہوں وہ وہ دیکھتے ہیں'' ایسے ہی کسی نے ابوالخیر سے ابن سینا کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا ''جو میں دیکھتا ہوں وہ اُسے جانتے ہیں'' ــــــ میں نے کہا ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے عارف محقق کے متعلق اپنے ایک شعر میں اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سرّ دیں ما را خبر او را نظر　　او درون خانہ ما بیرونِ در

کثرت سے وحدت کی طرف
میں نے کہا کہ تمام علم و فکر کا حاصل اور مقصد بلاشبہ یہی ہے کہ آدمی کثرت سے وحدت کی طرف منتقل ہو جائے۔ یہ ایک بڑی قوت اور علمِ عظیم ہے، جب کسی پر اس کا دروازہ کھل جاتا ہے تو وہ انتشارِ فکر، عالمِ رنگ و بو میں اُلجھاؤ اور مادہ و اسباب کی پرستش سے نجات پا جاتا ہے اور اسباب (کی کثرت) سے (وحدتِ) مسبّب تک پہونچ جاتا ہے ــــــ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں اپنے احباب کی مجلس میں عموماً کہا کرتا تھا کہ عقل ہی تنہا علم کا سرچشمہ نہیں ہے بلکہ دل بھی اسی کی طرح ایک سرچشمہ علم ہے اور میرے بعض احباب کو اس خیال پر اصرار ہوتا تھا کہ عقل ہی تنہا منبع علم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے عقل پر نقد کرتے ہوئے بہترین کلام فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک عالم واقع میں وہ شئی کہیں پائی ہی نہیں جاتی جس پر عقل مجرد کا اطلاق کیا جا سکے اور نہ کوئی کشف ہی ایسا پایا جاتا ہے جس کو خارجی اثرات سے مطلقاً آزاد مانا جا سکے یہ دونوں چیزیں خارج سے ضرور متاثر ہوتی ہیں اور عادات و خواہشات اور مسلّمات کی کوئی نہ کوئی پرچھائیں ان پر ضرور پڑتی ہے۔ چنانچہ حق و باطل کی اس طرح آمیزش ہو جاتی ہے کہ انسان کو شعور بھی نہیں ہو پاتا جیسے کہ آئینہ میں (بلا قصد و شعور کے) چند چیزوں کا عکس آ جاتا ہے ــــــ اور عجیب بات

ہے کہ مشہور جرمن فلسفی کانٹ بھی اسی نتیجہ پر پہونچا ہے اور اس نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب (CRITIC OF PURE REASON) میں تجربہ عقل کے وجود سے قطعی انکار کیا ہے

علم خالص کا سرچشمہ | دوسرا سرچشمہ علم جس کی صحت پر سو فی صدی اعتماد کیا جا سکے وہ تو صرف وحی ہے اور وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام کے راستہ سے آتا ہے۔

ہم زندہ عجائب گھر میں ٹہلتے ہوئے گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ جزیرۂ الشائی میں[1] پہونچ گئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے دوپہر کا کھانا طلب کیا ہم لوگ تال کے کنارے سیڑھی کے نیچے بیٹھ گئے۔ سامنے شفاف پانی تھا جس پر بطخیں تیر رہی تھیں۔ ہم اس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہے اور فاضل استاذ کی گفتگو سے مستفید بھی ہوتے رہے۔ آخر میں استاذ موصوف نے کہا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تصوف کے ذریعہ سے انسان تہذیب حاضر کی دلفریبیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ کے متعلق کچھ معلومات | میں نے کہا غالباً سید جمال الدین افغانی کو تصوف سے کچھ حصہ ملا ہوا تھا اور وہ ذکر قلب سے اشتغال رکھتے تھے اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں شیخ محمد عبدہٗ کا حال بھی یہی تھا، چنانچہ دونوں کو زہد کا مقام حاصل تھا اور دنیا سے جاتے وقت ان میں سے کسی نے اپنے پیچھے دولت و ثروت نہیں چھوڑی ـــــــ میں نے کہا کیا آپ کو شیخ سے کچھ پڑھنے کا موقع ملا ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، ہاں میں نے ان سے دو سبق پڑھے ہیں ـــــ شیخ کی زندگی پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شیخ محمد عبدہٗ کے اندر ایثار و سخاوت کا بڑا مادہ تھا، جو کچھ ان کے پاس آتا تھا اپنے رفقاء اور فقراء پر خرچ کر دیا کرتے تھے اور ایک خس پوش مکان میں رہتے تھے ـــــ ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا کہ وحدۃ الوجود کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا یہ مسئلہ نظری سے زیادہ عملی ہے۔ کہا ہاں بات تو یہی ہے، مزید فرمایا کہ کبھی کبھی انسان کو کچھ لمحات حضوری حاصل ہو جاتے ہیں لیکن یہ ہمیشہ باقی نہیں رہتے، میں نے کہا ہاں اگر ان لمحات کو دوام حاصل ہو جائے تو انسان کا اس زندگی سے تعلق منقطع ہو جائے اور پھر وہ اس سے

[1] حدیقۃ الحیوانات قاہرہ میں بیچ تالاب میں ایک بلند ٹیلہ ہے جس پر ایک ہوٹل واقع ہے اسکو جزیرۂ الشائی کہتے ہیں

تعلق رکھنے کے قابل ہو ہی نہ سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا لیکن میں نے بعض آدمیوں کو سنا ہے کہ ان کے لئے ان لمحات میں دوام کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا، ہاں جب کسی کو ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔

قضا اور تعلیم کا فرق پھر کچھ اور باتیں ہونے لگیں، اور میں نے کہا کہ کیا آپ کو قضا سے بھی دلچسپی ہے؟ بولے بالکل نہیں! چنانچہ میں نے ایام قضا کے آخری دن میں[1] تدریس کی لائن اختیار کر لی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے پاس بگڑے ہوئے خاندان آتے ہیں اور مدرس کے پاس کلیاں آتی ہیں جو کھلنے کے لئے بیتاب ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے ایک استاذ تھے جو کہتے تھے کہ تمہاری عقل تو ریاضی ہے، پھر تمہارا اشتغال ادب سے کیسے ہے؟ میں نے کہا ہاں (آپ کے بارے میں ان کا خیال صحیح تھا) اور اسی وجہ سے آپ کے ادب میں واقعیت پسندی اور مرکزیت ہوتی ہے۔ بولے جی ہاں مجھے ادب میں منطقی ربط و ترتیب پسند ہے اور اسی وجہ سے مجھے شعر سے ذوق نہیں ہے کیونکہ وہ منطق کے تابع نہیں ہوتا۔

جمعیۃ الشبان المسلمین کے دفتر میں

رات کو ڈاکٹر عبدالحمید سعید کے مکان پر جمعیۃ الشبان المسلمین کے دفتر میں جانا ہوا، جہاں استاذ سعید رمضان کی تقریر تھی۔ تقریر کافی طویل اور بہت پرجوش اور جاندار تھی جو دو گھنٹے تک جاری رہی تقریر کا موضوع تھا "الجامعۃ الاسلامیۃ (اتحاد اسلامی)، اس تقریر میں جو خاص بات نظر آئی وہ اس کا دینی رنگ اور رجحان تھا جو علمی رنگ سے بھی نمایاں تر تھا۔ اور اس سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ مصری زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو چکا ہے یعنی دین کی باتیں جو ایک زمانہ میں بوجھ محسوس کی جانے لگی تھیں اب وہ نہایت خوشگوار اور پسندیدہ بن گئی ہیں۔ ایسے ہی ایک اور خاص بات جو میں نے نوٹ کی وہ نوجوان طلبا کا دین کی طرف التفات اور میلان تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ طلبا اتنی دیر تک بہت دلچسپی کے ساتھ تقریر سنتے رہے جبکہ ان میں سے بہت سے (جگہ کی تنگی کی وجہ سے) کھڑے ہوئے تھے ـــــ تقریر کے بیچ بیچ میں بار بار "اللہ اکبر ولله الحمد" کے پرزور نعرے بلند ہو رہے تھے

[1] ڈاکٹر صاحب ایک عرصہ عہدۂ قضا پر بھی رہے ہیں۔

اور بڑی گرم جوش تالیوں سے داد دی جا رہی تھی۔

جمعہ ۲۵/۴/۷۰ھ — ۲/۲/۱۹۵۱ء

آج ہم صبح کے ناشتہ کے بعد الحاج علی شریف کی دوکان (واقع شبرا) پر گئے۔ یہاں سے ہمیں ادسیم جانا تھا جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا تھی اور الحاج عطیہ البسواسی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانا تھا۔ یہاں اتفاق سے محب مکرم احمد عثمان صاحب مل گئے۔ انھوں نے ملتے ہی کہا، آج مصر پر ایک بجلی گری ہے۔ میں نے کہا خیر تو ہے، کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات نے مطالبہ کیا ہے کہ سرکاری طور پر زنان بازاری کے پیشہ پر جو پابندی لگا دی گئی ہے وہ اٹھالی جائے اور پیشہ کی اجازت بحال کی جائے کیونکہ اس کے نتیجہ میں سڑکوں اور راستوں پر لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے واقعات بہت بڑھ گئے ہیں اور اس کا کوئی علاج بجز اس کے نہیں ہے کہ پیشہ کو برداشت کیا جائے۔ یہ کہہ کر انھوں نے مصری روزنامہ راٰخر لحظہ کا ایک شمارہ پیش کیا — اس واقعہ سے عثمان صاحب بہت متاثر تھے، اور ان کی دینی حمیت اور اسلامی غیرت بھڑک اٹھی تھی، چنانچہ علمار ازہر پر برس پڑے اور کہنے لگے یہ اپنی ترقی اور گریڈ کے لئے تو ہڑتالیں کرتے ہیں[1] لیکن دین اور نیکی کی خاطر ہڑتال نہیں کریں گے؛ یہ اپنے مفاد کی خاطر تو غضبناک ہوتے ہیں لیکن اللہ اور رسول کے لئے انھیں غصہ نہیں آئے گا؟ میں نے کہا یا استاذ چھوڑیئے جانے دیجئے کیونکہ اسلام سے یہ بغاوت، اخلاق کے ساتھ یہ ڈرامائی کھیل، یہ بے حیائی اور یہ لذت پرستی تو برابر رہے گی اور نئے نئے روپ میں آتی رہے گی جبتک کہ قوم کے اندر ایک طاقتور دینی روح اور ان بے ہودگیوں کے خلاف زبردست انکار اور احتجاج کا جذبہ پیدا نہیں ہو جائے گا۔

قوم میں دینی احساس کی بیداری اور دینی روح کا وجود ہی اس بے حیائی، لذت پرستی اور اسلام سے بغاوت کا واحد علاج ہے

جب تک جمہور امت اور افراد ملت کے اندر دینی شعور بیدار نہیں ہوگا اور جب تک

---

[1] اس وقت ازہر میں اساتذہ بعض ناانصافیوں کے خلاف احتجاجاً اسٹرائک کر رہے تھے اور تعلیم بند تھی۔

قوم حکومت کے افعال کی نگراں اور اس کے اخلاقی رجحانات کی محتسب نہیں بنے گی اس وقت تک جو علاج بھی آپ تلاش کریں گے وہ وقتی اور ناکافی ہوگا۔

مصری دیہات

اس گفتگو کے بعد ہم شیخ عطیہ کی موٹر پر ریف مصری (مصری دیہات) دیکھنے کے لئے گئے۔ استاذ عبدالوہاب محمد غنائم (چیف ایڈیٹر "صوت الامت" اور وزارت صحت کے صحافتی سکریٹری) بھی رفیق سفر تھے۔ ہم موٹر ہی میں مصری ریڈیو اسٹیشن سے تلاوت قرآن سن رہے تھے۔ اس پر میں سوچنے لگا کہ قرآن کتنا عام ہوگیا ہے مگر ساتھ ہی کس قدر مخصوص اور محدود ہوگیا ہے! سماعت کس کثرت سے ہوتی ہے اور اثر کس قدر کم لیا جاتا ہے! ـــــ میں آج پہلی مرتبہ ریف مصری دیکھ رہا تھا اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں ہندوستان میں ہوں۔ یہ زندگی جسے ہم اس وقت دیکھ رہے تھے اور یہ زمین جس پر اس وقت ہم چل رہے تھے اس کا کوئی رشتہ قاہرہ سے نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ وہاں تمدن و ترفہ اور آسائش و تنظیم کی کوئی حد نہیں، اور یہاں فقر، خستہ حالی اور بیکاری و بدنظمی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

عظیم خطرہ

ایک ملک کی آبادی میں اتنی تھوڑی سی مسافت کے اندر تہذیب و تمدن اور معیشت کے درجات میں اتنا عظیم تفاوت ـــــ بلکہ ایک شہر بلکہ ایک محلہ کے بسنے والوں کے درمیان معیار زندگی کا اتنا غیر معمولی فرق جو ہر دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے ـــــ قوم اور ملک کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے۔ اسی تفاوت کا وجود اقتصادی شورشوں اور اشتراکیت کی لہروں کے لئے راستہ صاف کرتا ہے اور زمین تیار کرتا ہے ـــــ راستہ طے ہوگیا اور ہم الحاج عطیۃ البھواشی کے دولت کدہ پر پہونچ گئے۔ ان کا دولت کدہ گویا ایک نیا عالی شان محل تھا۔ میں نے قاہرہ میں سنا تھا کہ انھوں نے اس کی تعمیر پر پچیس ہزار پاؤنڈ (سوا تین لاکھ روپیہ) خرچ کیا ہے یہاں سے ہم فوراً ہی مسجد چلے گئے اور جمعہ کی نماز پڑھی۔ امامت کے فرائض محب محترم سید علی محمود الشریف نے انجام دئے اور بعد میں میری تقریر کا اعلان بھی کر دیا چنانچہ میں کھڑا ہوگیا اور اس وقت کے حسب توفیق سورۂ عصر کی تفسیر بیان کی۔

اہل ریف کی گرمجوشی اور عزت افزائی

اور جیسے ہی بیان ختم ہوا لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ مجھ سے مصافحہ کرے اور مجھے خطرہ ہو رہا تھا کہ اس بھیڑ کے کسی ریلے میں

گر نہ پڑوں۔ ان کی اس عقیدت و محبت پر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ پروردگار ان کے اس حسن ظن کو حقیقت بنا دے اور آخرت میں رسوائی سے محفوظ رکھ ـــــ ان لوگوں کے اس معاملہ نے مجھے یقین دلا دیا کہ دین میں آج بھی طاقت ہے اور قلوب و ارواح پر اس کا گہرا اثر موجود ہے ورنہ میں ہندی یہ مصری، میرا ان کا کوئی رشتہ دینی رشتہ کے علاوہ نہیں لیکن یہ مجھ سے جس اخلاص اور جس جوش محبت کے ساتھ پیش آرہے ہیں اس کرۂ زمین پر کسی ملک میں بھی یہ خلوص اور یہ روح کسی اجنبی کو میسر نہیں آسکتی ـــــ یہ اگر دین کی طاقت اور اس کے اثر کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے۔

مواد خام جو ضائع ہو رہا ہے

ہم مسجد سے نکلے تو استاذ جلال بے اور چند دوسرے حضرات کو منتظر پایا جن کو الحاج عطیہ نے دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھانے کیلئے مدعو کر رکھا تھا ـــــ میں اس وقت اہل ریف کی سلامت طبع حسن ظن اور ان کے اس اعزاز و اکرام کے منظر سے بہت متاثر تھا جو ابھی ابھی میں نے دیکھا تھا۔ اسی تاثر کے ماتحت میں نے ان حضرات سے کہا کہ محترم حضرات! آپ کے پاس دنیا کا سب سے بہتر خام مواد موجود ہے لیکن وہ بالکل بیکار پڑا ضائع ہو رہا ہے کوئی نہیں ہے جو اُسے صحیح کام میں لگا کر نفع بخش بنائے۔ استاذ جلال نے میری تائید کی اور فرمایا کہ میں مشرق و مغرب میں پھرا ہوں اور کئی بار یورپ کا سفر کیا ہے اور ان ملکوں کی سیاحت کی ہے لیکن میں نے اپنی قوم کے اس حصہ سے ـــــ جو مصر کے دیہات میں آباد ہے ـــــ زیادہ عمدہ اور پاکیزہ، زیادہ کارآمد اور زیادہ گرم جوش قوم نہیں دیکھی لیکن بدقسمتی ہے کہ ہم احساس کمتری میں مبتلا ہیں ہمیں اپنے پر اور اپنی قوم پر اعتماد نہیں۔ اس لئے اس کو کم قیمت اور حقیر سمجھتے ہیں اور اس کے برعکس مغربی اقوام سے بے حد مرعوب ہیں۔ میں قسم سے کہتا ہوں کہ میں نے ان قوموں کے اندر وہ لطافت روح، وہ سلامت طبع، وہ ایمان اور وہ فطری جوہر نہیں دیکھے جو مجھے اپنے ان دیہات کے خستہ حال مسلمانوں اور عوام کے طبقوں میں نظر آتے ہیں۔ اس بات کو انھوں نے بہت مفصل اور مدلل طور پر کہا اور پھر ہم اس بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ اس طبقہ کو کیسے کارآمد اور نفع بخش بنایا جاسکتا ہے؟ اس موقع پر میں نے ان کے سامنے ہندوستان میں دینی دعوت کا طریق کار پیش کیا کہ کیسے اس طبقے سے تعلق قائم کیا جاتا ہے اور کس طرح متمدن اور مرفہ الحال طبقہ قصبوں اور شہروں میں دین کی بنیادی دعوت کی نشر و اشاعت میں تعاون کرتا ہے اور کیسے یہ لوگ اپنے

مہینے یا ہفتہ کے بعض دنوں کو دینی سفروں میں نکلنے کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ میں نے تفصیل کے ساتھ پورا نظام بتلایا۔ استاذ جلال بے نے اس کی تائید کی اور ہندوستان و پاکستان میں اس کے متعلق اپنے مشاہدات اور دونوں ملکوں میں اس کے پیدا کردہ نتائج کو بیان کیا۔ میں نے اسکے بعد حاضرین میں اسی نقشہ کے مطابق یہاں بھی کام کرنے پر آمادگی پائی ــــــ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کوئی بہتر شکل پیدا فرما دے۔

شنبہ ۲۶ر۴ر۷۰ھ ــ ۳ر۲ر۵۱ء

جامع ازہر کی زیارت

یہ بات کچھ بہت ہی نا مناسب سی معلوم ہوئی کہ ازہر کے جوار میں رہیں اور اُسے نہ دیکھیں وہاں اگرچہ اسٹرائک چل رہی تھی مگر سوچا کہ کم از کم جامع ازہر ہی کی زیارت کا شرف حاصل کریں گے اور اس کے علاوہ بھی جو اقامت خانے تعلیم گاہیں اور دفاتر دیکھ سکیں گے دیکھیں گے چنانچہ آج اس قصد سے نکلے اور سب سے پہلے جامع مسجد گئے۔ یہ وہ تاریخی مسجد اور وہ عظیم درسگاہ ہے جس نے اس قدر ائمہ و محدثین، فقہاء، و مؤلفین اور داعی الی اللہ اور صالحین پیدا کئے ہیں جو دنیائے اسلام کی کسی دوسری درسگاہ نے پیدا نہیں کئے ــــ خدا اسے شاد و آباد رکھے!

ہم مسجد میں داخل ہوئے تو ان سراپا اخلاص علماء سلف کی یاد تازہ ہوگئی جو بوریہ پر بیٹھتے تھے مگر بادشاہوں پر حکومت کرتے تھے، وہ اپنے دین، اپنے علم اور اپنی قوم کے مخلص اور راہ حق کے مجاہد تھے! میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جب اس مسجد میں داخل ہوا تو علم کی بو محسوس کی اور ماضی کے دور سعید کا ایک جھونکا گذرتا ہوا محسوس ہوا جو علم و اخلاص اور خشوع و زہد کی خوشبو لئے ہوئے تھا ــــــ خدا نے چاہا تو اسٹرائک ختم ہونے پر یہاں ایک بار پھر حاضری ہوگی۔

ازہر کے دفتر میں یہاں سے ہم ازہر کے دفتر کی طرف نکل آئے۔ دفتر دیکھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑے صوبہ کی حکومت کا سکریٹریٹ ہے۔ ہم تختیوں پر نظر ڈالتے ہوئے ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں آتے گئے یہاں تک کہ ایک تختی پر نظر پڑی جس پر لکھا تھا تھا۔ ادارۃ مجلۃ الازہر (دفتر رسالہ ازہر)۔

اُستاذ محمد فرید وجدی سے گفتگو

یہاں میں ٹھیر گیا اور مجھے استاذ محمد فرید وجدی یاد آگئے جنھیں میں طالب العلمی کے زمانہ سے جانتا تھا۔ میں نے انکی دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور بہت سے مضامین پڑھے تھے۔ چنانچہ اسی تعلق کی بنا پر میں نے وزیٹنگ کارڈ بھیجا اور انھوں نے فوراً ہی بلوالیا۔ بڑے تپاک سے ملے اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ہم ہندوستانی ہیں اور ہمیں ان کی تالیفات اور مقالات سے واقفیت ہے تو بہت بشاش ہوئے اور ہماری ملاقات سے انھیں ایک طرح کی مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے اُن کو بتلایا کہ اُن کی قدیم کتاب المراۃ المسلمۃ جو انھوں نے قاسم امین کی کتاب المراۃ المصریۃ کے رد میں لکھی تھی۔ بہت عرصہ ہوا اردو میں منتقل کی جاچکی ہے اس کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد (وزیر تعلیمات حکومت ہند) نے اپنے زمانہ شباب میں کیا تھا اور یہ ترجمہ بہت ہی معیاری اور نہایت شگفتہ و برجستہ تھا ——— میں نے کہا کہ میں آپ کی اس خصوصیت سے بھی واقف ہوں جو آپ کو عصری ثقافت اور دینی ثقافت کو ملانے اور عصری علوم اور مغربی فلسفہ کے ہتھیاروں سے اسلام کا دفاع کرنے میں حاصل ہے ——— کہنے لگے کہ اس زمانہ میں اسلام کی خدمت کرنے اور اس کے فضائل و محاسن کو اُجاگر کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

فرانسیسی اور انگریزی ثقافت کا فرق

میں نے کہا آپ کی تعلیم انگریزی ہے یا فرنچ؟ انھوں نے کہا میری تعلیم تو فرنچ ہے مگر میں فرانسیسی پر انگریزی زبان کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں نے کہا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی علمی اور تحقیقی لحاظ سے فائق ہے اور فرانسیسی ادبی اور شعری لحاظ سے زیادہ وزنی ہے۔ کہا جی ہاں یہی بات ہے۔ میں نے کہا انگریز قوم ایک علمی اور حقیقت پسند قوم ہے اور اس کے مزاج کو دوراز کار اور خیالی باتوں سے مناسبت نہیں ہے۔
استاذ فرید نے کہا کہ انگریزوں میں روحانیت اور اس سلسلہ کے لٹریچر کے مطالعہ کا رجحان بہت بڑھ رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں یہاں سے روشنی ملے گی۔ میں نے کہا جی ہاں یہ بات تو ہے کہ ان کی توجہ روحانی پہلو کی طرف بڑھ رہی ہے مگر یہ اپنے مطالعہ اور اپنی تلاش میں مخلص نہیں ہیں یعنی ان کا مقصود روحانیت کا حصول نہیں ہے بلکہ روحانیت پر محض ایک فن کی طرح ریسرچ کرنا چاہتے ہیں۔
اُستاذ موصوف نے بظاہر میرے اس خیال سے اتفاق کیا۔
پھر مسلمانان ہند اور ان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو ہونے لگی اور انھوں نے کہا مجھے امید ہے

کہ مستقبل میں ہند و اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے۔ میں نے کہا امید تو مجھے بھی یہی ہے۔

یہاں اتفاق سے استاذ محمد فؤاد عبدالباقی صاحب سے ملاقات ہوگئی جنھوں نے مفتاح کنوز السنۃ کو اس کی اصل زبان (ڈچ) سے عربی زبان میں منتقل کیا ہے۔ موصوف نے علامہ سید سلیمان ندوی کی خیریت دریافت کی اور بہت تعریف کی اور بتلایا کہ میں نے ان کو اپنی بعض تصنیفات بھیجی تھیں اس کا انھوں نے بہت مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا تھا اور انھوں نے میری محنت کی داد دی تھی ——
میں نے فرید وجدی صاحب کو اپنی کتاب (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین) پیش کی انھوں نے ممنونیت کے ساتھ قبول کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ دوشنبہ کو اسی دفتر میں پھر ملاقات ہوگی۔

ہوسٹل میں

اسی طرح یہاں استاذ علی فکری سابق سکریٹری دارالکتب المصریہ اور مولف المسیر المہذب سے بھی ملاقات ہوگئی اور تعارف ہوا۔ یہاں سے نکل کر برادرم محمد دمرداشی متعلم کلیۃ الشریعۃ کی معیت میں ازہر کا مدرسہ علوم دینیہ (کلیۃ الشریعۃ) اور اس کا کتاب خانہ اور ازہر کا دارالاقامہ دیکھا۔ دارالاقامہ میں انتظام اور صفائی کی کیفیت دہ حد تک کی نظر آئی — میرے نزدیک یہ اقامت خانے اپنے رہنے والوں میں کمزوری اور مفلسی کا احساس اور عصری تعلیم گاہوں اور وہاں کے نظام اور متعلمین سے غیر معمولی مرعوبیت پیدا کرنے کا باعث بنتے ہوں گے — اور اسی کا نام احساسِ کمتری ہے —— اور پھر یہاں اعتزاز بالدین اور اعتزاز بالعلم (نفس دین اور علم میں عزت سمجھنے) کی وہ روح بھی موجود نہیں ہے جو اس احساس کو روک سکتی ہے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ادارہ ازہر ایسے اقامت خانے بنوائے جو اپنی باقاعدگی اور صفائی میں عصری کالجوں اور مصری یونیورسٹی سے کسی طرح کم نہ ہوں۔

عصر کے وقت ہم استاذ محمد رشاد عبدالمطلب کی معیت میں شیخ محترم مصطفیٰ صبری آفندی (سابق شیخ الاسلام دولت عثمانیہ) سے ملنے کے لئے گئے لیکن علالت کی وجہ سے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ اس لئے ہم نے ماذا خسر العالم اور چند دوسرے رسائل ان کی خدمت میں بھجوانے پر اکتفا کیا۔

علامہ محمد زاہد الکوثری کی خدمت میں

اور ہم یہیں سے ان کے رفیق وصدیق مشہور مصنف علامہ شیخ زاہد الکوثری کی طرف چلے گئے، وہ جس محبت و تواضع کے ساتھ ملے اسے دیکھ کر علماء ہند کی محبت و تواضع یاد آگئی۔ بیٹھے اور باتیں شروع ہوئیں گفتگو کا

تعارف و تبصرہ

تمرین الصرف

از مولانا معین اللہ صاحب ندوی (استاذ ندوۃ العلماء) ناشر دار العلوم ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ کتابت طباعت و کاغذ اعلیٰ وعمدہ صفحات ۱۲۰ قیمت عمر

ندوۃ العلماء نے عربی کا جو نصاب تیار کرایا ہے جس کی چند کتب از قصص النبیین تا تمرین النحو شائع ہو چکی ہیں اور متعدد تعلیم گاہوں میں پڑھائی جا رہی ہیں طالب علم کے نفسیاتی تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کرتی ہیں۔ ان کی مقصدیت کامیابی کو تجربہ کرنے والے جانیں لیکن ان کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حسب ذیل اوصاف کی بڑی حد تک حامل ہیں۔ کتاب کی زبان طالب علم کی مادری زبان ہے۔ زبان سلیس سہل اور بچہ کی استعداد کے مطابق ہے۔ مسائل بتوضیح وتسہیل پیش کئے گئے ہیں۔ جو مسائل طالب کے ذہن و استعداد کیلئے بار ہیں مؤخر کر دیے گئے ہیں۔ جو مثالیں دی گئی ہیں وہ روزمرہ کی معلوم اور طالب کے حلقہ علم کے اندر کی ہیں۔

پیش نظر کتاب بھی مذکورہ بالا اوصاف پر مشتمل ہے اور ندوۃ العلما کے تیار کرائے ہوئے نصاب کی ایک قیمتی کڑی ہے۔ کتاب کے شروع میں مولینا ابو الحسن علی صاحب کا پیش لفظ بھی اس خیال کو تقویت دیتا ہے ــــ لیکن اسی کے ساتھ کتاب کا یہ پہلو بھی قابل تسامح نہیں ہے کہ کتابت کی غلطیاں کافی ہیں اور پھر ایسی غلطیاں جن سے طالب علم غلط مسائل سیکھ جائے۔ مثلاً ص۱۱۲ سطر ۹ دیکھیے کہ فتح الباب میں باب الفاعل کا اعراب نصب دیا ہوا ہے۔ قواعد تصحیح اعراب والفاظ پر کتاب لکھنے والوں کے لئے تصحیح کتابت میں یہ تساہل مناسب نہیں ہے ــــ امید ہے آئندہ اڈیشن میں اس پر ضرور توجہ کی جائے گی۔ اس تساہل سے قطع نظر مصنف کی محنت بہرحال قابل ستائش ہے۔

سیرت پاک

مرتبہ بشیر محمد صاحب شارق دہلوی. شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ کتابت وطباعت اور کاغذ بہتر. صفحات ۱۹۲ مجلد قیمت عہر

اس کتاب کو ہم نے صرف بعض مقامات سے دیکھا ہے اور ہماری رائے ہے کہ مختصر سیرتوں میں یہ بہت

اچھے درجہ کی سیرت ہے۔ زبان میں ادبیت اور عام فہمی کا بڑا خوشگوار امتزاج ہے، بیان کا انداز علمی بھی ہے اور تذکیری بھی۔ ولادت مبارکہ سے وفات تک کے موٹے موٹے واقعات اور ان کے ماتحت ارشادات کے علاوہ چند صفحات میں کچھ ایسے عمومی اقوال مبارک بھی درج کر دیئے گئے ہیں جو چند بننے کے باوجود مومن کی روزمرہ کی زندگی کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسدس حالی اور چہل حدیث کو بھی جزو کتاب بنا دیا ہے جو یقیناً ایک کارآمد اضافہ ہے۔

تصحیح گذشتہ شمارہ میں عربی اردو ڈکشنری پر تبصرہ کرتے ہوئے تبصرہ نگار نے ص۱۱۵ سطر ۱۳-۱۴ پر جو مثال پیش کی تھی اس میں تبصرہ نگار کو کارسپانڈنٹ اور کارسپانڈنس میں اشتباہ ہو گیا تھا اس لئے وہ مثال صحیح نہیں رہی اب ناظرین اس مثال میں یوں ترمیم فرمالیں مثلاً و کے ذیل میں "ولکم" لایا گیا تو خ کے ذیل میں خوش آمدید ...... لے آیا جاتا۔

(بقیہ سفر مصر ص۵۲) محور زیادہ تر علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی اور اس کا ترکی ترجمہ، مولانا محمد یوسف بنوری اور ہندوستان کے بعض مخطوطات رہے۔ شیخ نے ہمیں اپنی قیمتی تصانیف کا ایک مجموعہ نذر کیا ـــــ افسوس کہ مجھے فقہی مناقشات اور بحث و مباحثات سے کوئی دلچسپی اور اس کا کوئی ذوق نہیں ہے اور نہ ائمہ کی تنقیص شان یا ان کی مدافعت میں جو کچھ کہا یا لکھا گیا ہے اس پر میری زیادہ نظر ہے ورنہ بڑی پُر لطف اور نفع بخش مجلس ہوتی۔

الغرض ہم نے اجازت چاہی اور ہم شیخ کی تواضع و سادگی، ان کی وسعت نظر اور اس سن میں ـــــ جس میں کہ آدمی علمی کد و کاوش کے قابل نہیں رہتا ـــــ لکھنے پڑھنے کے کاموں میں ان کی چستی اور انہماک دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔

(بقیہ نگاہِ اولیں صفحہ ۱۰) جو سنگین نتائج نکلیں گے وہ پوری جماعت کو بھگتنا پڑیں گے!" ـــــ الدعوۃ کا اگر کہیں فائل موجود ہو تو یہ اداریہ آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

صالح عشماوی کے یہ آخری الفاظ بتلا رہے ہیں کہ حکومت کے جذبات پہلے ہی دن سے اس معاملہ میں کس قدر نازک تھے! کہ صرف ایک تنقیدی تقریر پر ایسے سنگین نتائج کی پیشین گوئی کی جا سکتی تھی جن کو ایک آزمودہ کار اخوانی بھی خاطر میں لا سکتا تھا ـــــ اور جب جذبات کی نزاکت کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص صرف تقریر کے (ان مہیب نتائج کا) بہانہ بننے کی پیشین گوئی کر سکتا تھا تو جو شخص بجائے تقریر کے اس سے سخت تر اقدام (قاتلانہ حملہ) کو ان مجنونانہ حرکات کے لئے بہانہ بنانے کا خیال رکھتا ہے، یہ اس کا سوءِ ظن ہے یا حسنِ ظن؟ ـــــ اور کیا یہ پیشین گوئی اس خیال کو حقیقت نفس الامری ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اخوان کی یہ ساری پھانسیاں اور تمام دردناک سزائیں صرف اس جرم میں ہیں کہ انھوں نے حکومت کو انگریزوں سے معاہدہ کرنے کے سلسلہ میں من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی ورنہ یہ حملہ کا واقعہ تو صرف ایک بہانہ ہے، جو حکومت کو بہت موقع سے ہاتھ آیا اور اس سے پھر اس نے دوہرا فائدہ اٹھایا ایک طرف اخوان المسلمین کا گلا گھونٹ دیا اور دوسری طرف جنرل نجیب کے ہاتھ سے صدارت کا قلم چھین لیا، کیونکہ یہی دو طاقتیں تھیں جو معاہدہ کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

جنرل نجیب جنھیں جلی ہوئی رسی سمجھ کر کرنل ناصر نے پڑا چھوڑ دیا تھا ان کے متعلق جب یکایک یہ انکشاف ہوا کہ اس جلی ہوئی رسی میں ابھی بل باقی ہیں[1] اور (غالباً) اخوان کی جراتِ بیباک دیکھ کر اس شعلۂ نم خوردہ میں بھی اتنی حرارت آگئی ہے کہ جب معاہدہ کا مسودہ صدر کی منظوری کے لئے ان کے سامنے پیش ہوگا تو یہ اسے رد کرنے کی جرأت کر بیٹھیں گے تو جہاں ایک طرف اخوان کو داخل زنداں کیا گیا وہاں دوسری طرف نجیب کو محل صدارت سے خارج کیا گیا، اور آناً فاناً صدارتی اختیارات کیبنٹ کی طرف منتقل کر کے معاہدہ کی آخری منظوری کا اعلان کر دیا گیا ـــــ اور پھر نجیب کے ساتھ چونکہ کوئی منظم طاقت نہ تھی اس لئے ان کو تو صرف صدارتی اختیارات سلب کر کے ہی چھوڑ دیا گیا لیکن اخوان چونکہ ایک منظم طاقت تھے اس لئے ان کی طرف سے اس آمریت اور دھاندلی کے سخت ردعمل کا بھی خطرہ ہو سکتا تھا لہٰذا ان کی تنظیم کو درہم برہم کرنا بھی ضروری سمجھا گیا۔

ذرا اس واقعہ پر تو غور کیجئے کہ ایک طرف تو حکومت خونیں انقلاب کی ایک ایسی زبردست

---

[1] اس کا انکشاف جنرل نجیب کی معزولی کے بعد ہو چکا ہے۔

سازش پکڑتی ہے جس میں صدر مملکت بھی شریک، فوج بھی شریک ـــــ بری بھی، بحری بھی اور ہوائی بھی ـــ عوام بھی شریک اور طلبا بھی ـــــ گویا جس کی جڑیں مصر کے بحر و بر اور آب و ہوا میں پھیلی ہوئی تھیں اور ہفتوں جس کے سلسلہ میں نئے نئے انکشافات ہوتے چلے جاتے ہیں ـــــ مگر عین ان انکشافات اور ہنگامۂ دار و گیر کے دوران میں سب سے پہلا کام معاہدہ کی توثیق کا کیا جاتا ہے جو اپنی اہمیت کی بنا پر غیر معمولی سکون اور حالت اطمینان کے غور و فکر کا مقتضی تھا ـــ یہ جلد بازی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟

اگر کسی شخص نے حقائق سے آنکھیں بند رکھنے کی قسم نہ کھا رکھی ہو تو یقین کے درجہ میں اگر نہیں! تو شبہ کے درجہ میں ضرور یہ واقعہ اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ یہ سارا ہنگامہ مصنوعی تھا اس کا پورا پلین حکومت نے خود بنایا تھا[۵] اور مقصد یہ تھا کہ اسے تجیب اور اخوان کے سر چپکا کر معاہدہ کی تکمیل کا راستہ ان دونوں رکاوٹوں سے صاف کر دیا جائے ورنہ اس ہنگامۂ بغاوت میں یہ سکون و اطمینان اور جمعیتِ قلب و فکر کی باتیں آخر کیا معنی رکھتی ہیں؟ اور اس کی توجیہ بجز اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ ہنگامہ برپا ہوا نہیں تھا، برپا کیا گیا تھا، اس لئے اس کے اثرات جو کچھ تھے بس سطح ہی سطح پر تھے، سطح کے نیچے مکمل سکون تھا، مکمل اطمینان تھا! ـــــ جیسے کہ کوئی خوفناک سے خوفناک ڈرامہ ہو اور دیکھنے والوں کے دل دہل جائیں مگر ڈرامہ کرنے والے اُسے اطمینان و سکون کے ساتھ اختتام تک لے جاتے ہیں اور ان کے دل و دماغ کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوتا ـــــ یا جیسے مداری اپنے پیٹ میں چھرا مارنے کا تماشہ دکھاتا ہے، بعض دیکھنے والے تاب نہ لا کر منہ تک پھیر لیتے ہیں مگر مداری کے دل پہ ذرا اس وقت ہاتھ رکھ کے دیکھئے! جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

بہر حال بات بہت طویل ہو گئی، کہنا صرف یہ تھا کہ مصر کے حالیہ واقعات کے پس منظر میں اگر جائیے تو اخوان پر عائد کردہ الزامات میں سے کوئی الزام اگر ثابت ہو بھی جائے تب بھی وہ بیچارے اس میں معذور اور انھیں دی گئی سزاؤں میں سراسر مظلوم ٹھیرتے ہیں نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اصل جرم معاہدۂ سوئز کی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں اور عائد کردہ الزامات کے نام سے جو سزائیں انھیں دی گئی ہیں وہ سب دراصل ان کے اسی جرم اصلی کی پاداش ہے۔ اگر بات کچھ تھی بھی تو بہت معمولی تھی لیکن اس کا بتنگڑ بنا کر ان کی مخالفت کو کچلنے کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ اور اگر پس منظر کے علاوہ بعد کے بعض واقعات پر بھی غور و فکر کی زحمت کیجئے تو یہ شبہ قوی نظر آنے لگتا ہے کہ الزامات شروع سے

[۵] اور اس بعد کے واقعہ کے علاوہ صرف کل کی وہی تفصیلات بھی اگر دیکھی جائیں جو حکومت نے مہیا کی ہیں تو یہ شبہ قوی تر ہو جاتا ہے۔ آخر تابڑ توڑ آٹھ فیروں کا موقع ملنا اور ایک فیر بھی نہ لگنا اور عبدالناصر کا اس اطمینان کے ساتھ کھڑا رہنا کہ جیسے گولیاں نہیں [illegible]

آخر تک سب ایک ڈھونگ ہیں جو حکومت نے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے ماتحت رچایا تھا ــــ اس لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اخوان نے واقعی بغاوت کی سازش کی تھی، اور اگر کی تھی تو وہ حکومت مصر کی آمریت کے پیدا کردہ تشدد انگیز حالات کا نفسیاتی ردعمل نہیں تھی! تو اس وقت تک ہر غیر جانبدار انسان کو حق ہے اور غیر جانبداری اور انصاف پسندی کی فطرت کا عین تقاضہ ہے کہ وہ اخوان کے اس قتل عام کو ظلم اور زیادتی قرار دے کیونکہ مذکورہ امور سے اخوان کی بے قصوری کا یقین اگر نہیں تو ان کے قصور وار ہونے میں شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور قانون حدود کی رو سے ملزم شبہ کا فائدہ پاکر بری ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس پر سزا کا نفاذ ظلم ہے ــــ خواہ وہ فی الواقع مجرم ہی کیوں نہ ہو ــــ اور جب اخوان کی یہ پوزیشن بھی سامنے آئے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اسلام کے سچے خادم اور جانباز سپاہی بھی ہیں اور پھانسی پانے والوں میں اس حیثیت سے بعض بڑے ممتاز افراد بھی تھے تو دنیا کے ہر مسلمان کو حق ہے اور اس کی اسلامیت کا عین تقاضہ ہے کہ ان مظلوموں کے ساتھ اس کی ہمدردی عام مظلوموں کے مقابلہ میں کچھ سوا ہی ہو جائے!ــ اور (حدیث رسول کے مطابق) اس طرح تڑپ اٹھے جیسے عبدالقادر عودہ کو نہیں، محمد فرغلی کو نہیں، خود اسی کو پھانسی پر لٹکا یا گیا ہے ــــ ہاں جن لوگوں کے نزدیک اخوان خارجی ہیں ایسے لوگوں کو بیشک اخوان سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی ــــ اور اگر کریں گے بھی تو مذمت آمیز! ــــ اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا تھا، ہم پر بھی اگر ان کی خارجیت منکشف ہو جاوے تو ہم خود انہیں حضرات کی پوزیشن اختیار کر لیں۔ اس لئے اس کی تحقیق یقیناً ضروری ہے کہ اخوان کا واقعی موقف کیا ہے؟ اور اس پر خارجیت کا اطلاق درست ہے یا نہیں؟ ــــ آئندہ سطور میں ہم اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور یہی نقطہ غالباً ہماری بحث کا آخری نقطہ ہوگا۔

مصر کے حالیہ واقعات میں تو (جیسا کہ ہم نے تفصیل سے عرض کیا) اخوان کی خارجیت کا کوئی ثبوت ملتا نہیں کیونکہ ان واقعات کی بنا کوئی مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ ایک خالص ملکی اور سیاسی مسئلہ ہے جس کا کوئی تعلق مذہب سے نہیں اس لئے اس میں مذہبی اختلاف کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوتا، اور اخوان نے بھی اس سلسلہ میں اپنی حکومت سے جو اختلاف کیا اس میں مذہب کا کہیں نام نہیں لیا ــــ اور ان کے مخالفین نے بھی انہیں اس کا الزام نہیں دیا ــــ بلکہ ان کا اختلاف ملک کی آزادی اور اس کی سیاسی بہبودی کے نام پر تھا ــــ لیکن اس حقیقت حال کو جانتے بوجھتے یا اب جان لینے کے بعد بھی اگر کوئی اخوان کو خارجی ٹھیراتا ہے

تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اخوان نے اپنی پچیس سالہ محنت سے اپنی قوم کے ایک معتد بہ حصہ میں دین سے جو مخلصانہ تعلق پیدا کر دیا ہے، اس کی تکمیل کے لئے اور اپنے اس خون پسینے سے سینچے ہوئے باغ کو اس طبقہ کی دست برد سے بچانے کے لئے جس کو اپنی قوم میں دینی شعور کی بیداری اور دین کی سرسبزی سے اپنا مفاد اور اپنی خواہشات کا مستقبل خطرہ میں نظر آتا ہے ۔۔۔ اور اس کو قوم کا جز ہونے کی وجہ سے مارآستین کے سے مواقع بھی حاصل ہیں ۔۔۔۔ اس بات کی جدوجہد شروع کر دی ہے کہ دعوت کے ساتھ ساتھ حکومت کی طاقت بھی دین کو حاصل ہو ۔۔۔ اخوان کی اسی جدوجہد کو خارجیت قرار دیا جا رہا ہے، ورنہ اس کے سوا ان میں واقعی خارجیت کا تو کوئی جزو مہ نظر نہیں آتا ۔۔۔ تو پھر اس صورت میں خارجیت گویا ہر اس فکر و عمل کا نام ہے جس سے کوئی مسلمان حکومت ناراض ہو سکتی ہو اور اس تعریف کی رو سے اخوان بیشک خارجی ہیں کیونکہ ان کی موجودہ جدوجہد میں ایسے امور تقریباً ناگزیر ہیں جو جبین اقتدار پر شکن لانے کا باعث بن سکیں۔ ان کی اس جدوجہد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جب ان کی حکومت کسی ایسے کام کا ارتکاب کرنے جا رہی ہو جس کے اثرات قوم پر دینی نقطہ نظر سے مضرت رساں ہوں تو وہ حکومت کو افہام و تفہیم کے ذریعہ اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اگر وہ اس کے جواب میں استکبار اور بے اعتنائی کا رویہ دیکھیں تو قوم کے بیچ میں کھڑے ہو کر پوری حمیت دینی کے ساتھ احتساب و تنقید کا فرض انجام دیں تاکہ قوم میں احتساب و تنقید کی روح پیدا ہو سکے اور نفسیاتی طور پر اس میں یہ احساس پیدا ہو سکے کہ اگر حکومت کی طاقت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہی جو دینی تقاضوں کے ساتھ موافقت کے بجائے مزاحمت کے خوگر ہوں تو پوری قوم میں، اور اس کی زندگی کے تمام گوشوں میں ۔۔۔ داعیانِ تجدید دین خواہ سر پٹک بھی مر جائیں ۔۔۔ دین کی احیاء و تجدید نہیں ہو سکتی! کیونکہ اس روح اور اس احساس کے بغیر اس استکبار و بے اعتنائی کی موجودگی میں ان کی یہ جدوجہد تا عمر کامیابی کے ساحل پر نہیں پہونچ سکتی۔

پس اگر اخوان کی خارجیت یہی ہے تو اخوان کے ہمدردوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ اس خارجیت کا مسلک اہل سنت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ اس کا ٹکراؤ ان لوگوں کے مذاقِ خاص سے ہے جو ہر مسلمان حکومت کو ظل اللہ سمجھتے ہیں اور "من استخفہا استخفہ اللہ ومن اکرمہا اکرمہ اللہ" ۔۔۔ کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اگر اس کی کسی حرکت پر لب کشائی کے لئے مجبور ہی ہوتے ہیں تو ضروری مناقب شماری اور اظہار نیاز مندی کے بعد بھی اس طرح چبا چبا کر عرض کرتے ہیں کہ مزاج ظل اللّٰہی پر ایک لفظ بھی گراں نہ گزرے ۔۔۔ خواہ وہ مسلکاً اہل سنت ہی ہوں!! اور اہل سنت میں مختلف مذاق کے لوگ ہمیشہ رہے ہیں ۔۔۔۔ اب یہ اپنی اپنی پسند ہے کہ کوئی اس مذاق کو پسند کرے یا مزاجِ ظل اللّٰہی کے علی الرغم اظہارِ حق اور نصرتِ حق کرے اور اگر اس راہ میں

پھانسی کا پھندہ سامنے آتا ہو تو بڑھ کر چوم لے!

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات
معارف الحدیث
قیمت مجلد
قیمت غیر مجلد
کلمہ طیبہ کی
حقیقت
قیمت ۶ر آنے
نماز کی حقیقت
قیمت
۱۲ر آنے
اسلام کیا ہے؟
قیمت مجلد
قیمت غیر مجلد
آپ
حج کیسے کریں؟
تبلیغی تقریریں
قیمت
تصوف
کیا ہے؟
قیمت
حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
ملفوظات
حضرت مولانا محمد الیاس
قیمت
تصوف و صوفیہ
قیمت
اسلام
اور نظام سرمایہ داری
قیمت ۸ر
بوارق الغیب
حصہ دوم
قیمت ایک روپیہ
معرکۃ القلم
یا
فیصلہ کن مناظرہ
قیمت
قادیانیت پر غور
کرنے کا سیدھا راستہ
قیمت چھ آنے
پیام انسانیت
قیمت
دس آنے
کتب خانہ الفرقان۔ گوئن روڈ لکھنؤ
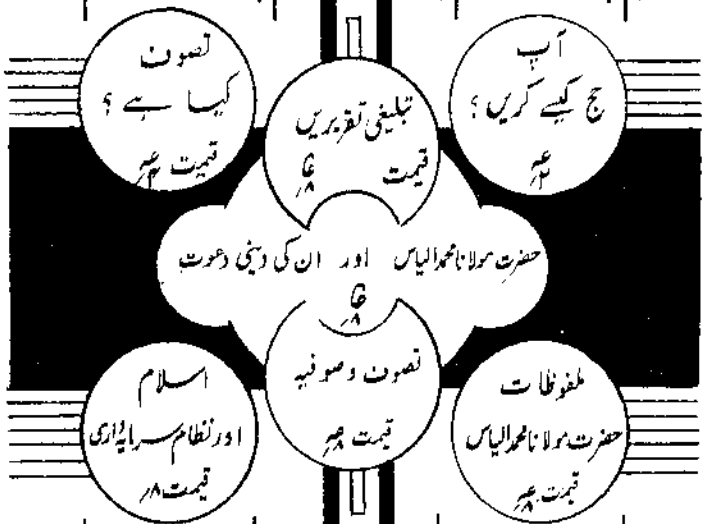
سوانح قاسمی

بانی دارالعلوم شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات کی تڑپ ہر فرزند دارالعلوم کے دل میں مدتوں سے موجزن تھی اور ہر بہی خواہ دارالعلوم خواہشمند تھا کہ بانی دارالعلوم کی سوانح بھی دارالعلوم کی طرح نور افزائے دیدہ و دل ہو۔

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہو کہ یہ سعادت ۶، برس کے بعد حضرت مولانا گیلانی ظلہٗ کے حصہ میں آئی اور مولانا مدظلہٗ نے انتہائی عرق ریزی سے تین سال مسلسل محنت فرما کر یہ مبارک تحفہ محبان دارالعلوم کے ہاتھوں تک پہنچانے کے قابل بنایا۔

اندازہ فرمائیے کہ صاحب سوانح تو حضرت مولانا نانوتویؒ ہوں اور سوانح نگار حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی جیسا اہل قلم اہل دماغ اور اہل دل بزرگ ہو تو کتاب کی افادیت اور عظمت کس درجہ کی ہوگی،

بڑا سائز، عمدہ کاغذ، و طباعت، ۱۲۰۶ صفحات۔ قیمت ۱۲؍

حیاتِ انور

فخر المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال کے پورے بیس سال بعد توفیق الٰہی کی مساعدت سے ان کی باکمال زندگی کے مختلف گوشوں اور علمی فضائل کے مختلف پہلوؤں پر یہ تذکیری اور تحقیقی کتاب شائع ہوئی ہو۔

یہ مبارک سوانح حیات کسی ایک اہل قلم کی تصنیف نہیں بلکہ حضرت صاحب سوانحؒ کے خاص خاص تلامذہ میں سے چند بزرگوں نے چودہ مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہو جس کا اندازہ عنوانات سے ہوگا۔

(۱) افتتاحیہ سید محمد ازہر شاہ قیصر (۲) حالات زندگی، سید محمد ازہر شاہ قیصر

(۳) علامہ انور شاہؒ کی درسی خصوصیات، مولانا سید مناظر احسن گیلانی

(۴) حضرت الاستاذؒ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی (۵) حضرت علامہ انور شاہ کے افادات مولانا محمد منظور نعمانی (۶) اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت، مولانا سعید احمد اکبر آبادی

(۷) حضرت شاہ صاحب کی نقاہت، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (۸) نور الانوار، حضرت مولانا محمد طیب صاحب

(۹) حضرت مولانا سید انور شاہؒ، مولانا اعزاز علی صاحب (۱۰) علامہ انور شاہ اور قادیانیت، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

(۱۱) حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی

(۱۲) حضرت شاہ صاحب سے ۲ ملاقاتیں، پروفیسر سید ابو ظفر ندوی (۱۳) حضرت الاستاذ محمد انور شاہ کشمیری مولانا محمد صاحب انوری (۱۴) حضرت شاہ صاحبؒ کا تبحر علمی، مولانا سید محمد ادریس صاحب۔

صفحات ۳۵۲، مجلد قیمت (للعہ)

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اس
بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصلحین

"ادارہ الفرقان"

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مولینا محمد منظور نعمانی

اور

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں — اور جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ ۱۲ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاس رح

جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاس کی مجلسی اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کرکے مرتب کیا ہے۔ علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظ یقین اور معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

بہترین کتابت وطباعت

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویس ندوی

کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود انصاف وتحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے۔

۱۵۰ صفحات، بہترین کتابت وطباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپیہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملنے کا پتہ — کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ — لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان سے	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	غیر ممالک سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) صہ؍	قیمت فی کاپی آٹھ آنے	سالانہ چندہ .... ۱۰ شلنگ
سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) سے؍		اعزازی خریداروں سے
ششماہی سے؍		سالانہ ؍

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ جمادی الآخری ۱۳۷۴ھ مطابق فروری ۱۹۵۵ء | شمارہ ۶

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی۔پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نگاہِ اولیں

پچھلے مہینے مؤتمر اسلامی فلسطین کے جنرل سکریٹری جناب شیخ سعید رمضان صاحب شرق بعید کا دورہ کرتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے، ڈیڑھ دن کے واسطے لکھنؤ بھی تشریف آوری ہوئی متعدد جلسوں میں خطاب فرمایا اور ایمانی حرارت، اسلامی اخوت اور جذبۂ دعوت کا ایک گہرا نقش چھوڑ کر واپس ہو گئے ع — بسلامت روی و باز آئی

سعید رمضان صاحب کا یہ دورہ مسئلہ فلسطین کے سلسلہ میں تھا، فلسطین کا قضیہ بڑا دردناک ہے۔ مغربی طاقتوں نے اپنی شاطرانہ سیاست سے عالم عربی کے سینے میں ایک یہودی ریاست کا کھونٹا گاڑا ہے، جن یہودیوں کے لئے دنیا میں کہیں جگہ نہیں تھی جنہیں قبول کرنے کے لئے کوئی ملک تیار نہیں تھا اور اللہ کی یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود جن کے لئے تنگ ہو گئی تھی انھیں عربوں کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے لا بٹھایا ہے، اور یہی نہیں کہ انھیں عربوں کی سر زمین پر زبردستی اتارا گیا ہے بلکہ انھیں آباد کرنے کے لئے دس لاکھ عربوں کو خانہ برباد کیا گیا ہے اور آج ان کا یہ حال ہو کہ

"نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن"

کھلے آسمان کے نیچے، ریت کے فرش پر میلوں تک خیموں کی ایک دنیا بسی ہوئی ہے جس میں یہ "خانہ بردوش" اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں —— شاید آسمان ان کے حال زار پر رو رہا ہوگا اور زمین کا جگر شق ہو رہا ہوگا۔

ایک ایک خیمہ میں چھ چھ خاندان تک پناہ گزیں ہیں —— ایک خیمہ اور چھ خاندان! پتہ نہیں یہ کیسے جی رہے ہیں؟ ہاں ایسے جی رہے ہیں کہ ساٹھ فی صدی دق میں مبتلا ہیں —— اور جہاں

ساٹھ فی صدی دق میں مبتلا ہوں وہاں باقی کا حال معلوم!

دنیا کی دھتکاری ہوئی قوم کا کسی جمی جمائی آبادی کو برباد کر کے خود اس کی جگہ پر آباد ہوجانا کچھ ایسا آسان نہیں تھا! ممکن تھا کہ فلسطین کی عرب آبادی ہی انھیں اس دست درازی کا مزہ چکھا دیتی، مگر جن طاقتوں کی سرپرستی نے یہودیوں کو یہ حوصلہ دیا تھا ان طاقتوں نے اس کا انتظام بھی سوچ لیا تھا۔ آس پاس کی عرب حکومتیں میدان میں کود پڑیں اور اہل فلسطین نے ان پر اعتماد کر کے اپنے ہاتھ روک لئے۔ ان فوجوں کی باگ بھی دراصل ان ہی طاقتوں کے ہاتھ میں تھی، انھوں نے چند روزہ ڈھیل دے کر باگ کھینچ لی اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتی ہوئی فوجوں کی عام پسپائی شروع ہوگئی۔ عالم عربی کی مشہور فداکار دینی جماعت "الاخوان المسلمون" کے ہزاروں رضاکار بھی سرزمین قدس کی حفاظت کے لئے کفن بردوش جا پہونچے تھے اور عرب فوجوں کی زیادہ تر فتوحات انھیں کی جاں نثاری اور فداکاری کی رہین منت تھیں۔ جس کا اعتراف خود فوجی افسروں نے کیا ہے ——— مگر کمزور اور ملک فروش وزارتوں نے آقایان مغرب کے اشارہ پر انھیں بھی جیتی ہوئی بازی ہرنے کے لئے مجبور کیا، رسد میں رکاوٹ ڈالدی اور مصر میں ان کی تنظیم کو ٹھیک اسی وقت خلاف قانون قرار دے کر ان کی پیٹھ میں ایسا چھرا گھونپا کہ جہاد جاری رکھنا ناممکن ہوگیا ——— ایسے ایسے خائن اور غدار مسلم حکمرانوں کے متعلق بھی لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے وہی حقوق مانے جائیں جو شریعت نے خلفائے اسلام کے لئے رکھے ہیں[1]۔

بہرحال اپنی ہی حکومتوں کی غداری نے مجاہدین اخوان کی کمر توڑ دی، پھر یہودیوں کا روکنے والا کون تھا؟ ان کی مٹھی بھر جمعیت نے پوری عربی دنیا بلکہ پورے عالم اسلام کو رسوا کر کے رکھ دیا اور دس لاکھ فلسطینی عربوں کو خانماں برباد کر کے ایک مستقل اسٹیٹ کے مالک بن کر بیٹھ گئے اور دیکھو کہاں گئے؟ انھوں نے جب دیکھا کہ عربی حکومتوں کا حال یہ ہے تو اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر بھی تاراج کرنا شروع کر دیا ……………………… پھر اس پر بھی بس نہیں ہے بلکہ وہ بیت المقدس کا مقدس شہر بھی لے کر اپنی دیرینہ آرزو پوری کرنا چاہتے ہیں، بلکہ مدینہ تک پہونچنے کا خواب دیکھ

---

[1] اسے آج کل بعض لوگوں نے ایک مستقل مسئلہ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم کسی قریبی اشاعت ہی میں اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے ۱۲

رہے ہیں، یہ خواب تو ان شاء اللہ خواب ہی رہے گا لیکن بیت المقدس یقیناً خطرہ میں ہے۔ اسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مؤتمر اسلامی فلسطین کی بنیاد پڑی ہے۔

عرب کے بعض دردمند اور مخلص لیڈروں نے جب دیکھا کہ عرب حکومتیں معاملہ کو کھٹائی میں ڈال رہی ہیں، وہ خارجی طور پر ان استعماری طاقتوں سے ڈرتی ہیں جو یہود کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور داخلی طور پر ایسی نفسانفسی اور اغراض پرستی میں مبتلا ہیں کہ اہل فلسطین کے لئے ان سے کسی بڑے ایثار کی توقع نہیں کی جا سکتی، نہ خانماں بربادوں کی امداد و اعانت کما حقہ ہو رہی ہے اور نہ بچے ہوئے عرب علاقہ کی حفاظت ہی کا کوئی اطمینان بخش انتظام ہے تو انھوں نے غیر حکومتی بنیاد پر ایک ادارہ قائم کیا اور اس میں تمام عالم اسلامی کو نمائندگی دی۔ اسی ادارہ کا نام مؤتمر اسلامی فلسطین ہے اور سعید رمضان صاحب اسی کے جنرل سکریٹری ہیں۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کے دس لاکھ پناہ گزیں جو اقوام متحدہ اور عرب حکومتوں کی ناکافی امداد کی وجہ سے سخت دردناک حالت میں پڑے ہوئے ہیں ان کے لئے تمام عالم اسلام سے امداد حاصل کر کے ان کی تکالیف کو رفع کیا جائے اور وہ علاقہ جو فلسطین کی تقسیم کے بعد عربوں کے حصہ میں رہ گیا ہے (جس میں وہ بیت المقدس بھی ہے جو غازی صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنی جان لڑا کر عیسائیوں کے پنجہ سے واپس لیا تھا اور آج یہودی جس پر دانت لگائے ہوئے ہیں) اس کی حفاظت کے معقول انتظامات کئے جائیں۔

اس سلسلہ میں مؤتمر اسلامی کا خیال ہو کہ تنہا یہودیوں کو روکنے کیلئے وہ عرب جانباز کافی ہیں جو عربی فلسطین کی سرحد پر آباد ہیں لیکن اپنے موجودہ حالات میں وہ زیادہ دن تک اس فرض کفایہ کو انجام نہیں دے سکتے ——— اولاً وہ سخت معاشی بحران میں مبتلا ہیں، دوسرے ان کے پاس اسلحہ کی کمی ہے، تیسرے ان کے مکانات ایسے مضبوط نہیں ہیں جو گولیوں اور گولوں کا مقابلہ کر سکیں اور چوتھی مصیبت یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی آڑ میں ایسے تعلیمی ادارے وہاں قائم کئے جا رہے ہیں جو نئی نسل میں ایمانی جذبات اور اسلامی عصبیت کا خاتمہ کر دیں، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کے معاشی بحران کو ختم کیا جائے تاکہ وہ تلاش رزق میں اپنی بستیاں چھوڑنے پر مجبور نہ ہوں۔ ان کے لئے جدید اور کافی تعداد میں اسلحہ مہیا کئے جائیں، ان کے لئے کچھ ایسے بڑے بڑے مضبوط مکانات تعمیر کئے جائیں جو ایک دفاعی لائن کی شکل اختیار کر لیں، نیز ان کے بچوں کے لئے اسلامی تعلیم گاہیں قائم کی جائیں تاکہ انھیں دین کش

تعلیم گاہوں میں جانا نہ پڑے۔

مؤتمر اسلامی اپنے وسائل کی حد تک یہ سب کام کر رہی ہے۔ اس وقت مؤتمر کے زیر انتظام ایک ہزار مزدور دفاعی لائن کی تعمیر کا کام کر رہے ہیں۔ مؤتمر کے جنرل سکریٹری سعید رمضان صاحب سال بھر سے اپنا گھر چھوڑ کر ایک مستقل عملہ کے ساتھ وہاں پڑاو ڈالے ہوئے ہیں اور اس کی نگرانی کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً اُن تمام ممالک کے دورے کر رہے ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں۔ ان دوروں سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے بھائیوں کے مصائب سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنا فرض پہچانیں اور مسلمانوں کے علاوہ عام انسانوں کی انسانیت سے خطاب کریں اور بتلائیں کہ فلسطین میں انسان نما درندے انسانیت کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔

فلسطین کا مسئلہ حقیقت میں پوری دنیائے اسلام کا مسئلہ ہے۔ اس لئے بھی کہ وہاں امتِ اسلامیہ کا ایک حصہ اغیار کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے اور ہمارے آقا و مولا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :-

"سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اُن کے ذمہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی حفاظت اور دفاع میں جو کچھ کر سکتے ہوں کریں"[1]

اور اس لئے بھی کہ بیت المقدس کا مذہبی تقدس صرف عربوں ہی کے لئے نہیں، تمام اسلامیانِ عالم کے لئے ہے اور اس کی حفاظت کی فکر جس طرح عرب کے بسنے والے مسلمانوں کا فریضہ ہے، اسی طرح مسلمانان عجم کا بھی! ——— مسجد اقصیٰ مسلمانوں کی پہلی قبلہ گاہ، اگر یہود کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو یہ تنہا عربی مسلمانوں ہی کی نہیں، مشرق و مغرب کے رہنے والے ہر مسلمان کی رسوائی ہے ——— بشرطیکہ احساس ہو!

سعید رمضان صاحب ہم میں یہی احساس جگانے آئے تھے۔ وہ اپنا فرض پورا کر گئے اور ہم پر ایک فرض عائد کر گئے۔ اب معاملہ ہمارے اور خدا کے درمیان کا ہے اور وہ دیکھنے والا ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا نہیں! ——— ہمارا فرض کیا ہے؟ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں، موٹی سی بات ہے

---

[1] المومن اخو المومن یکف عنہ ضیعتہ و یحوطہ من ورائہ ۔ (رواہ ابو داؤد)

کہ ہمارا پہلا فرض اپنے مظلوم بھائیوں کی مالی امداد ہے، جس حد تک بھی ہو سکے اور "جس حد تک" کا کوئی معیار نہیں، یہ احساس پر موقوف ہے، اگر احساس ہو تو یہ امداد

"یؤثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ" (اور وہ ایثار کرتے ہیں اگرچہ خود تنگی میں ہوں (قرآن)

کی حد تک بھی ہو سکتی ہے!

سعید رمضان صاحب نے ہم سے کوئی چندہ نہیں مانگا، کوئی مالی اپیل نہیں کی بلکہ صرف احساس اخوت کو بیدار کرنے کی کوشش کی، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر احساس نہ ہو تو ہر اپیل صدا بصحرا، اور اگر احساس بیدار ہو جائے تو پھر کسی اپیل کی حاجت نہیں!

ایک زمانہ تھا (اور ابھی اسکو زیادہ مدت نہیں گزری) کہ دنیا کے ایک حصہ میں اگر مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑتی تھی تو تمام دنیا کے مسلمان اس سے متاثر ہوتے تھے اور حدیث

المومنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ۔ (رواہ مسلم)

پوری مسلمان امت (اپنے درد دکھ کے لحاظ سے) ایک شخص کی طرح ہے جس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب اس کی آنکھ میں یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس تکلیف سے آدمی پورے کا پورا بے چین رہتا ہے

کی عملی تصدیق ہو جاتی تھی لیکن رفتہ رفتہ حالت اتنی بدل گئی ہے کہ اب بڑے بڑے واقعات ہو جاتے ہیں، امت کے کسی حصے پر قیامت گزر جاتی ہے مگر دوسرے حصوں پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا، یہ ایک خطرناک علامت بلکہ اعدائے امت کی جرأتیں بڑھنے کا خاص سبب ہے ——— اور فلسطین کے جیسے المیات نہیں رک سکتے، اگر اس رابطہ اسلامی کی از سر نو تجدید عمل میں نہ آئے۔

سعید رمضان صاحب اس تجدید اخوت کا بھی پیغام لے کر آئے تھے، بلکہ حق یہ ہے کہ ان کی ہر ہر ادا اس پیغام کی ترجمان تھی، جس نے بھی ان کو ذرا قریب سے دیکھا ایک پیکر اخوت جلوہ نما پایا، انھوں نے اپنی پوری قوت اور انتہائی دل سوزی کے ساتھ ہر موقع پر یہ پیغام دیا اور سننے والوں نے محسوس کیا کہ گویا یہ شخص اس دن کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہے جب یہ پوری امت انڈونیشیا سے مراکش تک محبت واخوت کے ایک دھاگے میں بندھی ہوئی نظر آوے۔

یہ کب ممکن ہے ؟ ــــــ یہ اس وقت ممکن ہے جب اُمت اسلام کی طرف لوٹ آوے، اور "اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً" کے قرآنی حکم کی تعمیل ہوجائے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ باہمی رشتہ جب استوار ہوسکتا ہے جب اُن کا رشتہ اسلام سے پوری طرح استوار ہوجائے، کیونکہ اسلام ہی کا رشتہ ہمیں بھائی بھائی بناتا ہے ــــــ الغرض ہماری اسلامیت جتنی گہری ہوگی باہمی اخوت اتنی ہی مضبوط ہوگی اور اسلامیت جتنی ناقص ہوگی اخوت بھی اسی نسبت سے کمزور ہوگی اور اس کے آثار اسی قدر مخفی ہوں گے ــــــ اور آج اس رشتہ میں جو کمزوری ہم پا رہے ہیں وہ بلاشبہ نتیجہ ہے ہماری اسلامیت کے نقص کا۔

سعید رمضان صاحب کی اس حقیقت پر بھی نظر ہے اور وہ اس زمانہ کے خالی سیاسی اسلامستان کا نعرہ لگانے والوں کی طرح نہیں ہیں، چنانچہ جس طرح وہ اخوت کے داعی نظر آتے ہیں، اسی طرح اسلامیت کے بھی مخلص اور پرجوش داعی ہیں، انھوں نے لکھنؤ میں جتنی عمومی اور خصوصی تقریریں کیں ان سب میں اس دعوت کو ہر بات پر مقدم رکھا اور زبانِ قال ہی سے نہیں زبانِ حال سے بھی وہ ڈیڑھ دن کے مختصر قیام میں اس دعوت کو بار بار دہراتے رہے اور اپنے اس حال سے، اس دعوت سے مناسبت رکھنے والوں کے دلوں میں ایک نیا ولولہ اور ایک نئی اُمنگ پیدا کرگئے۔ اُن کی دعوت کیا تھی ؟ مختصر لفظوں میں پورے اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت ! اُس اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت جس نے پہلے مسلمانوں کو دنیا پر بھاری کردیا تھا اور زاویۂ خمول سے نکال کر عالمی سیادت کے منصب پر بٹھا دیا تھا ــــــ اس دعوت کی کچھ جھلک آپ کو ان کی اس تقریر میں نظر آئے گی جو اسی شمارہ کے آخری صفحات میں شائع کی جارہی ہے !

پھر ایک حقیقت پسند داعی کی طرح سعید رمضان صاحب کی نظر اس حقیقت پر بھی تھی کہ اس وقت باہمی اخوت کے راستہ میں، دین سے بُعد کی طرح وہ فروعی اختلافات بھی حائل ہیں، جو قرنِ اول کے بعد سے مسلمانوں میں پیدا ہوگئے ہیں اور بدقسمتی سے ان کی اصلیت کو بھولتے جانے کی وجہ سے ان کی نوعیت بہت بھیانک ہوگئی ہے، پس اگر کل اسلام کی طرف عمومی بازگشت ہو بھی جاوے جب بھی یہ اختلافات اخوت کا راستہ روکے رہیں گے، اس لئے وہ جہاں اسلام کی طرف بازگشت کی دعوت دیتے تھے وہیں پورے زور کے ساتھ اور پوری دل سوزی کے ساتھ اس طرف بھی توجہ دلاتے

تھے کہ ان اختلافات کی اصلیت کو سمجھا جائے۔ یہ اختلافات فروعی ہیں اصولی نہیں۔ اس لئے ان اختلافات کو اُس اتحاد میں مانع نہیں ہونا چاہیئے جس کا تقاضہ بلکہ جس کی تخم ریزی اصولِ دین کرتے ہیں۔

ہم نے ایک طرف سعید رمضان صاحب کی یہ اعتدال پسندی اور متوازن مزاجی دیکھی اور دوسری طرف ہمیں یہ معلوم تھا کہ وہ اخوان کے صف اول کے زعماء میں ہیں —— وہی اخوان جن کے متعلق ہم سن رہے ہیں کہ غلو پسندی اور متشدد مزاجی میں اپنے وقت کے خوارج ہیں —— اس لئے ذہن میں معاً یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کسی خارجی کو بھی یہ طرزِ فکر نصیب ہو سکتا ہے؟ کہاں خارجیت اور کہاں اختلافات کو انگیز کرنے کی یہ پُردرد دعوت و نصیحت!

بات تو بس ختم ہو گئی تھی مگر جب سعید رمضان صاحب کی "اخوانیت" کا ذکر آ گیا تو پھر یہ کہے بغیر جی نہیں مانتا کہ اخوان المسلمین پر مصری فوجیوں کے ظلم وستم کا جتنا رنج پہلے تھا وہ سعید رمضان صاحب کو قریب سے دیکھ کر کئی گنا بڑھ گیا، اب تک اخوان کے متعلق جو حسن ظن تھا وہ بالواسطہ قائم ہوا تھا، مگر سعید رمضان صاحب کو دیکھنے کے بعد گویا "اخوانیت" کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس حسن ظن کی تصدیق ہو گئی کہ "اخوانیت" نام ہے۔

اسلام سے سچی وابستگی کا، اللہ سے گہرے تعلق کا، ایک بے چین جذبۂ دعوت کا اور پُرجوش باہمی محبت کا، مومنین کے لئے تواضع و انکسار کا اور اعدائے دین کے حق میں تمرد و سرکشی کا!

سعید رمضان صاحب میں یہ چیزیں جس درجہ میں تھیں اگر باقی اخوان میں اس سے آدھے درجہ کی بھی مانی جائیں تب بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ بس اللہ ہی سمجھے اُن لوگوں کو جن کے ہاتھوں عالم اسلام کی ایسی قیمتی امانت کا خون ہوا ہے —— مگر ان لرزہ خیز مظالم کے باوجود اخوان کے اس نمائندے کی پُر امیدی، بے ہراسی اور طمانیت قلب کا جو عالم دیکھا وہ یقین دلا رہا تھا کہ ع

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

~~~~~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~~~~~

قرآنی دعوت

(۱۷)

تقوےٰ!

اللہ، یوم آخرت اور سلسلۂ نبوت پر ایمان کے بعد جن چیزوں کی دعوت قرآن مجید نے زیادہ اہمیت کے ساتھ دی ہے اور جن کو گویا انسان کی فلاح و سعادت کا مدار بتلایا ہے ان میں سے ایک "تقویٰ" بھی ہے۔

تقوے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، پھر اللہ کی ناراضی اور اس کی پکڑ اور آخرت کے عذاب اور مواخذے سے ڈرتے ہوئے فکر اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت اُبَیّ بن کعب، جو علم قرآن میں خصوصی امتیاز اور مہارت رکھتے تھے (اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس خاص علمی حیثیت کی توثیق فرمائی تھی) ایک دن اُن سے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ "تقویٰ" کی حقیقت کیا ہے؟ — حضرت اُبَیّ نے فرمایا کہ کبھی کانٹوں بھرے کسی راستہ پر چلنے کا اتفاق تو آپ کو ضرور ہوا ہوگا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کیوں نہیں، بارہا ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے، حضرت اُبَیّ نے فرمایا کہ اُس وقت آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور خوب کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح و سالم نکل جاؤں، حضرت اُبَیّ نے فرمایا "ذلک التقویٰ"[1] (بس یہی تقوے کی حقیقت ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ تقوے کی کوئی تشریح اس سے بہتر اور بلیغ تر نہیں کی جا سکتی۔

قرآن مجید کی جن آیتوں میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی گئی ہے ان سب کا تو

---

[1] ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۰

شمار بھی مشکل ہو، صرف چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں پڑھ لیجئے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ (آل عمران۔ رع ۱۱)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہو اور (آخری دم تک اس تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے دل و جان سے اپنے اس مالک کی فرمانبرداری کرتے رہو، یہاں تک کہ) تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آئے۔

مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا پیدا کرنے والا، اور پرورش کرنے والا ہو، اور جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہو اور بے انتہا بخشش و رحمت کے ساتھ جس کے قہر و جلال کی بھی کوئی حد نہیں ہو ایسے مالک سے بندہ کو جیسا ڈرنا چاہیے ایمان والے اس سے ویسا ہی ڈریں۔ اور زندگی کی آخری سانس تک اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔

اور سورۂ تغابن میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا گیا ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا...... (تغابن ع ۲)	اللہ سے ڈرو، اور تقویٰ اختیار کرو، جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اسکے سارے حکم سنو اور مانو!

اور سورۂ حشر میں فرمایا گیا ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (حشر۔ رع ۳)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر نفس کو ضرور دیکھنا (اور سوچنا) چاہیے کہ اس نے کل کے لیے (یعنی آخرت کے لیے) کیا سامان کیا ہو، اور (تم کو مکرر تاکید کی جاتی ہو کہ) اللہ سے ڈرتے رہو، یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہو کہ اللہ تمہارے سب اگلے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہو (تمہارا کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

اور سورہ مائدہ میں ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (المائدہ ع ۶)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو، تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

ان چاروں آیتوں میں تقوے کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے لوازم اور مقتضیات اختیار کرنے پر بھی پورا زور دیا گیا ہے، چنانچہ پہلی آیت میں اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ کے ذریعہ تقوے کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "زندگی کی آخری سانس تک اپنے پروردگار کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے رہو۔ اور دوسری آیت میں اسی مضمون کو "وَاسْمَعُوا وَاَطِيْعُوا" کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ —— اور تیسری آیت میں "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے الفاظ سے ہر شخص کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنے اور سفر آخرت کے لیے اعمال صالحہ کا توشہ تیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے —— اور چوتھی آیت میں "وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوا فِيْ سَبِيْلِهٖ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جن اعمال صالحہ اور جن طاعات ومجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہے ان کو اختیار کیا جائے اور اس راہ میں پوری پوری جدوجہد کی جائے —— اور آخر میں "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" فرما کر اہل تقویٰ کو فلاح وکامیابی کی بشارت بھی سنائی گئی ہے، جو دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح کو شامل ہے۔

پھر قرآن مجید کی سینکڑوں آیتوں میں اس فلاح وکامیابی کی تفصیل کی گئی ہے جو تقوے کی روش اختیار کرنے کی بدولت اللہ کے متقی بندوں کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہے —— چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہاں پڑھ لیجئے! پہلے صرف دو تین وہ آیتیں پڑھیے جن میں اہل تقویٰ کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، سورہ آل عمران میں ارشاد ہے۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ	جو لوگ تقوے کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان ہی باغات

مِنَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۚ
(آل عمران ع ۲)

میں رہیں گے اور پاک وصاف بیویاں وہاں ان کی رفیق ہوں گی۔ اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے سب بندوں کے (ظاہری و باطنی احوال) پر گہری نظر رکھتا ہے۔ (اس لیے کسی کا متقی یا غیر متقی ہونا اس سے مخفی نہیں رہ سکتا)

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ اللہ کی رضا کا بھی مژدہ سنایا گیا ہے جو یقیناً دنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بلند تر ہے، خود قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے۔ "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ۔"

اور سورہ نحل میں ارشاد فرمایا گیا ہے

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝
(نحل ع ۴)

اور متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہے، غیر فانی اور سدا بہار بہشت کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، اُن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہاں ان کے لیے وہ سب کچھ مہیا ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اسی طرح اللہ متقیوں کو (ان کے تقوے کا) بدلہ دے گا۔

اور سورہ قمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝
(قمر ع ۳)

جن بندوں نے دنیا میں تقوے کا رویہ اختیار کیا وہ (آخرت میں) باغات اور نہروں میں رہیں گے، ایک عمدہ مقام میں، کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے حقیقی بادشاہ کے قرب میں۔

اللہ اللہ! کیا نصیب اُن بندوں کے جن کو جنت میں ہر قسم کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اپنے مالک کا قربِ خصوصی بھی حاصل ہوگا۔

ان آیتوں میں تو اہلِ تقویٰ کو صرف اُن انعامات کی خوشخبری سنائی گئی ہے جن سے وہ مرنے کے

بعد عالم آخرت میں نوازے جائیں گے، اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ان متقی بندوں کو آخرت کی جنت و مغفرت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص کی بشارت سنائی گئی ہو ۔۔۔ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

(انفال۔ ع ۴)

اے ایمان والو، اگر تم تقوے کا رویہ اختیار کروگے تو اللہ تم کو اپنے خاص فضل سے ایک امتیازی قوت اور امتیازی شان بخشے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا، اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں جو "فُرْقَانْ" کا لفظ ہے (جس کا مطلب ہم نے یہاں "امتیازی قوت" اور "امتیازی شان" کے الفاظ سے ادا کرنا چاہا ہے) دراصل اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، تقوے کا رویہ اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کی معرفت کی جو ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہے، اور ان کی زندگی میں جو ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی ہیبت و عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد جو ان کے ساتھ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے بلند مقاصد میں معجزانہ قسم کی کامیابی حاصل کرتے ہیں، فرقان کے مفہوم میں دراصل یہ سب کچھ داخل ہے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو یہ سب ہی کچھ اس دنیا میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اور اسی کے ساتھ گناہوں کی معافی اور بخشش کا بھی جس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

(اعراف ع ۱۲)

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لائے اور تقوے کا رویہ اختیار کرتے تو ہم زمین اور آسمان سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس قانون کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک اور کسی

علاقہ کے لوگ ایمان اور تقوے والی زندگی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر جن نعمتوں کا تعلق آسمان سے ہو وہ ان پر آسمان سے برستی ہیں، اور جن کا تعلق زمین سے ہو وہ زمین سے ان کے لیے اُبلتی ہیں۔

اور سورۂ طلاق میں، اہلِ تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسی خاص فضل و کرم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہو۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجاً وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ (الطلاق۔ ع ۱)

اور جو لوگ تقوے کا رویہ اختیار کریں، ان کے واسطے اللہ تعالیٰ مشکلات اور سختیوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہو اور ان کو اُن طریقوں سے رزق دیتا ہے جن کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اور سورۂ یونس میں اہلِ تقویٰ کو "اللہ کے دوست" قرار دے کر ان کو دُنیا اور آخرت میں سرفرازی کی بشارت سُنائی گئی — ارشاد ہو۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۝ (یونس ع ۷)

یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انھیں کوئی خوف و غم نہ ہو گا۔ وہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقوے کا رویہ انھوں نے اختیار کیا، ان کے لیے خاص خوشخبری ہے دنیا کی زندگانی میں بھی، اور آخرت میں بھی۔

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کو "اولیاء اللہ" (اللہ کے دوست) کہا گیا ہو جو یقیناً ان کا بہت ہی بڑا اکرام و اعزاز ہو۔ لیکن اس سے بھی بڑا اعزاز ان کا یہ ہو کہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذاتِ پاک کو ان کا دوست بتلایا ہو ——— سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہو۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (جاثیہ۔ ع ۲)

اور اللہ دوست ہے تقوے والوں کا۔

اسی طرح سورۂ نحل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کو متقیوں کا رفیق اور ساتھی بتلایا ہے — ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ الَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ٥ (نحل ع ۱۶)	اللہ اپنے ان بندوں کے ساتھ اور ان کا رفیق، ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں۔

بلاشبہ کسی بندہ کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا کہ اس کا مالک و مولا اس کے بارہ میں فرمائے کہ ہم اس کے دوست، اس کے رفیق اور اس کے ساتھ ہیں۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

معذرت!

بعض حضرات اس ماہ اپنی بعض کتابوں پر تبصرہ کے منتظر ہوں گے، مگر گنجائش نہ رہنے کی وجہ سے ہم اس شمارہ میں تبصروں کا حصہ نہ دے سکے، منتظرین معاف فرمائیں۔ (مرتب)

اطلاع

ربیع الاول مطابق نومبر ۱۹۵۴ء کا الفرقان جن حضرات کو نہیں پہونچا تھا اور ان کی اطلاع پر ہم نے وعدہ کیا تھا کہ لاہور کسٹم آفس سے رُکے ہوئے پرچے واپس ملنے پر اعلان کر دیا جائے گا۔ چنانچہ حسب وعدہ ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ پرچے واپس مل گئے ہیں لیکن بہت محدود تعداد میں ہیں۔ جو حضرات یاد دہانی میں جلدی کریں گے صرف انہیں کو مل سکیں گے۔ اور بیرنگ بھیجے جائیں گے۔

ناظم الفرقان

پرچم محمدیؐ کی طرف!

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ——————— ترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

گزشتہ مہینہ کے پہلے ہفتہ میں مولانا ابوالحسن علی کو بمبئی کے چند اہل علم اور صاحب وجاہت دوستوں نے چائے پر مدعو کیا اور تعارف و ملاقات کے لیے ایک مختصر سی تعارفی مجلس منعقد کی، عام ممالک اسلامیہ اور بالخصوص عرب ممالک کی تہذیب و معاشرت کا جو حال ہوا اور مغربی تہذیب کا جو عالمگیر سیلاب تمام دنیائے اسلام میں طغیانی پر ہو، یہ مختصر سی مجلس بھی اسکی پوری نمائندگی اور غمازی کر رہی تھی، حساس اور دردمند مہمان کے دل پر جیسے اعزاز میں یہ مجلس کی رکھی گئی تھی سخت چوٹ لگی اور دل میں جذبات کا وفور ہوا، وقت کی تنگی کی وجہ سے وہاں اظہار خیال کی نوبت نہ آئی اور مجلس منتشر ہو گئی، کچھ کہہ کر اپنا دل ہلکا نہ کر سکنے کی وجہ سے دل پر بار رہا، رات ہی لکھنؤ واپسی تھی، صبح ہی چلتی گاڑی پر مولانا نے قلم ہاتھ میں لے لیا اور اپنے تاثرات کا اظہار صفحہ قرطاس پر کرنا شروع کیا، انھوں نے اپنے مخصوص میزبانوں کو مخاطب فرمایا اور ان کے توسط سے تمام شرکاء مجلس بلکہ پوری عرب قوم کو پیغام دیا اور اپنے درد دل کا اظہار کیا، خط نے مضمون کی شکل اختیار کر لی اور وہ ایک اچھا خاصہ عربی رسالہ بن گیا، جن لوگوں کے نام یہ خط لکھا گیا تھا انھوں نے اس سے متاثر ہو کر اسکو علیحدہ چھپوا لیا، خود مولانا نے اسکو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں الی الرایة المحمدیة ایھا العرب! کے نام سے طبع کروا لیا ہو، یہاں اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو ——————— مدیر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دن سے مبعوث ہوئے آپ ہر نسل کے نبی اور ہر زمانہ کے امام ہیں، آپ اپنے ساتھ جو دین لائے وہ ہر طوفان میں سفینۂ نوحؑ ہو کہ غرقابی سے صرف وہی بچ سکتا ہو جس پر اللہ رحم کرے اور وہ اس کشتی کی پناہ میں آ جائے ——— اس نبی کریم کی پیروی کرنے، اس کے دین کو مدار عزت و شرف سمجھنے، اس کے عادات و اطوار کو مضبوط پکڑنے اور اس کی رسالت و امانت کا بار اپنے سر پر اٹھانے سے امم و اقوام اور افراد و اشخاص کو عزت و سرفرازی اور بقاء و دوام اور فتح و ظفر کی ضمانت ملتی ہے، اور اس کے برعکس جو اس کے در سے بے نیازی دکھلائے اور اس کے راستہ کے علاوہ کسی اور

راستہ کو عزت و رفعت کا راستہ سمجھے، یا آپ کی اس ہمہ گیر اور عالم گیر قیادت سے سرکشی کرے جس کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہر نسل اور تاریخ کے ہر دور پر فرض کیا ہو، آپ کے عظیم سلسلہ سے اپنا تعلق منقطع کرلے اور آپ کی رسالت کا بار اٹھانے اور آپ کی امانت کا حق ادا کرنے سے اعراض کرکے اپنی ذات، اپنی خواہشات اور اپنے ذاتی مفادات کی فکر میں لگ جائے، وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہو، اُسے ناقابلِ ذکر بنا دیا جاتا ہو اور (زندہ رہتا ہو تو) ذلیل و نامراد ہو کر زندہ رہتا ہو ___ اُس پتّے کی طرح جو کسی ہرے بھرے درخت سے ٹوٹ کر گر جائے، دیر نہیں لگتی کہ وہ سوکھ جاتا ہو، پھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہو، اور ہوائیں لے اِدھر سے اُدھر اڑائے پھرتی ہیں، خدا کا قانون عام ہو جس سے نہ عرب مستثنیٰ ہیں، نہ ترک نہ ہاشمی نہ تیمی! یہ اللہ کا اٹل فیصلہ ہو اور اس کے فیصلے کا بدلنے والا کوئی نہیں! ___ تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے، قوموں کے تجربات اس کی تائید کرتے ہیں، فارسی کے ایک شاعر عارف نے صحیح کہا ہو ؎

محمد عربی کآبروئے ہر دو سراست	کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

ایک ہندی شاعر[1] نے اسی بنا پر کہا ہو۔ اور سچ کہا ہو ؎

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں	کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کُل جس نے	غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

میرے عزیز دوستو! شجرۂ نبوی سے یہ قطع تعلق اور قافلۂ محمدی سے یہ علیحدگی ایسا خسارہ ہو جس کا بدل کوئی چیز نہیں بن سکتی، نہ کوئی بڑی سے بڑی دولت نہ کوئی وسیع سے وسیع سلطنت اور نہ ظاہری ٹیپ ٹاپ! اس نقصان کی تلافی نہ ذہانت سے ہو سکتی ہو، نہ قابلیت سے، نہ سیاست سے، نہ مختلف زبانوں کی مہارت سے، اور نہ لباس کی عمدگی اور برتری سے ___ اس لیے کہ یہ نقصان حقیقت میں کاروانِ حیات سے بچھڑ جانے اور معنویات سے محروم ہو جانے کے مرادف ہو اور ظاہر ہو کہ روح و معنویات کی تلافی مظاہر و پوشاک زبان و ثقافت اور دوسروں کی تقلید و نقالی سے کسی طرح بھی ممکن نہیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا کہ ان کی عزت و رفعت کا منبع، ان کی صبحِ درخشاں کا مطلع، ان کے دورِ جدید کا سرچشمہ اور ان کی قوت و فتحیابی کا راز اسلام اور صرف اسلام ہے، اور اس کا وہ برملا اظہار کرتے تھے، جیسا کہ ابن کثیر کی مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہو۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال

جب حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو راستہ میں آپ کو ایک چشمہ پڑا، آپ اونٹ سے اتر پڑے اور اپنی جرابیں اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور پانی میں گھس گئے، آپ کا اونٹ آپ کے ساتھ ساتھ تھا، یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا آج آپ نے اہل شام کی نظر میں بہت معیوب کام کیا، آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کاش اے ابو عبیدہ یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی، (تم بھول گئے) کہ تم لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ حقیر اور سب سے کم تھے، پس اللہ نے تم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی، اب اگر تم اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو (بتائے دیتا ہوں کہ) اللہ تمھیں ذلیل کر دے گا

(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۶۰)

چنانچہ ایسا ہی پیش آیا اور جب عربوں نے اس دین کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے عزت و سربلندی حاصل کرنا چاہی جب ہی ذلت و پستی کا منھ دیکھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ان کا نام دلوں کو تھرا دیتا تھا اور رعب و دہشت کے مارے دشمنوں کا پتہ پانی ہو جاتا تھا، حالانکہ وہ اپنے جزیرہ سے نکلے تو خستہ حالی اور بے سر و سامانی کا مرقع تھے، — جسم پر دیکھئے تو موٹے جھوٹے اور پیوند لگے کپڑے اور پیروں میں دیکھئے تو پھٹے پرانے جوتے! — اس حالت میں عربوں کا وہ رعب و دبدبہ اس بنا پر تھا کہ وہ ایمان و یقین اور اخلاق کی اس دولت کے مالک تھے جس سے دوسری قومیں بری طرح عاری تھیں، اور انسان کی فطرت ہو کہ وہ اپنے سے برتر کے سامنے جھکتا ہو اور دولت نایاب کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کرتا ہے، اور پھر یہ بھی وجہ ہو کہ مادہ و روح کے خالق نے مادہ پر فرض کیا ہو کہ وہ روح کے سامنے جھکے، اور تاریخ اسلامی ہی نہیں پوری تاریخ انسانی اس بات کی مسلسل شہادت دے رہی ہو کہ جب کبھی کشمکش ہوئی تو روح نے مادہ پر فتح پائی ہو، اور معنویات نے ہمیشہ مادیات کو نیچا دکھایا ہو، عربوں کا اپنے حریف روم و ایران پر — جو مادی ساز و سامان اور تہذیب و تمدن میں اُن سے ہزار درجہ فائق تھے — غالب آنا حقیقت میں مادہ پر روح کے غلبہ ہی کی ایک بیّن شہادت ہو۔

بس مسلمانوں کو (عموماً) اور عربوں کو (خصوصاً) کسی طرح زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اس مغربی تہذیب کو اپنائیں جس کے متعلق جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد روزِ اول ہی سے ظلم و عدوان

پر رکھی گئی ہو اور اس کا خمیر مغز پر پوست کی ترجیح، محسوسات پر قناعت، ماورا محسوسات کا انکار، مادہ اور مادی خواہشوں کی عبادت سے تیار ہوا ہو۔ اور اس کا شجرۂ نسب رسوائے زمانہ رومی اور یونانی تہذیب سے ملتا ہو، پھر آج اس تہذیب کی سربراہی جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہو وہ تاریخ کے سب سے بڑے پاپی، انسانیت کے سب سے بڑے مجرم اور دنیا میں ظلم و فساد اور سرکشی و سنگدلی کے سب سے بڑے داعی ہیں، یہی ہیں جنھوں نے زمین کو جور و فساد اور ہوس کی گل افشانیوں سے بھر دیا ہو اور دنیا کو دو مرتبہ قتل عام کا وہ ہولناک منظر دکھایا ہو جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی — اس سے میری مراد پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہو — اور وہ اب ایک تیسرا مذبح آراستہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو شاید اس دنیا کا آخری مذبح ہو گا جس میں تمام انسانیت نہیں تمام دنیا فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اس لیے کہ یہ ظالم اس میں ایٹم بم ضرور استعمال کریں گے —— یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے خواہشات اور اپنے مفادات کی خاطر قوموں کو غلام بنا رکھا ہو، اور یہی ہیں جنھوں نے شرق اسلامی کی عزت لوٹی ہے، اس کی آزادی کا گلا گھونٹا ہو اور اسے بازیچۂ اغراض بنا رکھا ہو، اس کے رجال سیاست اور ارباب قیادت کو انھوں نے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہو، اور جب چاہتے ہیں اپنی اغراض کے لیے ایک کو دوسرے سے بھڑا دیتے ہیں۔

پس تمام مسلمانوں اور خاص کر عربوں کی غیرت کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کا معاملہ اس تہذیب اور ارباب تہذیب کے ساتھ سخت بغض و عداوت کا ہوتا اور ان کی طرف سے ان ظالم اقوام اور ان کی اس فاجر تہذیب کی طرف کوئی میلان و التفات، ان کے ساتھ کوئی تعلق و ارتباط اور ان کی کسی طرح کی نقالی دیکھنے میں نہ آتی —— جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہو

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا	اور مت جھکو ظالموں کی طرف کہ تم کو
فتمسکم النار و مالکم من	آگ پکڑے، اور نہیں ہو اللہ کے سوا تمھارا
دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون	کوئی کارساز پس نہ مدد کی جائے تمھاری۔

غلط فہمی نہ ہو، مغربی تہذیب سے مراد معصوم علوم طبعی یا کوئی بھی دوسرا علم و فن نہیں، کیونکہ علوم پر کسی قوم کی مہر نہیں ہوتی، بلکہ میری مراد وہ فلسفۂ حیات ہو جس کی مغرب پیروی کرتا ہو — عام اس سے کہ مغرب کا سرمایہ دار بلاک ہو یا کمیونسٹ بلاک —— اور وہ فلسفۂ حیات کیا ہو؟ صرف مادہ

اور قوت پر ایمان اور غیبی حقائق اور اعلیٰ اقداروں کا انکار! اسی مادّی فلسفہ کے بطن سے یہ مادی تہذیب وجود میں آئی ہے، جو نمود و شہرت، جاہ و منزلت اور لذت و مسرت کے لیے زیادہ سے زیادہ مال و دولت کی حرص و ہوس اور (اس کے برعکس)، ادیان سماویہ کے لائے ہوئے عقائد و ضوابط اخلاق سے تغافل و اعراض کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے ــــ یہ مادی فلسفۂ حیات اس ایمانی نظریۂ حیات کی عین ضد ہے، جو کہتا ہے کہ

وما هٰذه الحيٰوة الدنيا الا لهو ولعب وان الدار الاٰخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون۔	یہ حیات دنیا صرف ایک لہو و لعب ہے اور اصل زندگی تو حقیقت میں آخرت ہی کی ہے ـــ کاش یہ جانتے!

یہ فلسفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی سے بھی ٹکراتا ہے کہ

اللّٰهم لا عيش الا عيش الاٰخرة۔	بار الٰہا! زندگی تو بلاشبہ صرف آخرت کی ہے

اور یہ اللہ کے اس فرمان اور قانون اعزاز و اکرام کو بھی نہیں مانتا کہ

انّ اكرمكم عند الله اتقاكم	اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو (اللہ سے) زیادہ ڈرنے والا ہو!

اور یہ بھی اسے تسلیم نہیں ہے کہ

قد افلح من تزكّٰى وذكر اسم ربه فصلّٰى	کامیاب ہے وہ جس نے خود کو (ظاہراً و باطناً) پاک و صاف کر لیا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا اور پھر نماز پڑھی

بلکہ اس کا کہنا یہ ہے کہ

ان اكرم الناس اغنى الناس۔	جو جتنا زیادہ مالدار ہے وہ اتنا ہی زیادہ معزز ہے

اور

قد افلح من اغتنىٰ واقتنىٰ	کامیاب وہ ہے جو زیادہ مالدار، زیادہ

وا کیسر و اثری و اکل الشہی اللذیذ ولبس الفاخر الجدید وملک عدداً من السیارات والقصور.	صاحب ثروت اور خوشحال ہو جو بہت لذیذ کھانے کھاتا ہو، جو نیا اور اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتا ہو اور جو چند کوٹھیوں اور موٹروں کا مالک ہو۔

اس تہذیب کی نقالی تو مسلمانوں اور عربوں کے لیے اس وقت بھی زیبا نہیں تھی جب وہ اپنے پورے عروج پر تھی اور اس کا عالم شباب تھا، اور جب وہ دنیا کو کچھ دے رہی تھی۔ پس اب جبکہ اس کے ضعف و پیری کا دور ہو اور یہ تیزی کے ساتھ زوال و افلاس اور تباہی و بربادی کی طرف بڑھی چلی جارہی ہو، تب تو اس کی نقالی کہیں زیادہ باعث شرم و عار ہو۔ جن لوگوں کو اس تہذیب کے مراکز اور اس کے جدید رجحانات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو وہ جانتے ہیں کہ اس کا حال اس وقت ٹھیک اس پھل جیسا ہے جو پک گیا ہو اور ٹوٹنا چاہتا ہو، اور اگر کوئی مضبوط ہاتھ اس کو توڑنے کے لیے نہ بڑھے تو یہ خود ہی زمین پر آرہے اور دانہ دانہ ہو کر بکھر جائے۔ پس جن لوگوں نے اپنا اور اپنی دلچسپیوں کا دامن اس ٹوٹی ہوئی کشتی سے باندھ رکھا ہو جو اب ڈوبی اور تب ڈوبی کے مرحلے میں ہو، انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے عقیدے اور اپنے دین سے پہلے خود اپنے اور اپنی قوم کے حق میں کانٹے بو رہے ہیں۔

ہندی اور دیگر غیر عربی ممالک کے مسلمان عربوں کے متعلق بجا طور پر یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ اسلام کو سرمایۂ عزت و افتخار سمجھتے ہیں اور ان اقوام غرب سے نفرت رکھتے ہیں جنھوں نے عربوں سے عالمی سیادت اور فکری و سیاسی قیادت چھینی ہو اوروں سے بڑھے ہوئے ہوں گے، دعوت اسلامی کا جذبہ بھی ان میں دوسروں سے زیادہ تیز ہوگا، اور دنیا جن آفات و آلام سے گزر رہی ہو ان پر رنج و ملال اور انسانیت کی پستی سے ان کا تاثر بھی اوروں سے سوا ہوگا، ان کی تمنا تھی کہ عرب ان تمام مسلمانوں سے زیادہ راسخ الاعتقاد اور غیور و پرجوش ہوں جو انھیں کی دعوت پر ایمان لائے ہیں۔ اور اس دین میں ان کے مقتدی کی حیثیت رکھتے ہیں ــــ اس لیے کہ عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اور قبیلہ ہیں اور اس لیے کہ وہ قرآن جس کی تاثیر سے پہاڑ کپکپا جاتے اور زمین لرز جاتی ہو وہ انھیں کی زبان میں نازل ہوا ہو اور وہ اب بھی اس کو اچھی طرح پڑھتے اور سمجھتے ہیں ــــ اور اس کا حال یہ ہو کہ جب وہ امام کو دیکھتا ہو کہ وہ دوسروں کی اقتدا کر رہا ہو، تو بھی کو دیکھتا ہو کہ وہ ضعیف

بن رہا ہو اور غنی کو دیکھتا ہو کہ دست سوال دراز کر رہا ہو تو کسی انسان کو بھی کیا ملال ہوتا ہوگا جو اُسے ہوتا ہے۔

برادران محترم! ہند و پاکستان میں بہت سے ایسے اشخاص ہیں جن میں علوم عصریہ کی تحصیل، نظامہائے مغرب سے واقفیت، مغربی تہذیب کے مراکز سے قرب اور یورپ کے مشاہیر اور زعمائے فکر و سیاست کے ساتھ اجتماع و اختلاط نے اپنے اسلام پر فخر اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مبارک کے ساتھ محبت و عقیدت کو کم کرنے کے بجائے دو چند کر دیا ہو۔ اور ان کے اس عقیدہ کو مضبوط کر دیا ہو کہ اسلام ہی انسانیت کا سب سے آخری پیغام ہو۔ اس کی تعلیمات ہر زمان و مکان کے لیے مناسب و موزوں ہی نہیں بلکہ دو قدم آگے ہیں اور انسانیت اپنی زندگی کے ہر دور اور ہر مرحلہ میں اپنی ضروریات اور مشکلات کا حل اس میں پا سکتی ہو، ان چیزوں نے اُن کے اس احساس کو تقویت دی ہو کہ مغربی تہذیب جو نہ اپنا وجود سنبھال سکتی ہو اور نہ اہلِ مغرب کی حاجت روائی کر سکتی ہو، ہمیں کسی طرح فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور (ان چیزوں نے) ان کو مغرب کے ان رہنماؤں سے سخت متنفر کر دیا ہو جو انسانیت کی مشکلات کو حل کرنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اور اُن اوصاف و اسباب سے ان کی تہی دامنی ظاہر ہو چکی ہو جن سے یہ مشکلات حل کی جا سکتی تھیں اور دُنیا کو ایک اعلیٰ نصب العین کی طرف بڑھایا جا سکتا تھا۔ خاص طور پر ایمان و اخلاص سے جو ان اوصاف و اسباب میں سب سے زیادہ اہم ہیں ——— لیکن ازراہِ تکبّر اپنے اس افلاس اور تہی دامنی کا اعتراف نہیں کرتے اور نہ کسی نئے سرچشمۂ ہدایت کی جستجو کرنا چاہتے ہیں جس کے فیض سے وہ اپنی پیدا کی ہوئی انسانیت کی گتھیاں سلجھا سکیں اور اس انسانیت کی کچھ مدد کر سکیں جس کی زمامِ اختیار و اقتدار انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہو ——— ہند و پاکستان کے اُن اشخاص میں اس تعلیم اور اس قرب و اختلاط نے اُلٹا اپنے دین پر اعتماد کو بڑھایا، اس کے عقائد اور اس کی شریعت میں سخت تر اور اسلامی تہذیب و آداب کا خیال رکھنے میں اور پکا کر دیا ——— میں اگر چاہوں تو ایسے فضلاء مومنین اور علماء راسخین کے دسیوں نام گنا سکتا ہوں جو ایک طرف وسیع عصری تعلیم رکھتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی عقاید میں رسوخ کی دولت سے مالا مال ہیں، بلکہ بعض تو متعدد مغربی علوم، فلسفہ و سیاست اور اقتصاد و ادب میں یگانۂ روزگار تھے۔

لیکن یاد رہے کہ اس سے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات

خود انھیں لوگوں کے لیے باعث عزو شرف ہو جو اپنی نسبت آپ کے دین کی طرف کرتے ہیں اور خود کو آپ کے غلاموں میں شمار کرتے ہیں ——— اور یہ بات اسلام کے ہر دور میں رہی ہو کہ وقت کے بڑے بڑے فضلاء اور یگانۂ روزگار علماء و عقلاء، اور بڑے بڑے نامور بادشاہ آپ کے غلاموں کے زمرہ میں داخل ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں، بلکہ اپنے سارے مفاخر میں اسی غلامی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے رہے ہیں اور بصد ہزار زبان یہ کہتے رہے ہیں۔

داغ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

برادران گرامی قدر! اسلام کو باعث عزت سمجھنا اور اپنی اسلامیت کا برملا اظہار کرنا، ترقی پسندی ہو، ذہنی بلندی ہو، روشن خیالی ہو، اور بالغ نظری کی علامت ہو! اور اس کے برعکس اسلام سے دامن کھینچنا، مغربی تہذیب کی نقالی کرنا، اور اسلام کے گھر اور اس کے ملک میں لادینی نظام قائم کرنے کی کوشش کرنا اور اس پر اصرار کرنا رجعت پسندی ہو، جمود ہو، کم عقلی و کوتاہ نظری ہے، اور احساس کمتری کی علامت ہو! وہ زمانہ گزر چکا (اور اب کبھی لوٹ کر آنے والا نہیں ہو) جب مغربی شکل و صورت اختیار کرنا، زندگی کے مغربی طور طریقوں کو اپنانا اور نظام جدید کے گن گانا ترقی پسندی، دانشمندی اور روشن خیالی تھی، اب تو یہ زمانہ ہو کہ خود اہل مغرب اپنی تہذیب سے عاجز آچکے ہیں، انھوں نے خود اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنالیا ہو اور اس کا سارا بھرم کھول کے رکھ دیا ہو، اور صاف صاف کہہ دیا ہو کہ یہ تہذیب ایک "برجستہ" تہذیب ہو جو کسی غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہو بلکہ ان حالات سے یکایک ابھر آئی ہو جو قرون وسطیٰ میں پلئے جاتے تھے۔

اے بزرگ عربو! ان سب حقیقتوں کے سامنے آنے کے بعد مجھے تمھارا یہ حال کسی طرح بھلا نہیں معلوم ہوتا کہ تم اس مادی مشین میں ایک حقیر پرزہ بن جانے ہی کو بڑی بات سمجھتے رہو، تمھاری نظریں شخصی مفاد اور انفرادی خوشحالی سے آگے نہ جاسکیں اور تم اس کم ہمت کی طرح ہو جاؤ جس کی مذمت میں تمھارے شریف شاعر حاتم طائی نے کہا ہے۔

لحا اللہ صعلوکا مناہ وھمہ
من العیش ان یلقی لبوساً ومطعما

لعنت ہو اس فقیر پر جسکے پیش نظر اور جس کا منتہائے نظر
زندگی میں صرف یہ ہو کہ اسے کھانے اور پہننے کو مل جائے

اے کاش کہ عربی نوجوان علو ہمت اور بلندی نظر میں جاہلی شاعر (امرئ القیس) ہی کے مرتبہ کو پہونچ

جاتے، جس نے کہا تھا۔

ولو انّنی اسعی لادنی معیشۃٍ کفانی ولم اطلب قلیلٌ من المال

اگر میں کسی ادنیٰ درجہ کی زندگی کے لیے کوشاں ہوتا، تو مجھے تھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا اور اسکے لیے مجھے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

ولکنّنی اسعیٰ لمجدٍ مؤثّلٍ وقد یدرک المجد المؤثّل امثالی

لیکن میں تو ایک ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں، اور مجھ جیسے آدمی بھی ایسی عظمت کو پا لیتے ہیں۔

برادرانِ من! یہ مجد مؤثل یہ رتبہ بلند اور یہ پائیدار اعزاز۔ جس کی اس عالی نظر شاعر کو تو خبر ہوا بھی نہیں لگی ــ اسی شرف و اعزاز کا نام ہو جس کی عمر بن عبد العزیز نے جستجو کی اور پا لیا۔ طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے جس کے لیے تگ و دو کی اور بالآخر کامیاب ہو گئے، یہی بزرگی جوان کے حصہ میں آئی "مجد موثل" کہلاتی ہو، اور یہی اس لائق ہو کہ تمھارے لیے معیار و مطمح نظر بنے، تم دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کے خلاف بغاوت کرو، جیسے کہ تمھارے آباؤ اجداد نے چھٹی صدی کی جاہلیت کے خلاف بغاوت کی تھی، تم سب سے بڑھ کر اس بات کے حقدار ہو کہ اس زمانہ کی مادیت کے خلاف بپھر کر کھڑے ہو جاؤ، جیسے کہ تمھارے اسلاف اپنے دور کی مادیت پہ بپھر کر حملہ آور ہوئے تھے۔ اور اسلام کے لیے، مفاد عامہ کے لیے، اور فلاح بشری کے لیے اپنے عیش، اپنے آرام اور اپنے خواب شیریں فراموش کر دو ــ ایک ایک کرکے پرچم محمدی کے گرد جمع ہو جاؤ ــ یہ پرچم عدل ہو! یہ پرچم حق ہو! اس عالم میں اللہ کا وہ تنہا پرچم ہو جسے اُس نے تمھارا پرچم بنانا پسند فرمایا ہو، اور تمھیں ہمیشہ کے لیے اس پرچم کو بلند رکھنے والی فوج بنایا ہو!

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّاکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر۔

اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کا حق ہو اس نے تمکو منتخب کیا ہو، اور نہیں ڈالی ہو تمھارے اوپر دین میں کوئی مشقت، یہ دین ہو تمھارے باپ ابراہیمؑ کا۔ اسی نے رکھا تمھارا نام "مسلمین" پہلے بھی اور اس (کتاب) میں بھی، تاکہ شہادت دے تمھارے سامنے رسول اور تم شہادت ادا کرو (باقی) تمام لوگوں کے سامنے، پس قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور تھام لو اللہ کی رسی، وہی تمھارا مولا ہو ــ اور کیا ہی اچھا مولا ہو اور کیا ہی اچھا مددگار!

ہندوستان کی
ایک قدیم پنج سالہ اسکیم
جس نے
موت کو بھی زندگی بنا دیا

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدفیوضہم)

"دکھانے میں تو سستی سے کام لے رہا ہے پھر	تو در خوردن طعام سستی می کنی براماد
اپنے داماد مغل سے جنگ کیسے کرے گا"	خویش مغل چہ گونہ جنگ خواہی کرد" ج۱ ص۳۱ بدایونی

یہ تھے وہ الفاظ یا فقرے جن سے بقول ملا عبدالقادر بدایونی شیر شاہی حکومت کے آخری حکمران عدلی کہیئے یا اندھلی کی فوج کا مشہور سپہ سالار ہیمو بقال ہندوستانی پٹھانوں کی مہمان نوازی اس وقت کیا کرتا تھا جس وقت دن میں ایک مرتبہ اپنے سامنے دسترخوان پر ان کو کھانا کھلوایا کرتا تھا۔

ملا صاحب کا بیان ہے کہ پٹھان

جو الجھ پڑنے لڑنے بھڑنے میں مشہور تھے (اہی	جہل وستیزہ کہ بآں شہرت داشتند برطاق

---

۵ جاننے والے تو خیر جانتے ہی ہیں لیکن نہ جاننے والوں کے لئے یہ آگاہی مفید ہوگی کہ شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا اسلام یا اسلیم شاہ ہندوستان کا بادشاہ ہوا، اسلیم شاہ کے مرنے کے بعد شیر شاہی امراء نے اسلیم شاہ کے دو سالہ بچے کو فیروز شاہ کے نام سے تخت ہند پر بٹھا دیا تھا اسی معصوم بچے کو عدلی نے قتل کرکے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، عدلی کا اصلی نام مبارز خاں تھا، نظام خاں شیر شاہ کے بھائی کا بیٹا تھا کمسن فیروز جالانکہ اس کا حقیقی بھانجہ تھا لیکن بہن کے سامنے اس کے معصوم بچے کو عدلی نے ذبح کر دیا تخت پر قابض ہونے کے بعد السلطان محمد عادل اپنا لقب قرار دیا، عادل کا لفظ عدلی اور آخر میں مسخ ہو کر سارے ہندوستان میں وہی اندھلی بن کر مشہور ہو گیا، حکومت اندھلیہ میں ریواڑی کے ایک بقال ہیمو نامی کو سپہ سالاری کے عہدے تک ترقی کا موقع مل گیا تھا۔ اکبر نے اس فتنہ کو فرو کیا۔

ساری خصوصیتوں کو) طاق پر رکھ کر بہمو بقال
کی گالیوں کو چاہے ڈر کے مارے یا (آئندہ
ترقیوں) کی امید کے زیر اثر حلوے کی طرح
نگلتے چلے جاتے تھے۔

نہادہ دشنامہائے او را از بیم
وچہ از امید چوں حلوا فرو می بردند،

انھوں نے لکھا ہے اور لکھا کیا ہے اپنی آنکھوں دیکھی شہادت قلم بند کی ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ خود موجود تھے۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا ان کے سامنے ہو رہا تھا، بہرحال لکھتے ہیں کہ اخلاقی دیوالیہ پن میں ان غریب پٹھانوں کی زبوں حالیاں اس حد تک پہونچی ہوئی تھیں کہ زبان حال سے ہندوستان کے کوچہ وبازار میں ہر ایک یہی کہتا پھرتا تھا کہ ع

مرا نان بدہ کفش بہ سر زن[1]

یہ مصرعہ آج بھی ملا صاحب کی مشہور مطبوعہ کتاب منتخب التواریخ میں موجود ہے۔

اللہ اللہ ابراہیم لودی جسے قتل کرکے بابر نے ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کی بنیاد ڈالی، لکھا ہے کہ بابر کے مقابلہ میں

ایک لاکھ سوار، اور پانچ ہزار جنگی ہاتھیوں،
بہت سے پیادے اور بے شمار آتشیں آلات
حرب کے ساتھ میدان میں اترا تھا۔

با لک سوار، و پنج ہزار فیل و پیادہ بسیار
و آتش بازی بے شمار متوجہ محاربہ و مقاتلہ
شد۔ (مخزن افغانی صد)

لیکن ایک ایک لاکھ سوار اور پانچ پانچ ہزار جنگی ہاتھیوں کے باوجود تاریخ کی روایت ہے کہ رائسین (علاقہ بھوپال) کے ایک مقدم (دیس مکھ) پورن مل پوربیہ نے غارت گری کا پیشہ اختیار کرکے ابراہیم لودی کے عہد حکومت میں چندیری[2] جیسے آباد شہر کو تہس نہس کرکے رکھ دیا تھا اور باتفاق مورخین

---

[1] یعنی مجھے روٹی دو اور سر پر جوتیاں مارو، اخلاقی زوال کے ساتھ کوہستانی زندگی کے عادی پٹھانوں کی نزاکت دماغی کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ عدلی اپنے پائخانے کی بو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ قضاء حاجت کے وقت مسلسل مٹھی بھر بھر کر کافور چھڑکا جاتا تھا۔
"ہر روز از طہارت خانہ اش دو انار و سہ انار و دو دو من تین سیر کافور جلال خواراں می چید" (جلد صفحہ ۳۹۵ بداؤنی)
حالانکہ پٹھانوں کی حکومت پر پوری صدی بھی نہیں گذری تھی۔ قومی جوش و خروش کے ساتھ حکومت کو اپنے پنجۂ اقتدار میں لاتی ہیں اور حکومت ہی ان کے پنجۂ اقتدار کو ڈھیلا کرکے لوگوں کو ناکارہ بنا کر چھوڑ دیتی ہے۔ پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے کل بھی یہی ہوگا اسی کا نام ہے۔ ع
شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر

[2] آئین اکبری میں ابو الفضل نے لکھا ہے چندیری میں تین سو اسی بازار تین سو ساٹھ سرائیں چودہ ہزار سنگین پتھر سے بنے ہوئے مکان تھے ۱۲

چندیری کی باشندوں کو عام طور پر قتل کرکے دو ہزار ہندو اور مسلمان عورتوں کو اسی پورن مل نے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

اہل آنجا بقتل رسانید مقدار دو ہزار عورت ہندیہ و مسلمہ در حرم خود نگاہ داشتہ (ص ۳۶۶ بداؤنی)

صرف حرم میں داخل نہیں کیا بلکہ

دو ہزار مسلمان اور ہندو خاتون کو اسی پورن مل نے گانے والیوں اور ناچنے والیوں کے گروہ میں شریک کر لی تھا۔

دو ہزار زن مسلمہ و ہندیہ در زمرہ پاتران در قصاں گذاشتہ۔

(سیر المتاخرین ص ۱۵۹)

یہ سب کچھ ہو رہا تھا، ملک میں چیخ و پکار کا ہنگامہ برپا تھا، ابراہیم کی چشم وابرو کا ہلکا سا اشارہ بڑے بڑوں کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا، رائسین کے ایک سرکش مقدم کی بھلا کیا حقیقت تھی لیکن جس ملک کے آبادکاروں کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ابراہیم نے اپنے سر لی تھی، اپنی حکومت کے گھمنڈ اور نشہ میں ان ہی غریبوں کی طرف سے گونگا بہرا بنا ہوا صرف اپنے دربار کے امیروں اور ملک کے سیاسی بساط کے مہروں کے اکھاڑ پچھاڑ میں مصروف رہا۔

اور ابراہیم ہی کو تنہا ذمہ دار کیوں ٹھیرایا جائے آخر ملک مسلمان امیروں اور ہندو رجواڑوں سے بھرا ہوا تھا دونوں ہی قوموں کے ناموس، عزت و آبرو پر حملہ کیا گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔

جس علاقہ میں پورن مل نے لوٹ مار مچا رکھی تھی تاریخی کتابوں کی شہادت ہے کہ وہاں سے وفود پر وفود پایہ تخت دلی پہونچ کر شور و غوغا مچاتے، فریاد و زاری کرتے لیکن ان کی شنوائی نہیں ہوتی تھی حالانکہ حکومتوں کی پہلی بنیادی ذمہ داری پہلے بھی، آج بھی اور آئندہ بھی یہی رہی ہے، ہمیشہ رہے گی کہ جنہیں رعایا بنا کر ٹیکس اور لگان وصول کرتی ہے ان کے ساتھ اور کچھ کرے یا نہ کرے لیکن ان کی جان و مال، عزت و آبرو کی طرف سے کم از کم اتنا اطمینان ان کو دلا دے کہ دن کے کاموں سے تھک تھکا کر رات کو جب اپنے بستروں پر لوگ دراز ہوں تو چند گھنٹوں کے لئے ان کو نیند میسر آجائے، اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی فہرست چاہے کوئی حکومت جتنی ہی طویل و عریض بھی بنائے لیکن اس پہلی بنیادی ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہونے میں اگر لاچار اور معذور نظر آ رہی ہو، تو یوں سمجھئے کہ اپنے وجود کی لاحاصلی اور

بے ضرورت ہونے پر وہ دستخط کر چکی ہے۔ جس وقت تک آباد کاروں سے دنیا کو قدرت معمور اور آباد رکھنا چاہتی ہے، اس وقت تک یہی ہوتا رہے گا اور یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ اس غیر ضروری حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور نئی قوتوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ قدرت کا یہی دوامی اٹل قانون سپرد کر دیتا ہے خدا کی نہ بدلنے والی یہ سنت ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔

اب دیکھئے دلی میں، ان لوگوں کا "تانتا بندھا ہوا ہے جو چندیری اور اس کے اطراف ونواحی میں ستائے جا رہے تھے، لوٹے جا رہے تھے، کھسوٹے جا رہے تھے، بے آبرو کئے جا رہے تھے، بے عزت ہو رہے تھے، رائسین کا قلعہ جو غارت گروں کا مامن دلجا تھا دلی سے زیادہ دور بھی نہ تھا، مگر مظلوموں کی ساری ہنگامہ آرائیاں صدا بصحرا بن بن کر ان ہی کی طرف وہ واپس ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ لاکھوں لکھ انسانوں سے بھری ہوئی اسی دلی میں صرف ایک نوجوان تھا، یہ بیان کرتے ہوئے کہ چندیری کے یہی مظلوم باشندے۔

فریاد کرتے تھے کہ رائے پورنمل نے ہماری	"فریاد می کردند کہ رائے پورنمل دیہات
بستیوں کو لوٹ لیا، اور لوٹ کھسوٹ کر	ما را زدہ ونہب وتاراج ساختہ و
سب کچھ لے گیا، ہماری عورتوں اور بچوں	زن وبچہ ما را باسیری بردہ آں با کنیزکاں
کو قیدی بنا لیا، اور ان کو اپنے محل کی لونڈیاں	حرم خود ساختہ"
بنا لیا ہے۔	(تاریخ شاہی صہ ۲۱۶ مطبوعہ کلکتہ)

اور "فریاد می کردند" کی یہ صورت ایک ہی دفعہ پیش نہیں آئی، وہی نوجوان راوی ہے کہ

بار بار سلطان کے دربار عام میں وہ بے چارے	ہموارہ در دربار عام سلطان مذکور فریاد
فریاد کرتے اور انصاف چاہتے	می کردند وداد می خواستند"

لیکن بایں ہمہ سلطان ابراہیم لودی جو بابر کے مقابلہ میں پانچ ہزار مسلح ہاتھیوں اور ایک لاکھ سوار کے ساتھ اتر سکتا تھا اسی کو چندیری کے مظلوموں کی فریاد رسی کے لئے فوج کے چند سپاہیوں کے بھیجنے کی بھی توفیق نہ ہوئی، نوجوان کے بیان کے آخری الفاظ تاریخوں میں یہ نقل کئے گئے ہیں کہ

دربار عام میں غریبوں کا یہ گروہ کچھ بھی ہنگامہ	ہر چند ایں غریباں در دربار عام فریاد و
کرتا اور نالہ زاری کرتا ابراہیم ان کی طرف سے	زاری کردند تغافل می نمود (صہ ۲۱۶)

غفلت سے کام لینا سنی کو ان سنی بنا دیتا۔

ان ہی خوابیدہ دماغ یا مردہ دل پٹھانوں کے درمیان بھی ایک نوجوان پٹھان جو دلّی سے دور سہسرام (بہار) کے ایک زمیندار حسن خاں نامی کا بیٹا تھا اسی کے سینے میں زندگی کی حرارت بھڑک اٹھی، اسی حرارت سے روشنی پیدا ہوئی، اسی روشنی میں اس نے کچھ دیکھا، دل ہی دل میں جیسا کہ اسی کا بیان ہے یہ گفتگو اس نے کی کہ

اگر حق تعالیٰ مراد وست رس دہد انتقام.	اگر حق تعالیٰ نے مجھے قابو بخشا تو ان مظلوموں
از آنہا بکشم (تاریخ شاہی صـ۱۹۱)	کا بدلہ (ظالموں) سے لے کر رہوں گا۔

اسی عزم نے جس وقت اس کے اندر جزم کی صورت اختیار کی، ایک معمولی سپاہی ہونے کے سوا اس وقت وہ کچھ نہ تھا مگر چرخ نیلوفری کی چند ہی گردشوں کے بعد دیکھا گیا کہ واقعی وہ دلّی کا بادشاہ اور ہندوستان کا شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

یہ شیر شاہ سوری تھا۔ پانچ سال کے لئے ہندوستان کی حکمرانی کا موقع اس کو بھی بخشا گیا تھا اور نام کی حد تک تو شیر شاہ نے

"پنج سالہ اسکیم"

جیسے الفاظ یا اصطلاح تو نہیں بنائی تھی لیکن جیسا کہ عام ارباب تاریخ نے لکھا ہے کہ

"پنج سال بادشاہی بلادِ ہندوستان کرد" (صـ۲۲۹ فرشتہ ج ۱)

اپنی حکومت کے اسی پنج سالہ دور میں اس نے ملک کے داخلی اور خارجی معاملات میں انقلابی کارنامے انجام دیے، جن کے آثار سیکڑوں سال گذر جانے کے بعد آج بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی ہیں، اسی نے سارے ہندوستان کو مختلف سرکاروں اور ہر سرکار کو مختلف پرگنوں، پرگنوں کو محالوں اور دیہاتوں پر تقسیم کر کے ملک کی زرعی زمینوں کی پیمائش کی اسی نے لگان کے قانون کو درست کیا۔ سکہ جو اب تک آبادکاروں کیلئے ایک معقدہ لاینحل بنا ہوا تھا، روپیہ رہتے ہوئے بسا اوقات مسافروں کو بھوکا مرنا پڑتا تھا کہ رات کی تاریکی میں کھوٹے اور کھرے سکوں میں تمیز دشوار تھی بنیے سودا دینے سے اسی لئے رات کو انکار کر دیتے تھے[1]۔

---

[1] تاریخ شاہی میں لکھا ہے کہ خود شیر شاہ جب معمولی سپاہی کی حیثیت سے ایک دفعہ سفر کر رہا تھا، رات کسی گاؤں میں بسر کرنے پر مجبور ہوا چند سکندری سکے اس کے پاس تھے لیکن رات بھر اس گاؤں میں خود اس کو بھی بھوکا مرنا پڑا، اور گھوڑے کو بھی دانہ نہ دے سکا، رات کو بنیے نے سودا دینے سے انکار کر دیا۔ لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں شیر شاہ کے دل میں یہ بات (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اسی نے باضابطہ ملک میں سڑکوں کا نظام قائم کیا اور سنار گاؤں (مشرقی بنگال) سے دریائے اٹک (سندھ) تک طویل سڑک تعمیر کی جس پر پلوں کے ساتھ دو رویہ پھلدار درخت، جامن، کھرنی، آم وغیرہ کے اس طور پر لگائے گئے تھے کہ اول سے آخر تک سایہ ہی میں مسافروں کا سفر ختم ہوتا تھا۔ دو دو میل کے فاصلے سے اس سڑک پر سرائیں اور چوکیاں قائم کیں، مسافروں کی جان و مال کی حفاظت چوکیوں کے تھانہ دار کرتے تھے اور سراؤں میں جیسا کہ معلوم ہے کہ

ہر سرا کے ایک دروازہ پر مسلمانوں کے لئے — دریک دروازہ طعام و آب جہت

اور دوسرے دروازے پر ہندوؤں کے لئے — مسلمانان و در دروازۂ دیگر جہت ہندوان

کھانا اور پانی کا نظم (حکومت) کی طرف سے کیا گیا تھا — مقرر گردانید[1] (ص ۲۲۷)

ڈاک کا نظم بھی ملک کے طول و عرض میں اسی نے اس طریقہ سے کیا کہ کم از کم تین دن میں پایۂ تخت تک ہر جگہ کی خبریں بآسانی پہونچ جاتی تھیں اس کے سوا بھی شیر شاہی عہد کے پنج سالہ دور میں جو کچھ اصلاحات ہوئیں ان کی تفصیل آپ کو کتابوں میں مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حکومت کا یہ معیار نظریہ اسلام نے مسلمانوں کو جو عطا کیا تھا یعنی

ملک کے ہر باشندے کا مال مسلمانوں کے مال اور — اموالھم کاموالنا ودماءھم

ان کی جان بھی مسلمانوں کی جان اور ان کی — کدمائنا واعراضھم

آبرو و عزت مسلمانوں کی آبرو و عزت کے برابر — کاعراضنا

مستحق احترام ہے۔

شیر شاہ نے اس کو بھی عملاً کر کے دکھا دیا[2]۔ اسی کے ساتھ باتفاق مورخین امن و امان کا ایسا نظم قائم کیا کہ شہروں قصبوں، دیہاتوں ہی میں نہیں بلکہ

مالدار مسافر بھی جنگلوں اور بیابانوں میں — مسافرین متمول در صحراہا منزل کردندے

اترتے اور کسی محافظ کی ضرورت نہ ہوتی تھی — حاجت پاسبانے نہ بود (سیر المتاخرین ص ۱۱۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کی ملک میں ایسے سکے کو مروج ہونا چاہیے کہ

در شب تاریک شست ہشت در سنانند (ص ۲۲۶ شاہی)

[1] سیر المتاخرین میں ہے کہ شیر شاہ جس وقت دسترخوان پر بیٹھتا تھا اسی وقت نقاروں کے ذریعہ سے ایک سرائے سے دوسری سرا تک یہ خبر پہونچ جاتی تھی اور مسافروں میں اسی وقت کھانا تقسیم ہوتا تھا ص ۱۱۱۔ [2] صحیح ہے کہ آگرے کے بقال کی عورت پر پان کا جو بیڑہ شاہزادے نے پھینکا تھا شیر شاہ نے حکم دیا کہ شاہزادے کی بیوی شیر شاہ کی بہو پر بقال بھی اسی طرح بیڑہ پان کا پھینکے۔ سیر المتاخرین وغیرہ ۱۲

اس کی نظر جہاں ملک کے کلیات پر تھی، وہیں غریب اور بیوہ عورتوں کی بچیوں کی شادی کا نظم بھی حکومت ہی کی طرف سے اپنے زمانہ میں کر دیا تھا۔

الغرض کلی و جزئی بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی باتیں اس کی اسی پنج سالہ مدت میں حکومت کے فرائض میں داخل ہوئیں لیکن ان مشغولیتوں میں کیا ان مظلوموں کو وہ بھول گیا جو ابراہیم لودی کے دربار سے ناکام و نامراد ہو ہو کر گھر واپس ہوئے تھے اور اس ظلم کے انتقام کا فیصلہ اس نے دل میں کیا تھا۔ تاریخوں میں پڑھئے شیر شاہ نے بنفس نفیس بذات خود رائسین کی طرف کوچ کیا اور پورنمل کو اپنے کیفر کردار تک پہونچا کر رہا۔ تاریخ شاہی کے مصنف احمد یادگار کی روایت ہے، کہ جس وقت بادشاہ رائسین جا رہا تھا، راستہ میں بخار کا اس پر حملہ ہوا، ایسا حملہ کہ بجائے گھوڑے کے پالکی پر سوار ہونے پر مجبور ہونا پڑا، لیکن بخار ہی کی حالت میں سفر کو اس نے جاری رکھا، بیان کیا ہے کہ

شیر شاہ کے طبیب مہانند نامی نے کہا بھی کہ　　«در راہ مہانند طبیب گفت کہ بادشاہ در غلبۂ

بخار کی حالت میں سفر کو جاری رکھنا ٹھیک نہیں ہے　　تپ راہ رفتن خوب نیست

مگر مہانند جس کے سپرد گویا بادشاہ نے اپنی جان ہی کر رکھی تھی اس موقع پر اس کی بات بھی نہیں سنی گئی جواب میں شیر شاہ نے کہا تھا کہ　　«مہانند یاوہ گوئد» ص۲۱۵

اور جو منصوبہ ابراہیم لودی کے دربار میں اس نے طے کیا تھا اسے پورا کر کے رہا، احمد یادگار ہی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ جس وقت پورنمل سے معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ رات بھر بخار کی حالت میں شیر شاہ مصلی پر سر ڈالے یہ دعا کر رہا تھا کہ جب تک انتقام پورا نہ ہو،

«جان مارا از قالب بیرون نہ کنی»

اسی کتاب میں یہ بھی ہے، کہ بخار کی شدت کو دیکھ کر شیر شاہ نے اپنے افسروں کو طلب کر کے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب تک ظالموں سے ظلم کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔

اگر میری موت کا حادثہ بھی پیش آجائے تو　　«اگر از قضا اجلم در رسد مردن مارا

چاہئے کہ لوگوں کو اس سے مطلع نہ کیا جائے　　آشکارا نہ کنی» ص۵۱

لہ غلام حسین طباطبائی صاحب سیر المتاخرین نے پورنمل کے اس قصہ کا ذکرہ کرتے ہوئے شیر شاہی عہد کے افغانی علماء پر سب وشتم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے بادشاہ کے سامنے ایسا فتویٰ پیش کیا جس کی وجہ سے انتقام انتقام نہ رہا بلکہ خود ظلم کی شکل اس انتقام نے اختیار کر لی یعنی صورت حال کچھ ایسی پیش آئی کہ قلعہ کے رہنے والے خود کشی (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیر شاہ کے سامنے صرف کام تھا، کام ہی کرتے ہوئے وہ زندہ بھی رہنا چاہتا تھا اور کام ہی کرتے ہوئے مر جانا بھی۔ اسی کو اس نے اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان ہی کی حد تک اس کی نظر محدود نہ تھی، ہندوستان سے باہر سفر کرنے والوں کی حفاظت کے لئے بحری راستے کی حفاظت کے لئے طے کیا تھا کہ ایک مستقل حفاظتی بیڑہ تیار کیا جائے[۱]۔

اسی طرح سرحدی پہاڑوں کے دروں سے ہندوستان پر عموماً جو حملے ہوتے تھے ان کے سدباب کے لئے بلوچستان کے قریب اس نے رہتاس[۲] غربی کے نام سے جدید قلعہ بنا کر بیس ہزار سپاہیوں کو اس میں رکھ چھوڑا تھا۔ اس کا خیال یہ بھی تھا کہ سرحدی دروں سے پار ہو جانے کے بعد بیرونی ملک کے حملہ آوروں کو لاہور جیسا آباد اور دولت و ثروت سے بھرا ہوا شہر شروع ہی میں مل جاتا ہے جس سے کافی مدد ان کو لاہور رہی میں میسر آجاتی ہے۔ شیر شاہ کا یہ ارادہ بھی تھا کہ اس شہر لاہور کو راستہ سے ہٹا دے۔ ایک دفاعی مسودہ ملک کے متعلق اس کا یہ بھی تھا کہ

(سرحد کے پہاڑوں میں جو لوگ آباد ہیں) "کوہ" جن کے علاقوں کی تعبیر ہے، ان لوگوں کو وہاں سے ہٹا کر دریائے اٹک سے لاہور اور نندنہ پہاڑ سوا الک کوہ جوالا مکھی تک آباد کرا دوں تاکہ مغل کے آنے سے لوگ آگاہ رہیں اور کابل سے ہندوستان پر کوئی حملہ نہ کرے، نیز سرحدی پہاڑیوں کے زمیندار یعنی خانوں کو بھی ختم کرنے کی یہ تدبیر ہوگی	ولایت روہ را از آں جا ویران ساختہ از نیلاب تا لاہور و کوہ دامن نندنہ تا سوالک آباداں سازم تا از در آمدن مغل واقف باشند و نگذارند کہ کسے از کابل بہ ہندوستان بیائد و زمینداران کوہ نیز پامال و زبون شوند۔ (مخزن افغانی صفحہ ۱۹۳)

اور ملا عبدالقادر صاحب کی یہ دلچسپ روایت اگر صحیح ہے کہ آگرے کے مشہور محدث علامہ رفیع الدین شیرازی نے شیر شاہ سے ہجرت مدینہ کی اجازت جب چاہی تو بادشاہ نے ان کو یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مشہور ہندی طریقہ جوہر کے ارتکاب پر مجبور ہوئے یعنی آگ کا الاؤ جوڑ کر اس میں پھاند گئے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے ارباب تاریخ ہی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ طباطبائی نے اس موقعہ پر ان مولویوں کے متعلق "علماء افغانی کہ غول بیابانی اند فتوی بے ایمانی بدیں روش داد" وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں (جلد ۲ صفحہ ۱۵۹)۔ [۱] مخزن افغانی میں لکھا ہے کہ پچاس جہازوں پر ارادہ کیا گیا تھا کہ یہ بیڑہ مشتمل ہوگا ۱۲۔ [۲] شیر شاہ کا اصلی وطن جیسا کہ معلوم ہے سہسرام (بہار) تھا۔ سہسرام کے پاس پہاڑ پر قدیم ہند کا ایک مشہور قلعہ رہتاس گڑھ نامی اب تک موجود ہے۔ بڑی بڑی تاریخی ہستیوں کا اس قلعہ سے تعلق ہے۔ میر قاسم نے مونگیر سے پہلے رہتاس ہی کو انگریزوں کے مقابلہ میں مامن بنانا چاہا تھا لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ بے محل جگہ ہے اس لئے چھوڑ دیا۔ شیر شاہ نے اپنے وطن کے

اسی قلعہ کے نام پر بلوچستان کے پہاڑوں میں رہتاس غربی قلعہ تعمیر کیا تھا۔ ۱۲

"میں آپ کو سلطان ٹرکی کے پاس بطور سفیر اس لئے بھیجنا چاہتا ہوں کہ

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ان دو حرمین سے ایک حرم کی خدمت ہمارے (یعنی اہل ہندوستان کے لئے) سلطان ترکی سے طلب کریں۔

یکے از دو حرم شریف زادہما اللہ شرفاً از والتماس برائے من بگیرید۔"

دوسری بات یہ کہ ایران میں صفوی بادشاہوں کی حکومت جو قزلباش کہلاتے تھے اور سنی مسلمانوں پر مظالم توڑ رہے تھے، راستہ میں حجاج کو بھی یہ حکومت ستاتی تھی، اور بھی طرح طرح کی فرعونیت کی مرتکب تھی۔ صفویوں کی اس حکومت پر

دونوں طرف سے (یعنی ایک طرف سے شیر شاہ اور دوسری طرف سے سلطان روم) ایرانیوں کو گھیر لیں ہندوستان میں آدمیوں کی کثرت اور روم یعنی ترکوں کے پاس شوکت اور آتش بازی کا جو سامان ہے قزلباش (ایرانی) مشکل ہی سے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

از ہر دو جانب احاطہ کنیم با ایں لشکر و کثرت جمعیت کہ در ہندوستان ست و آں شوکت و آتش بازی کہ در روم است طاقت مقاومت قزلباش معلوم است

ص ۳۷۵ / ۱۷

سچ تو یہ ہے کہ بجائے ایک کے شیر شاہ انار اللہ برہانہ کو کم از کم دو ہی

"پنج سالے"

اگر مل جاتے تو ہندوستان ہی کی قسمت کا ستارہ بلندیوں پر پہونچ کر نہیں چمکتا بلکہ ممکن تھا کہ دنیا ہی کا جغرافیہ شاید بدل جاتا، بعض تاریخی اشاروں سے تو اس کا سراغ بھی ملتا ہے کہ سلطان ترکی کے ساتھ "محالفہ" اور "معاہدہ" کا جو منصوبہ شیر شاہ کے دل میں تھا اگر وہ پورا ہو جاتا تو یورپ کو ایشیا پر دست تصرف دراز کرنے کا موقعہ غالباً نہ ملتا۔ وہ عجیب و غریب آدمی تھا، ایک طرف ہندوستان کے سرحدی مقامات پر دفاعی قلعوں کی تعمیر میں مصروف تھا اور دوسری طرف ہندوستان کے پرانے قدیم شہروں کے متعلق جن کی زمین امتداد زمانہ سے صرف سڑے ہوئے گھورے کی شکل اختیار کر چکی تھی ان شہروں کو چاہتا تھا کہ نئی کنواری زمینوں پر نئے سرے سے اس طور پر آباد کیا جائے کہ باشندوں کو زندگی کی ممکنہ سہولتوں سے استفادہ میں

لہ ہندوستانی پٹھانوں کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ہمایوں کو ایران سے مدد کے حاصل کرنے میں جو کامیابی ہوئی اس کا راز شاید پٹھانوں کے اسی ارادہ میں پوشیدہ تھا جس کی بھنک ایران کی حکومت کو شاید مل گئی تھی۔

دشواریاں نہ پیش آئیں۔ دلی کی حد تک تو لکھا ہے کہ وہ یہ کر بھی گذرا کہ

(علائی دہلی (علاء الدین خلجی کی بسائی ہوئی) دہلی علائی را کہ قلت آب بود بہ دریائے
اس میں پانی کی کمی تھی (شیر شاہ) نے دریائے لب دریائے جون آباد نمود۔
جمنا کے کنارے نیا شہر آباد کیا۔ (شاہی ص۲۷)

نئی شیر شاہی دلی فیروز آباد کے نام سے مشہور ہوئی۔ جو چھ میل لمبا شہر اپنے زمانہ میں تھا۔ بدائونی نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے پرانے قنوج کو بھی پرانی جگہ سے ہٹا کر دریائے گنگا کے کنارے آباد کیا اور شیر گڈھ نام رکھا اور شمس آباد کا قلعہ جو قنوج ہی کے قریب تھا، اس کی جگہ بھی بدل دی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اپنی حکومت کے اسی پنج سالہ دور میں اس بندۂ خدا نے کیا کیا کر کے دکھا دیا، اسی سے سمجھ میں آتا ہے کہ غیبی تائید اس کے پیچھے کام کر رہی تھی، وہ خود بھی یہی سمجھتا تھا، ہمایوں کو فاش شکست جب بہار کے قریب ہوئی اور نظام سقہ کی پھینکی ہوئی مشک پر کسی طرح جان بچا کر ہمایوں گنگا کے اس پار تک پہونچ جانے میں کامیاب ہوا، ایک لاکھ سات ہزار سوار اور سترہ سو جنگی سلح ہاتھیوں والی ہمایونی فوج تتر بتر اور دریا برد ہوگئی تو دیکھا گیا تھا کہ گنگا کی ایک طرف غریب ہمایوں

بجائے سنہرے تخت اور رنگین فرش کے بجائے تخت زریں و بساطِ رنگیں برکاہ
گھاس پر بیٹھا ہوا ہے نشستند (ص۳ شاہی)

گھاس کے اس فرش پر سننے والوں نے یہ بھی سنا تھا کہ ہمایوں آسمان کی طرف اشارہ کر کے بڑبڑا رہا تھا

ستمگرا فلکا گجروا جفا کارا نگو مت کہ مرا تخت و تاج شاہی دہ
تو ئی جو کہنہ رباطے فتادہ بر سر راہ زہر چہ تاج ستان و بہ ہر کہ خواہی دہ

اور ٹھیک اسی گنگا کے مشرقی ساحل پر جہاں ہمایوں اپنے خیمہ و خرگاہ اور سراپردگیان عصمت و عفت کو چھوڑ کر بھاگا تھا، لکھا ہے کہ شیر شاہ خاص ہمایوں کے شاہی خیمہ میں پہونچا جہاں اس کا طلائی مرصع تخت بچھا ہوا تھا، شیر شاہ نے اسی تخت کے کنارے فرش پر شکرانہ کی دوگانہ ادا کی اور سعدی کی بوستاں کا شعر ؎

خدایا توانا تو نگر توئی توانا و درویش پرور توئی

اسی کے ساتھ دوسرے شعر میں معمولی تصرف کر کے بلبلا بلبلا کر دونوں ہاتھ اٹھائے پڑھ رہا تھا۔

فریدحسن را تو شاہی دہی
سپاہ ہمایوں بماہی دہی[۱]

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت رسی کے بعد بھی مستی کا نشہ شیر شاہ پر جو سوار نہیں ہوا[۲] تو اس کی وجہ وہی تھی کہ اول سے آخر تک بجائے اپنی قوت کے اسی ذات پر اس کی نظر جمی ہوئی ہے جو

"لاحول ولا قوة الا بالله"

کا حقیقی مستحق ہے، وہ کہا بھی کرتا تھا کہ

"میں نے ایک خواب دیکھا کہ کافی بلند اور اونچی عمارت میں سرور کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ہمایوں بادشاہ کو اس بلند ایوان سے باہر نکالا جا رہا ہے اور مجھے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اس ایوان کے اندر داخل ہو جاؤ۔"

شیر شاہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد اسی کو خطاب کرکے بارگاہِ رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ

شیر خاں! تم کو معلوم ہو کہ کچھ دن کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ ملک (ہند) کو تمہارے حوالہ کریں گے	شیر خاں بدانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ملک خود را چندگاہ حوالہ بہ تو نمود

اسی سلسلہ میں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی تھی کہ

چاہئے کہ حکومت جب عطا ہو تو خدا کے ملک کو عدل وانصاف سے معمور کرنا اور اس ملک کو آباد کرنے کی کوشش کرنا۔	"ملک الٰہی را بعدل وانصاف معمور داری و آباداں گردانی"

(شاہی صفحہ ۱۹۸)

خواب سے بیدار ہونے کے ساتھ لوگوں سے اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے جیسا کہ لکھا ہے شیر شاہ نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان دُربار سے	از زبان دُربار آں حضرت سرور کائنات

---

[۱] بوستاں سعدی کا مجموعہ شعر یوں ہے "یکے را بزاری وشاہی دہی، دگر را ز شاہی بماہی دہی" فرید شیر شاہ کا اور حسن اس کے باپ کا نام تھا جو سہسرام علاقہ بہار کا معمولی جاگیر دار تھا۔ اس موقع پر اپنے اصلی نام کو شعر کا شیر شاہ نے جزء بنایا ہے مراد فرید بن حسن ہے ۱۲

[۲] معمولی زمیندار کے ایک لڑکے کو تخت ہندوستان جانے کا موقع مل گیا تھا لیکن خود شیر شاہ کا احساس کیا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ شاہی بیگمات جن میں ہمایوں کی ملکہ بھی تھی ہمایوں تو سب کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ شیر شاہ شاہی سراپردہ کے پاس پہونچا اور خواجہ سراؤں سے کہلا بھیجا کہ "دعائے من بخدمت خادمان بیگم جیو رسانید کہ من فرید بہاں نوکر شما ام کہ بودہ ام" دوسرا شاہی بعظمت واحترام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جس کی داستان طویل ہے ۱۲

یہ الفاظ ادا ہوئے کہ چند گاہ (کچھ دن کے لئے) ملک تیرے حوالہ ہوگا۔ صلی اللہ علیہ وسلم برآمدہ کہ چندگاہ بہ حوالۂ تو کردہ شد"

"چند گاہ" کے اسی لفظ سے اس نے خود یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ

شاید مری سلطنت کے دن تھوڑے ہیں — شاید کہ ایام سلطنت من اندک باشد

مگر یہ جانتے ہوئے بھی کہ چند ہی دنوں کے لئے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کی گئی — باوجود اس کے حکومت کے اسلامی نظریہ کو، عملی ہیکل میں جلوہ گر کرتے ہوئے اس نے زندگی بھی گذاری اور اسی شغلہ میں اپنی آخری سانس بھی اس نے پوری کی یعنی حکومت کا وہی

"اسلامی نظریہ"

جس کا نام تو کچھ نہیں رکھا گیا تھا اور پیدا ہونے والے بچوں بچیوں کی طرح حکومتوں کے بھی نام رکھنے کا قاعدہ شاید اس زمانہ تک رواج پذیر نہیں ہوا تھا لیکن کام جس کا مکلف مسلمان حکمرانوں کو اسلام نے بنایا تھا وہ یہی تھا کہ جن لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو کی ذمہ داری قبول کی گئی ہو ان کا مذہب، ان کی قومیت، ان کا رنگ، ان کی زبان خواہ کچھ ہی ہو، ہر لحاظ سے مسلمانوں کے مساوی اور برابر ہوں گے۔ میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں تفصیل کے لئے تاریخ کی مبسوط کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، سچی بات تو یہی ہے۔ آخر اس سلسلہ میں شیر شاہ اور کیا کر کے دکھاتا، دن کے چوبیس گھنٹوں میں بنگال سے بلوچستان تک اور آگرہ سے مانڈو تک، ہندوستان کا آسمان اس تماشے کو دیکھ رہا تھا کہ ہر دو میل پر ایک مٹھی سے مسلمانوں کو اور دوسری مٹھی سے ہندوؤں کو شیر شاہی حکومت بغیر کسی تفریق کے کھانے پینے، آرائش و آرام کی چیزیں تقسیم کر رہی ہے۔

اس شیر شاہی فیصلہ کو بھی آپ سن چکے جس کی رو سے آگرے کے ایک بنئے کی بیوی کی عزت و ناموس شیر شاہ کی حقیقی بہو (شاہزادے کی بیگم) کے مساوی قرار دی گئی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ ملک کے عام باشندے (ہندو مسلمان) بھی شیر شاہ پر اعتماد کرتے تھے۔ اور خود وہ بھی ان پر اسی حد تک بھروسہ

لہ جہاں تک میرا خیال ہے عہد رسالت و عہد خلافت راشدہ میں بھی مسلمانوں کی حکومت کا نام الٰہیہ یا اسلامیہ وغیرہ نہیں رکھا گیا تھا، بعد کو بھی تاریخوں میں حکومت بنی امیہ، عباسیہ وغیرہ اصطلاحیں ملتی ہیں جو کسی قصد و ارادہ کا نتیجہ نہ تھا حکومتوں کے نام رکھنے کے موجودہ عصری طریقہ کا انجام بھی دیکھا جا رہا ہے۔ زنگی غلام کا نام کافور رکھ کر سمجھ لیا جاتا ہے یا سمجھا دیا جاتا ہے کہ واقعی کالا حبشی غلام ہم رنگ کافور ہو گیا۔

کرتا تھا کہ اس کا خاص شاہی معالج بجائے کسی مسلمان طبیب کے نندا نامی وید تھا۔

بلکہ اس کے پنج سالہ عہد حکومت کے کارناموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سوچا جائے کہ ان پر کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی تو شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے اسلام کے مذکورہ بالا "نظریہ سیاست" یعنی رعایا کی جان و مال عزت و آبرو کی مساوات کے ساتھ ساتھ حکومت کی آمدنی کے متعلق

تؤخذ من اغنیائھم ۔ ان کے سرمایہ داروں سے لیا جائے اور ان کے

وترد علی فقرائھم ۔ ناداروں پر وہی تقسیم کر دیا جائے۔

کے اسلامی اصول کو بھی سر زمین ہند میں شیر شاہ نے عملاً نافذ کر کے دکھا دیا تھا۔ عام فوجی اور کشوری ضرورتوں کے سوا ذرا اندازہ تو کیجئے کہ ایسی چھوٹی سڑکوں جن میں آگرے سے مانڈو (مالوہ) تک کی ایک سڑک تقریباً چھ سو میل کی تھی، پھر شیر شاہی مشہور گرینڈ ٹرنک روڈ جس کے متعلق ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ

"از ولایت بنگالہ تا رہتاس غربی کہ چہار ماہہ راہ است" (ص ۳۶۳ ج ۱) ۔ بنگال سے غربی رہتاس متصل بلوچستان تک جو چار مہینے کی راہ ہے۔

دریا، ندیاں، نالوں سے بھرے ہوئے ملک ہندوستان میں خود ان سڑکوں پر، ان کے پلوں پر درخت دو رویہ جو دونوں طرف نصب کئے گئے تھے، ڈو ڈو میل پر سرائیں، ہر سرا میں پختہ خشتی کنویں، ڈاک چوکیاں، پھر مسافروں کے کھانے پینے، آرام کرنے کے ساز و سامان پر جو کچھ صرف ہوتا تھا اور اس کے سوا ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر دفاعی قلعے اور دمدمے، ملک کے اندر رفاہی تعمیرات، خیر خیرات وغیرہ کے مصارف کا باضابطہ کھاتہ اگر تیار کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ شیر شاہی حکومت ملک کے سرمایہ داروں سے، جو کچھ وصول کرتی تھی اسے اسی ملک کے غیر سرمایہ دار طبقات کے فلاح و بہبود کی راہوں پر خرچ کر دیتی تھی۔ گویا سیاسی نظام کے ساتھ کچھ دن کے لئے سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اسلام کے اس معاشی نظام کا بھی تجربہ کر کے دکھا دیا گیا تھا جس میں بجائے حوصلہ شکنی کے سرمایہ حاصل کرنے والی توانائیوں کو ملک کے نادار اور بے سرمایہ طبقات کیلئے استعمال کرنے کا ایک ایسا طریقہ نکال لیا گیا ہے، جس کی وجہ سے کسی طبقاتی کش مکش کے بغیر تقسیم دولت کی ساری بے اعتدالیاں قدرتی توازن کے سانچے میں خود بخود ڈھل جاتی ہیں۔

خیر بات بہت طویل ہوگئی مختصر یہ ہے کہ کسی کو مجھ سے اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے بندوں پر خدا کی مرضی کے مطابق حکومت کرنے کا ایک دلچسپ نمونہ اپنے پنج سالہ دورِ حکومت میں شیر شاہ نے سرزمین ہند میں گویا قائم کردیا تھا اور شاید اسی لئے مسلسل

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ	اگر تم اللہ کی مدد کرو تو خدا بھی تمہاری مدد
وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ	کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

کے قرآنی وعدہ کو دیکھا جارہا تھا کہ پورا ہو رہا ہے۔ اِس زمانہ میں لوگ مشکل ہی سے باور کریں گے لیکن کیا کیجئے تاریخ کی مسلسل شہادت یہی ہے اور تو اور خود ہمایوں بادشاہ اپنا ذاتی مشاہدہ ان الفاظ میں ادا کیا کرتا تھا۔

روزِ جنگ بچشم خود دیدم کہ سوارانِ سیاہ	لڑائی کے دن میں نے اپنی آنکھوں سے
پوش بر روئے اسپانِ سپاہِ ما می زدند	دیکھا کہ سیاہ لباس پہنے ہوئے سوار میری
و می گردانیدند تا شکست بر لشکرِ من	فوج کے گھوڑوں کو مار مار کر پھیر رہے
افتادہ (صحائف شاہی)	ہیں تا آنکہ میری فوج کو شکست ہوگئی۔

اور سیاہ پوشوں کا یہ گروہ جسے ہمایوں نے دیکھا تھا کہ اس کی فوج کے سپاہیوں کے گھوڑوں کا منھ مار مار کر پھیر رہے ہیں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون لوگ تھے لیکن ہندوستان کے ان پٹھانوں کو تو دنیا نے دیکھا تھا۔ بابر کی زندہ مغل فوج کے مقابلہ میں ثابت کر چکے تھے کہ بے جان لاشوں سے زیادہ وہ اور کچھ باقی نہیں رہے ہیں، لاکھوں لاکھ تعداد پٹھانوں کی فوج چند ہزار مغلوں کے آگے نہ ٹھیر سکی لیکن دیکھا جارہا تھا کہ ان ہی پٹھانوں کی یہی مردہ لاشیں شیر شاہ کی زندہ روح کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور جونہی کہ شیر شاہی روح ان سے علیحدہ ہوئی۔ آپ سن چکے کہ پھر خاک کا ڈھیر بن کر وہ پڑ گئے

مرانان بدہ کفش بر سر بزن

کی صدا بقول ملا بداونی ہندوستان کے کوچہ و بازار میں لگاتے پھرتے تھے۔ آخر ہیمو بقال کے نقروں کو حلوے کی طرح نگلنے والے وہی پٹھان تو تھے جنھوں نے شیر شاہ کے جھنڈے کے نیچے ملک کو زیر و زبر کرکے رکھ دیا تھا۔

شیر شاہ کی کامیابیوں کے متعلق تاریخوں میں، جو یہ لکھا گیا ہے کہ مار کاٹ قتل قتال سے زیادہ وہ سیاسی

حکمت عملیوں سے کام نکالنے کا عموماً عادی تھا، اور یوں بے لڑے بھڑے بڑی بڑی مہموں کے سر کرنے میں وہ کامیاب ہوا، میرا خیال تو یہی ہے کہ اس میں زیادہ دخل ان ہی مردہ دل، پژمردہ اخلاق ہندی پٹھانوں کی زبوں حالیوں کو تھا، اس میں شک نہیں مغل کے مقابلہ میں بکھرے ہوئے پٹھان شیر شاہ پر جمع ضرور ہو گئے تھے، مگر شیر شاہ سے زیادہ اس کا رازدان اور کون ہو سکتا تھا کہ بابر کی چند ہزار فوج کے مقابلہ میں لاکھوں لاکھ تعداد والی پٹھانوں کی فوج جب نہ ٹھہر سکی تو ان ہی پٹھانوں پر قتل و قتال کی کارروائیوں میں کہاں تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے شیر شاہ پٹھانوں کے اس غول کو بڑے طمطراق کے ساتھ اپنے جلو میں ضرور رکھتا تھا لیکن جہاں تک ممکن تھا حتی الوسع ان سے کام لینے میں احتیاط ہی سے کام لیتا تھا، وقت پر اس کو عجیب و غریب چالیں سوجھ جاتی تھیں حتی الوسع وہ ان ہی چالوں سے کام نکال لیتا۔ اسی کو بنی آدم کی عام خونریزی سے غالباً زیادہ بہتر خیال کرتا تھا

بہر حال "چند گاڈ" کے لئے حکومت ہند کی باگ اس بہاری پٹھان کے سپرد کی گئی تھی ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ فرصت کے اس "مغتنم" موقعہ کی اس نے پوری قدر و قیمت پہچانی جب تک سانس چلتی رہی، کام ہی میں جیتی رہی۔ اللہ اللہ جس وقت کالنجر کے قلعہ کی دیواروں کے نیچے خود اپنی ہی آتش بازی کی آگ سے جل کر شیر شاہ اپنے خیمہ میں تڑپ رہا تھا، اس پر بار بار بیہوشی کا دورہ پڑتا تھا۔ ملا عبدالقادر کی روائت ہے کہ

بیہوشی کی اس حالت میں تھوڑی دیر کے لئے — دراں بے شعوری ہرگاہ کہ اندکے بحال

شیر شاہ جب ہوش میں آتا تو زور زور سے — می آمد فریاد بر مردم زدہ ترغیب بر گرفتن

لوگوں کو پکار کر قلعہ کو فتح کر لینے پر آمادہ کرتا۔ — قلعہ می نمود (ص ۳۷۲ ج ۱)

یہی نہیں بلکہ حکام اور فوجی افسران عیادت کے لئے جب اس کی شاہی خرگاہ میں پہونچتے تو ملا صاحب کا بیان ہے کہ ان کو بھی

لڑائی ہی کے جاری رکھنے کا اشارہ کرتا — اشارت بجنگ می کرد

"شاہی خیمہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر پر شاہی حکم سے آدمی دوڑائے جاتے تھے جو بادشاہ تک جنگ کی حالت اور نوعیت کی خبریں پہونچاتے، ملا صاحب کے الفاظ ہیں کہ

اسی بے چینی اور اضطراب میں شیر شاہ تھوڑی — شیر شاہ دراں قلق و اضطراب زماں

تھوڑی دیر میں قلعہ کے فتح ہونے کی خبر دریافت کرنا

زماں خبر فتح می گرفت،،

تاریخ شاہی میں یہ لکھ کر کہ جس دن شیر شاہ زخمی ہوا اسی دن ظہر کے وقت کالنجر کے قلعہ پر شیر شاہی فوج کا قبضہ ہو گیا، لکھا ہے کہ اس وقت

شیر شاہ میں ذرا سی جان باقی تھی۔

"شیر شاہ را رمقے از جاں ماندہ بود کہ

روح بدن سے ابھی نکلی نہیں تھی کہ

لوگوں نے قلعہ کے فتح ہونے کی خبر شیر شاہ تک پہنچائی

بشارت کشودن قلعہ رسانندند

اپنی زندگی کی آخری مہم کی اس آخری کامیابی کی بشارت سننے کے ساتھ

شیر شاہ نے (اس خوش خبری کو سن کر) الحمد للہ کہا، اور اس کے بعد تین مرتبہ کلمہ شہادت کو دہراتے ہوئے روز جمعرات ۲۴ ر ذیقعدہ ۹۵۲ھ کو یہ دین پرور، آفاق گیر، قلعوں کا فتح کرنے والا بادشاہ اللہ کی رحمت سے جا ملا۔

گفت الحمد للہ، بعدہ سہ مرتبہ کلمہ شہادت بر زبان راندہ، روز پنجشنبہ بست وچہارم ذیقعدہ سنہ ۹۵۲ھ، بادشاہ دین پرور آفاق گیر قلعہ کشائے برحمت حق پیوست۔

(صـ ۲۳۳ تاریخ شاہی احمد یادگار)

موت کو بھی زندگی بنا لینے کی یہی واحد تدبیر تھی، شیر شاہ اس میں بھی کامیاب ہو گیا۔ ملا عبد القادر صاحب جو عہد شیر شاہی میں ہی پیدا ہوئے، اپنی اسی کتاب میں انھوں نے لکھا ہے کہ

خدا کا شکر ہے کہ اسی بادشاہ (شیر شاہ) کے زمانہ میں اس منتخب کے مصنف کی ولادت بتاریخ ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۴۷ھ میں ہوئی۔

بحمد اللہ کہ در زمان ایں چنیں ملکے... تولد صاحب ایں منتخب در ہفدہم ربیع الثانی ۹۴۷ھ واقع شد (صـ ۳۶۳)

بہر حال وہی راوی ہیں کہ

ایک ثقہ قابل اعتماد آدمی خود اس فقیر سے بیان کرتے تھے کہ (قلعہ کالنجر) کے ارد گرد جو مورچے قائم کئے گئے، ان میں ہر ایک کے مورچے اور اس کے کام کی نوعیت جداگانہ تھی لیکن اسی حال میں میں نے ایک فوجی آدمی

یکے از ثقات بفقیر حکایت کرد کہ دراں روز حملہ کہ کار ہر یکے از اہل ملچہا نمایاں وعلامات وصورت ہا از یک دیگر ممتاز بود، می دیدیم کہ سپاہی سلح مکمل کہ نہ ہرگز پیش ازاں ونہ بعد ازاں در نظر آمدہ سرتا پا شعار سیاہ پوشیدہ

کو دیکھا جو تمام ہتھیاروں سے مسلح تھا میں نے اس کو نہ اس موقع سے پہلے دیکھا اور بعد کو بھی اس پر نظر نہ پڑی، سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا، اس کے کپڑے، عمامہ سب کا رنگ سیاہ تھا، وہی سپاہی مجھے جنگ کی ترغیب دے رہا ہے اور دمدمہ سے اتار کر خود کو قلعہ کے اندر اسی نے پہونچا دیا۔ قلعہ کی فتح ہو جانے کے بعد حالانکہ اس شخص کو بہت ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ چلا، میں نے بھی یہ

ملبوس و عمامہ ہماں رنگ بر سر نہادہ و مارا ترغیب و تحریص بر جنگ نمودہ از بالائے ساباط خود را دروں قلعہ رسانیدہ و ہر چند بعد از فتح نشان او جستم نیافتم واہل مور چہائے دیگر نیز ہمیں طور نشاں می دادند کہ سوا ہے چند باں لباس دیدیم کہ پیش پیش ما می رفتند تا بدرون قلعہ در آمدند وغائب شدند" (ص ۳۷۲)

دیکھا اور دوسرے لوگ بھی کچھ اسی قسم کی باتوں کی خبر دیتے تھے کہ اس لباس میں ہم نے سواروں کو دیکھا کہ آگے آگے میرے جا رہے ہیں لیکن قلعہ میں داخل ہو جانے کے بعد نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"اللہ (خالق عالم) ہی کو جنھوں نے اپنا پالنے پوسنے والا بنالیا اور اسی پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں کہ نہ غم کرو، اور نہ کڑھو، اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی خوش خبری لو، ہم تمہاری پشت پناہی کرنے والے ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت والی زندگی میں بھی"

یعنی قرآنی آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الآخرۃ کا جو حاصل اور ترجمہ ہے جو ان الفاظ کو خدائی کلام یقین کرتے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ غیبی تائیدوں کے ان ملکوتی مظاہر کے متعلق شک اندازی کرنے کے لئے ان کے لئے گنجائش ہی کہاں چھوڑی گئی ہے بدر کے میدان سے مسلمانوں کو اسی قرآنی خبر کا تجربہ قدرت کراتی چلی آرہی ہے اور جو بھی "ربنا اللہ" پر قدم جما کر ڈٹ جائے گا اس کو کسی نہ کسی شکل میں اسی قسم کے تجربوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے، بقول شخصے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ——— اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

حقیقت تو یہی ہے کہ شیر شاہ کی زندگی عبرتوں اور بصیرتوں کے اسباق سے مالامال ہے۔ افسوس ہے کہ پانچ سال کی محدود حکومت کو دیکھ کر لوگوں کی توجہ اس بادشاہ کے کارناموں پر اتنی نہ ہوئی جس کا وہ مستحق ہے۔ ہندوستان کے عہد اسلامی کے سب سے زیادہ باخبر عالم حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء کی یہ بات فقیر کے حافظہ سے نہیں مٹتی۔ گفتگو کرتے ہوئے حضرت والا نے ایک دن فرمایا کہ "لوگ آئین اکبری" کے اس راز سے عموماً ناواقف ہیں کہ آئین شیر شاہی کا وہ ایک چربہ ہے۔ تاریخ ہی کے طلبہ کے لئے شیر شاہ اور اس کی حکومت مستحق التفات خاص نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی حکومت جس زمانہ میں بھی جن لوگوں کے سپرد ہو چاہیے کہ شیر شاہی مجاہدات اور مساعی سے وہ روشنی حاصل کریں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وتغمدہ بغفرانہ

کیسی عجیب بات ہے شیر شاہ کے بعد وہی پٹھان جن میں مجازی زندگی کی عارضی اور وقتی لہر دوڑ گئی تھی، دوسرے مرنے والوں پر قیاس کرکے ان ہی مرے ہوئے پٹھانوں نے تراشے ہوئے پتھروں کا ایک ڈھیر موزوں اور مناسب ترتیب کے ساتھ ان کی ہڈیوں کے مدفن پر جمع کر دیا جو آج شیر شاہ کے روضہ کے نام سے مشہور ہے، حالانکہ نہ یہ عمارت ہی شیر شاہ ہے اور نہ شیر شاہ کا نام جو اس عمارت کی نسبت سے زبانوں پر آتا یا کتابوں میں لکھا جاتا ہے وہی نام خود شیر شاہ ہے۔

مرنے والوں کی زندگی کا راز صرف اسی مسلک عشق میں پوشیدہ ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عارف شیراز نے فرمایا!

از صدائے سخن عشق ندیدم خوش تر یادگارے کہ دریں گنبد دوار بماند

(بقیہ صفحہ ۵۳) صدر آئزن ہاور اور ڈلز بہت ہی کٹر عیسائی ہیں۔ بہرحال یہ سب اسلام کے خلاف کمیں گاہیں رہیں۔

مقامی حکومتیں دوسری رکاوٹ جو پہلی سے زیادہ خطرناک ہے مقامی حکومتیں ہیں یہ حکومتیں خواہ مسلمانوں پر مشتمل ہوں یا غیر مسلموں پر، اور وہ مسلم ممالک کی ہوں یا غیر مسلم ممالک کی اسلامی تحریکوں کا مقابلہ کرتی ہیں مگر اس سلسلہ میں خوش خبری کی بات یہ ہے کہ یہ مقابلہ ذرا دیر سے ہوا اور اس وقت شروع ہوا جب اسلامی تحریکوں نے جڑ پکڑ لی۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اس کا اثر محدود ہو گا۔

یہ ضرور ہے کہ ابھی کچھ دنوں کے لئے ایسا وقفہ آنے والا ہے جو کچھ تاریک ہو گا اس کے بعد اسلام کا مستقبل روشن ہو گا اور آپ کی سرگرمیاں جتنی بڑھیں گی اتنا ہی یہ مستقبل قریب آتا جائے گا۔

! دیکھئے آپ کے ساتھ تین طاقتیں ہیں ——— ایک مکمل دین ——— ایک نوخیز امت ——— اور خالق کائنات کی مدد ——— اللہ آپ سب کے ساتھ ہے!

سفرِ مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(ترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

مصر کی عدالت اور اخوان المسلمین کے مقدمہ کا ایک منظر

یکشنبہ ۲۷ر۴ر۷۰ھ - ۴ر۲ر۵۱ء

برادر عزیز عبداللہ عقیل عراقی آگئے، اور ہم حسب قرارداد ان کے ساتھ عدالت دیکھنے گئے، وہاں آج اخوان المسلمین کے مقدمہ میں اخوان کی طرف سے استاذ سعید رمضان کی بحث تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ مصری عدالت میں کسی مقدمہ کی کارروائی بھی دیکھی جائے کیونکہ یہ بھی کسی ملک کی زندگی اور اس کے نظم ونسق کا ایک شعبہ ہے۔ بہرحال ہم کچہری پہونچے اور سنتریوں نے ہماری جیب تلاشی کے بعد اندر جانے کی اجازت دی عدالت کے کمرہ میں پہونچے تو دیکھا کہ طالبعلموں، نوجوانوں اور خواتین اور وکلاء کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ یہاں محافظ پولیس کے لوگوں سے ہم نے اپنے متعلق ایسے خیر مقدمی کلمات سُنے جن کا اپنے ملک کی کچہریوں میں سننا ناممکن تھا، ہمارے یہاں کی کچہریوں کے لیے تو شاید یہ ضروری ہے کہ وہاں کی فضا رعب و دہشت اور ترشروئی سے بھری ہوئی ہو، اس کے برعکس یہاں ہم یہ الفاظ سن رہے تھے۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں"۔ "اے آمدنت باعث آبادیٔ ما" ——— کچھ بھی سہی، یہ تو حقیقت ہے کہ شادباشی اور سبک روحی، عربی طبیعت کا جزو لاینفک ہے ——— ہماری نظر اٹھی تو سامنے دیکھا کہ ٹھیک کرسیٔ عدالت کے اوپر دیوار میں ایک تختی نصب ہے جس پر یہ فرمانِ الٰہی نقش ہے۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

(اور جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو واجب ہے کہ انصاف کرو)

میں نے کہا کاش اسلامی ملکوں میں بھی فیصلے کی بنیاد ہوتی اور یہاں کی عدالتوں کا یہی دستور و شعار ہوتا، اور کاش یہ آیت قاضیوں اور ججوں کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتی نہ کہ ان کی پشت کے پیچھے جیسا کہ واقعہ ہے۔

تھوڑی دیر بعد بنچ کے ارکان جو تین افراد پر مشتمل تھے تشریف لے آئے، وہ خاص عدالتی لباس پہنے ہوئے تھے، یہ حضرات آ کر اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے، پھر ملزمین آئے اور کٹہرہ کے اندر داخل کر دیے گئے۔

استاذ سعید رمضان کی بحث اور اس کی اثر انگیزی

عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، سرکاری وکیل ایک طرف بیٹھ گیا اور استاذ سعید رمضان وکیل کی جگہ پر کھڑے ہوئے، استاذ سعید نے بڑی اثر انگیز خطابت اور قابل دید جرأت کے ساتھ اپنا کیس پیش کرنا شروع کیا، انھوں نے اپنی بحث حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کے قصہ سے شروع کی اور بتلایا کہ وہ کس طرح جنت سے نکلے پھر کس طرح اس دنیا میں حق و باطل کی کشمکش ہوتی رہی اور کس کس انداز میں "شرار بولہبی" "چراغ مصطفوی" سے ستیزہ کار رہا، پھر خلافت اسلامیہ کے مختلف ادوار کو بیان کیا، خلافت کا شباب، اس کا ضعف، اس کا عہد پیری، یورش تاتار اور جنگ صلیب، پھر انیسویں صدی میں یورپ کی صلیبیت اور اس کی قبضہ گیری، اور استعماریت، اس کے بعد وہ یہودی صلیبیت پر آئے کہ اس کے کیا عزائم ہیں اور اسلام کو اس سے کیا خطرہ ہے، پھر انھوں نے بتایا کہ اخوان المسلمین کی تحریک کس طرح اس خطرہ کے مقابلہ میں آ کر کھڑی ہو گئی، اور ثابت کیا کہ اخوان کا موقف مجاہدین کا موقف ہے نہ کہ مجرموں اور باغیوں کا!

اپنی بحث میں وہ اس قدر آیات و احادیث سے استشہاد کر رہے تھے کہ عدالت کی فضا میں دینی فضا کا رنگ پیدا ہو گیا، حاضرین کے دل امنڈنے لگے اور ایسا سماں بندھا کہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے یہ بھول کر کہ وہ عدالت کے کمرہ میں ہیں۔ ایسا محسوس کرنے لگے کہ وہ کسی دینی وعظ یا سیاسی جلسہ میں ہیں ۔۔۔۔ یہ منظر ایک طرف فاضل وکیل کی قوت بحث اور ایمانی حرارت پر دلالت کر رہا تھا، اور دوسری طرف اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ فضا اخوان کے حق میں ہو، پھر جب فاضل وکیل نے بنچ کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے ان کے جذبۂ رحم و عدل سے اپیل کی اور ان کے ایمانی احساس اور دینی شعور کو چھیڑ کر بیدار کرنے کی کوشش کی ۔۔۔۔ جو بہرحال مسلمان تھے ۔۔۔۔ تو پورا مجمع ہل گیا، حتیٰ کہ جب انھوں نے

اپنا رخ ملزمین کی طرف موڑا اور انھیں صبر و استقامت کی تلقین کی اور کچھ برمحل آیات و احادیث سنائیں تو بند ٹوٹ پڑا، آنکھیں بہہ نکلیں اور آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور بعض گوشوں میں خصوصاً عورتوں کی جانب سے آہ و بکا کی دلدوز آوازیں بلند ہو گئیں اور ہم غیر معمولی تاثر لے کر عدالت سے نکلے۔[۱]

شیخ حسن البناء کے والد ماجد شیخ احمد بن عبدالرحمٰن البناء کی خدمت میں

ایک عجیب اتفاق ہوا کہ ہم عدالت دیکھنے کے بعد اخوان کے مرشد عام شیخ حسن البناء شہید کے والد ماجد شیخ احمد بن عبدالرحمٰن البناء کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم ہندستان میں ان کو "الفتح الربانی"[۲] کے مؤلف اور ایک خادم حدیث کی حیثیت سے جانتے تھے، پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ استاذ بناء کے والد ماجد ہیں، اور یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہو کہ لوگ عام طور پر اپنے باپ کی وجہ سے مشہور ہوا کرتے ہیں لیکن یہ ان لوگوں میں ہیں جن کی شہرت اپنے بیٹوں کی وجہ سے ہوتی ہو۔ ہم نے ان کے دروازہ پر دستک دی تو شیخ خود ہی نکل کر آئے ۔۔۔ کچھ تقاضائے سن اور صدمات نے اور کچھ پڑھنے لکھنے کے شغل نے انھیں بہت کمزور کر دیا ہو، ۔۔ ہمیں انھوں نے ایک حجرہ میں لے جا کر بٹھایا جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا، پھر گفتگو میں ہمیں معلوم ہوا کہ جیسے وہ مسند امام احمدؒ کی ترتیب اور مسند ابو داؤد طیالسی کی خدمت کر چکے ہیں (جس کا انھیں ایک ہندستانی چھاپہ کا نسخہ مل گیا تھا) ویسے ہی آج کل مسند امام شافعی کی ترتیب میں مشغول ہیں۔

اس نشست میں ہم نے علماء ہند کے متعلق بھی ان کے ارشادات سُنے۔ ان کے علمی انہماک و شغف اور ان کی مساعی علمیہ کے بہت معترف اور مداح تھے، اسی دوران میں شیخ نے عربی قہوہ سے ہماری تواضع بھی فرمائی۔

---

[۱] اس بحث کی تاثیر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہو کہ جو جج اس مقدمہ کی سماعت کر رہا تھا چند ماہ بعد اس کا صدر ریٹائر ہو کر اخوان کے دفتر میں پہونچا اور اخوان کی رکنیت کے رجسٹر میں اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ لکھے "کنتُ أحاكمهم فاصبحت منهم" ایک وقت وہ تھا کہ میں ان کے مقدمہ میں جج تھا اور آج میں انھیں میں کا ایک ہو گیا ہوں۔

[۲] یہ مسند احمد بن حنبل کی تبویب ہو ابواب فقہیہ پر اور مؤلف کی سعی و محنت کی ایک زندہ یادگار۔

شیخ حسن البنا کے حالات

میں نے موصوف سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی زبان سے آپ کے فرزند ارجمند شہید اسلام شیخ حسن البنا رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات سنیں، اور خاص طور پر ان کے بچپن اور نوجوانی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو ولا ینبئک مثل خبیر (اور نہیں بتلا سکتا تجھ کو کوئی خبر رکھنے والے کی طرح)، انھوں نے ازراہ عنایت منظور فرمایا، اور تفصیل کے ساتھ ان کا حال بیان کیا۔

فرمایا کہ ایک عرصہ تک میرے یہاں کوئی بچہ نہیں پیدا ہوا، یہاں تک کہ مجھے بچہ کی تمنا ہونے لگی۔ تب میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ایک فرزند صالح عطا فرمائے، اسی زمانہ میں میری نظر ایک چھوٹے سے بچے پر پڑی جو نماز پڑھ رہا تھا وہ مجھے بہت ہی بھلا معلوم ہوا، تب میں نے مزید عرض کیا کہ وہ ایسے ہی نماز پڑھنے والا ہو جیسے یہ بچہ پڑھ رہا ہو اور ہر لحاظ سے بہت ہی اچھا (حَسَنْ) ہو، میری یہ دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بچہ عنایت فرمایا، اور میں نے اس کا نام حَسَن رکھا۔ اس لیے کہ جب میری شادی ہوئی تھی تو میری والدہ نے میری بیوی کو "ام حسن" کہہ کے پکارا تھا، یہ بچہ جب چار سال کا ہوا تو میں نے اس کو کتاب شروع کرادی، وہ برابر ترقی کرتا گیا، یہاں تک کہ تین پاروں کے علاوہ باقی تمام قرآن مجید حفظ کرلیا، میں نے ارادہ کیا کہ اس کو دمنہور کے ابتدائی اسکول مدرسۃ المعلمین میں داخل کرادوں، لیکن یہ مدرسہ صرف ان بچوں کو داخل کرتا تھا جو حافظ قرآن ہوں، میں نے ایک دن حسن کو بلایا — وہ بڑا ہی سعید اور فرمانبردار بچہ تھا — میں نے اس سے کہا کہ بیٹا میں چاہتا تھا کہ تم کو مدرسۃ المعلمین میں داخل کرادوں، لیکن تمھارا حفظ قرآن ابھی پورا نہیں ہوا ہو، تب کہو کیا ہونا چاہیے؟ اس نے کہا ابا جان جو آپ کی مرضی ہو، میں اس کے لیے تیار ہوں، میں نے کہا ایک تختی لے آؤ، اور پھر میں اس پر قرآن کا کچھ حصہ لکھ کر دے دیتا تھا اور وہ یاد کرلیتا تھا، یہاں تک کہ بہت تھوڑے عرصہ میں اس کے بقیہ تینوں پارے بھی ہوگئے اور وہ مدرسہ میں داخل ہوگیا۔

وہ بچپن ہی سے عبادت کی طرف مائل تھا، سال میں تین مہینے رجب، شعبان، رمضان روزے رکھتا تھا، میں نے اس سے کہا کہ بیٹا تم تو ابھی بالغ بھی نہیں ہو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر روزہ فرض نہیں کیا ہے پھر تم کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہو؟ اس نے کہا ابا جان مجھے روزے سے طبعی رغبت ہے اور اس میں مجھے کوئی مشقت نہیں معلوم ہوتی، تب میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ اسی زمانے سے مسجد میں

میرے درس میں بھی شریک ہوتا تھا، اور عبادت گزاری میں بہت سے ادھیڑ عمر والوں اور بوڑھوں سے زیادہ چست اور جفاکش تھا، اس کو شروع ہی سے نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی شوق تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ تو بڑا ہی عجیب ہے، وہ ایک دن محمودیہ میں نہر کے کنارے تفریح کے لیے گیا۔ وہاں اس نے ایک جہاز میں دیکھا کہ ننگی عورت کا مجسمہ ہے، تو سیدھا پولیس افسر کے پاس پہونچا اور کہا کہ یہاں ایسے مجسموں کا ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے، بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہاں تفریح کے لیے آتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو توڑ ڈالا جائے، اس پر وہ افسر ہنسنے لگا اور ٹالنے کے لیے اس نے ایک سپاہی کو ساتھ کر دیا اور کہہ دیا کہ اگر وہ مجسمہ والا راضی ہو جائے تو بھئی تم اسکو توڑ دینا، وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی راضی نہ ہوگا۔ بہر حال حسن اس سپاہی کو ساتھ لے کر گیا اور مجسمہ والے کو سمجھا بجھا کر قائل کر لیا کہ یہ حرام ہے اور نہایت نامناسب چیز ہے، اور پھر توڑ پھوڑ کے برابر کر دیا۔

شیخ نے مزید فرمایا کہ یہاں ہمارے یہاں مشائخ صوفیہ و علماء میں سے ایک بزرگ تھے۔ میں نے حسن کو نصیحت کی کہ ان کی خدمت میں حاضری دیا کرے چنانچہ وہ جانے لگا، حتیٰ کہ اسے ان سے غیر معمولی تعلق ہو گیا، اور ان کی صحبت سے اس نے بہت فائدہ اٹھایا۔

وہ جب اپنے مدرسہ کے آخری سال میں تھا تو قاہرہ میں دار العلوم کی نئی تنظیم ہوئی اور اس میں علوم عربیہ کے علاوہ (جن میں دار العلوم امتیازی شان رکھتا تھا) علوم عصریہ بھی داخل کیے گئے۔ میں نے دار العلوم کی علمی شان اور شہرت کی وجہ سے سوچا کہ اس کو یہاں سے وہاں منتقل کر دوں، چنانچہ میں نے اس سے مشورہ کیا تو پھر آخری رائے یہ ہوئی کہ یہ سال یہیں پورا کر لیا جائے اور دار العلوم میں داخلہ کے لیے پوری تیاری کر لی جائے۔ اس کے لیے اس نے کہا کہ ابا جان علوم نقلیہ یعنی حدیث و فقہ وغیرہ میں تیاری کرانا آپ کے ذمہ ہے اور علوم ریاضیہ (حساب اقلیدس وغیرہ) میں میں خود تیاری کر لوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر وہ قاہرہ چلا گیا۔

قاہرہ پہونچ کر اسے امتحان کے دن سے پہلے والی شب میں الجبرا* کے متعلق بہت فکر و پریشانی لاحق ہوئی۔ اس مضمون میں وہ اپنے کو کمزور سمجھتا تھا اور ڈر تھا کہ امتحان میں فیل ہو جاؤں گا۔

---

* شیخ کا تو بیان یہ ہے لیکن حسن البنا مرحوم نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ وہ مضمون صرف و نحو تھا۔

اسی فکر و پریشانی میں اُسے نیند آگئی، دیکھا کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں، حسن! پریشان نہ ہو میں تمہیں وہ جگہ بتلائے دیتا ہوں جو امتحان میں آئے گی۔ یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور نہر کی طرف لے گئے، پھر نہر کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہونچے اور کتاب کا ایک صفحہ بتلا کر کہا اس کو خوب سمجھ لو اور یاد کر لو۔ شیخ احمد بن عبد الرحمن البنا کہتے ہیں کہ میرا بیٹا حسن قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ اس کو وہ سبق یاد ہو گیا ہے، پس وہ امتحان کے لیے گیا اور وہی سبق امتحان میں آیا، چنانچہ وہ نہایت آسانی سے پاس ہو گیا، پھر وہ ہر امتحان میں امتیاز کے ساتھ پاس ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کا ایک ہم وطن ساتھی جو اس سے دس سال بڑا تھا اُس سے بُری طرح جلنے لگا اور اس نے حسن کو زہر کھلانے اور اس کی آنکھوں میں تیزاب ڈالنے کی کوشش کی، لیکن اس کا ہاتھ خطا کر گیا، چنانچہ زہر تو منھ میں پہونچا ہی نہیں اور تیزاب بھی آنکھوں کے بجائے چہرہ پر پڑ گیا، چہرہ زخمی ہوا اور حسن تلملا کر اُٹھ پڑا، بعد میں پتہ چل گیا کہ یہ حرکت اس کے فلاں ساتھی کی تھی اور معاملہ پولیس میں گیا، لیکن بعض اساتذہ نے مجرم کی سفارش کی اس لیے حسن نے معاف کر دیا۔ اور کہا میں چاہتا ہوں کہ اس کا اجر اللہ پر چھوڑ دوں اور اپنی جان بچنے کے شکرانے کے طور پر مجرم کو معاف کر دوں۔

حسن دار العلوم سے امتیاز کے ساتھ فارغ ہوا اور اسماعیلیہ میں مدرس بنا کر بھیج دیا گیا، وہاں اُس نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور اخوان المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت اس کا طریق کار یہ تھا کہ مسجدوں اور قہوہ خانوں میں جا کر دینی تقریریں کرتا، لوگوں کو دینی زندگی کی طرف بلاتا اور برائیوں پر نکیر کرتا۔ دعوت برابر ترقی کرتی چلی گئی، اور اس کا دائرہ اتنا وسیع ہو گیا کہ ایک وسیع مکان میں اس کا مستقل دفتر قائم کر دیا گیا۔

اسماعیلیہ میں جب دعوت کا کام اتنا ہو گیا تو حسن نے دوسرے اضلاع کی طرف توجہ کی چنانچہ کبھی اسکندریہ میں کبھی السویس میں، غرض ہر جگہ نہایت سرگرمی کے ساتھ دعوتی دورے کیے، اخوان کی جمعیتیں قائم کیں، دعوتی تنظیم کی، مسلسل تقریریں کیں، یہاں تک کہ پورے ملک میں جماعت کی شاخیں پھیل گئیں۔ اور اس کو جو طاقت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں کے اخلاق اور عام زندگی پر اس نے جو اثر ڈالا وہ سب آپ جانتے ہی ہیں۔

اس کے بعد مرحوم حسن کی توجہ صنعتی اور اقتصادی تنظیم کی طرف ہوئی، اس نے دیکھا کہ بیرونی

سرمایہ دار، مصر کی اقتصادیات پر قابض ہیں۔ اور ملک کی صنعت، تجارت، اور معدنی دولت پر اجارہ داری قائم کر کے اہلِ مصر کا خون چوس رہے ہیں۔ اس چیز نے حسن کو صنعتی کارخانے اور لمیٹڈ کمپنیاں قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس نے ایسے ماہر انجنیر اور میکنک تیار کیے جو کانوں میں کام کر کے قوم کو غیر ملکیوں سے مستغنی کر دیں۔ حسن کی ان سرگرمیوں سے غیر ملکی باشندوں اور مغربی کمپنیوں کو اپنا مستقبل خطرہ میں نظر آنے لگا اور انھوں نے اس کو اور اس کی جماعت کو ختم کر دینے کی سازشیں شروع کر دیں، اسی دوران میں نقراشی پاشا وزیر اعظم مصر اور جماعت کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے اور اس مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ (فاروق) نے نقراشی پاشا سے استعفا طلب کر لیا، اور اُن کو مستعفی ہونا پڑا۔

اس دن سے نقراشی، حسن اور اس کی جماعت کا سخت دشمن ہو گیا۔ پھر جب فلسطین کی جنگ شروع ہوئی تو یہ وزارت دوبارہ برسر اقتدار آئی اور اس نے جماعت کو توڑ دیا۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے، یعنی نقراشی کا قتل، حسن کی شہادت وہ سب کے علم میں ہیں"۔

شیخ نے اپنے لختِ جگر کا شروع سے آخر تک یہ سارا قصہ اس قدر وقار اور تمکنت کے ساتھ بیان کیا کہ معلوم ہوتا تھا وہ تاریخی واقعات میں سے کوئی واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ ہم ان کی اس قوتِ قلب اور ایمانی عزیمت سے بیحد متاثر ہوئے، انھوں نے اپنے بچے کو دعوت و جہاد کی راہ میں قربان کر کے اس صدمہ کو جس صبر و شکیب اور مجاہدانہ عزیمت و استقامت کے ساتھ جھیلا ہو وہ یقیناً قابلِ رشک ہو۔ ان کے اس حال پر مجھے امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے وہ دو شعر یاد آ رہے ہیں جن میں آپ نے ایسے ہی موقع پر اپنا حال بیان کیا تھا۔

فان تسألینی کیف انت فاننی	صبور علی ریب الزمان صلیب
اگر تو مجھ سے پوچھتی ہو کہ میں کیسا ہوں تو سن کہ	میں مصائب زمانہ پر صابر اور سخت جفاکش ہوں
یعز علیّ ان تریٰ بی کآبۃ	فیشمت عاد اویساء حبیب

مجھے یہ بات بہت شاق ہو کہ مجھ پر غم واندوہ کے آثار دیکھے جائیں، اور پھر دشمن ہنسیں اور دوستوں کو ناگواری ہو۔

اس کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ایک نئی اسلامی نسل کی ضرورت

(از افادات استاذ سعید رمضان صاحب)

سعید رمضان صاحب نے اپنے حالیہ دورۂ ہند کے سلسلہ میں دہلی کے ایک جلسہ میں مندرجہ ذیل تقریر فرمائی تھی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم نے ان کی ترجمانی فرمائی اور سہ روزہ دعوت دہلی کے نامہ نگار نے اس کو قلم بند کیا۔ ہم اس تقریر کو دعوت کے شکریہ کے ساتھ ہدیہ ناظرین الفرقان کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

اس وقت دنیا کے مسلمان انتشار، ابتری اور نزاکت کی گھڑیوں سے گذر رہے ہیں، یہ نزاکت تین قسم کی ہے۔

(۱) نفسیاتی (۲) اجتماعی (۳) سیاسی

نفسیاتی کش مکش کا نتیجہ اس وقت دنیا میں اخلاقی انارکی، بے نظمی، بے راہ روی اور انتشار کی شکل میں رونما ہو رہا ہے، یہ کش مکش کاری ہتھیاروں سے مسلح ہے، یہ بے راہ روی خدرت سے بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے فوری علاج کی ضرورت ہے، یہ مسئلہ مسلم اہل فکر کی عاجلانہ توجہ کا محتاج ہے، اس کے علاج کے لئے محض تحریر یا خطابت کافی نہیں بلکہ سنجیدگی اور گہرائی سے غور کی ضرورت ہے۔

یاد رکھئے شر میں ایک کشش، لذت اور ترغیب ہے۔ اب اگر خیر کو اس کا مقابلہ کرنا ہے تو اس کو بھی لذت کے مقابلہ میں ایک حلاوت اور چاشنی پیش کرنا چاہئے، سیلاب کا مقابلہ سیلاب ہی سے کیا جا سکتا ہے نفوس ہی نفوس کو کھینچ سکتے ہیں اور باہمی تعلق کی راہ پیدا ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کے کندھوں پر اس کا بار ہے انھیں اس کی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہئے اور ایک زندہ تنظیم سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

تعلق باللہ کی ضرورت دعوت کی اشاعت کے لئے سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ کہ دعوت کے امینوں کا تعلق اللہ سے درست ہو سنت اللہ یہ ہے کہ حق کی دعوت میں طاقت ہو اور اس طاقت میں زندگی اور گرمی اسی وقت آتی ہے جب داعیوں کا ربط اپنے مالک سے قریبی ہو، انبیاء علیہم السلام کے پاس یہی طاقت تھی۔ رسول اللہ صلعم کے حالات کا جائزہ لیجئے، آپ یتیم تھے، آپ کے

پاس مادی طاقت نہیں تھی لیکن آپ کی تاثیر سے لوگ کس قدر متاثر تھے، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ قریش کو ایسے آدمی نہیں ملتے تھے جن کے بارے میں انہیں یہ گمان ہو کہ وہ حضور کے پاس جیسے جائیں گے ویسے ہی واپس آجائیں گے چنانچہ واقعات گواہ ہیں کہ قریش نے سب سے طاقتور انسان کا انتخاب کیا مگر وہ بھی مسلم ہو کر پلٹا۔ اس وقت ہمیں دراصل ایک ایسی اسلامی نسل کی ضرورت ہے جس کا خدا سے راست بازی کا تعلق ہو۔

داعی کا فریضہ

جو گروہ دعوت اسلامی کو لے کر چلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نرمی و نزاکت سے اختلافات کا مقابلہ کرے۔ دعوت کا اصل مقام دل ہے اور اس کی گرہیں کھولنے کیلئے سبک دستی کی ضرورت ہے مجھے اس موقع پر ایک اخوانی داعی کا فقرہ یاد آرہا ہے اس نے کہا تھا جب کسی سے خطاب کرنا ہو تو اس پر اچانک حملہ آور نہ ہو، دل کی حیثیت گھر کی ہے اور کوئی شخص بھی اپنے گھر پر اچانک حملے کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں میخانوں میں نہ جانے کتنے نوجوان شرابی ایسے ملیں گے جن کی صلاحیتوں سے اسلام کو فائدہ پہونچ سکے اور جن کی تبدیلی سے بہت بڑا فائدہ دعوت کو پہونچ سکے۔ آج کے مدرسے، آج کا ماحول، آج کی صحافت و ادب ایمان کی پرورش نہیں کر رہا ہے اس لئے ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے سمجھ کر اپنا سفر شروع کیجیے کہ فساد غالب ہے اور حق کمزور ہے۔

اجتماعی کش مکش اور اس کی علامتیں

دوسری کش مکش اجتماعی ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ پوری زندگی مسلم نہیں ہے بلکہ ہماری زندگی کا کچھ حصہ اسلامی ہے اور کچھ غیر اسلامی مسجد میں جاکر ہمیں جو ماحول ملتا ہے تو بے اختیار الحمدللہ دل سے نکلتا ہے لیکن جوں ہی مسجد سے نکلتے ہیں اور صحافت یا ادب کا کوئی ٹکڑا ہمیں نظر آتا ہے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا پڑتا ہے، یہ تضاد ختم ہونا ضروری ہے اور یہ بات واضح ہونا ضروری ہے کہ اسلام جزو کا نہیں کل کا نام ہے جسے کل کا کل ہی قبول کرنا چاہیے۔ اس خرابی کا اصل سبب ناقص دینی تربیت ہے، لوگ اپنی اپنی جگہ اجزا پر مطمئن ہو گئے ہیں، اس کا علاج یہی ہے کہ نظام کامل کی حیثیت سے اسلام کو پیش کیا جائے لوگ اپنے مسائل کا حل اس میں تلاش کر سکیں اور لوگ یہ سمجھ سکیں کہ اسلام کا ان کی زندگیوں سے رشتہ بندھا ہوا ہے۔ یہ بات میں مصلحت وقت کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ شریعت کاملہ اتری ہی اس لئے ہے۔

اختلافات سے گریز کی ضرورت

خدا سے ربط اور نرمی کے ساتھ ایک داعی کو میری اس بات پر بھی توجہ ضروری ہے کہ وہ اختلافی چیزوں سے بچے اور اس کا رویہ حکیمانہ ہو، فقہی و کلامی اختلافات کا زمانہ بیت گیا، ان اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کسی نئی اختلافی راہ کو پیدا کرنے کا سبب بھی بن سکتی ہے اور ایسی مساعی کسی نئے گروہ کی بنا کا بھی سبب بن سکتی ہیں، شیخ حسن البنا شہیدؒ اور اخوان المسلمون کی

کامیابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ اختلافی مسائل سے بچ کر نکل گئے مصر میں جب عورتوں کے چہرے چھپانے کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا اور اس کے جواز اور عدم جواز پر علماء میں بحثیں ہو رہی تھیں ایک جلسہ میں کسی نے حسن البنا شہیدؒ سے اس مسئلہ پر ان کی رائے دریافت کی، انھوں نے جواب میں کہا کہ آج سڑک پر چلنے والی عورت سر سے پاؤں تک عریاں ہے پہلے اس کا جسم چھپا لو اس کے بعد چہرے کی بات کرنا .... اور شہید حسن البناؒ نے اخوانیوں کو مشورہ دیا تھا کہ کوئی اخوانی گھروں میں بھی اس قسم کے مسائل میں نہ الجھے (اس موقع پر مولانا علی میاں نے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے ایک مکالمہ کا حوالہ دیا۔ رقال فما بال القرون الاولیٰ o قال علمها عند ربی الآیۃ جس میں فرعون نے داعی توحید حضرت موسیٰ کو کسی دوسرے بحث میں الجھانا چاہا لیکن وہ اس سے بچ کر نکل گئے اور اصل موضوع سے نہ ہٹے)۔

ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کی کمزوریوں کے لئے خود ہی عذر تلاش کرے اور اپنی طاقتیں اصولی اور مرکزی دعوت پر مرکوز کر دے آج جبکہ اسلام کے دشمنوں میں سینکڑوں اختلافات کے باوجود اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام کو مٹا دیں تو ہم لوگوں کو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہونا ضروری ہے۔

موجودہ سیاسی کش مکش ایک تیسری کش مکش جس سے ہمیں واسطہ پیش آ رہا ہے سیاسی نوعیت کی ہے ہر ملک کی برسر اقتدار طاقتیں خواہ ان کے کارفرما مسلمان ہوں یا غیر مسلم اسلامی تحریکات کے مخالف ہیں۔ اس مقامی کش مکش کے علاوہ سرمایہ دارانہ جمہوریت اور اشتراکیت کے دو کیمپوں میں سے کسی کیمپ کی مخالفت اور کسی کی تائید کا بھی مسئلہ ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارا ایک تجربہ ہے کہ سیاسی استقلال و آزادی کے مرحلے تک اسلام کا نام استعمال کیا جاتا ہے گویا یہ ایسا سکہ ہے جو تجارتی منڈی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کامیابی کے بعد اس کی پہلی ضرب اسلام ہی پر پڑتی ہے، اس صورت حال کا ختم ہونا ضروری ہے مصر، انڈونیشیا اور پاکستان میں یہی کچھ ہوا۔ انڈونیشیا کے وہ لیڈر جو آج برسر اقتدار ہیں اور جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کل آزادی کی جد و جہد کے وقت اللہ اکبر کے نعروں سے اپنی کارروائی کا آغاز کیا کرتے تھے یہی حال پاکستان کا ہے۔ اس صورت حال کا علاج یہ ہے کہ نئی نسل اسلامی شعور حاصل کرے۔ درحقیقت ہر ایسی عمارت جس کی بنیاد اسلامی نہ ہو اور صرف اس کی اینٹیں اور چنائی اسلامی ہو اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام اقدار و حقائق و عقائد پر ایمان لانے کا نام ہے جو شخص ان پر ایمان نہیں رکھتا وہ اقتدار ملنے کے بعد پہلے ہی موقع پر اسلام کا لبادہ اتار کر پھینک دیتا ہے اور جن کے ایمان سے زیادہ واقف ہوتا ہے ان ہی پر سب سے زیادہ شدت سے حملہ کرتا ہے۔ جمال عبدالناصر کی مثال ہمارے سامنے ہے، آج یہ شخص جو اخوان کے خون کا اتنا پیاسا ہے ماضی میں اخوانی کارکنوں سے بہت زیادہ قریب تھا، سوئز کی جنگ میں جمال عبدالناصر کو سب سے زیادہ جس شخص

پر بھروسہ تھا وہ یوسف طلعت تھا اور اب اقتدار کے بعد جن لوگوں پر اس نے سب سے پہلے وار کیا ان میں یوسف طلعت نمایاں ہیں۔

دو میں سے کس کیمپ میں؟ آخری سوال یہ ہے کہ ان دو کیمپوں سرمایہ داری اور اشتراکیت میں سے مسلمان کس کا ساتھ دیں۔ فی الاصل یہ سوال مسلمانوں کے سامنے پیدا ہی نہیں ہوتا وہ ایک صاحب پیغام امت ہیں جو خود اپنی ایک دعوت رکھتے ہیں وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ اگر اپنے آپ کو پہچان لیں تو خود ایک مستقل کیمپ بن جائیں۔ مجھے اپنے اس دورے میں بار بار یہ خیال ہوا کہ اگر ہمارے پاس مخصوص بصیرت وصلاحیت کے ۲۰ طاقتور مبلغ ہوں اور وہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک آئیں جائیں تو نقشہ بدل سکتا ہے اور اس ڈھیلی ڈھالی امت میں سے ایک نئی امت نکل سکتی ہے۔

نہیں ہو نا امید! انڈونیشیا سے چلنے کے بعد میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جب میں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ایسی امت جو خدا کا نام سن کر تڑپ جانے والی ہو جو اس کی یاد میں آنسو ٹپکانے والی ہو کتنی ذلیل ہو رہی ہے۔ رنگون میں طلبہ کے ایک اجتماع میں میری تقریر کے بعد ایک چینی طالب علم نے کس حسرت سے کہا تھا کہ ہم پانچ کروڑ تھے آپ نے ہمیں چھوڑ دیا، یہ ایک زرخیز امت ہے جو آپ کی دسترس میں ہے حسن البناء شہید ایک مثال دیا کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ کسی تیز رفتار گاڑی کی پٹری بدلنے کے لئے ایک تیسری پٹری کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پٹری جس پر گاڑی چل رہی ہے قلوب کی پٹری ہے اور وہ پٹری جس کے سہارے اسے دوسری پٹری پر منتقل کرنا ہے ایمان ہے۔ اس ایمان کے ذریعہ ہمیں قلوب کا زاویہ بدلنا ہے۔

یہ چند رکاوٹیں اس وقت اسلام کی راہ میں جو بڑی رکاوٹیں ہیں ان میں بڑی سلطنتیں خاصی اہمیت رکھتی ہیں بعض لوگ خوش فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اسلام کو رابطہ دینے اور اشتراکیت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ طاقتیں اسلام کو جانتی ہیں کہ یہ بھی اتنا ہی خطرناک ہے جتنی اشتراکیت۔ انھوں نے انیسویں صدی میں جب مرد بیمار کے خاتمہ کی تدبیریں کی تھیں، دراصل یہ اسلام کو EXPLOIT کرنا چاہ رہی تھیں اسی لئے وہ اسلام کے کل سے نہیں بلکہ اسکے کسی جزو سے اشتراکیت کا مقابلہ کرنا چاہتی ہیں ورنہ پورا اسلام ان کیلئے بھی یکساں خطرناک ہے

پچھلے سال میں امریکہ میں تھا سفر کے آخر میں وہاں کی ایک سیاسی شخصیت سے ملاقات کا موقع ملا، یہ شخص اس قدر اہمیت رکھتا تھا کہ مصری سفیر بھی بلا وقت مقرر کئے انہیں مل سکتا ہے وہ خود مجھ سے میری قیام گاہ پر ملنے آیا اور کہا کہ تمہاری تقریریں سن کر میں متاثر ہوا ہوں اور تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں کہ کوئی امریکی لیڈر بھی یہ کہے کہ ہم اخوان کو پسند کرتے ہیں تو اس پر ہرگز یقین نہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ صلیبی جنگوں سے ابھی تک امریکی مدبرین کے ذہن متاثر ہیں، موجودہ امریکہ کے مدبرین

سرکاری اسکول اور مسلمان بچے

ہندوستان میں رہنے والے طبقوں کو حکومت سے شکایات کرنے بلکہ اس پر نکتہ چینی کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ جب کسی گروہ کو شکایت پیدا ہوگی تو اس کا دل ملول بھی ہوگا اور دل کی بات زبان پر آجائے گی، پھر اگر حکومت سے شکایت نہ کی جائے تو کس سے کی جائے؟ کیا یہ مناسب ہوگا کہ دل کی بات دل میں رہے اور کوئی طبقہ ڈر کر اور سہم کر اپنے لبوں پر سکوت کی مہر لگائے رکھے؟ ہمارے خیال میں جمہوریت نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ اگر اسے افسروں کے ہاتھوں کوئی تکلیف پہونچے یا حکومت کی روش سے کوئی شکایت پیدا ہو تو وہ اس کا اظہار کھل کر کرے البتہ شرط یہ ہے کہ شکایت اور نکتہ چینی تعمیری ہو اور واقعات اس کی تائید کرتے ہوں، تخریبی نکتہ چینی سے نہ تو اپنا فائدہ ہوسکتا ہے اور نہ حکومت کو اس کا فرض یاد دلایا جاسکتا ہے۔ تنقید برائے تنقید ادیبوں کا اصول ہو تو ہو، شہریوں کا یہ اصول نہ ہونا چاہئے۔ نکتہ چینی ہو مگر تعمیری اور واقعات کی بنیاد پر اور ساتھ ہی محبت اور نرمی کے ساتھ اور موقع اور محل دیکھ کر تاکہ حکومت بھی اس کا اثر قبول کرے اور شکایت کو دور کرنے پر آمادہ ہو۔

ہمیں اس بات کی شکایت ہے کہ سرکاری اسکولوں میں بنیادی تعلیم کے تحت جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ مسلمان بچوں کو موافق نہیں آسکتا، اس کے باعث مسلمانوں میں ہر جگہ تشویش بلکہ بدگمانی کا اظہار کیا جارہا ہے اور ہمیں اس بارے میں بہت سی شکایات موصول ہو رہی ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ بیسک تعلیم کے اثرات کا مقابلہ کس طرح ہو اور مسلمان بچوں کی اسلامیت کو کس طرح بچایا جائے۔ انگریز کے دور میں جو نظام تعلیم مروج تھا وہ بھی مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہ ہوا مگر یہ بات ضرور تھی کہ اردو کے اسکولوں کے ذریعہ اس خرابی کی تلافی ہوتی رہی اور مسلمانوں کے نیم سرکاری اسکول بچوں کی اسلامیت کو بہت بڑی

حد تک بچاتے رہے، مگر اب اردو سرکاری اسکولوں سے خارج کر دی گئی ہے، اگر اس کا تھوڑا بہت انتظام ہے بھی تو وہ سرتاسر ہندویت کے رنگ سے رنگا ہوا ہے، عام طور پر نصاب کی کتابیں ہندی میں ہیں اور مسلمان بچوں کو لازمی تعلیم کے تحت ان ہی کو لینا پڑتا ہے لیکن یہ کتابیں ہندو کلچر، ہندو دیومالا، ہندو اثرات سے بھری پڑی ہیں اور مسلمان کو بھی وہی کچھ پڑھنا پڑتا ہے، جو ہندو بچے پڑھتے ہیں، شکایت یہ نہیں ہے کہ ان کتابوں میں اسلامی اثرات کا کوئی نشان نہیں ملتا، شکایت یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے مزاج میں ہندویت داخل کی جا رہی ہے اور ان پر وہ اثرات مرتب کئے جا رہے ہیں، جو اسلام کی عین ضد ہیں، دیوی، دیوتاؤں کے قصے، رام اور کرشن کی کہانیاں، گائے اور دھرتی ماتا کی پوجا، گیتا اور مہابھارت کی داستانیں وہ چیزیں ہیں جو خالص ہندو روایات اور کلچر سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کو مسلمانوں کا موحدانہ ذہن ایک سکنڈ کو بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ساری کائنات انسان کے تابع ہے اور انسان صرف خدا کا تابع۔ ایک مسلمان زمین سے فائدہ اٹھاتا ہے، جانوروں سے کام لیتا ہے، مگر وہ انھیں اپنے سے اوپر کوئی مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے، مسلمان وطن کی محبت کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہے مگر دھرتی کو ماتا کہہ کر کبھی نہیں پکار سکتا، اس کے مذہب نے منع کیا ہے کہ وہ کسی بت یا کسی تصویر کا احترام کرے اور اس کے سامنے جھکے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام کی بھی کوئی تصویر بنائی جائے تو مسلمان اسے دیکھ کر غضبناک ہو جائیگا اور اس کے سامنے کبھی احترام کے لئے نہیں جھکے گا۔ غرض مسلمان کے مذہبی نظریات بت پرستانہ نظریات سے بالکل جدا ہیں۔ اس لئے جب وہ نصاب کی کتابوں میں ایسی چیزیں پڑھتا ہے تو اس کی روح کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اب کیا حکومت کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ مسلمان بچوں کو وہ کتابیں پڑھائے جنھیں وہ اپنے مذہب اور مسلک کے خلاف سمجھتے ہیں؟ کیا سیکولرازم کا یہ مطلب ہے کہ کتابوں میں اسلامی اثرات کا تو نام ونشان تک نہ ہو اور انھیں ہندو روایات و نظریات سے بھر دیا جائے؟ بلاشبہ ایسی کتابیں ہندو بچوں کو ضرور پڑھائی جائیں لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ نظریات کے اعتبار سے مسلمان بچے، ہندو بچے، اور ہندو بچے مسلمان بچے نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر ہم الٰہ آباد کے ایک اسکول کا ذکر کریں گے، اس گرلز اسکول میں نوے فیصد مسلمان بچیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، پہلے اس اسکول میں اُردو کی بھی تعلیم کا انتظام تھا اور ساتھ ہی مذہبی تعلیم کا بھی مگر اب اس میں اُردو اور مذہبی تعلیم کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے صرف ہندی پڑھائی جاتی ہے

کوئی ہرج نہیں اگر ہندی ذریعہ تعلیم ہو کیونکہ وہ سرکاری زبان ہے جسے ہر ہندوستانی کو سیکھنا چاہئے مگر شکایت یہ ہے کہ ان کتابوں پر ہندو دھرم کا رنگ غالب ہے۔ اسی پر بس نہیں مسلمان لڑکیوں کو کرشن کی گوپی بنایا جاتا ہے کبھی انھیں رام لچھمن اور سیتا بنا کر ناٹک کرایا جاتا ہے جھنڈا گیت تو عام بات ہے اور پرارتھنا کے بعد جے کے نعرے لگوانا بھی تعلیم کا جزو۔ اب مسلمان سخت پریشان ہیں کہ وہ کیا کریں اور اپنی بچیوں کو اجنبی اثرات سے کس طرح بچائیں؟ ہم مان لیتے ہیں کہ حکومت کی یہ پالیسی نہیں ہے کہ مسلمان بچے ایسی کتابیں پڑھیں جو ایک فرقہ کے نظریات کی حامل ہوں اور نہ ان کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان بچوں سے ہندوانہ کھیل کرائے جائیں، مگر یہاں سوال پالیسی اور خواہش کا نہیں بلکہ عمل کا ہے اور عمل یہ ہے کہ محکمۂ تعلیم نے ایسی ہی کتابیں منظور کر رکھی ہیں جن کے ہر صفحہ پر ہندو روایات کا رنگ موجود ہے اور پھر اسکولوں میں جو ٹیچر مقرر کئے جاتے ہیں وہ خود بھی حکومت کی پالیسی اور سیکولرازم کو ڈائنامیٹ کرتے ہیں اور زبانی بھی ایسی باتیں بتاتے اور ایسی حرکتیں کراتے ہیں جن کو مسلمان بچوں کی اسلامیت کبھی برداشت نہیں کر سکتی، یہ معاملہ اس حد کو پہونچ گیا ہے کہ بمبئی کے دینی کنونشن کو بھی اس پر احتجاج کرنا پڑا اور مسلم اخبارات بھی مجبور ہوتے ہیں کہ اس کے خلاف حکومت سے احتجاج کریں، اگر صورت حال یہ ہے تو ہم جمہوریت کا پورا احترام کرتے ہوئے حکومت سے دریافت کریں گے کہ وہ اپنی روش کو کب بدلے گی اور مسلمان کب تک احتجاج کرنے پر مجبور کئے جائیں گے؟

Regd. No. (A 353)

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا ذریعہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی [illegible] ہوگی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ اپنی زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی [illegible]

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم ان کا

عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارہ الفرقان

مدیر و مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۶؍
سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) ۷؍
ششماہی .... ۳؍

قیمت فی کاپی ...... آٹھ آنے

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ

اعزازی خریداروں سے
سالانہ .... ۵؍

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ رجب ۱۳۷۴ھ مطابق مارچ ۱۹۵۵ء | شمارہ ۷

اگر اس ◯ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی۔ پی ارسال کیا جائے گا چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

تاریخ اشاعت: رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

ممالک اسلامیہ میں پچھلے چند سال سے جو احیاءِ دین اور احیاءِ خلافت کی تحریکیں منصۂ شہود پر آئی ہیں ان سے انگریز اور امریکن مدبرین بہت خائف اور فکرمند ہیں اور پوری کوشش اس بات کی کی جا رہی ہے کہ ان تحریکوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ پروپگنڈہ ہے جس میں ان تحریکوں کو ممالک اسلامیہ کے موجودہ انتشار و اضطراب کا باعث قرار دیا جا رہا ہے۔ چند ماہ ہوئے جب لندن کے ایک اہم اخبار[1] نے اس انتشار و اضطراب کی ذمہ داری ان تحریکوں پر ڈالتے ہوئے یہ سوال بھی کر ڈالا تھا کہ "پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اسلام نظم ملت پیدا کرتا ہے؟" اور اس سوال کی تصویب ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کی طرف سے دیکھنے میں آئی کہ شاید اس شخصیت کے وزن سے بہت سوں کو اس سوال میں وزن محسوس ہونے لگا ہو۔ حالانکہ اس کی حیثیت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔ چنانچہ اسی وقت سے خیال تھا کہ اس پر کچھ لکھا جائے مگر ہر ماہ بعض ایسی چیزیں پیش آ گئیں جن پر لکھنے کا تقاضہ طبیعت میں کچھ زیادہ ہوا اور یہ خیال عملی جامہ نہ پہن سکا۔ آج خیال ہے کہ اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا جائے۔

ان ممالک میں انتشار بے شک ہے مگر اس پر یہ سوال کرنا کہ اسلام کے متعلق یہ دعوے کہ وہ نظم ملت پیدا کرتا ہے کہاں تک صحیح ہے؟ ایسا ہی ہے جیسے کسی گھر میں پانی رکھا ہوا ہو اور وہاں آگ لگ جائے اور کوئی "دانشمند" کہنے لگے کہ "سوال قدرتاً یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دعوے میں اصلیت کہاں تک ہے کہ پانی آگ بجھانے والا ہے"؟ —— ظاہر ہے کہ یہ سوال قطعاً جہل اور لایعنی ہے۔ پانی آگ کو کیوں کر بجھا سکتا ہے اگر اُسے استعمال نہ کیا جائے؟ اسی طرح اسلام اس انتشار کی آگ کو

---

[1] روزنامہ ٹائمس مورخہ یکم نومبر ۵۳ء بحوالہ صدق جدید ۱۰ر دسمبر ۵۳ء

کیسے بجھا سکتا ہے اگر اُسے کام ہی میں نہ لایا جائے؟

مصر ہو یا پاکستان یا انڈونیشیا! ان سب ممالک میں اصل انتشار، دستور و آئین حکومت کے مسئلہ پر پھیلا ہوا ہے، اگر کسی کو یہ دیکھنا ہے کہ اسلام اس انتشار کو دور کر سکتا ہے یا نہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ان ممالک کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنا دیا جائے اور تمام قانون سازی اسی اسلامی دستور کی روشنی میں ہو پھر دیکھا جائے کہ یہ دستوری حل موجودہ انتشار کو دور کرتا ہے یا نہیں؟ — معقولیت اور منطق کا راستہ تو یہی ہے اور ویسے جو جس کے جی میں آئے ہانکا کرے۔

یہ تو ہوا اس سوال کا جواب کہ اسلام نظم ملت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟

اب رہا یہ سوال کہ اس انتشار کی ذمہ داری آیا اسلامی نظام کے حامیوں پر ہے یا لادینی نظام چاہنے والوں پر — جو اس وقت برسر اقتدار ہیں — ؟ تو اگر واقعات کی دیانتدارانہ تعبیر کی جائے تو اس مسئلہ کا فیصلہ بھی چنداں مشکل نہیں۔

پاکستان کو لے لیجئے، مسلم لیگ نے اس نعرہ اور اس وعدہ کے ساتھ حصول پاکستان کی جدوجہد شروع کی کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی اور اس خطہ کے مسلمانوں کو موقع ملے گا کہ وہ اپنی سیاسی اور تمدنی زندگی کی تنظیم اپنے مذہب کی روشنی میں کریں۔ اس نعرے اور اس وعدے نے مسلمانوں کے سواد اعظم کو مسلم لیگ کی پشت پر جمع کر دیا۔ مگر حصول پاکستان کے بعد یہ تمام وعدے زینت طاقِ نسیاں بنا دیے گئے۔ اور اسلامی نظام کے ساتھ کہیں معاندانہ اور کہیں منافقانہ روش اختیار کر لی گئی۔

یہی انڈونیشیا میں ہوا کہ جنگ آزادی میں عام مسلمانوں اور دینی جماعتوں کی طاقت کو ساتھ لینے کے لئے اس طرح کے وعدوں کی رشوت دی گئی۔ علیٰ ہذا مصر کی فوجی حکومت جب برسر اقتدار آئی تو اُس نے بھی اخوان کی زبردست دینی طاقت کو اپنا پشت پناہ بنانے اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اسی قسم کی گول مول باتیں کہنا شروع کیں لیکن جب عمل کا وقت آیا تو کچھ اور ہی انداز سامنے آئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ایک دم سے تمام اسلامی احکام کا اجراء چاہتے ہیں حالانکہ عملاً یہ بالکل

ناممکن ہے! مگر یہ کہنا سراسر جھوٹ، اور محض پروپیگنڈہ ہے۔ ان کے بیانات اور مطالبات دیکھیے تو سب بیک آواز کہہ رہے ہیں کہ آپ اسلام کی طرف ایک ایک قدم اٹھایئے مگر اٹھایئے تو سہی! اور اخوان نے تو رعایتِ مصلحت کی حد ہی کردی۔ انھوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ آپ جتنا جتنا ممکن ہو کرتے جایئے اور وہ بھی بلا اعلان کے کیجیے اور ہماری باقاعدہ شرکت کے بغیر کیجیے تاکہ دنیا کی بڑی طاقتیں جو اسلام اور اخوان سے عناد رکھتی ہیں آپ کی دشمن نہ ہو جائیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اپنی سوچی سمجھی روش میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی جاتی ——

بس یہی انتشار کی جڑ ہے

دین سے محبت رکھنے والے مجبور ہوتے ہیں کہ اس روش کے خلاف احتجاج کریں اور مقدمہ کو قوم کی عدالت میں رکھیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ خاموش رہو۔ وہ خاموش نہیں ہوتے (اور نہ ہونا چاہیے) تو طاقت استعمال کی جاتی ہے جو اندر ہی اندر مزید انتشار کا مواد پیدا کرتی ہے —— اب بتلایئے اس انتشار کا ذمہ دار کون ہے؟

اور یہ تو ان ملکوں کے انتشار اور افراتفری کا وہ رُخ ہے جس میں دینی تحریکوں کو گھسیٹا جا سکتا ہے مگر اس سے کہیں زیادہ سنگین انتشار اور خلفشار کا ایک رُخ اسلامی ملکوں میں وہ ہے جس سے دینی تحریکوں کا کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہ لادینی ذہنیت رکھنے والے سیاسیوں کی آپس کی چشمک ہے اور آج دنیا میں ان ملکوں کی اصل ہوا خیزی اسی کی بدولت ہو رہی ہے —— پاکستان تین سال سے جو سیاسی قلابازیاں کھا رہا ہے کوئی بتلائے کہ ان میں دینی تحریکوں کا کیا حصہ ہے؟

ناظرین کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس ماہ کی ۸ رتاریخ کو صبح پانچ بجے دارالعلوم دیوبند کے استاذ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب (برّد اللہ مضجعہ و نور ضریحہ) رحلت فرما گئے۔ راقم الحروف کو بھی حضرت استاذ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور دارالعلوم کے چار سال حضرت مرحوم و مغفور ہی کے خصوصی سایۂ شفقت و عاطفت میں گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اس لئے اس خبر جانکاہ سے جو کچھ صدمہ نہ گزرا گیا ہو

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

قرآنی دعوت (۱۸)

تقوےٰ (۲)

[اس سلسلے کی اس سے پہلی قسط میں تقوے کی حقیقت، اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اس کی تلقین وتاکید اور اس کے اختیار کرنے والوں کے لیے دنیا وآخرت کی خیر وفلاح کی خوشخبری سنانے والی چند آیات پیش کی گئیں تھیں، آج کی اس قسط میں بھی تقوے ہی سے متعلق قرآنی دعوت کے بعض دوسرے پہلوؤں کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔]

قرآن مجید تقوے ہی کو نیکی کی اصل واساس اور سارے اعمال کی روح قرار دیتا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ‎ۚ
(بقرہ ع ۱۴)

ولیکن نیکی کی حقیقت تو بس یہ ہے کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔

اور سورۂ حج میں قربانی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو مطلوب نہیں ہے اور نہ وہ اس کے پاس پہونچتا ہے، بلکہ دل کا جو جذبہ اور جو کیفیت قربانی کے حکم کی تعمیل کراتی ہے، یعنی تقویٰ، بس وہ مطلوب ہے، اور وہی خدا کے پاس پہونچتا اور قبول ہوتا ہے، اور وہی گویا عمل کی روح ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ‎ۭ
(الحج ع ۵)

تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہونچتا، اس کے حضور جو کچھ پہونچتا ہے، وہ تمہارے دلوں کا "تقوےٰ" ہے۔

اسی لیے ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہو کہ اللہ اسی عمل کو قبول کرتا ہو جس کے کرنے والے میں تقویٰ ہو، اور اس نے وہ عمل تقوے کی صفت کے ساتھ کیا ہو، یعنی اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی فکر اس عمل کی محرک ہو، ارشاد ہو۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (مائدہ ع ۵)

اللہ تقوے والوں ہی کے عمل قبول کرتا ہے۔

قرآن مجید میں تقوے کی تعلیم و دعوت ترغیبی انداز میں بھی دی گئی ہو اور ترہیبی انداز میں بھی یعنی بہت سے مقامات پر تو مغفرت و رحمت اور جنت و رضاء الٰہی کی جیسی خوشخبریاں سنا کر تقوے پر اُبھارا گیا ہو اور بہت سی آیتوں میں اسی طرح قیامت اور آخرت کے ہولناک مناظر کا ذکر کرکے انسان کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو ـــ پہلے چند ترہیبی آیتیں پڑھیے! ـــ سورہ حج میں ارشاد ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُم بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ (الحج - ع ۲)

اے آدم کے فرزندو! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقین کرو کہ قیامت کا بھونچال بڑا ہی سخت حادثہ ہوگا، جس دن وہ قیامت تمہارے سامنے آجائے گی، اور تم اسکے ہیبت ناک مناظر دیکھو گے، تو حالت یہ ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا، یہاں تک کہ ننھے بچے کو دودھ پلانے والی ماں اپنے اس بچہ کو بھول جائے گی، اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے، اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں بیہوش، اور وہ کسی نشہ سے بیہوش نہ ہوں گے مگر اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہو، (اس کی ہولناکی اور دہشت سے اُن کا یہ حال ہوگا۔)

اور سورہ لقمان کے آخر میں ارشاد ہو

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو، اور

يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (لقمان ع ۴)	اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی کرے گا. بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوگی۔ یقین کرو کہ اللہ کا وعدہ بالکل حق اور اٹل ہے، پس یہ

دنیوی زندگانی تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور اسی طرح دھوکہ باز شیطان اللہ کی طرف سے تم کو کسی فریب میں مبتلا نہ کردے۔

ان دونوں آیتوں میں تو تقوے اور خوف خدا دلوں میں پیدا کرنے کے لیے قیامت اور آخرت کے شدائد اور ہولناک مناظر کا بیان کیا گیا ہے (اور بلاشبہ یہ ایسا بیان ہے کہ اگر کسی دل میں اس کو سن کر بھی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہ ہو تو بلاشبہ وہ دل پتھر کا ہے) ۔۔۔ اور بہت سی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے قہر و عذاب کا ذکر کر کے بھی دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔۔۔ مثلاً سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ (بقرہ ع ۲۴)	اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ (مجرموں کو) اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا گیا ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (مائدہ ع)	اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ (مجرموں کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔

اور صرف ایک آیت درمیان میں چھوڑ کر دوسری ہی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝	اور ڈرو اللہ سے، اللہ بڑی جلدی حساب کرنے والا ہے۔

اور دو تین آیتوں کے بعد پھر فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔

اور اس سے اگلی ہی آیت میں پھر فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ع ۲)

اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تمہارے تمام احوال سے آگاہ ہے۔

بعض مقامات پر تقوے کی تعلیم و تلقین کیلئے یہ عنوان بھی اختیار فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو، تم کو اس کے حضور حاضر ہونا ہے" مثلاً سورہ بقرہ میں ارشاد ہے

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۵)

اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے۔

پھر دو رکوع کے بعد اسی سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے

وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ ط (بقرہ ع ۲۸)

اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو۔

ان سب آیتوں میں تو ترہیبی انداز میں تقوے کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے، اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ترغیبی انداز میں یعنی مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی خوشخبریاں سنا سنا کر تقوے پر ابھارا گیا ہے۔

سورہ نساء میں ایک موقع پر ارشاد ہے۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (النساء ع ۱۹)

اور اگر تم اصلاح اور تقوے کا رویہ اختیار کرو تو اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔ (وہ تمہارے ساتھ مغفرت اور رحمت ہی سے پیش آئے گا)

اور سورہ حجرات میں فرمایا

وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝

اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اللہ بہت عنایت فرمانے والا اور نہایت

مہربان ہو۔

اور اسی سورہ میں فرمایا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الحجرات ۔ ع ۱)

اللہ سے ڈرو اور تقوے کی روش اختیار کرو، تاکہ تم پر تمہارے مالک کی رحمت ہو۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے مغفرت و رحمت کے علاوہ اپنی محبت اور اپنے پیار کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران ع ۸)

ہاں جو پورا کریں عہد اور تقوے کا رویہ اختیار کریں تو اللہ ان متقی بندوں سے محبت اور پیار کرتا ہے۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (توبہ ع ۱)

یقیناً اللہ کا پیار ہے اپنے متقی بندوں پر۔

ان آیتوں میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جس محبت اور رحمت کی خبر دی گئی ہے اس کا اصل ظہور تو عالم آخرت ہی میں ہوگا جو اصل جزا کا عالم ہے، لیکن قرآن مجید ہی نے تبلایا ہے کہ کسی درجہ میں اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کی چند آیتیں اس سے پہلی قسط میں ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں۔ ایک آیت یہاں اور پڑھ لی جائے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے

اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ (آل عمران ع ۱۲)

اور اگر تم استقلال اور تقوے کے ساتھ رہو تو تمہارے ان دشمنوں کی چالوں، (اور ان کے خفیہ واروں) سے تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے (کیونکہ پھر اللہ تمہارا محافظ اور مددگار ہوگا) اور وہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں (اور تمہیں نقصان پہونچانے کے لیے جو خفیہ چالیں چلتے ہیں) اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور سب اس کے بس میں ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہو کہ اللہ کے جو بندے صبر اور تقوے کی روش اختیار کریں گے ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہوگا اور ان کی بدخواہیوں اور بداندیشیوں سے حفاظت فرمائے گا۔

اہل تقویٰ کو ایک خوشخبری قرآن مجید یہ بھی سناتا ہو کہ موت کے وقت ان کی روح خوش وخرم ہوتی ہو اور قبض روح کے لیے جو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان کو پہلے سلام کر کے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

سورہ نحل میں اہل تقویٰ کو آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کی خوشخبری کا سنانے کے بعد فرمایا گیا ہو۔

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (نحل ع ۴)

اللہ تعالیٰ ایسی ہی جزا دے گا متقیوں کو، وہ متقی بندے جن کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے خوشی کی حالت میں، کہتے ہیں ان سے تمھارے لیے تمھارے رب کی طرف سے سلامتی ہو۔ (اور اس کا تمھارے لیے فرمان اور فیصلہ ہو کہ) پہونچ جاؤ اس کی تیار کی ہوئی جنت میں اپنے اعمال کے سبب سے۔

نیز قرآن مجید ہی کا بیان ہو کہ اسی طرح آخرت میں جنت کے داخلہ کے وقت بھی وہ فرشتے جو جنت کے نگراں مقرر ہیں، اہل تقویٰ کا استقبال بڑے اکرام اور اعزاز سے کریں گے اور ان کو سلام کر کے اور مبارکباد دے کے اللہ تعالےٰ کے انعامات کی بشارتوں سے اُن کو شاد کریں گے — پڑھیے سورہ زمر کے آخری رکوع کی یہ آیت

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ

اور لے جائے جائیں گے متقی بندے جنت کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہونچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے

فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ ٥ اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو، پس داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کے لیے۔

فرشتوں کی طرف سے یہ سلامی اور مبارکباد لیتے ہوئے اللہ کے یہ متقی بندے اس جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ نے انہی کے لیے سجائی اور بنائی ہو (اُعِدَّتْ للمتقین)، اور اس وقت ان کی زبانوں پر اپنے مالک کی حمد و شکر کا یہ ترانہ ہوگا — وقالوا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (زمر ع ۸)

تمام تر تعریف ہو اس خدا کے واسطے جس نے پورا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور وارث بنایا ہم کو اس زمین کا کہ ہم ٹھکانہ بناتے ہیں جنت میں جہاں چاہیں۔

پھر جنت میں اللہ کے ان متقی بندوں کو جو نعمتیں، اور جو راحتیں اور لذتیں عطا فرمائی جائیں گی حق تو یہ ہو کہ اس دنیا میں ان کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، تاہم، ہم نے اس سے پہلی قسط میں جو دو چار آیتیں اس مضمون کی درج کی ہیں ان سے جو کچھ اجمالی اندازہ ہو سکتا ہو اہل ایمان میں جنت کا شوق اور اس کی طلب و تڑپ پیدا کرنے کے لیے بلاشبہ وہ بھی کافی ہو۔ اس سلسلہ میں سورۂ ص کی یہ آیت اور پڑھ کر اپنی ایمانی روح کو تازہ کر لیا جائے۔

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ٥ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ٥ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ٥ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ٥ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ٥ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ٥ (ص ع ۴)

اور تحقیق ڈر والوں کو ہو، اچھا ٹھکانہ باغ ہیں بسنے کے، کھولے ہوئے ہیں ان کے لیے دروازے، بیٹھے ہیں ان میں تکیہ لگائے، منگاتے ہیں میوے اور شربت، اور ان کے پاس حوریں ہیں نیچی نگاہ والیاں، سب ایک عمر کی — یہ ہو وہ (انعام) جس کا وعدہ کیا جا رہا ہو تم سے روز حساب کے لیے، بیشک یہ ہو ہمارا رزق جس کو کبھی نبٹرنا نہیں۔

قرآن مجید نے تقوے کی تعلیم و ترغیب اور اس کے فضائل و برکات اور اس پر دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور بشارتیں سنانے کے ساتھ ایک نہایت اہم اعلان تقوے کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہو کہ بندوں کی چھوٹائی بڑائی اور ان کی پستی اور بلندی کا معیار اللہ کے نزدیک بس تقویٰ ہی ہو، بس جو تقوے میں جتنا اونچا اور جسقدر ممتاز ہو اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں وہ اتنا ہی اونچا اور اتنا ہی ممتاز ہو۔ اور جو تقوے میں جتنا ناقص جتنا ہیٹا اور جتنا گھٹیا ہو وہ اللہ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں اتنا ہی ناقص اور گھٹیا اور بے قیمت ہو۔

ارشاد ہے:-

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ	اللہ کے یہاں تم میں زیادہ باعزت
أَتْقَاكُمْ　(حجرات ع ۲)	وہ ہو جو تقوے میں بڑا ہو۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہو، کیونکہ تقویٰ ہی بندے کی وہ صفت ہو جو اس کو اُن معاصی اور منکرات سے روکتی ہو جن سے رُکنے ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اور وہی اُن اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کو پیدا کرتی ہو جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہو۔

اللّٰھُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا

پیغمبر اسلام اور تلوار

از جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی ایم، اے، پی، ایچ، ڈی

(ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی نے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر مختلف مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں۔ یہ مقالہ انھیں میں سے ایک ہے ——— ادارہ)

لا اکراہ فی الدین

(دین میں کوئی زبردستی نہیں)

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ روشنی کی کوئی کرن پھوٹی ہو اور تاریکی نے اسے نگل جانے کی کوشش نہ کی ہو۔ نور و ظلمت کی یہ کشمکش ابدی ہے اور کسی تخیل یا تحریک کا تحسین و تکریم کی تالیوں کے ساتھ تحقیر و تکذیب کی صداؤں سے استقبال نہ کیا جانا اس کی ناقابلِ تردید صداقت کی دلیل نہیں بلا اوقات اس کے پوچ اور لچر ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔

اسلام بھی ابتدا سے مختلف غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا نشانہ رہا ہے۔ اور اس کی جس چیز نے معترضوں کی جبینوں پر سب سے زیادہ شکنیں ڈالی ہیں اور جوان کی زبانوں اور قلموں کو جنبش میں لانے کا قوی ترین سبب ہوئی ہے وہ جہاد کا تصور ہے۔ غیر مسلم حلقوں میں عام طور پر اس بات کو باور کرنے کا شعوری یا غیر شعوری رجحان پایا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار لے کر اپنے دین کی تبلیغ کی اور آپ کی روحانی جد وجہد کے پیچھے در اصل ملک گیری اور جہانبانی کی خواہشوں کی کارفرمائی تھی۔ چنانچہ "دی نیو ایجوکیشنل انسائیکلوپیڈیا" جیسی اہم اور مستند کتاب

بھی اس بے بنیاد بیان کی حامل ہو کہ "جب محمد کے پیرووں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا تو انھوں نے اپنے عقائد بزور شمشیر منوانے کی ٹھانی (اور) جنگوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ (بالآخر انھوں نے) پورا ملک عرب فتح کر ڈالا۔"[1]

یہاں جہاد کے نظریہ کی تھوڑی سی تشریح ضروری ہے۔ جہاد کے معنی عموماً جنگ اور قتال کے سمجھے جاتے ہیں، لیکن مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔ جہاد کا لفظ (جہد) سے نکلا ہے۔ اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ (جہاد) کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ:۔ "حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جد و جہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس راہ میں صرف کرنا یہاں تک کہ اس کے لیے اپنی، اپنے عزیز و قریب، اہل و عیال کی، خاندان و قوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا، ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لیے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے، تو اس کے لیے بھی پوری طرح تیار رہنا۔"[2]

تاریخ سے صرف رسم و راہ رکھنے والوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں دشواری نہ ہوگی کہ کوئی تحریک محض اپنے پیغام کی حقانیت یا اصولوں کی پاکیزگی کی بنا پر کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اس کے پیچھے عیش و آرام اور جان اور مال کو داؤں پر لگا دینے والوں کی ایک جماعت نہ ہو اور اگرچہ یہ درست ہے کہ کسی تحریک کی کامیابی اس کی صداقت اور افضلیت کا ثبوت نہیں ہے، مبارک سے مبارک تحریک کامیابی کا منہ، اپنے پیرووں میں مجاہدانہ جذبات پیدا کیے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔

فطرت کا یہ راز دنیا نے آنحضرت صلعم ہی کی وساطت سے جانا اور آپ ہی کی بدولت آپ کی امت میں اعلیٰ مقاصد کی خاطر مادی سود و زیاں کے حدود سے گزر جانے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ یہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال ہی کا حوصلہ تھا جس نے مسلمانوں کو مکہ میں سخت ترین مظالم

---

[1] صفحہ ۲۲۷۵۔ [2] سیرۃ النبی جلد ۵، صفحہ ۳۹۶۔

کو برداشت کرنے کا کلیجہ عطا کیا۔ وہ تپتی ہوئی ریگ پر لٹائے گیے، ان کے جسم دہکتے ہوئے لوہے سے داغے گیے، ان کے گلوں پر تلواریں چلیں، تیروں کی ان پر بارش ہوئی، بھوک اور پیاس سے آزمائے گیے مگر ان کے عزم واستقلال میں ترقی ہی ہوتی گئی، پھر وطن اور عزیز و اقارب سے منھ موڑ کر حبش اور مدینہ کا رخ کرنا پڑا تو کسی کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ دورِ نبوت کے آخری دس سال مسلمانوں نے مدینہ میں جس طرح تلواروں کے سایہ میں بسر کیے وہ بھی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے جہاد کے معنی صرف تیر و تفنگ ہی کے ذریعہ کوشش کرنے کے نہیں ہیں بلکہ تمام نیک کاموں کے لیے تمام جائز طریقوں سے سعی کرنا اس کے تحت میں داخل ہے۔ چنانچہ خود اپنے نفس کے خلاف سعی کرنے کو سب سے بڑا جہاد بتایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک بار آنحضرت صلعم نے میدان جنگ سے لوٹ کر آنے والے صحابہ کا ان الفاظ سے استقبال کیا کہ "تمھارا آنا مبارک! تم چھوٹے جہاد (جنگ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔ بڑا جہاد بندہ کا اپنے نفس سے لڑنا ہے"[1]۔ "ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کے لیے اپنے نفس اور اپنی خواہشوں سے جہاد کرو"[2]۔

اسی طرح تحصیل علم بھی ایک جہاد ہے کیوں کہ اس سے ظلمت کی پسپائی ہوتی ہے۔ جہالت ایمان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے اس جہاد کو جہاد بالنفس اور جہاد بالمال پر ترجیح دی ہے۔ اسلام کی عظیم الشان ترقی کا راز دراصل "قرآن اور تلوار" میں نہیں بلکہ قرآن کی تلوار میں تلاش کرنا چاہیئے۔

فلا تُطِع الکافرین وجاھِدھُم	"تو کافروں کی باتوں میں نہ آ، اور
بہٖ جِھاداً کبیراً ۰	قرآن کے ذریعہ ان سے جہاد کر، بڑا جہاد"

(القرآن - فرقان)

اور ظلم، افلاس، بیماری، توہم پرستی، عصبیت اور تمام دوسرے جسمانی و اخلاقی و روحانی

---

[1] ماخوذ از سیرۃ النبی، جلد ۵، صفحہ ۳۰۰ [2] ایضاً

مصائب و معائب کے خلاف محنت و سعی، تبلیغ جہاد کا مرتبہ رکھتی ہو۔ ارشاد نبوی ہو کہ: "ایک بڑا جہاد کسی ظالم قوت کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہو"۔[1]

ایک صحابی یمن سے سفر کر کے مدینہ آئے اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر لشکر اسلام میں شامل کئے جانے کی خواہش کی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ "تمہارے والدین زندہ ہیں یا فوت ہو گئے؟ انھوں نے بتایا کہ زندہ تھے۔ ارشاد ہوا "تو پھر تم ان ہی کی خدمت میں جہاد کرو"۔[2] گویا خدمتِ والدین بھی جہاد ہو۔

عورتوں نے ایک بار جہاد میں شرکت کی اجازت مانگی تو انھیں جواب ملا کہ "تمہارا جہاد نیک حج ہو"۔[3]

مختصر یہ کہ مومن کی زندگی جہادِ مسلسل ہو۔

زندگی نرم بھی ہو اور گرم بھی، یا شاعر کی زبان میں "شاخِ گل" بھی اور "تلوار" بھی۔ اسی لیے انسان کو نرم و گرم دونوں قسم کے اخلاق کی حاجت ہو۔ حلم اور رحم، صبر اور ضبط، عفو اور درگذر بڑی خوبصورت صفتیں ہیں مگر زندگی کے ہر نشیب و فراز میں تو یہ دستگیری نہیں کرسکتیں۔

فراؤڈے نے خوب کہا ہو کہ "تحمل اپنی جگہ پر ایک اچھی چیز ہو لیکن تم اس کو تو برداشت نہیں کرسکتے جو تم کو برداشت کرلینے کو تیار نہیں ہو اور تمہاری گردن قلم کردینے کی کوشش میں لگا ہوا ہے"۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ تحمل اور ضبط کے پیچھے سمجھ داری اور شرافت ہی کے عناصر ہوں۔ یہ کیفیات مختلف لوگوں میں مختلف دماغی و اخلاقی عوامل کے نتیجہ میں پیدا ہوسکتی ہیں۔ گبن نے اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہو کہ "ایک تحمل فلاسفر کا ہو جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں سچے ہیں۔ دوسرا مورخ کا ہو جس کی نظر میں سب یکساں جھوٹے ہیں۔ تیسرا سیاست داں کا ہو جو کل کو یکساں مفید سمجھتا ہو۔ ایک تحمل اس شخص کا ہو جو مختلف نظریوں اور طریقوں کو اِس بنا پر برداشت کرتا ہو کہ وہ خود تمام نظریوں اور طریقوں سے مطلق بے نیاز ہوچکا ہو۔ پھر ایک تحمل اس

---

[1] ترمذی [2] ابوداؤد [3] صحیح بخاری

کمزور آدمی کا بھی ہے جو اپنی کمزوری کے باعث ان ہستیوں یا باتوں کی ہر طرح کی توہین و تحقیر برداشت کرنے پر مجبور ہو جنھیں وہ بہت عزیز رکھتا ہے۔"

چنانچہ نرم اخلاق نہ تو ہر حال میں کریم النفسی کا پرتو ہیں اور نہ ہی تمام موقعوں پر زندگی کی باگ ڈور ان کے حوالے کی جاسکتی ہے۔ مشہور انگریز مفکر ہابس کی رائے ہے کہ "فطرت کا اولین قانون یہ ہے کہ امن کو تلاش کیا جائے اور اس کی راہ پر چلا جائے اور دوسرا جو کہ فطرت صالحہ کا مجموعہ ہے، یہ کہ ہر ممکن طریقے سے ہم اپنی حفاظت کریں۔"

اسی نقطۂ نظر کی حمایت میں آسٹریلوی مدبر آر، جی، کیسے نے اپنی کتاب "این آسٹریلین اِن انڈیا" میں گاندھی جی کے تصور عدم تشدد پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ یہ تو میری سمجھ میں آسکتا ہے کہ میں دوسروں کے خلاف تشدد نہ استعمال کروں لیکن میں دوسروں کو اپنے خلاف تشدد اختیار کرنے سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں؟ یعنی دوسرے الفاظ میں، عدم تشدد کا نظریہ ایک ناکافی اور نامکمل نظریہ ہے اور اس کے سانچے پر افراد یا اقوام کی زندگیوں کو نہیں ڈھالا جاسکتا۔

چنانچہ ہر فرد اور ہر جماعت کی زندگی میں کچھ مواقع ایسے آتے ہیں کہ اُسے حلم، عفو، اور اہنسا کے علاوہ ان کے برعکس اخلاقی اوصاف کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

سقراط سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ "کیا انسان کو جنگوں سے نجات نہ مل سکے گی؟" تو اس نے جواب میں کہا کہ "جنگیں اس وقت تک ناگزیر رہیں گی جب تک انسان دیوانگی میں مبتلا رہے گا" اس پر لوگوں نے سوال کیا۔ "اور انسان کب تک دیوانگی میں مبتلا رہیگا" سقراط نے کہا "ہمیشہ"

خواجہ کمال الدین نے "آئیڈیل پرافٹ" میں لکھا ہے کہ ——— "مذاہب اور ممالک کی تواریخ سے یکساں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کو کبھی بالائے طاق نہیں رکھا گیا ہے۔ ہندو اوتاروں اور اسرائیلی سرداروں نے اسے بے نیام کیا کیوں کہ نہ تو اسرائیلی قانون اور نہ ہندو دھرم کسی معنوں میں اہنسا کا پرچار کرتا ہے۔ امن کے شاہزادہ کا بھی یہی اعلان تھا کہ وہ دنیا کو امن نہیں بلکہ تلوار دینے آیا تھا۔ وہ قانون اور پیغمبروں (کے کاموں) کو

پورا کرنے آیا تھا۔ اس کے مذہب کے اصول تلوار کے استعمال کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کے (سلسلہ کے) پیغمبروں نے جنگیں لڑی تھیں۔ درحقیقت وہ تلوار ضرور اٹھاتا۔ اگر مناسب اور موافق موقع پیش آتا، مگر ایسا نہ ہوا۔ اور اگر اس نے پطرس کو تلوار بے نیام کرنے سے باز رکھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وقت نامناسب تھا، اور تشدد کے استعمال سے اس کو (اور اس کے پیروؤں کو زیادہ نقصان پہونچ جاتا۔ اس کے علاوہ جو حضرت عیسیٰ خود نہ کر سکے وہ ان کے پیروؤں نے پوری مستعدی اور تندہی سے کر ڈالا ہے، اور اس طرح ان کے الفاظ کی صداقت خطرناک انداز میں ثابت کر رہے ہیں۔ مسیحیہ دکرائسٹنڈم) کا مادی اور ذہنی وسائل کا بہت بڑا حصہ ان ذرائع کی ایجاد میں صرف ہو رہا ہے جو ساری دنیا کو بہترین طور پر آگ اور تلوار کے حوالے کر سکیں"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو تلوار کا صحیح استعمال بتایا۔ بعض مواقع ضرور ایسے آتے ہیں کہ ہتھیار اٹھانا ایک اخلاقی ضرورت بن جاتا ہے۔ جب آزادی پر چوطرفہ حملے ہونے لگیں یا عبادت گاہیں خطرہ میں پڑ جائیں یا ابن آدم کی آبرو اور جان اور مال کی کوئی قیمت نہ رہ جائے تو محض تماشائی بن کر تو نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن بدقسمتی سے تلوار کا استعمال اکثر غلط ہی ہوا ہے۔ خدا کے رسول کا اس طرح یہ فرض تھا کہ وہ امن و جنگ کے موقعوں کو الگ الگ کر کے دکھائے۔ اور دنیا کی ہدایت کے لیے میدانِ جنگ کے اخلاقیات کا بھی ایک مکمل اور جامع دستور العمل بہم پہونچا دے۔

۲

اسلام نے حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہے اور آنحضرت صلعم کو بھی مجبور ہو کر تلوار سے کام لینا پڑا، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسلام کی کامیابی جنگ و جبر کی کہانی ہے اور لشکر کشی کی اجازت کے پیچھے یہ مقصد تھا کہ دین تلوار کے ذریعہ لوگوں میں پھیلایا جائے تاریخ کو جھٹلانے کی ایک منظم سازش کے علاوہ کچھ اور کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اسلام ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہے، اس کے تبلیغ و دعوت کے اصول، حکمت اور

دانشمندی، وعظ اور نصیحت و جدال اور مناظرہ پر قائم ہیں۔ اسی لیے پیغمبر اسلام پر جو صحیفۂ ربانی نازل ہوا اس نے عقل انسانی کو مخاطب کیا اور غور و فکر، و فہم و تدبر کی دعوت دی۔ پھر جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کرتا ہو اور فہم و دانش و حکمت کا لوگوں سے مطالبہ کرتا ہو وہ کیوں کر جبر اور زبردستی کی تدبیریں کام میں لاسکتا ہے۔ اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ دین کی جبری اشاعت کی مذمت کی بلکہ اس نے یہ نکتہ بھی سمجھایا کہ مذہب رضا و رغبت کی چیز ہے۔ اس کا تعلق قلب و روح سے ہے اور قلب و روح کو بزور شمشیر تسخیر نہیں کیا جاسکتا۔ ایمان دراصل یقین کا دوسرا نام ہے اور دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یقین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کر سکتی۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (سورہ کہف)	"اور کہدے کہ حق تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔"
لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (سورۂ بقرہ)	"دین میں کوئی زبردستی نہیں حقیقت گمراہی سے الگ ہو چکی۔"

نبی کا کام لوگوں کو حقیقت سے روشناس کرا دینا ہے۔ اس کو زبردستی منوانا نہیں۔

إِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (مائدہ)	"ہمارے نبی پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف ہمارا پیغام پہونچا دے۔"
إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ)	"اے پیغمبر! تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ تو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔"
فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (شوریٰ)	"پھر اگر وہ اسلام سے انکار کریں تو اے پیغمبر ہم نے تجھ کو ان پر نگاشتہ بنا کر نہیں بھیجا۔ تیرے ذمہ صرف پیغام کو پہونچا دینا ہے۔"

اگر خدا کو دین کی بہ جبر اشاعت ہی منظور ہوتی تو وہ یقیناً اس پر قادر تھا کہ تمام لوگوں کو مسلمان بنا دیتا لیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہو کہ اس کے بندوں کو مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی ہو اور عقل اور بصیرت والے چشمۂ نور سے فیضیاب ہوں اور نافہم محروم رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہو۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ (یونس)	"اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنائے) تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا پیغمبر تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں"

قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم دیا گیا ہو۔ قرآن کی ہدایت اس کے بالکل برعکس ہو۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (توبہ)	"اور اگر (لڑائی میں) کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو وہاں پہونچا دے کہ جہاں وہ بالکل بے خوف ہو کر رہ سکے کہ یہ لوگ بے علم ہیں۔"

اور نہ آنحضرت صلعم کی سیرت ہی میں کوئی واقعہ ایسا ملتا ہو جو دین کی جبری اشاعت کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ اس کے برخلاف نرمی، حسن خلق، صداقت وسخاوت، عفو وحلم کے ذریعہ پتھر کو موم بنا دینے کے لاتعداد واقعات البتہ آپ کے صحیفۂ حیات کے تمام اوراق میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ غزوہ خیبر کے دوران میں جب آپ نے علم خاص حضرت علی کو عنایت فرمایا تھا تو انھوں نے دریافت کیا کہ "کیا یہودیوں کو لڑ کر مسلمان بنالیں"؟ آپ نے فرمایا۔ "نرمی کے ساتھ ان کے

سامنے اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت پر ایمان لے آئے تو یہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔[۵۱]

اسی طرح جب فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا تھا تو صاف ہدایت کر دی تھی کہ صرف دعوت دین مقصود ہے جنگ نہیں۔ اور جب اس کے باوجود حضرت خالد نے تلوار سے کام لیا تھا تو آپ نے سخت ناپسند فرمایا تھا اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ "اے خدا! خالد نے جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے" پھر آپ نے خون بہا ادا کرنے کے لیے حضرت علی کو روانہ فرمایا تھا اور انھوں نے ایک ایک بچہ کا یہاں تک کہ کتوں کا بھی خون بہا ادا کیا تھا۔[۵۲]

اسلام اور تلوار کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کارلائل نے لکھا ہے کہ "محمد (صلعم) کے تلوار کے زور سے اپنے دین کی اشاعت کرنے کا بہت چرچا کیا گیا ہے ....

تلوار بیشک، مگر تم کو تلوار ملے گی کہاں؟ ہر نیا خیال اپنی ابتدائی منزل میں ایک کی اقلیت میں ہوتا ہے۔ وہ صرف ایک ہی شخص کے ذہن میں نشو ونما پاتا ہے۔ دنیا بھر میں صرف ایک ہی شخص اس پر یقین رکھتا ہے، اور تنہا وہ ایک شخص تمام اشخاص کے مقابل ہوتا ہے۔ اس شخص کا تلوار ہاتھ میں لے کر اس کی اشاعت کرنے لگنا کچھ بھی مفید نہ ہو سکے گا۔[۵۳]

....

....

....

قتل وغارت، خونریزی اور بدامنی سے زیادہ خدا کو کوئی چیز ناپسند نہیں ہے اور رسولوں کی بعثت کا مقصد دنیا میں امن وامان کا قیام اور جان ومال اور آبرو کی حفاظت کا انتظام بھی تھا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى	"اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا
بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ	تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر
نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ	بدلے یا زمین میں فساد کے

[۵۱] آٹھواں باب [۵۲] تاریخ طبری۔ جلد ۳۔ [۵۳] آن ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ صفحہ ۶۱

فکانما قتل الناس جمیعا (مائدہ)	قتل کیا اس نے گویا سارے عالم کو قتل کر ڈالا"
واذا تولی سعی فی الارض ان یفسد فیھا و یھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد (بقرہ)	"اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا"
ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل)	"خدا نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق نہ مارو"

اور جیسا کہ سابق میں بار بار کہا جا چکا ہے اسلام میں نیک و بد کی تشخیص صرف علم و عقیدہ ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ بدی کے استیصال اور نیکی کی نصرت کی خاطر عملی جد و جہد کا مطالبہ بھی کرتا ہے اور اس کی تدبیریں بتاتا اور اس سلسلے میں احکام صادر کرتا ہے۔ اسلام کا عملی اسلوب فکر انسانی کمزوریوں کو نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ کمزوریاں ہمیشہ صرف پند و نصیحت ہی کے ذریعہ مٹائی یا دبائی نہیں جا سکتی ہیں۔ بعض اوقات امن کا مقصد بھی جنگ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے سامنے بھی ایسے مواقع آئے جب تلقین و وعظ کے ساتھ زور بازو سے بھی کام لینا ناگزیر ہو گیا، اور اگر ان صورتوں میں بھی آپ خونریزی سے احتراز فرماتے تو دنیا کے لیے ایک ایسی مثال چھوڑ جاتے جس پر اول تو عمل کرنا ممکن ہی نہ ہوتا اور اگر بفرض محال وہ عامل ہو جاتی تو چند ہی صدیوں میں اس کی شکل ایسی مسخ ہو جاتی کہ تہذیب و تمدن کا نکھار ڈھونڈھنے پر بھی نظر نہ آتا۔

اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے مگر صرف ایک عمل جراحت کی طور پر یعنی ایک ایسی رکاوٹ کو دور کرنے کی غرض سے جو معمولی تدابیر سے دفع نہ ہو سکے۔ گویا جنگ ایک ناپسندیدہ ضرورت ہے، ایک بلند اور مستحسن مقصد کے حصول کی آخری تدبیر۔ اس طرح اسلام جنگ کو بہیمانہ کشت و خون کی سطح سے اٹھا کر عبادت کے مقام پر پہونچا دیتا ہے جو جنگ اس عظیم اور ارفع معیار پر نہ آسکے وہ سراسر قابل نفرت اور رسوائی کا باعث ہے۔

زندگی میں فرد کی اہمیت

ہمارے اصلاحی کاموں کا ایک بڑا خلاء

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت مدیر الفرقان و مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (دامت برکاتہم) ایک بڑی جماعت کے ساتھ ۲۰ فروری سے ۱۲ مارچ تک کے ایک طویل تبلیغی دورہ پر ہیں۔ ذیل میں اسی سلسلہ کی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تقریر ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہے جو موصوف نے ۲۱ فروری کو جمبئی ٹاؤن ہال میں ہندو مسلمانوں کے ایک مخلوط اجتماع میں ارشاد فرمائی تھی۔۔۔ اسی سلسلہ کی کچھ اور تقریریں ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔ (ادارہ)

دوستو اور بھائیو! سب جانتے ہیں کہ ہمارے سماج اور موجودہ نظامِ زندگی میں کوئی خرابی اور کمی ہے جس کی وجہ سے زندگی کی کل صحیح نہیں بیٹھتی اور اس کا جھول نہیں نکلتا ایک خرابی دور کیجئے تو چار خرابیاں اور پیدا ہو جاتی ہیں۔ آج دنیا کے بڑے بڑے ملک بھی اس خرابی کے شاکی ہیں اور محسوس کرنے لگے ہیں کہ بنیاد میں کوئی خرابی ہے مگر ان کو اپنے پیچیدہ مسائل سے فرصت نہیں۔ ہم ان مسائل کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے مگر ان سب مسئلوں سے زیادہ اہم مسئلہ انسانیت اور آدمیت کا مسئلہ ہے اس لئے کہ ہماری پہلی حیثیت انسان ہی کی ہے اور یہ سارے مسائل اس کے بعد آتے ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں زندگی کی باگ ڈور ہے انھوں نے زندگی کی گاڑی اتنی تیزی سے چلا رکھی ہے کہ ایک

منٹ کے لئے اس کو روک کر خرابی دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ٹھیک پٹری پر جا رہی ہے یا نہیں اور اس خرابی سے اس کے مسافروں اور آئندہ نسلوں کے لئے کیا خطرہ درپیش ہے۔ ان کو صرف اس کی فکر ہے کہ اس گاڑی کے چلانے والے وہ ہوں۔ ان میں سے ہر ایک دنیا کو اس بات کی رشوت دیتا ہے کہ اگر گاڑی کا ہنڈل اس کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلائے گا۔ امریکہ اور روس دونوں میں کہ ہر ایک کا دعویٰ ہے اور ہر ایک کا وعدہ ہے کہ وہ اس گاڑی کو زیادہ تیز رفتار سے چلائے گا لیکن کسی کو سمتِ سفر اور مقصدِ سفر سے بحث نہیں۔

اجتماعیت کا رجحان

مولانا نے فرمایا کہ اب میں بتلاتا ہوں کہ وہ چوک کیا ہے اور غلطی کہاں ہو رہی ہے۔ آج دنیا میں بڑی بڑی تنظیمیں ہو رہی ہیں، اس وقت اجتماعیت پر بڑا زور ہے۔ ہر کام اجتماعی اور عالمگیر پیمانہ پر کیا جا رہا ہے۔ یہ اجتماعیت ایک خوشگوار اور ترقی پسند رجحان ہے لیکن افراد اور ان کی صلاحیت ہر اجتماعی کام کی اور ہر تنظیم کی بنیاد ہے اور اس کی اہمیت سے کسی درجہ میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس زمانہ کی خطرناک غلطی یہ ہے کہ افراد کی اہمیت اور ان کی سیرت و صلاحیت کو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ عمارت بنائی جا رہی ہے مگر جن اینٹوں سے وہ بنے گی ان کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اگر کوئی یہ سوال چھیڑتا ہے کہ اینٹیں کیسی ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اینٹیں ناقص سہی، کمزور سہی مگر عمارت مضبوط اور اعلیٰ ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سو خراب چیزوں سے ایک اچھا مجموعہ کیسے برآمد ہوگا۔ کیا خرابی جب بڑی تعداد میں جمع ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے میں شامل ہو جاتی ہے تو معجزہ کے طور پر اس سے ایک عمدہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے؟ کیا سو مجرموں اور ظالموں کے مل جانے سے ایک انصاف پرور جماعت اور ایک معدلت شعار ادارہ وجود میں آجاتا ہے؟ ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ نتیجہ ہمیشہ مبادی اور مقدمات کے تابع ہوتا ہے اور کل ہمیشہ اجزا کی خصوصیتوں کا نمائندہ اور مظہر ہوتا ہے آپ صحیح میزان نکالنا چاہتے ہیں تو جب تک اکائیاں ٹھیک نہ ہوں میزان غلط رہے گی۔ یہ کہاں کی منطق اور کہاں کا فلسفہ ہے کہ افراد کو بنانے کی فکر نہیں اور ایک اچھے مجموعہ کی توقع کی جا رہی ہے؟

مجرمانہ غفلت

آج کالجوں، تحقیقاتی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مرکزوں اور انسانی

زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کا انتظام کیا جا رہا ہے مگر ان آدمیوں کے بنانے کا کوئی انتظام نہیں سوچا جا رہا ہے جن کے لئے یہ سب انتظامات ہیں۔ کیا یہ سب تیاریاں اُن انسانوں کے لئے ہیں جو سانپ بچھو بن کر زندگی گذاریں گے جن کا مقصدِ زندگی بوالہوسی اور عیش پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ اس دور کے انسان نے ظلم اور جرم کو منظم کیا ہے اور اس بارے میں وہ جانوروں سے بازی لے گیا۔ کیا کبھی سانپوں اور بچھوؤں اور جنگل کے شیروں اور بھیڑیوں نے انسانوں پر کوئی منظم اور متحد حملہ کیا؟ لیکن انسان اپنے جیسے انسانوں کو فنا کرنے کے لئے تنظیمیں اور ادارے قائم کرتا ہے اور پوری پوری دنیا کو تباہ کر دینے کی اسکیمیں بناتا ہے۔ اس وقت افراد کی تربیت، سیرت کی تعمیر اور انسانیت کی صفات اور اخلاق پیدا کرنے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جا رہی ہے۔ یہی کام سب سے غیر اہم سمجھا گیا ہے۔ مشین ڈھالنے کی کتنی فیکٹریاں ہیں۔ کاغذ بنانے کے کتنے کارخانے ہیں، کپڑے کے کتنے مل ہیں مگر حقیقی انسان بنانے کا بھی کوئی ادارہ کوئی تربیت گاہ ہے؟ آپ کہیں گے یہ تعلیم گاہیں، کالج اور یونیورسٹیاں! لیکن بے ادبی معاف وہاں انسانیت کی تعمیر اور فرد کی تکمیل پر کتنی توجہ کی جاتی ہے؟ یورپ اور امریکہ نے کتنے بڑے صرف اور کتنے بڑے ساز و سامان سے ایٹم بم بنایا۔ اگر اس کے بجائے وہ ایک فرد کامل بناتا تو دنیا کے لئے کتنا مبارک ہوتا۔ مگر ادھر کسی کا ذہن نہیں جاتا۔

ہماری غفلت کا خمیازہ ہمارا ملک ہندوستان تاریخ میں بڑا مردم خیز ملک رہا ہے اس نے بڑے کامل افراد پیدا کئے ہیں مگر اب صدیوں سے اس کی طرف سے غفلت برتی جا رہی ہے۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے دورِ حکومت میں اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ اُن کی حکومت اگر خلافت راشدہ کا نمونہ ہوتی اور وہ اس ملک کے منتظم اور حکمراں ہونے سے زیادہ اس ملک کے مربی اور اخلاقی معلم ہوتے تو آج اس ملک کی اخلاقی حالت یہ نہ ہوتی اور وہ اس ملک کی تولیت اور انتظام سے سبکدوش نہ کئے جاتے۔ پھر انگریز آئے۔ اُن کی حکومت تو صرف اسپنج (SPUNGE) کی طرح تھی جس کا کام یہ تھا کہ گنگا کے دہانے سے دولت چوس کر ٹیمز (TAMES) کے کنارے اُگل دے اُن کے عہد میں اس ملک کا اخلاقی انحطاط کہیں سے کہیں پہونچ گیا۔ اب ہم کو آزادی ملی ہمیں

چاہیے تھا کہ ہم سب سے پہلے اسی بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ کرتے ! کیا یہ ملک کبھی آزاد نہیں تھا؟ پھر وہ آزادی کی دولت سے کیوں محروم ہوا؟ اپنی اخلاقی پستی اور اخلاقی کمزوریوں سے! مگر افسوس ہے کہ سڑکوں اور روشنی کی طرف بھی جتنی توجہ ہے اتنی بھی توجہ اس بنیادی کام کی طرف نہیں ہے

ہر اصلاحی کام کی بنیاد

میں شرم دان، اور بھودان تحریکوں کا بڑا قدردان ہوں لیکن میں اپنے اس عقیدہ کو نہیں چھپا سکتا کہ اس سے بھی پہلے کرنے کا کام اخلاقی اصلاح اور صحیح احساس پیدا کرنا تھا۔ ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بہت قدیم دور میں زمینیں واجبی طور پر تقسیم کی جاتی تھیں اور کوئی کوئی دور تو ایسا گذرا ہے کہ ہوا اور پانی کی طرح زمین کو بھی ایک ضرورت کی چیز اور انسانوں کا حق سمجھا جاتا تھا لیکن پھر انسانوں کی حرص نے ضرورتمندوں کو محروم اور بے ضرورت اشخاص کو اس کا مالک بنا دیا۔ اگر اخلاقی احساس اور انسانیت کا احترام نہ پیدا ہوا تو پھر اسی کا خطرہ ہے کہ تقسیم شدہ زمین پر پھر قبضہ کر لیا جائے اور ضرورتمندوں کو بے دخل کر دیا جاوے اس لئے جب تک یہ احساس نہ پیدا ہوا اور ضمیر بیدار نہ ہو، اس وقت تک ان کوششوں کے نتائج اور وعدوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ آج اخلاقی انحطاط حد درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ رشوتوں، چوربازاری غبن اور خیانت میں کمی نہیں بلکہ لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ زیادتی ہی ہے۔ دولتمند بننے کی خواہش جنون کو پہنچ گئی ہے۔ کوئی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا۔ ذہنی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے کی نیکی کی آڑ لے کر بدی کرنا چاہتا ہے جب سب کا یہ حال ہو جاوے تو وہ نیکی پھر کہاں سے آئیگی جس کی آڑ میں اور جس کے دامن میں بدی چھپ سکے۔ میرے ایک مصری دوست نے اپنی تقریر میں اس کی ایک بڑی اچھی مثال دی۔ انھوں نے کہا کہ ایک بادشاہ نے ایک رات اعلان کیا کہ ایک حوض دودھ کا بھرا ہوا چاہیے۔ ہر شخص ایک گھڑا دودھ اس میں ڈال دے اور صبح اپنے دام لے لے اندھیری رات تھی۔ ہر شخص نے یہ خیال کیا کہ میں نے اگر ایک گھڑا پانی ڈال دیا تو اتنے بڑے حوض میں کیا پتہ چلے گا۔ سب لوگ تو دودھ ڈالیں گے۔ لیکن اتفاق سے ہر شخص نے یہی سوچا اور دوسرے کی نیکی اور دیانت کے اعتماد پر بددیانتی کرنی چاہی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

صبح جب بادشاہ نے دیکھا تو پورا حوض پانی سے بھرا تھا۔ دودھ کا نام و نشان نہ تھا۔ جب کسی بستی کی یہ حالت ہو جائے تو پھر اس کی کوئی حفاظت نہیں کر سکتا۔

اصل خطرہ یاد رکھیے اس ملک کے لئے کوئی بیرونی خطرہ نہیں۔ اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ اخلاقی انحطاط، یہ مجرمانہ ذہنیت، یہ دولت پرستی اور برادر کُشی ہے کیا یونان اور روما کو کسی دشمن نے تباہ کیا، نہیں بلکہ اُن اخلاقی بیماریوں نے جن کا گھن اُن کو لگ گیا تھا۔ پھر اس وقت ایک ملک کا اخلاقی انحطاط تمام دنیا کے لئے خطرہ ہے۔ دنیا جب ہی خوشحال اور پر امن ہو سکتی ہے جب ہر ملک خوش حال اور پر امن ہو۔

پیغمبروں کا کارنامہ پیغمبروں کا یہی کارنامہ ہے کہ انھوں نے صالح افراد تیار کیے۔ خدا سے ڈرنے والے، انسان سے محبت کرنے والے، دوسروں کے لئے تکلیف اُٹھانے والے، اپنے پرائے کے معاملہ میں انصاف کرنے والے، سچ بولنے والے، حق کا ساتھ دینے والے مظلوم کی مدد کرنے والے۔ دنیا کے کسی فرد، کسی ادارہ اور کسی تربیت گاہ نے ایسے صالح افراد تیار نہیں کیے۔ دنیا کو اپنی ایجادوں پر ناز ہے، سائنس دانوں کو اپنی خدمات پر فخر ہے لیکن پیغمبروں سے بڑھ کر کس نے انسانیت کی خدمت انجام دی۔ اُن سے زیادہ بیش قیمت چیز کس نے دنیا کو عطا کی۔ ان افراد نے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ اُن کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز کار آمد بن گئی اور ہر دولت ٹھکانے لگی۔ آج بھی دنیا میں جو نیکی کا رجحان، جو سچائی، انصاف اور انسانیت کی محبت پائی جاتی ہے وہ انھیں پیغمبروں کی کوشش اور تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ یہ موجودہ دنیا بھی محض ایجادات اور تمدن کی ترقیات پر نہیں چل رہی ہے۔ یہ محض اسی سچائی، دیانت داری، انصاف اور محبت پر قائم ہے۔ جو پیغمبر پیدا کر گئے۔

پیغمبروں کا طریقۂ کار پیغمبروں نے یہ صالح ترین افراد کس طرح پیدا کئے، یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ انھوں نے ان کے اندر ایک نیا یقین پیدا کر دیا۔ وہ یقین جس سے دنیا اس وقت محروم تھی، جس کے فقدان نے ساری دنیا کے نظام کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اور انسان اس کو کھو کر ایک خونخوار درندہ یا ایک حریص چوپایا بن گیا تھا۔ یعنی خدا کی ہستی کا یقین اور مرنے کے بعد کی زندگی اور جواب دہی کا یقین اور اس بات کا یقین کہ یہ سچے انسان

خدا کا پیغام لانے والے اور انسان کی صحیح رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اس یقین نے انسان کی کایا پلٹ دی اور اس کو ایک بے لگام جانور سے ایک ذمہ دار انسان بنا دیا۔

تاریخ کا تجربہ

ہزاروں کا برس کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان سازی کے لئے اس سے بڑی طاقت نہیں۔ آج دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جماعتیں موجود ہیں۔ قومیں موجود ہیں تنظیمیں اور ادارے موجود ہیں لیکن صالح افراد نایاب ہیں اور دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ اسی جنس کی کمی ہے خطرناک بات یہ ہے کہ ان کی تیاری کی فکر بھی نہیں ہے اور سچ پوچھئے تو اگر تیاری کی کوشش بھی کی جاتی ہے تو اس کے لئے صحیح راستہ نہیں اختیار کیا جاتا اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ یقین پھر پیدا کیا جائے اور سب سے پہلے انسان کو انسان بنایا جائے۔ اس کے بغیر جرائم بند نہیں ہو سکتے۔ خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں۔ آپ ایک چور دروازہ بند کریں گے دس چور دروازے کھل جائیں گے۔ افسوس ہے کہ جن کو اس بنیادی کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور جن کے توجہ کرنے سے اثر ہو سکتا ہے ان کو دوسرے مسائل سے فرصت نہیں۔ اگر وہ اس مسئلہ پر توجہ کرتے تو اس سے پوری زندگی پر اثر پڑتا اور سینکڑوں مسائل اس سے حل ہو جاتے جن پر علیحدہ علیحدہ کوشش کی جا رہی ہے اور خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

ہماری جد وجہد کا محرک

ہم نے جب دیکھا کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں کوئی اس کی صدا بلند کرنے والا نہیں اور کوئی اس کو اپنی زندگی کا مقصد اور مہم بنانے والا نہیں تو ہم اور ہمارے چند بے سروسامان ساتھی اس دعوت کے لئے اپنے گھر سے نکلے، ہم آپ کے شہر میں آئے۔ آپ نے ہماری پذیرائی کی اور دلچسپی اور سکون سے ہماری بات سنی۔ اس کے ہم بڑے شکرگذار ہیں اور اس سے ہماری بڑی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ہم اسی امید پر نکلے ہیں۔ انسانوں کی اس وسیع بستی میں ضرور کچھ زندہ دل پائے جاتے ہیں۔ دنیا کا ہر کام انھیں انسانوں کے وجود کے یقین اور ان کی زندہ دلی کے اعتماد پر کیا گیا ہے۔ اتنے بڑے مجمع میں ہمیں امید ہے کہ بہت سے دلوں نے ہماری اس بات کو قبول کیا ہوگا۔ ہم اس بات کی بھی امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے کو وہ فرد بنانے کی کوشش کریں گے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے اور جس کے بغیر اس زندگی کی چول بیٹھ نہیں سکتی۔

ہادم اللذات

اسلامی رواداری اور مساوات و بے نفسی
کا
ایک دل آویز مرقع

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی زید مجدہم)

وہ ایک طرف بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے

تذکرۂ رحمانیہ ص۲۶

یہ زار و قطار رونے والے صاحب اردو زبان کی سب سے بڑی انقلابی نظم (مسدس حالی) کے مصنف مولانا الطاف حسین حالی تھے، ان کے استاذ و شیخ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی کا انتقال ہو رہا تھا، نزع کا عالم طاری تھا، سعادت مند شاگرد اس حال کو دیکھ کر بے قابو ہو گیا اور ڈھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اسی زمانہ میں اخبار میں مضمون بھی لکھا تھا۔ ان الفاظ کے بعد کہ

"نہایت افسوس ہو کہ پانی پت ایک ایسے بزرگ سے خالی ہو گیا جو نہ صرف پانی پت کے لیے بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ فخر تھا"

مولانا حالی کے ذمہ دار قلم کی اس شہادت کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجیے، لکھا ہو کہ

"جس کا مثل آئندہ زمانہ میں پیدا ہونا محالات عادیہ میں معلوم ہوتا ہو"

آخر میں عربی کے اس مشہور مثالی شعر کو مولانا نے اس موقع پر درج کیا ہو کہ

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تہدما

خود ہی ترجمہ بھی اس شعر کا اردو میں بایں الفاظ فرمایا ہے۔

"قیس کا مرنا ایک آدمی کا مرنا نہ سمجھو، بلکہ وہ قوم کی بنیاد تھی جو گر گئی"

(تذکرہ رحمانیہ ص ۲۶)

قاری صاحب کیا تھے، کن کن کمالات و صفات سے سرفراز تھے، جاننے والوں کے لیے شاید اس سلسلہ میں اتنا لکھنا کافی ہو سکتا ہے کہ سیدنا شاہ عبدالعزیز کے نواسے حضرت مولنا شاہ اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ میں ایک غیر معمولی ممتاز ہستی اپنے زمانہ میں قاری صاحب کی بھی شمار ہوتی تھی۔ جیسا کہ معلوم ہے نسبی طور پر خانوادہ ولی اللّٰہی کی علمی و عملی خصوصیتوں کے آخری چشم و چراغ شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ غدر سے پہلے ہندوستان اپنی زبوں حالیوں میں جس حد تک پہونچ چکا تھا، شاہ صاحب ان کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے۔ انتہائی بے سر و سامانی کی حالت میں وطن (سرزمین ہند) کو سلام کر کے ہجرت کی نیت سے حجاز پہونچے، اور خاک پاک حجاز ہی میں آسودہ ہوئے۔ مکہ معظمہ کے مشہور مقبرہ "جنت معلی" میں محو خواب ہیں۔

قاری صاحب کی علمی جلالت شان کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ شیخ الہند حضرت مولنا محمود حسن دیوبندی حکیم الامت حضرت مرشد تھانوی جیسے بزرگوں نے تبرکاً قاری صاحب سے حدیث کی اجازت حاصل کی تھی ان ہی اجازت حاصل کرنے والوں میں ایک طرف نواب صدر یار جنگ، مولنا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مغفور بھی نظر آتے ہیں، اور دوسری طرف قاری صاحب کے حلقہ افادہ میں شمس العلما [illegible] مولانا الطاف حسین حالی کو بھی ہم پاتے ہیں۔ لکھا ہے کہ

"مولنا (حالی) نے حضرت (قاری صاحب) سے صحاح ستہ کی کتابیں پڑھی تھیں"

(تذکرہ رحمانیہ ص [illegible])

جس کے معنی یہی ہیں کہ ہم وطنی کے علاوہ مولنا حالی نے قاری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا تھا، اور اپنے ان ہی ذاتی مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر کم از کم ان کا ذاتی احساس کہیے یا خیال یہی تھا کہ اب دنیا ان نمونوں کو شاید کبھی نہ دیکھ پائے گی جن کی نمائندگی قاری صاحب نور اللہ ضریحہ کا وجود کر رہا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ قاری صاحب کے زمانہ میں جدید نظام تعلیم کے اسکولوں اور مدرسوں کے

ملک روشناس ہو چکا تھا، لیکن قاری صاحب ان نئے اسکولوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کے لیے یہی کافی ہو کہ بجائے "تعلیم گاہوں" کے ہمیشہ ان اسکولوں کو وہ

"مجہلے"

کے نام سے موسوم کرتے رہے۔ (دیکھئے ان کی سوانح عمری)

بہرحال ان کی تربیت و تعلیم اول سے آخر تک پرانے نظام ہی کے تحت ہوئی تھی، ان ہی پرانے خیال والے مسلمانوں میں وہ پیدا بھی ہوئے۔ ان ہی کے حلقہائے درس و تدریس میں لکھا پڑھا، اور ساری زندگی اسی ماحول میں گزار دی۔ لیکن باوجود اس کے کر کے جو کچھ وہ دکھاتے رہے اس کا اندازہ آپ کو ان چند خاص نمونوں سے ہوگا۔ قاری صاحب کے صاحبزادے مولانا عبد السلام راوی ہیں، ریل کے سفر میں وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ تھے۔ ڈبہ جس میں قاری صاحب سوار ہوئے بھرا ہوا تھا، زیادہ تعداد ہندو مسافروں کی تھی، قاری صاحب کی خاص شکل و صورت کو دیکھ کر خود بخود مسافروں نے خواہش کی کہ

"آپ تنگ ہو کر نہ بیٹھیں، ہماری طرف پاؤں پھیلا لیجئے"۔

جواب میں اپنے مذہب (اسلام) کا حوالہ دیتے ہوئے وقت کا ایک محدث ان ہی ہندو ہمسفروں سے یہ کہہ رہا تھا۔

"میرا مذہب اجازت نہیں دیتا کہ کسی انسان کے چہرے کی بے ادبی کروں، ہم ہر شخص کے چہرے کا احترام کریں گے"۔ (تذکرہ رحمانیہ صفحہ ۲۰۷)

اسی لیے باوجود اجازت بلکہ اگر حضرت والا پاؤں پھیلا دیتے تو شاید ان کے ہمسفروں کو مسرت ہی ہوتی، لیکن "انسانیت" کے احترام کی تعلیم مذہب کی طرف سے اس کو جو ملی تھی، اسی پر اصرار کرتے ہوئے سفر کو پورا فرمایا۔ لکھا ہو کہ سفر کے ان رفیقوں سے حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا!

"تمھیں اختیار ہو جس طرح چاہو بیٹھو، مگر میں اپنے اصول کے خلاف نہیں کروں گا"۔

سفر میں جس کا یہ حال تھا۔ حضر میں اس کے ہم وطنوں کو اس رنگ میں اگر پایا گیا تھا تو اس پر تعجب کیوں کیجئے، لکھا ہو کہ

"جب گلی یا بازار سے گزرتے اور کوئی ہندو حقہ پیتا ہوتا تو حضرت کو دور سے آتا دیکھ کر حقہ اٹھا دیتا یا ادھر ادھر ہو جاتا"۔

دوامی عادت پانی پت کے ان ہی عام باشندوں کی یہ تھی

"جب آپ (قاری صاحب) بازار میں سے گزرتے تو ہندو آپ کو جھک جھک کر سلام کیا کرتے تھے"۔ (ص ۱۱۷)

جس دن حضرت والا کا انتقال ہوا، تو لکھا ہو کہ

"ہندوؤں نے اپنی دوکانیں اور کاروبار بند کر دیئے اور بہت رنج و غم کا اظہار کیا"۔

صبح و شام دیکھنے والے جس پانی پت میں انہی جان افروز روح پرور نظاروں کا تماشا کر رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کا پانی پت سے سیاسی اقتدار کا دباؤ اٹھ چکا تھا مسلمان اور ہندو دونوں تیسری بیرونی طاقت کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت تک "انسانیت" کے احترام کا جو درس اسلام نے دیا تھا، ابھی یہ سبق ان کو یاد تھا، حافظہ سے اس قسم کی قرآنی آیتوں کا اثر مٹا نہیں تھا۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ان الشیطان ینزغ بینھم۔ (سورہ بنی اسرائیل)	اور کہہ دو میرے بندوں سے بولا کریں ایسی باتیں جو اچھی ہوں، الشیطان چھیڑ خانی کرتا رہتا ہو باہم ان میں۔

جس کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں۔

یقولوا التی ھی احسن الکلمۃ التی ھی احسن ولا یخاشنو المشرکین۔	"بولا کریں ایسی باتیں جو اچھی ہوں" داس کا مطلب یہ ہو کہ ایسی بات زبان سے نکالیں جو اچھی ہو، اور مشرکین کے ساتھ سخت کلامی سے کام نہ لیں۔

مگر بجائے "الانسان" کے احترام کے، یورپ سے "قوم پرستی" کی بلا نازل ہوئی، پھر وہی پانی پت تھا، اس کا وہی آسمان تھا اور اس کی وہی زمین تھی، دیکھنے والوں نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا اور اس وقت تک دیکھ رہے ہیں، وہ بھی سب کے سامنے ہی ہو۔[1]

---

[1] تاہم اس گئے گذرے زمانہ میں بھی اللہ کا ایک بندہ اس وقت تک ایمان و استقامت کا عملی درس اسی پانی پت میں دے رہا ہو، یہ ہمارے کرم فرما مولانا لقاء اللہ صوفی ہیں۔

اور ہندو تو خیر محکومیت میں مسلمانوں کے اس وقت ساتھی تھے۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ انگریز جو حکومت سے محروم کرکے مسلمانوں کے سینوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ سروں سے وہ خونیں سیلاب بھی گزر چکا تھا جس کا نام عہد شکن حکومت نے غدر رکھ چھوڑا تھا، جو آسمان پر تھے وہ زمین پر پٹکے جارہے تھے۔ دلّی میں بیٹھ کر جس وقت یہ الفاظ غالب کا قلم شاید خون کے حرفوں میں لکھ رہا تھا۔

بسکہ فعّال ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہو آب انساں کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک — تشنۂ خون ہے مسلماں کا
کوئی واں سے نہ آسکے یاں تک — آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہ ہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کیے شکوے — سوزش داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کیے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

خطوط میں ایک خط غالب ہی کا ہو جس میں لکھا ہو

"معزول بادشاہ کے ذکور، جو بقیۃ السیف ہیں وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں، اناث میں جو پیرزن ہیں وہ کٹنیاں، اور ......

امرائے اسلام میں اموات گنو!

پھر طویل فہرست ان کی درج کرکے آخر میں لکھا ہو۔

"قصہ کوتاہ قلعہ اور جھجر، اور بہادر گڈھ، بلب گڈھ، اور فرخ نگر کم و بیش بیس لاکھ کی ریاستیں مٹ گئیں، شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں، ہنرمند آدمی کیوں پایا جائے۔"

(اردوئے معلی صفحہ ۳۲۲)

لیکن جن انگریزوں نے مسلمانوں کو پایہ تخت دلّی سے نکالا تھا اور اس طریقہ سے نکالا تھا کہ بقول غالب

"یہاں (دلّی میں) باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔"

اور آخر اس فقرہ پر تحریر ختم کی ہو کہ دلی میں

"ابھی دیکھا چاہیے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہو یا نہیں"۔ (ص۶۶)

اسی دلّی سے کچھ فاصلہ پر باندہ کی ریاست جہاں اس زمانہ میں حضرت قاری صاحب مبرور کا ایک مدرسہ تھا، بیان کیا گیا ہو کہ

"جب بغاوت زوروں پر تھی، تو بچھتر انگریز مرد و زن تلاش امن میں حضرت (قاری صاحب) کے پاس آئے"

جس قوم کی حکومت نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالا تھا، اسی ظالم قوم کے افراد امن لینے کے لیے اسلامی اخلاق کے ایک قدیم نمونے کے سامنے آتے ہیں، مذہبی جنون (فنٹی ازم) کا بہتان مسلمانوں کے جن غریب ملاؤں کے سر تھوپا گیا ہو اور آج تک تھوپا جا رہا ہو، آنکھیں کھول کر دیکھئے وہی ملّا کھڑا ہوتا ہو۔ لکھا ہو۔

"ان سب (انگریزوں کو) اپنا مدرسہ (قاری صاحب نے) دے دیا۔

صرف یہی نہیں کیا، یہ انگریز مدرسہ میں اتارے جا رہے تھے اور طلبہ و علماء جن کا مدرسہ سے تعلق تھا ان کو خطاب کر کرکے قاری صاحب فرماتے جا رہے تھے۔

"ان مظلوم اور بے کس انگریزوں کی مدد، وحفاظت اور خاطر مدارات لوجہ اللہ بموجب حکم خدا و رسول کرو۔"

پناہ مانگنے والوں نے پناہ مانگی ہو۔ ان کو اپنی ذاتی رائے کی بنیاد پر نہیں اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) کے منشار کے مطابق پناہ دی جاتی ہو۔ یہ اسلامی کردار تھا، جس کا نمونہ نازک ترین گھڑیوں میں اسلام اور اسلام کے ایک فیننگ ملّا کی طرف سے پیش ہوا تھا، اور اس کے مقابلہ میں "سلف ریکٹ" یا خودداری پر فخر کرنے والے انگریزوں کو اسی مدرسہ میں دیکھا گیا تھا کہ

"ڈنکن نامی ایک انگریز اپنی بیم اور نا کتخدا لڑکی سمیت چھ ماہ مدرسہ میں پناہ گزیں رہا وہ (یعنی مسٹر ڈنکن) اور اس کی بیوی اور اس کی لڑکی، تینوں مسلمان ہو گئے تھے"

لیکن جب امن و امان قائم ہو گیا تو بیان کیا گیا ہو کہ چھ مہینے تک مسلمان ہونے کا اعلان کرنے والا یہی انگریز دو تین سال بعد قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، معلوم ہوا کہ اپنے آبائی دین کی طرف واپس ہو گیا، قاری صاحب نے دریافت فرمایا کہ

"پھر اس وقت تم نے مسلمان ہونے کا اعلان کیوں کیا تھا"

جواب میں اسی "خود دار" انگریز نے اقرار کیا تھا کہ

"حضور! جان کا خوف تھا اس لیے مسلمان ہو گیا تھا"

حالانکہ ڈنکن کے سوا آپ دیکھ چکے انگریزوں کی کافی تعداد، باوجود عیسائی رہنے کے قاری صاحب ہی کے مدرسے میں پناہ لیے ہوئے زندہ رہی، سب کی خورش و پوشش کا جہاں تک امکان میں تھا نظم کیا گیا۔ سوانح نگار نے لکھا ہو اور صحیح لکھا ہو کہ

"یہ اس کی (ڈنکن) کی غلطی تھی، مسلمان ہو جانے کے لیے حضرت نے کسی پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، اور نہ مسلمان ہو جانے والوں کے ساتھ بہ نسبت دوسرے انگریزوں کے کوئی خاص رعایت و سلوک آپ کرتے تھے" (صـ۶۳)

یہ ڈنکن کی اخلاقی کمزوری تھی کہ بغیر ضرورت کے نفاق کے اس طریقہ کو اس نے اختیار کر لیا تھا جو اسلامی نقطۂ نظر سے کفر سے بھی زیادہ بدتر ہو، بالجبر مسلمان بنانے کا الزام مسلمانوں پر لگانے والے یہ شاید بھول جاتے ہیں کہ جبراً اسلام قبول کرنے والا، یعنی دل سے تو اسلام کا منکر ہو، اور زبان سے اس کی صداقت کا اقرار کرلے، ایسا آدمی کافر ہی نہیں، منافق بن جاتا ہو، سمجھ میں نہیں آتا کہ بجائے کافر کے کسی کو منافق بنا لینا، یہ مسلمانوں کے نزدیک دین کا نیک کام کسی حیثیت سے بھی ہو سکتا ہو، لیکن ابلہی کہتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کو جو دیوانے ہیں باور بھی کر لیتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان انگریزوں کو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کے منشار کے مطابق اپنے مدرسہ میں پناہ دی تھی، یہ دعویٰ صرف زبان ہی سے نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس کے سوا اور کسی قسم کی پوشیدہ غرض اور مصلحت آپ کے سامنے نہ تھی، قدرت کی طرف سے اس کے امتحان کا بھی ایک دلچسپ نظم ہو گیا۔ اسی کتاب میں لکھا ہو کہ قیام امن کے بعد انگریزی حکومت تک جب خبر کسی طرح پہونچی، کہ باندا میں انگریزوں کی کافی تعداد مسلمانوں کے ایک ملا کی بدولت قتل ہونے سے محفوظ ہو گئی۔ تو علاقہ کے کمشنر صاحب کے نام حکومت کا پروانہ پہونچا جس کی نقل کمشنر نے حضرت قاری صاحب کی خدمت میں باندہ بھجوائی اس میں کمشنر صاحب نے لکھا تھا۔

"ایک لاکھ روپے سالانہ کی جائداد کے آپ مستحق سمجھے گئے ہیں"

حکم دیا گیا تھا کہ اس انعام کے حاصل کرنے کی درخواست دیجیے، مولنا حالی صاحب نے چودھویں صدی اخبار (راولپنڈی) میں جو مضمون قاری صاحب کی وفات پر لکھا تھا، اسی میں اس انعام کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہو کہ

"حضرت نے کمشنر کے پاس جانا یا جائداد کا لینا دونوں باتیں نامنظور فرما دیں"

ایک انگریز جو پناہ گزینوں میں تھا اور اسی کی کوشش سے یہ صورت پیش آئی تھی، وہ خود حاضر ہوا، لیکن اس کے شدید اصرار پر بھی بس اسی قدر فرماتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

"لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً (یعنی نہ بدلہ ہی کے لیے میں نے یہ کیا تھا اور نہ اس کے لیے کہ تم اس کا گن گاؤ گے) ہم نے تمہاری خدمت کسی دنیوی طمع اور لالچ سے نہیں کی تھی، بلکہ ہمارے نزدیک اس وقت تمہاری امداد اور اعانت مذہباً و اخلاقاً لازمی و ضروری تھی، اور انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ مصیبت زدوں کو حتی الوسع ہم بچاتے، مجھے حکومت سے کسی صلہ کی ضرورت نہیں، اور تمہاری ذات خاص سے بھی کچھ نہیں چاہتا، مجھے معاف رکھو۔"

مولنا حالی مرحوم نے لکھا ہو کہ اس تقریر کو سن کر انگریز کے لیے کوئی چارۂ کار اس کے سوا نہ تھا کہ

"نہایت ادب کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہو گیا۔" (تذکرہ رحمانیہ صـ۶۵)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اس زمانہ کا قصہ ہو جب مسلمانوں کی تمام تباہیوں میں سب سے زیادہ اہم معاشی تباہیوں کے قصے تھے اور یہ کہ ایک لاکھ کی جاگیر اس زمانہ کے کچھ ہی دن بعد دس پندرہ لاکھ کی آمدنی والی جائداد بن جاتی تھی، لیکن اللہ کے کچھ بندے اس زمانہ میں بھی تھے جو یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں پر معاش کے دروازے ایک ایک کر کے بند ہوتے چلے جاتے ہیں، مگر ان ہی حالات میں لاکھوں روپے کی جائداد کی بھی کوئی قدر و قیمت ان کی نظر میں نہ تھی، ان کی نگاہ صرف "الرزاق ذو القوۃ المتین" کے مواعید نحن نرزقك والعاقبۃ للتقوی پر جمی ہوئی تھی، روزی پہونچائیں گے اور آخری انجام تو بس تقوی ہی کا ہو، پر بھی غدر کے اس ہنگامہ کے بعد اسی دنیا میں حضرت قاری صاحب کو اپنی ناسوتی زندگی کم و بیش تقریباً "چالیس سال" گزارنے

پڑے۔ یکے بعد دیگرے دو دو شادیاں آپ کی ہوئیں، بکثرت بال بچے ہوئے، پانی پت کے خوشحال گھرانوں میں آپ کا بھی شمار ہوتا تھا، اچھا کھاتے، اچھا پیتے، اچھا پہنتے رہے، اور خدا کا وعدہ "نحن نرزقك" پورا ہوتا رہتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہو کہ رزق میں اتنی کافی کشائش کی گئی تھی، کہ دس پانچ کے سوا کبھی کبھی لوگوں کو لکھے پڑھے بغیر قاری صاحب نے ہزار ہزار روپے تک بطور قرض دئیے۔ لطافت اور نفاست پسندی آپ کے جبلی اقتضاؤں کے لازمی اجزا تھے۔ ٹیڑھی بچھی ہوئی چارپائی کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ذہنی نظام مختل ہو جاتا ہو اگر کوئی چیز بے ترتیب نظر آتی ہو، ایک طرف طبعی لطافت پسندی کا حال یہ تھا، کہ لوٹے کی ٹونٹی سے پانی پینے والوں کو آپ ٹوک دیا کرتے تھے، فرماتے کہ پیالہ میں پانی نکال کر پینا زیادہ مناسب اور بہتر ہو۔ لیکن ان ہی قاری صاحب کا یہ قصہ بھی لوگ نقل کرتے ہیں، ایک مسلمان بھنگی عبداللہ نامی پانی پت میں تھا، نماز کے لیے مسجد بھی آتا تھا، مسلمان اس کو روک تو نہیں سکتے تھے، لیکن لکھا ہو کہ مسجد کے لوٹوں کو چھپا دیا کرتے تاکہ عبداللہ ان میں وضو نہ کرنے پائے۔ اس حال کا احساس قاری صاحب کو بھی ہوا۔ بیان کیا ہو کہ ایک دن مسجد میں جب لوگ بھرے ہوئے تھے، آپ نے آواز دی۔

"میاں عبداللہ! کوئیں سے تازہ پانی کا ایک لوٹا بھر کر لاؤ"

عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی، اسی کے لائے ہوئے پانی سے قاری صاحب نے وضو کیا۔ پھر ایک دن یہ کرکے بھی دکھایا کہ عبداللہ بھنگی کو پکار کر بلا رہے ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ بھئی! ذرا پانی تو پلاؤ"۔ عبداللہ نے بھی غضب ہی کر دیا۔

انگلیاں ڈبوتا ہوا ایک پیالہ بھر لایا، قاری صاحب نے فرمایا کہ بھائی! یہ پانی تو زیادہ ہو کچھ تم پہلے پی لو، چند گھونٹ جب عبداللہ پی چکا تو اسی کے جھوٹے پانی کو جو پیالہ میں رہ گیا تھا، مسجد کے مسلمانوں کے سامنے قاری صاحب کو دیکھا گیا کہ بخندہ پیشانی نوش فرما رہے ہیں۔

آج چھوت چھات کے خلاف کوششوں کا ایک سلسلہ ہو جو ملک کے طول و عرض میں جاری ہو، لیکن درد کی یہ داستان کسے سنائی جائے، کہ بنی نوع انسانی کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار غلام، اسی ملک میں کیسے کیسے نمونے کر کرکے لوگوں کو دکھا رہے تھے،

دھتکاری ہوئی انسانیت کو جو گلوں سے لگا رہے تھے، جو گرائے گئے تھے ان ہی کو وہ اٹھا رہے تھے، اُلٹا ان ہی پر الزام لگایا جا رہا ہو کہ دوسروں کو اپنے نیچے دبائے ہوئے تھے۔

الغرض ہندو مسلمان انگریز اونچوں نیچوں کے متعلق یہ اور اسی قسم کے مثالی نمونوں کا ایک دراز سلسلہ تھا جسے تقریباً (۷۰) سال کی عمر تک حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی ہندوستان میں پیش فرماتے رہے، مولانا حالی جوان کے خاص عقیدت مند تلامذہ میں ہیں۔ ارقام فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ کو بڑوالی مسجد میں وعظ کہنے کا دستور تھا، قاعدہ تھا کہ وعظ کرتے ہوئے فرماتے۔

"باقی انشاء اللہ آئندہ ہوگا"

لیکن آخری جمعہ جس کے بعد دُنیا نے پھر آپ کا وعظ نہ سُنا ختم وعظ کے بعد خلاف دستور یہ فقرہ سُنا گیا۔

"باقی بشرط زندگی"

مسجد سے گھر آئے، ہیضہ کا دورہ پڑا، شہر میں ہنگامہ برپا ہوگیا، مقامی اطباء کے سوا دیکھا گیا کہ سرہانے پر حضرت والا کے مہاراجہ پٹیالہ کے معالج خصوصی ڈاکٹر کریم اللہ بیٹھے ہوئے ہیں، آنکھیں قاری صاحب نے کھول دیں، ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

"کیوں نہ ہو آخر محبت ہی تو ہو"

دلی سے بھی دوا آئی، یونانی اور ڈاکٹری مشورے کے تحت علاج میں زور جتنا ممکن تھا، لگایا گیا، دوشنبہ کا دن تھا، عصر سے کچھ پہلے پیر بقاء اللہ صاحب کا بیان ہو کہ مولانا حالی تو زار و قطار رو رہے تھے، اور میں نے دیکھا کہ قاری صاحب کا رشتہ ناسوتی ہیکل سے ٹوٹ گیا۔

"میں نے فوراً حضرت کے دونوں قدم چوم لیے"۔ (صـ ۲۹۱)

یوں اللہ کا یہ بندہ ۱۲ ستمبر ۱۸۹۶ء مطابق ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو جہاں سے آیا تھا، چلا گیا۔

اب مسلمان ان ہی پرانے مدرسوں کے ان نمونوں کو ان لوگوں میں تلاش کر رہے ہیں جن میں کہ بجائے انسانیت کے اپنی قوم، اپنے وطن، اپنی زبان، الغرض اپنی خودی کے عشق کی آگ بھڑکا دی گئی ہو۔ کلچر کے لفظ کا ایک خوش نما لفافہ ہر قوم کے ہاتھ میں تھما دیا گیا ہو، حق و ناحق، راستی و ناراستی، بھلائی اور برائی کے سارے معیار ختم کر دیے گئے ہیں، "کلچر کے اس لفافہ میں جو کچھ بند ہو" چونکہ ہمارا ہو، اسی لیے اس پر

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

دوشنبہ ۲۸/۴/۷۰ھ - ۵/۲/۵۱ء

آج ہم حسب وعدہ رسالہ ازہر کے دفتر گئے اور ماذا خسر العالم کا ایک نسخہ ریویو کیلئے استاذ فرید وجدی کی خدمت میں پیش کیا، انھوں نے تبصرہ کا وعدہ کیا اور کتاب کے چند اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھے، فہرست مضامین پر نظر ڈالی اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد استاذ محمد فواد عبدالباقی بھی آگئے اور اپنی کتاب "تیسیر المنفعۃ بکتابی مفتاح کنوز السنۃ والمعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی" کے دو نسخے، ایک راقم سطور کے لئے اور ایک علامہ سید سلیمان ندوی کے لئے ہدیہ کئے۔

شیخ محمد الغزالی سے ملاقات

شیخ محمد الغزالی سے ملنے کی بہت خواہش تھی، وہ اخوان کی ایک اہم شخصیت اور مصر میں تحریک اسلامی کے ایک ممتاز اہل قلم ہیں۔ آج اُن سے ملاقات ہوئی یا یوں کہوں کہ "الاسلام والاوضاع الاقتصادیہ"۔ "الاسلام والمناہج الاشتراکیۃ" اور "من ھنا نعلم" کے مصنف سے ملاقات ہوئی۔ آج اُس شخص سے ملنا ہوا جو اخوان کی جماعت کو صحیح علمی اور روحی غذا اور ٹھوس اسلامی ادب بہم پہونچاتا ہے —— اور مجھے اس ملاقات سے واقعۃً مسرت ہوئی۔ کیونکہ میں نے اس شخصیت میں ایک صاحب صلاح، صاحب علم، زندہ دل، روشن دماغ اور ایک

شگفتہ رو انسان کو پایا۔ اور معلوم ہوا کہ ہم دونوں میں ہر ایک دوسرے کو اس کی کتب و رسائل کے ذریعہ پہلے سے جانتا پہچانتا ہے اور ایک دوسرے کے افکار و نظریات سے بھی واقف ہے

آج انہیں جامعہ ازہر میں وعظ کہنا تھا کیونکہ ازہر کے شیوخ اور واعظین سیدنا حسینؓ کے جشن ولادت کے سلسلہ میں دینی تقاریر فرمایا کرتے ہیں چنانچہ ہم بھی ان کے ساتھ ہولئے۔

جشن ولادت حسینؓ مصر میں ان ایام میں سیدنا حسینؓ کی ولادت کا جشن منایا جاتا ہے۔ اس لئے آج کے دن اگر کوئی قاہرہ میں نکلے گا تو اُسے رنگ برنگ کی روشنیاں، پھول، پنکھڑیاں، مٹھائیاں اور جلسے جلوسوں کے سوا، کچھ اور نظر نہیں آئے گا۔ یہاں کا منظر کھینچا جائے تو کچھ اس قسم کا ہوگا —— یہاں ایک آدمی کھڑا فقراء کو روٹیاں تقسیم کر رہا ہے اور فقراء اور غیر فقراء سب اُس پر بُری طرح پلے پڑ رہے ہیں —— وہاں ایک نہایت شاندار محفل آراستہ ہے۔ دکانیں مارے سجاوٹ کے دلہن بنی ہوئی ہیں اور سڑکیں روشنی سے بقعۂ نورا

قاہرہ میں جس طرف بھی جائیے آپ کو اہل دیہات کے مجمعے اور جمگھٹے نظر آئیں گے۔ جو "مہمانان سیدنا حسین" کہلاتے ہیں جو شہید مظلوم کی خود ساختہ عید میلاد پر خوشی منانے آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض آپ کے سر مبارک کے مدفن کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں بلکہ یہاں کے اکثر اہل علم کو بھی اس سوال سے کوئی مطلب نہیں کہ قاہرہ میں سر مبارک کیسے پہونچ گیا؟ کب آیا؟ کہاں سے آیا؟ اور اس شہرت کی آیا کوئی تاریخی اصل ہے بھی یا نہیں؟ بس لوگوں میں جو کچھ مشہور ہوگیا ہے اسی کو کافی سمجھتے ہیں اور پھر اس کے اوپر اپنے دین کی بنیاد رکھتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں ایک اور عجیب قصہ بھی مشہور ہے۔ وہ یہ کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کو قتل کر کے اس کا سر تن سے جدا کیا اور حضرت حسین کے سر کی جگہ اس سر کو رکھ کر آپ کا سر مبارک، برکت حاصل کرنے کے لئے مصر لے آئی۔ اس قصہ کی بنا پر اہل مصر خود اس عورت کی بھی بزرگی کے قائل ہیں اور اس کی قبر کی بھی اسی طرح زیارت کرتے ہیں جو "مدفن راس" کے قریب ہی ہے۔

سہ شنبہ ۲۹ر۳ر۷۰ھ ۶ر۲ر۱۹۵۱ء

آج صبح اُٹھا تو طبیعت سست تھی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ رات میں نے اپنا مقالہ

"اسمعی یا مصر" تیار کیا اور اس نے ذہن و دماغ کو کچھ اس طرح نچوڑ لیا کہ بے خوابی کی شکایت ہو گئی۔

ایسی صورت میں مجھے اکثر یہ شکایت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نیند بہت دیر میں آئی اور پھر نیند پوری ہوئے بغیر آنکھ کھل گئی۔

عصر کو ہم نے استاذ محب الدین الخطیب صاحب "الفتح" سے ملنے کے لئے "جزیرۃ الروضہ" کا قصد کیا۔ الفتح اور صاحب الفتح سے ہمارا تعارف کافی پرانا ہے۔ تقریباً بیس سال سے ہم ان سے واقف ہیں جبکہ علامہ سید تقی الدین الہلالی (حال ڈاکٹر ہلالی) سے ہم (ندوہ میں) پڑھتے تھے، اس وقت الفتح طلبار ندوہ کی انجمن "الاصلاح" میں نیز خود ہمارے گھر آتا تھا اور ہم اسے بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان دنوں اس میں امیر شکیب ارسلان اور استاذ ہلالی صاحب کے مضامین خاص طور پر شائع ہوتے تھے اور خود مجھے اور میرے رفیق استاذ مسعود عالم ندوی (مرحوم) کو بھی اس میں لکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

میرے کئی مقالے ان دنوں اس میں شائع ہوئے جن میں سے ایک مقالہ "لسان العصر" تھا۔ اس مقالہ میں میں نے اکبر الہ آبادی مرحوم کے ان اشعار کو عربی میں منتقل کیا تھا جن میں موصوف نے استہزائی انداز میں مغربی تہذیب پر تنقید کی تھی۔ "الفتح" نے اس مقالہ کی کئی قسطیں شائع کیں۔

میں استاذ محب الدین الخطیب کو بہت پڑھتا تھا۔ میں نے ان کا مرتبہ مجموعہ "الحدیقۃ" کے کچھ حصے بھی پڑھے تھے جس کے ذریعہ جدید اسلامی عربی ادب کے نادر نمونوں تک رسائی ہوئی اور بہت سے نوخیز ادیبوں سے تعارف حاصل ہوا۔ علیٰ ہذا "الزہراء" کی جلدیں بھی نظر سے گزری تھیں۔

استاذ موصوف کے ساتھ

ہم جزیرۃ الروضہ پہونچ گئے (جو کہ شہر کے ایک سرے پر واقع ہے) اور استاذ محب الدین الخطیب سے ملاقات ہوئی۔ استاذ نے اپنا وہ دور یاد دلا دیا جب زندگی میں شباب کا رنگ تھا اور ردائے عمر پر بڑھاپے کے داغ نہیں لگے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ "الفتح" کا کیا حال ہے؟ کہا کہ جب سے اس شہر میں حامل قرآن مجرم قرار پایا ہے اور ایک مجرم کی طرح اس کے ساتھ تلاشی اور سزا کا معاملہ شروع ہوا ہے اس وقت سے میں نے الفتح بند کر دیا ہے ـــــ موصوف کا اشارہ اخوان کی تلاشیوں اور ان پر تشدد کی طرف تھا ـــــ استاذ موصوف کہنے لگے کہ اس سوسائٹی میں ہمارے خیالات فٹ نہیں ہوتے اور اس

بنا پر گویا ہم اس سوسائٹی کے لئے اجنبی ہیں۔

شیخ احمد عثمان نے موصوف سے میری یہ خواہش ظاہر کی کہ میں یہاں کے مشاہیر اہل قلم اور ارباب ادب کے ساتھ ایک صحبت چاہتا ہوں تاکہ اخلاقی اور دینی حیثیت سے ان کا جائزہ لے سکوں انھوں نے کہا کہ ان ادبار کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ وہ ایکٹر ہیں اور ایکٹر کی کامیابی یہ ہے کہ اس کے سپرد جو پارٹ کیا جائے اُسے وہ نہایت چابکدستی کے ساتھ ادا کرے۔ مثلاً اُسے اگر بادشاہ کا پارٹ دیا گیا ہے یا وہ خود بادشاہ کا پارٹ ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے اس قدر کمال کے ساتھ ادا کرے کہ دیکھنے والا اُسے فی الحقیقت بادشاہ سمجھ لے۔ بس اسی مثال سے ادیبوں کو سمجھ لیجئے کہ ان میں سے کوئی اگر فلسفۂ قرآن پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہے تو نہایت شاندار طریقہ پر قرآن کا فلسفہ پیش کر دیتا ہے یا مثلاً اگر سیرت نبوی پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو ایسے ہی عمدہ انداز میں یہ بھی لکھ ڈالتا ہے اور پھر اسی بلاغت و مہارت کے ساتھ شاہان دنیا میں سے کسی بادشاہ کی خوشنودی کے لئے بھی ایک کتاب اس بادشاہ کی سوانح پر اس کے قلم سے نکل جاتی ہے یا اور کوئی ایسی تصنیف کر ڈالتا ہے جو اسلامی اصول اور دینی رُخ کے سراسر منافی ہوتی ہو۔

فرمانے لگے کہ ایک ثقہ آدمی نے بذات خود مجھے اپنی اور ایک ایسے بلند پایہ ادیب کی گفتگو سنائی جو اکثر اسلامی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں۔ اس گفتگو میں اُن ادیب صاحب نے فرمایا کہ

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصر میں تشریف لے آویں اور یہاں مکمل اسلامی نظام رائج کرنے کی کوشش کریں تو میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو آپ سے لڑنے کے لئے نکلے گا۔"

محب الدین الخطیب صاحب نے جو تصویر پیش کی ہے وہ بلاشبہ بالکل سچی ہے اور آج کے اُن اکثر ادبا و مصنفین پر صادق آتی ہیں جنھوں نے مصر بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں اسلامی موضوعات پر لکھنا ایک پیشہ بنا لیا ہے۔

شیخ محمد الغزالی کے ساتھ

چہارشنبہ یکم جمادی الاولیٰ ۷۰ھ - ۷/۲/۵۱ء

آج شیخ محمد الغزالی کی طرف گئے۔ بڑی محبت اور گرم جوشی سے ملے۔ کافی دیر گفتگو رہی۔

گفتگو مختلف علمی و دینی موضوعات پر تھی۔

ہم نے موصوف سے کہا کہ آپ کے یہاں کے فلاں فلاں بعض اہل قلم جو نظام اسلامی پر طعن و تنقید کرتے ہیں اور اسلامی روح، اس کے اصول اور اساسات کو نشانہ بناتے ہیں حالانکہ وہ دینی ماحول کے پروردہ اور دینی تعلیم یافتہ ہیں —— تو اس ردِ عمل کا سبب کیا ہے؟ — کیا یہ اُن کے ذاتی حالات اور نجی تجربات کا نتیجہ ہے جیسا کہ اکثر ملکوں میں اس طبقہ کو یہ چیزیں پیش آتی ہیں؟

شیخ غزالی نے ہمارے اس خیال کی تصویب کی اور کہا کہ میں ان مؤلفین میں سے ایک سے ذاتی طور پر واقف ہوں وہ ازہر میں میرے ہم درس اور دوست رہے ہیں۔ ایک دینی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور اس خاندان کا گویا ایک فرد تھے۔ ان کی زندگی تنگدستی اور پریشانی کی تھی جبکہ اُن کے بعض دینی بھائی آرام اور رفاہیت کی زندگی گذار رہے تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان کی کوئی مالی امداد نہیں کی اور کسی بڑے یا چھوٹے کی طرف سے انھوں نے دوستانہ یا رفیقانہ برتاؤ تو کیا، عام انسانی ہمدردی اور غم خواری کا برتاؤ بھی نہیں دیکھا۔ اس چیز نے انھیں دینی سوسائٹی اور رجال دین کی طرف سے بدظن کر دیا۔ اور ان کا خیال یہ ہو گیا کہ اگر ملک میں اسلام کا اقتدار ہوا اور اسلامی نظام یہاں رائج ہوا تو اسی جماعت کا امیر یا اسی جیسا کوئی دوسرا شخص وزیر خارجہ یا وزیر مال ہوگا لہذا اس سے بہتر تو یہی ہے کہ وزارت کسی لادین شخص کے ہاتھ میں رہے۔

شیخ غزالی کی یہ بات واقعۃً ایسے اکثر ادیبوں کے حال پر صادق آتی ہے جن کا نشوونما دینی ماحول میں ہوا مگر بعد میں اس سے باغی ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی جب زیادہ ذی شعور اور ذکی الحس ہوتا ہے اور پھر ایسے تلخ تجربات سے گذرتا ہے تو قدرتی طور پر اس میں ایک سخت قسم کا ردِ عمل اور ایک شدید فکری بغاوت رونما ہوتی ہے —— اشتراکیت کے بانی کارل مارکس اور اُس جیسے دوسرے انقلابیوں کے باغیانہ افکار ایسے ہی تجربات و واقعات کا نتیجہ ہیں!

اس کے بعد موضوع بدل گیا اور گفتگو کا رُخ یونیورسٹی کی تعلیم، رجال تعلیم اور بعض اہم

مصنفین کی طرف پھر گیا۔

شیخ غزالی نے نہایت افسوس کے ساتھ بیان کیا کہ ان لوگوں میں سے بہت سے حضرات جو علم و ادب کے اعتبار سے بڑا مقام رکھتے ہیں اور جن کی معلومات اور مطالعہ بہت وسیع ہے حتیٰ کہ ان کو اگر انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اور انھوں نے اسلامی تاریخ، اسلامی تمدن اور اس کے مختلف ادوار پر ایسی تصانیف کی ہیں۔ جو بڑی علمی قدر و قیمت کی حامل ہیں لیکن عملی پہلو سے بالکل صفر ہیں۔ ان کے اندر دینی ارکان و اعمال کا کوئی خاص اہتمام حتیٰ کہ نماز کا خیال بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں مرجئہ کا مذہب اختیار کرکے اعمال کو غیر اہم نہ سمجھنے لگیں، ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تعلیمی نظم دینے اور ایسی تعلیم گاہوں کا بست و کشاد ان کے حوالہ کرنے پر ——— جن کا مقصد دینی اور تمدنی تعلیم کو جمع کرنا اور ایسے اشخاص پیدا کرنا ہے۔ جو دینی تعلیم اور عصری تعلیم کا سنگم ہیں ——— ہم بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

اَزہر کا تعلیمی نظام

شیخ غزالی نے ازہر کے تعلیمی نظام پر بھی تنقید کی اور کہا کہ وہاں اسلام کے اصول و مقاصد اور اساسیات و کلیات سے زیادہ فروع اور اختلافی مسائل پر توجہ کی جاتی ہے اور کہا کہ ازہر کی دینی ثقافت نہایت تنگ اور کمزور ہے! میں نے کہا ازہر کی وہ خصوصی ثقافت کیا ہے جسے فضلاء ازہر کا امتیاز سمجھا جائے؟ شیخ نے جواب دیا کہ علومِ لغویہ اور دورِ عباسی کا فلسفہ!

دین کی کلّی دعوت اور مذہبی اختلافات

اس باب میں ہم دونوں کے خیال میں اتفاق پایا گیا کہ مکمل دینی اصلاح کی دعوت کے لئے اختلافی مسائل سے احتراز ضروری ہے۔ شیخ غزالی نے فرمایا کہ شاید آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں اپنی تحریروں میں ایسے مسائل میں جن میں دو رائیں ہوسکتی ہیں دامن بچاکر نکل جاتا ہوں۔

ہم دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ اختلافی مسائل میں پڑ کر اُمت کی نشاۃ ثانیہ ناممکن ہے۔

شیخ نے بطور بذلہ سنجی کے فرمایا کہ کہیئے آپ کی کیا رائے ہے اگر ایک شخص ایک کتاب لکھے اور اس کا نام رکھے "انهاض الأمة بمسألة القرأة خلف الأئمة"

پردہ کے متعلق شیخ غزالی کی رائے

پردہ کے مسئلہ میں شیخ غزالی کی رائے یہ ہے کہ چہرہ کھولنے اور ڈھانپنے میں راہِ وسط واعتدال اختیار کرنا ضروری ہے۔ یعنی صرف شرعی پردہ ہونا چاہیے تاکہ ہماری خواتین دینی جدوجہد اور اس سلسلہ کی ضروری خدمات میں حصہ لے سکیں۔

اس سلسلہ میں انھوں نے اخوان کی دینی بہنوں کا ذکر کیا کہ اخوان کی گرفتاریوں کے زمانہ میں انھوں نے گرفتار شدگان کے خاندانوں کی کیسی مدد کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ خواتین ہی گرفتار شدگان اور ان کے خاندانوں کے درمیان تنہا واسطہ تھیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ان خاندانوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔ شیخ نے کہا کہ ہم نے اپنی ان بہنوں کے لئے ایک اس طرح کا ساتر لباس ضروری قرار دیا ہے جیسا (مثال کے طور پر) راہبہ عورتیں استعمال کرتی ہیں۔

دینی جوش اور جذبہ جہاد وایثار کیسے قائم رکھا جائے

ایسے ہی ہم نے ایک اور مسئلہ میں گفتگو کی جو تمام اسلامی جماعتوں اور دینی تحریکات کے کارکنوں کے لئے ایک اہم مسئلہ ہے۔ وہ یہ کہ دینی جوش اور جہاد و قربانی کے جذبات ہمیشہ ایک حال میں نہیں رہتے، ان میں مد و جزر ہوتا رہتا ہے اور کبھی کبھی بالکل سرد ہو جاتے ہیں؛ جس سے جماعت کی زندگی اور اس کی سرگرمی پر اثر پڑتا ہے، پس کیا صورت ہو کہ "مد" کے بعد "جزر" کی حالت پیدا نہ ہو اور حرارت، برودت میں تبدیل نہ ہو؟

اس مسئلہ کے حل کے لئے بعض اہل تجربہ ذکر کی اور جماعت کو روحانی غذا دیتے رہنے اور ایسی باتیں گوش گذار کرتے رہنے کی ہدایت کرتے ہیں جو دینی جذبات میں گرمی اور تیزی رکھیں۔

بہرحال دینی جماعتوں کے لئے اس پہلو پر توجہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ یہی چیز جماعت کی زندگی کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا منبع ہے!

اس گفتگو کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور قریبی ملاقات کے وعدہ پر رخصت ہوگئے!

ایک فلسطینی بزرگ کی خدمت میں

عصر کے بعد ہم اپنے رفیق سید لیسین شریف فلسطینی کے جد امجد شیخ عارف بن عبدالرحمٰن الشریف کی زیارت کے لئے گئے. شیخ سابق میں اشراف فلسطین کے معتمد اور مسجد اقصیٰ کے مدرس تھے. شیخ کی عمر اس وقت بچانوے سال کی ہے. اپنی آل اولاد کے ساتھ "مصر الجدیدہ" میں پناہ گزیں کی حیثیت سے مقیم ہیں. نہایت گرم جوشی اور اکرام کے انداز میں ملے اور بار بار بڑی محبت کے ساتھ فرماتے تھے "آپ لوگوں میں میں نے اسلام کی خوشبو پائی"

ہر تھوڑی دیر کے بعد اُن کے منھ سے یہ فقرے سن سن کر

المسجد حزین مسکین!	ہائے مسجد اقصیٰ غم اور کس مپرسی کے عالم میں ہے!
المسجد محزون!	ہائے! مسجد اقصیٰ غمگین ہے!

ہمارے دل بھر آئے تھے. ان کی زبان سے یہ فقرے "نکلتے" جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے ـــــ واقعی فلسطین کا زخم بھرنے والا نہیں ہے!

شیخ نے مسجد اقصیٰ، حرم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان دونوں کے انوار و برکات اس قدر بیان کیے کہ ہمیں ان مقامات مقدسہ کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کا غیر معمولی اشتیاق ہونے لگا ہم نے شیخ سے دعا کی درخواست کی اور اجازت چاہی اور وہ باوجود اس کبر سنی کے ہمیں رخصت کرنے تھوڑی دور تشریف لائے ا

شذرات کا بقیہ

اصرار بھی ہمارا قدرتی حق ہو، آج افریقہ کے صحرائی مردم خور باشندے بھی "کلچر" کے اسی لغافے میں بند کر کے اپنے آباؤ اجداد کی ساری ناکردنیوں کو کردنی قرار دینے پر اصرار کر رہے ہیں. مسلمانوں میں بھی کلچری مسلمانوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا ہو، خوش خیالوں کا ایک گروہ ان کو دیکھ دیکھ کر شاید وقتی خوش فہمیوں کا شکار ہو رہا ہو، سمجھا جاتا ہو کہ "اسلامیات" یا "مسلمیات" پر خدا کا شکر ہو اب ہمارے اندر بھی فخر کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں، لیکن کلچریت کی وجہ سے اسلام کی صداقت پر اصرار سوچنا چاہیے واقعی اسلام کی صداقت پر اصرار ہو اللھم انی اعوذ بک من الفتن ما ظھر منھا وما بطن

انتخاب

اسلام کا اہم کردار

برطانوی مفکر مسٹر آرنلڈ جے ٹوئن بی نے اپنی کتاب سویلزیشن آن ٹرائل میں اعتراف کیا ہے کہ شراب اور نسلی امتیاز کی مخالفت اسلام کے دو بڑے امتیازی نشان ہیں، وہ لکھتا ہے کہ:-

"انتہائی مدبرانہ قسم کی انسدادی تدابیر جو خارجی جبر اور دباؤ کی مدد سے کسی قوم پر ٹھونسی جاتی ہیں وہ سماجی برائیوں سے اس وقت تک نجات نہیں دلا سکتیں جب تک کہ اس قوم کے دلوں میں ان برائیوں سے نجات پانے کی خواہش اور اس خواہش کو ان میں بروئے کار لانے کا جذبہ بیدار نہ کر دیا جائے۔ روح کو منقلب کرنا ایک ایسا کام ہے جس کی توقع اہل مغرب کی اہلیت سے نہیں کی جا سکتی اور یہی وہ مرحلہ ہے جہاں اسلام آڑے آکر مستقبل میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے"

اہل مغرب کو ہزار تجربہ کے بعد، جو چیز اسلام میں نظر آ رہی ہے وہ خود مسلمانوں کو نظر نہیں آتی مغرب کے مفکرین اسلام کو مستقبل کے لئے ایک محفوظ سرمایہ سمجھتے ہیں مگر خود مسلمانوں کو خبر نہیں کہ ان کے خزانہ میں زر و جواہر کی کتنی مقدار موجود ہے۔

عربی مدارس

مسٹر منشی نے .... فرمایا کہ ہندی اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اسے سنسکرت سے مالا مال نہ کیا جائے اور اس کے روپ میں نہ ڈھالا جائے۔

آپ نے یہ بھی کہا کہ سنسکرت کو ابتدائی درجوں میں داخل کرنا چاہیے خاص طور پر میٹرو کولیشن اور انٹرمیڈیٹ میں، اگر اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ یہ بھی ایک خیال ہے اور ہر شخص اپنے اپنے خیالات کا مالک ہے، اگر ہم کہہ سکتے ہیں تو صرف یہ کہ ہندوستان کے مسلمان عربی مدارس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ مسلمانان ہند کی بقا عربی درسگاہوں کی بقا پر منحصر ہے۔ پہلے یہ حقیقت مسلمانوں کی نظروں

سے پوشیدہ رہی، وہ یہی سمجھتے رہے کہ ان مدارس سے صرف مولوی پیدا ہوتے ہیں جو مفت کا کھاتے اور بیکاری کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر آج ان عربی مدارس اور ان کے پڑھے ہوئے مولویوں کی قدر معلوم ہو گی کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کچھ ان ہی کے دم قدم سے قائم ہیں۔ ہم خود کہا کرتے تھے کہ بلا سوچے سمجھے خالی قرآن کریم کی تلاوت کرنا قطعاً بے معنی ہے لیکن آج احساس ہوتا ہے کہ ایسا پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، کم از کم یہ تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن سے مسلمانوں کا تعلق قائم ہے اور وہ الفاظ کے سہارے ہی اسلام سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کی احیائی ذہنیت مسلمانوں کو ختم کر دے گی، اگر انھوں نے عربی زبان، عربی مدارس اور قرآن سے کوئی دلچسپی نہ لی، ایک وہ ہیں جو مردہ زبان کو حلق سے اتار رہے ہیں، ایک ہم ہیں جو زندہ زبان اور زندہ مذہب کی طرف سے مایوس ہیں کاش مسلمان عربی مدارس کی قدر کریں اور ان کی خدمت کو ایک بہت بڑا جہاد سمجھیں۔ (الجمعیۃ)

اُمید افزا ریسرچ اعظم گڈھ۔ ۲۱ رفروری۔ آج وزیر مال یوپی شری چرن سنگھ نے یہاں سے ۵۰ میل دور کسانوں کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں بندروں کو دیوتا نہیں مانتا۔ بندر فصلیں برباد کرتے ہیں۔ میری رائے میں انھیں مار ڈالنا چاہئے اور میں نے ایک تجویز حکومت میں پیش کی ہے۔ رام چندر جی کی فوج کا سپہ سالار کپی تھا جس کی ذات کپی ہو سکتی ہے۔ جس کے معنی بندر کے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک ذات ناگ ہے جس کے لفظی معنی سانپ کے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے محض توہم پرستی کی بنا پر بندروں کا تعلق ہنومان سے کر دیا جو غلط ہے" (خبر)

بڑی امید افزا ہے وزیر مال صاحب کی یہ تازہ لغوی اور تاریخی ریسرچ جو فصلوں کی مسلسل اور کئی سال تک عظیم الشان بربادی کے بعد ہی ہو سکی۔ شاید کہ ذبیحہ گائے کے سلسلہ میں بھی کوئی ریسرچ اس کی اندھا دھند بندش کے نتائج دیکھ لینے کے بعد ہو سکے!

اُردو نواز الکشن نقیب کانگریس معاصر قومی آواز کے اسٹاف رپورٹر کی روایت ہے کہ جب ۲۱ رفروری کو بجٹ اسٹیج میں وزیر مالیات یو۔پی نے یہ فرمایا کہ اتر پر دیش سرکار مانتی ہے کہ اس پردیش میں اُردو بھی بولی جاتی ہے اور بہت سے بچوں کی مادری زبان ہے۔۔۔ اور پنڈت پنت اور ڈاکٹر سمپورنانند اسی ایوان میں بیان دے چکے ہیں کہ سرکاری دفتروں میں

درخواستیں اردو میں بھی دی جا سکتی ہیں تو شری گووند سہائے (سابق پارلیمنٹری سکریٹری اور موجودہ ایم، ال، سی) نے کہا کہ اردو کے بارہ میں یہ سرکاری اعلان تو ایک الکشنی حربہ ہے، اور انھوں نے کہا کہ "موجودہ الکشن میں مسلمانوں نے کانگرس سے ذرا بھی بے تعلقی کا اظہار کیا ہے تو سرکار نے یہ اعلان کیا، اگر پوری طرح بے تعلقی مسلمانوں کی طرف سے ظاہر ہو تو ہر کانگرسی قرآن شریف پڑھنے لگے گا"

اس سے بڑھ کر لطیف و برجستہ داد کسی شاعر کو بھی سر مشاعرہ کبھی کیوں ملی ہوگی! زندہ باد شری گووند سہائے! ـــ یہ اردو نوازی اگر الکشن ہی کی پیداوار ہو تو خدا کرے الکشن روز ہی ہوا کریں!

رفتار اور سمت میں موج ہوا کی ہی

"بنگلور ۱۸ فروری۔ آج میسور اسٹیٹ سنگیت اکیڈمی کا افتتاح کرتے ہوئے راج پرکھ ہز ہائنس مہاراجہ میسور نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ کامل سیاسی آزادی حاصل ہو چکنے کے بعد اب ہم کو سب سے پہلی فکر اپنی ذہنی و اخلاقی فلاح کی کرنی چاہئے۔ اور اس ذہنی و اخلاقی فلاح و بہبود کے پروگرام کے سلسلہ میں ایک بڑا اونچا مرتبہ گانے، ناچ اور ناٹک کا ہے" (خبر)

مسلمان ہر سیاسی مسلک و مکتب خیال کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ "آزاد ہند" انھیں کدھر لئے جا رہا ہے؟ ان کے اسلامی اخلاق و تمدن پر فرنگی تمدن جتنا ڈاکہ ڈالتا تھا وہ ڈال ہی چکا، اور اب جو رہی سہی کسر تھی اسے ہندو تمدن پوری کئے دے رہا ہے؛ ڈوم ڈھاڑیوں، بھانڈوں نچنیوں کے وہ پیشے جنھیں جاہلیت قدیم سر و پیشانی پر جگہ دئے ہوئے تھی اور ہم نے انھیں ٹھکرا کر روند کر کے پامال کر کے رکھا تھا، اب وہ پھر نئے سرے سے سر چڑھنے لگے اور جزو تہذیب و شائستگی بننے لگے ہیں! ـــ جمعیۃ علماء، مسلم لیگ (مدراس) مسلم جماعت، جماعت اسلامی، سارے اسلامی و ملی ادارے عموماً اور ادارہ جمعیۃ علماء خصوصاً کیا اسے اپنا کھلا ہوا فرض نہیں سمجھتے کہ ایسے فتنہ کا متحدہ اور پر زور مقابلہ کریں اور سارے ملک کی فضا اگر نہیں بدل سکتے تو کم سے کم اپنے ہی قافلہ کو اس مہلک آب و ہوا کے اثر سے بچائے رکھیں؟ (صدق جدید)

اصلاح کا واحد طریقہ

ناگ پور ٹائمز ۲۰ جنوری کے اداریہ سے:-

کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ڈاکٹر کے۔ این۔ کاٹجو مرکزی وزیر دفاع کی زیر صدارت CONSTRUCTIVE WORK COMMITTEE مقرر کی ہے اس نے

سفارش کی ہے کہ برسر اقتدار کانگریسیوں اور ان کے حکومت سے باہر کے ساتھیوں میں اختلافات کے اسباب اول الذکر کا بنگلوں میں رہنا، قیمتی کاروں میں گھومنا اور مسرفانہ طرز زندگی ہے جسے ختم ہونا چاہئے۔ مختصراً یہ کہ وزرار کو مغل دور کے نوابوں کا سا رہن سہن ترک کرنا چاہئے۔

کہیں یہ سفارشات آئندہ الیکشن میں کانگریس کی گرتی ہوئی ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے تو نہیں کی گئی ہیں۔ مہاتما گاندھی نے جنگ آزادی کے دوران میں متعدد بار اعلان کیا تھا کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد گورنمنٹ ہاؤسوں کو اسپتالوں میں تبدیل کر دیا جائے گا اور حکومت کے وزرار اور افسران عوام کے آقا نہیں بلکہ ان کے خادم بن کر رہیں گے۔ گذشتہ آٹھ سالہ تجربے نے مہاتما گاندھی کی آرزوؤں کو گلا گھونٹ دیا ہے۔

وزیر اعظم نہرو شاہانہ طمطراق کی کتنی ہی مذمت کیوں نہ کریں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی دہلی اور صوبائی راجدھانیاں پچھلے دور کے ان شہروں کی یاد دلاتی ہیں جن میں عیش پسندی کا دور دورہ اور علم و قابلیت کا فقدان تھا۔ سابق راجاؤں اور نوابوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اگر ان کی عیش پرستیوں کے باوجود ان کی کچھ نیک روایات کا اعتراف نہ کیا جائے نیپال کے ایک سابق حکمراں نے شاہی باورچی خانہ میں اس وقت تک نمک استعمال کرنے کی ممانعت کردی تھی جب تک ریاست کے ہر شہری کو نمک مہیا نہ کیا جائے۔ کچھ ایسے بھی زمیندار تھے جو دوپہر کا کھانا اُس وقت تک نہ کھاتے تھے، جب تک گاؤں میں ہر شخص کے لئے کھانے کا انتظام نہ ہو جاتا۔ ان جابر حکمرانوں کے مقابلہ میں ہمارے جمہوری وزرا کا یہ حال ہے کہ شکر پر کنٹرول عائد کرنے سے پہلے بوروں شکر ذاتی استعمال کے لئے جمع کر لیتے ہیں اور پٹرول کی قلت کے زمانہ میں سینکڑوں میل کاروں پر بارائیں لے جاتے ہیں تاکہ عوام پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھا سکیں کچھ وزیروں کو سال میں بچاسی روپے فی عدد کی قیمت کے ۳،۲ فونٹین پینوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کے لئے خصوصی منظوری دی جاتی ہے۔ سنگ بنیاد رکھنے اور عوام سے رابطہ قائم کرنے کے لئے طویل دوروں کے نام پر وزرا، اور نائب وزرار، دونوں ہاتھوں سے عوامی خزانے کو لوٹ رہے ہیں۔ اس کے برخلاف ہم نے نہیں سُنا کہ چرچل یا ایڈن نے سنگ بنیاد رکھنے اور ایڈریس سننے کے لئے دورے کئے ہوں لیکن یہ باتیں ہندوستانی وزیروں کی

سرگرمیوں کا اہم جزو ہیں، ایک وزیر کے ناگپور سے رائپور یا جبلپور کے ہوا کے سفر کا خرچ گیارہ سَو روپیہ تک پہنچتا ہے۔ اگر ہم ان کے دوروں کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ گاندھیائی فلسفہ کے علمبرداران وزراء پر کتنی دولت صرف ہو رہی ہے محض وزراء کی تنخواہوں میں کمی کرنا اور انھیں معمولی مکانوں میں رہنے پر مجبور کرنا سادگی کی ایک ادنیٰ نمائش ہے جس سے حالات کی اصلاح نہیں ہوسکتی جبتک ان میں یہ احساس نہ پیدا کیا جائے کہ ایک ایک پائی کے ناجائز خرچ کے لیے وہ خدا اور اسٹیٹ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ صرف مہاتماؤں ہی سے اس طرزِ عمل کی امید کی جاسکتی ہے۔

سلطان ناصر الدین احمد قرآن لکھ کر اپنا گذارہ کرتا تھا، روزانہ چولہا پھونکتے پھونکتے تنگ آکر ایک دن بیگم نے شکایت کی کہ آپ میری مدد کے لئے ایک ملازمہ کیوں نہیں رکھ دیتے جبکہ حکومت کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ سلطان نے فوراً جواب دیا خزانہ میرا نہیں اللہ کا ہے دوسری مثال محمود گاواں قطب شاہ کے دیوان کی ہے کہ جو فقیروں کا پیالہ رکھتا اور انھیں کا لباس پہنتا تھا اور اپنے اقتدار کو "امانت" سمجھتا تھا۔

عوام کو کانگرسی وزارتوں سے ایسی ہی دیانتداری اور صاف باطنی کی توقع تھی لیکن اُنھوں نے اپنے مسرفانہ رہن سہن سے عوام کو ناامید کردیا اور کانگریس کے وقار کو ملیا میٹ کردیا آٹھ سال تک اقتدار کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے بعد یہ لوگ ایک دن میں نمائشی سادگی کے ذریعہ عوام کے دلوں میں جگہ نہیں کرسکتے۔ ہمیں امید نہیں کہ یہ لوگ کمیٹی کی منشا کے مطابق اپنی روزمرہ زندگی میں تبدیلی کرسکیں گے۔ بہرحال یہ ایک اچھی علامت ہے کہ کانگریس کو اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنے کی فرصت تو ملی ہے۔" (دعوت)

اعلان

خریدارانِ الفرقان میں سے اگر کوئی صاحب فائل کا اہتمام نہ کرتے ہوں اور ان کے پاس صفر ۱۳۷۳ھ کا شمارہ موجود ہو تو قیمتاً یا بلاقیمت دفتر کو ارسال فرمادیں۔ بعض حضرات اس کے طالب ہیں۔

منیجر الفرقان

تعارف وتبصرہ

سوانح قاسمی از مولانا سید مناظر احسن گیلانی عمَّ فیوضہ ناشر دفتر دارالعلوم دیوبند۔ کتابت طباعت اور کاغذ نہایت نفیس الفرقان سائز صفحات ۶۱۲ قیمت درج نہیں (غالباً چھ روپے ہے)

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، اُن کا کام اُن کے نام کو دوام بخش چکا ہے۔ وہ تنہا ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جتنا بڑا کام کر گئے ہیں، بڑی بڑی جماعتیں بھی شاید اتنا کام نہ کرسکیں۔ ان کے ہاتھوں اس سرزمین پر ایک ایسا چشمۂ فیض جاری ہوا جس سے صدہا باکمال اہل علم و دین پیدا ہوئے اور حدودِ ہند سے آگے بڑھ کر بیرونِ ہند کے بھی کتنے ہی تشنہ کامانِ علم اس سے سیراب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ مگر عجیب اتفاق تھا کہ اتنے اہل علم کا مورث ہوتے ہوئے —— جن کے قلم سے مجموعی طور پر صدہا دفتر نکل چکے ہوں گے —— آپ کی کوئی مفصل سوانح حیات اب تک وجود میں نہیں آئی تھی اور اب خدا کو منظور ہوا تو اتنی مفصل سوانح وجود میں آئی ہے کہ اس کی پہلی جلد ہی ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دو جلدیں اور باقی ہیں۔ اور آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ ضخامت کا یہ عالم جب ہے جبکہ اس کا اصلی مأخذ یعنی مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی لکھی ہوئی سوانح صرف ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے —— یہ سوانح بھی کتاب کے شروع میں شامل کر دی گئی ہے —— اس لحاظ سے اس تالیف کو دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے اور پڑھنے والے کو مؤلف دام مجدہ کی طباعی اور ذہانت کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔

اس کی تالیف کا فخر اسی چشمۂ فیض کے قابل فخر فیض یافتہ ہمارے آپ کے جانے پہچانے

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی دامت فیوضہم کو حاصل ہوا ہے۔ یہ جلد صرف حضرت کے ذاتی اور عائلی حالات پر مشتمل ہے۔ جی بہت چاہتا ہے کہ تعارف میں کتاب کی ایک جھلک دکھلا دی جائے مگر پوری کتاب اول سے آخر تک اتنی مسلسل گتھی ہوئی ہے اور اتنے مختلف موضوعات میں پھیلی ہوئی ہے کہ تبصرہ نگار اس کی تلخیص سے عاجز ہے۔

کتاب میں جابجا توضیح و تشریح کے لئے حواشی کا بھی ایک سلسلہ ہے جس میں زیادہ حصہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے قلم کا ہے جنھوں نے کہنا چاہئے کہ کتاب کو ایڈٹ کیا ہے۔ اکثر حواشی ضروری اور مفید ہیں۔ خاص طور پر صفحہ ۴۷۷ کا حاشیہ تو قابل دید ہے مگر بعض ایسے بھی ہیں جن کی ضرورت بلکہ موزونیت میں کلام کیا جاسکتا ہے خاص کر صفحہ ۴۹۵ کا حاشیہ۔

خدا کرے کتاب کو قبول عام حاصل ہو اور جلد ہی دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کی نوبت آئے جیسی کہ انشاء اللہ توقع ہے۔ مگر آئندہ اڈیشن کے لئے ایک بات ہم ابھی سے عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ موجودہ فہرست مضامین نہایت تشنہ ہے۔ کوئی صاحب اگر تھوڑی سی محنت کر کے اس تشنگی کو دور فرما دیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ اس کام کے لئے ضرورت اس بات کی پڑے گی کہ کتاب میں موقع بموقع نئے عنوانات قائم کئے جائیں جن کی بڑی گنجائش ہے۔

اسلامی عقائد اور سائنس

از جناب مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی بی۔ اے (جامعی) ناشر ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند، کاغذ اور کتابت طباعت عمدہ صفحات ۵۶، قیمت ۸ر

ہمارا دور سائنس کا دور ہے جس کی تحقیقات نے بہت سے لوگوں کے مذہبی عقاید کو بھی متزلزل کر دیا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو متزلزل تو نہیں ہوتے البتہ ان تحقیقات اور اپنے عقائد میں تطبیق نہ کر سکنے کی وجہ سے اشکالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی کسی صاحب کی تشفی کے لئے مولانا عزیز احمد صاحب نے یہ رسالہ قلم بند فرمایا ہے جس میں اسلام کے چند بنیادی عقائد۔ وجود باری تعالیٰ۔ عدم تجسم، خالقیت اور ہر جا موجودیت، عرش، علم غیب اور قدرت مطلقہ وغیرہ کو تازہ سائنسی نظریات کی روشنی میں برحق ثابت کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ چاہئے تھا مصنف نے ابتدا ہی میں اس بارے میں تنبیہ کر دی ہے کہ سائنس کے نظریات سے صرف استشہاد کا کام لیا جاسکتا

ہے، بنیاد اثبات نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ یہ نظریات ہردم تغیر پذیر رہیں —— اور پھر اسی سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ ان نظریات کو بنیاد انکار بھی نہیں بنانا چاہیئے۔

رسالہ کا انداز تحریر بہت سلیس اور سلجھا ہوا ہے۔ مگر پہلا مبحث جس قدر "ٹو دی پائنٹ" ہے اگلی بحثوں میں یہ بات نہیں ہے۔ شاید سوالات کی نوعیت اس کی متقاضی ہوئی ہو، اور اسی لئے اچھا ہوتا اگر جوابات سے قبل سوالات بھی درج کر دیئے جاتے۔

بہرحال موجودہ حالت میں بھی یہ رسالہ کچھ کم مفید نہیں ہے۔ جن کو اشکالات ہوں ان کو اطمینان کے لئے اور جن کو اشکالات نہ ہوں ان کو ازدیادِ ایمان کے لئے اس کے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہیئے۔

فقہ الحدیث | از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند، ناشر نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔ کتابت طباعت عمدہ، کاغذ بہت معمولی مجلد قیمت عہ

مولانا سید اصغر حسین صاحب مرحوم کے مشہور رسالہ الجواب المتین باحادیث سید المرسلینؐ کو جو دیوبند میں بارہا چھپ چکا ہوگا، نئے ناشر نے اس نئے نام سے کتابی سائز پر شائع کیا ہے (لیکن اصل نام کی تصریح کے ساتھ) بہرحال یہ اُس رسالہ کی اچھی خدمت ہے۔

عرصے سے شائع ہونے کی وجہ سے یہ کتاب غالباً اب کسی تبصرے کی محتاج نہیں ہے البتہ ناواقف حضرات کے لئے اتنا تعارف کرا دینا ضروری ہے کہ اس میں مولانا مرحوم نے مختلف ابواب فقہ کے ۱۳۳ مسائل کے احکام کو احادیث سے ثابت کیا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ مرد و زن کی عام زندگی کے لئے بہت کارآمد مجموعہ ہے۔

بشریٰ | از مولانا سید شاہ عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ صوبہ بہار۔ ناشر غنی بک ڈپو دریا پور پٹنہ نمبر ۴۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر صفحات ۸۰۔ قیمت ۱۲ر

یہ سیرت نبوی کے موضوع پر ایک مختصر سی تصنیف ہے جس میں پیدائش سے وفات شریف تک کے اہم اہم واقعات اور آنحضرت کے موٹے موٹے دلآویز خصائل و عادات کو سبق آموز یا یوں کہیئے کہ تبلیغی و تربیتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ مصنف کی توقع کے مطابق مسلمان نوعمروں کی دینی تربیت میں اس سے بہت مدد ملے گی۔

رسول اللہ صلعم کی بیویاں

مرتبہ مولوی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری۔ ناشر ادارۂ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی۔ کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر صفحات ۱۴۴ مجلد قیمت ؎ ۔ بلا جلد ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، امت کی مائیں ہیں اور براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہنے کی بنا پر ان کی زندگیوں میں یقیناً امت کی ماؤں بہنوں کیلئے ایک قابل تقلید اسوہ ہے۔ اس کتاب میں اسی اسوہ کو پیش کیا گیا ہے مگر بہت مجمل! ضرورت اس کی تھی کہ ان کی زندگی کے روزمرہ کے حالات و واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ـــــ شاید دوسرے حصہ میں اس کمی کو پورا کیا جائے۔

فہرست مضامین میں غیر ضروری اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ اگر ذیلی عنوانات بھی فہرست میں شامل کر دیئے جاتے تو اچھا تھا۔

حیاتِ انورؒ

مرتبہ جناب سید ازہر شاہ صاحب قیصر۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر، ۳۶۰ صفحات مجلد مع گردپوش قیمت چار روپے۔ ملنے کا پتہ سید محمد ازہر شاہ قیصر۔ شاہ منزل۔ دیوبند

فرزندان قاسمی کے لئے یہ سال کچھ عجب ہی مبارک سال ہے کہ ایک طرف تو عرصۂ دراز کے بعد حضرت بانی دارالعلوم نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات کا روح پرور تحفہ اس سال کے ہاتھوں آیا۔ اور دوسری طرف اسی دارالعلوم کے گل سر سبد حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے بعض گوشوں اور آپ کے علمی فضائل و کمالات پر ایک نظر افروز مجموعہ بھی مرتب ہو کر اسی کے ساتھ منصۂ شہود پر آیا ہے ـــــ اسی مجموعہ کا نام حیات انورؒ ہے۔

اس مجموعہ میں حضرت مرحوم کے بعض خصوصی تلامیذ مثلاً مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا محمد صاحب انوری، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مولانا قاری محمد طیب صاحب، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی وغیرہم نے آپ کے مختلف علمی کمالات اور فضائل حیات پر اپنے اپنے رنگ میں لکھا ہے اور ان مضامین کو مرتب کر کے حضرت مرحوم کے صاحبزادہ مکرم مولوی سید ازہر شاہ صاحب نے اپنے ایک افتتاحیہ اور ایک مقالہ کے ساتھ حیات انور کے نام سے شائع کیا ہے۔

افتتاحیہ کے علاوہ کل تیرہ مقالے ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ پر ایک الگ افادیت رکھتا ہے۔

طلبار اور علمار اور عام تعلیم یافتہ حضرات سب ہی کے دیکھنے کی چیز ہے۔

(نگاہ اولین بقیہ صفحہ ۴)

وہ تھوڑا ہے۔

لیکن اس ذاتی تعلق کے علاوہ حضرت مرحوم کے سانحہ ارتحال کا اصل غمناک اور ملال انگیز پہلو یہ ہے کہ آپ کی ذات صحیح ترین الفاظ میں دارالعلوم کی تعلیمی روح تھی اور اب گویا وہ روح نکل گئی —— خدا اسے کسی اور قالب میں جلوہ گر فرمائے —— تعلیم اور مطالعہ حضرت مولانا کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں غالباً ۱۶ گھنٹے ضرور اس میں صرف ہوتے تھے اور یہ حال تو ایام پیری میں تھا جبکہ مجھے قرب کی سعادت حاصل ہوئی۔ پتہ نہیں شباب میں کیا عالم رہا ہوگا؟

حضرت الاستاذ کے فضائل اخلاق اور علمی کمالات پر اگر تھوڑا تھوڑا بھی لکھا جائے جب بھی ایک مقالہ درکار ہے، ان چند جزئیہ سطروں میں ان کا احاطہ کہاں کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت تو بس اپنے اور انکے رب کریم سے استدعا ہے کہ آپ کا بندہ عمر بھر انتھک محنت کرنے کے بعد آپ کے حضور میں حاضر ہوا ہے، اپ آپ اپنی شان کریمی کے مطابق انکے ساتھ معاملہ فرمائیں اور بھر پور اجر عطا فرمائیں۔ اللھم اصنع بہ ما انت اھلہ انت اھل المغفرۃ و اھل الجود و اھل الکرم و اھل الاحسان

ادارہ الفرقان خود آپ کے پسماندگان میں شامل ہے وہ کسی کی تعزیت کیا کرے۔ صاحبزادگان جن پر قدرتی طور سے اس صدمہ کا اثر زیادہ ہوگا، ان کی تسلی کے لئے اگر کافی ہو سکتا ہے تو اتنا کافی ہے کہ اس صدمہ میں وہ تنہا نہیں بلکہ ایک عالم کا عالم ان کا شریک ہے:

ضمیمہ

اپنے شفیق ترین استاذ کی یاد میں

——— از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

انا للہ وانا الیہ راجعون ۝ ——— وانا بکم یومئذٍ للاحقون

یہ ناچیز ۲۰ فروری سے کل ۱۱ مارچ تک احباب کے ایک تبلیغی قافلہ کے ساتھ سفر میں رہا۔ اور ۲۰ دن کے بعد آج ۱۲ مارچ کو لکھنؤ واپس پہنچا ہوں۔ آج سے تین دن پہلے ۹ مارچ کو ہمارا قافلہ کٹھیار (ضلع پورنیہ بہار) میں تھا۔ وہاں کے مدرسہ دارالعلوم لطیفیہ میں ہمارا قیام تھا، قریباً ۹ بجے دن کا وقت ہوگا کہ مدرسہ مذکور کے مدرس مولانا عبدالرزاق صاحب ایک تار ہاتھ میں لیے نہایت غمزدہ صورت میں دوڑے ہوئے آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا کہ "دیوبند سے آیا ہوا یہ تار ہے بہت بڑا حادثہ ہوگیا" میں نے پوچھا کیا خبر ہے؟ انھوں نے جواب دیا اطلاع یہ ہے کہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا انتقال ہوگیا۔

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں کسی گھڑی کسی کی بھی موت کوئی موجب حیرت واقعہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ حضرت مولانا کی علالت کی کوئی اطلاع اس سے پہلے نہیں تھی، اس لیے تھوڑی دیر تو بس تحیر سی کی کیفیت رہی۔ لیکن بالآخر یقین کرنا پڑا، اٹھ کر وضو کیا، کچھ نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے اپنے نہایت شفیق استاذ کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی، ——— کٹھیار سے روانہ ہونے کے بعد کل گورکھپور میں اخبارات میں بھی یہ خبر پڑھ لی۔ اپنے ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ وہ بھی حضرت مرحوم کیلئے مغفرت و رحمت اور ترقی درجات کی دعا فرمائیں، راقم الحروف پر بھی ان کا یہ احسان ہوگا۔

سب جانتے ہیں کہ اس دنیا کی حقیقت ایک سرائے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مسافروں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا ہے، روزانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں آتے ہیں اور جاتے ہیں، اس لیے کسی کا یہاں سے کوچ کرجانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اللہ کے بعض بندے کچھ ایسی افادی

خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں کہ ان کا اس دنیا سے جانا کسی قوم یا جماعت کے لیے واقعۃً بہت بڑا حادثہ ہوتا ہے، اس لیے اُن سے تعلق رکھنے والوں کو اُن کی موت سے غیر معمولی رنج اور صدمہ پہنچتا ہے ــــــــ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ کے ان ہی بندوں میں سے تھے

اس وقت کسی مفصل تذکرہ کی تو گنجائش نہیں صرف چار صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر حضرت ممدوح کی زندگی کے بعض پہلوؤں کے متعلق چند سطریں الفرقان کے ناظرین کرام کے لیے لکھنا چاہتا ہوں، اس سے انشاء اللہ کچھ اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

حضرت مولانا سے میری ابتدائی واقفیت حضرت مولانا نے اپنے ابتدائی دور ہی میں فقہ اور ادب کی بعض درسی کتابوں پر جو حواشی لکھے تھے اور درس کے انداز میں جو غیر معمولی خصوصیت پیدا کرلی تھی اس کی وجہ سے علمی اور درسی حلقوں میں اپنے ابتدائی زمانہ ہی میں حضرت مولانا کو خاص شہرت اور عظمت حاصل ہو گئی تھی۔ اب سے ۴۴-۴۵ سال پہلے جبکہ راقم الحروف عربی کی ابتدائی متوسط کتابیں پڑھتا تھا، خوب یاد ہے کہ اس وقت کے میرے بعض اساتذہ حضرت مولانا کی علمی اور درسی خصوصیات کے بہت تذکرے کیا کرتے تھے۔ میں نے پہلے پہل حضرت مولانا کا نام اپنے ان استادوں ہی سے سُنا تھا۔

دارالعلوم میں میری حاضری اور حضرت مولانا کا تدریسی امتیاز شوال ۱۳۴۳ھ میں یہ ناچیز دارالعلوم دیوبند گیا اور دو سال وہاں رہا، پہلے سال میں "ہدایہ اخیرین" "سبعہ معلقہ" اور دوسرے سال میں "تفسیر بیضاوی" "سورہ بقرہ (جو اس وقت دورۂ حدیث کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی) اور "شمائل ترمذی" مولانا ہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں، اُس وقت کا اپنا خیال اور اندازہ یہ تھا اور آج تک بھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے کہ مولانا مرحوم اِن کتابوں کو اس طرح پڑھاتے تھے کہ اگر ان کے مؤلفین و مصنفین علامہ مرغینانی اور امام ترمذی، اور قاضی بیضاوی، اور امرء القیس وغیرہ اصحاب معلقات مولانا کا درس سنتے تو انھیں یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوتی کہ اُن کی کتابوں کا کیسا حق ادا کیا جا رہا ہے، خاص کر ہدایہ اخیرین کا درس تو اتنا ممتاز ہوتا تھا کہ علمی اور درسی ذوق رکھنے والے اہل علم جنھوں نے بار بار ہدایہ اخیرین پڑھائی ہوتی، مولانا کا درس سن کر ان کا بھی جی چاہنے لگتا کہ ایک دفعہ ہدایہ اخیرین مولانا سے پھر پڑھیں، اور بعض حضرات نے ایسا کیا بھی۔

بے پناہ محنت اور بے انتہا مصروفیت | حضرت مولانا کا خاص وصف جس میں ابتک انکا کوئی ثانی نہیں دیکھا گیا وہ انکی بے پناہ محنت اور بے انتہا مصروفیت تھی میرا خیال ہو کہ دن رات کے ۲۴ گھنٹوں میں دوپہر اور رات کے سونے کے چند گھنٹوں کو نکال کر (جو میرے اندازہ میں ۴۔۵ گھنٹوں سے زیادہ نہ ہوتے ہوں گے) اگر کوئی شخص اس کی کوشش کرتا کہ ان کو کسی وقت فارغ اور غیر مشغول دیکھ سکے تو مہینوں بھی نہ دیکھ پاتا۔ اُن کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ آدمی اپنے وقت کی قدر کرے تو کتنا کام کر سکتا ہو۔ بلا مبالغہ وہ روزانہ اتنا کام کرتے تھے کہ اوسط درجے کے کام کرنے والے ۴۔۵ آدمی مل کر بھی اتنا کام عام طور سے نہیں کرتے۔

شیخ الادب والفقہ اور صدر مفتی و ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند | درسی علوم میں فقہ اور عربی ادب میں حضرت مولانا کو چونکہ خاص الخاص مہارت تھی اس لیے دارالعلوم دیوبند سے تعلق رکھنے والی علمی برادری میں عام طور سے ان کو "شیخ الادب والفقہ" کہا اور لکھا جاتا تھا ——

ایک عرصہ تک وہ دارالعلوم کے صدر مفتی بھی رہے لیکن بعد میں تدریس اور نظامت تعلیم کی ضروریات نے دارالعلوم کے اہل حل وعقد کو مجبور کیا کہ دارالعلوم کی صدارت افتا کے لیے کسی اور کا انتخاب کیا جائے اور تدریس اور نظامتِ تعلیم کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

تحریر و تصنیف | ہمارے قدیم طرز کے علماء میں علمی رسوخ کے باوجود تحریر پر قدرت اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھنے والوں کی کمی رہی ہے لیکن مولانا مرحوم صاحبِ علم و درس ہونیکے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے اور سلیس و شگفتہ اردو لکھنے والوں میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند کا قدیم ماہنامہ "القاسم" جس دور میں دارالعلوم کی علمی شان کے مطابق ایک معیاری دینی و علمی ماہنامہ تھا اس زمانہ میں کافی عرصہ تک اس کی ادارتی ذمہ داریاں عملاً مولانا ہی سے متعلق تھیں —— القاسم کی پرانی جلدوں میں آپکے بعض مضامین اب بھی ایسے محفوظ ہیں جو آپ کے طرزِ نگارش کا اچھا نمونہ ہیں۔

انتہائی شفقت کے ساتھ انتہائی رعب | طلبہ کے حق میں حضرت مولانا اسقدر شفیق تھے کہ اس کی مثال نہ دیکھی نہ سنی۔ خاص کر جو طالب العلم پڑھنے میں محنتی اور نیک سیرت ہوتے، مولانا اُن سے بالکل اپنی اولاد کی طرح محبت فرماتے۔ انکو اوقات مدرسہ کے علاوہ بعض اوقات کئی کئی سبق پڑھاتے، دن میں کوئی وقت خالی نہ ہوتا تو رات کے اوقات میں پڑھاتے۔ حد یہ ہو کہ وہ اگر حافظِ قرآن ہوتے تو ان کا قرآن مجید سننے کے لیے بھی

وقت نکالتے، اگر کوئی وقت نہ نکل سکتا تو تہجد میں ان کو امام بنا کر ان کا قرآن سنتے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنھوں نے دیکھا نہیں ان کو طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا کی محبت و شفقت کا اس زمانہ میں کسی طرح اندازہ نہیں کرایا جا سکتا لیکن آپ کی یہ محبت اور شفقت۔ ماں والی محبت و شفقت نہ ہوتی، جو بسا اوقات بچہ کو بے تکلف اور بے باک بھی بنا دیتی ہے بلکہ ایک باوقار اور پُر رعب باپ کی سی محبت و شفقت ہوتی جو طالب علم کو مولانا کا گرفتار اور گرویدہ تو بنا دیتی لیکن اس میں بے تکلفی کبھی نہ آسکتی ——— آپ کی سیرت کا یہ پہلو حضرت فاروق اعظمؓ سے بہت مشابہ تھا۔ اسی لیے طلبہ جس قدر ان کے سامنے باادب اور محتاط رہتے اور جتنا اُن سے ڈرتے اس ناچیز نے خود اپنی طالب علمی کے زمانے میں دیکھا کہ اُن کے بھی اکابر مثلاً استاذنا حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند سے بھی نہیں ڈرتے۔ مولانا کا یہ فاروقی طرز عمل طلبہ کے لیے جس قدر مفید اور انکی سیرت کا جیسا محافظ تھا اس کا اندازہ صرف انھیں کو ہوگا جو کچھ عرصہ دار العلوم میں طالب علم بن کر رہے ہیں۔

بے مثال تواضع | اس وقار اور اس فاروقی رعب و جلال کے ساتھ تواضع اور کسر نفسی اس قدر تھی کہ جن کو خود واسطہ نہیں پڑا ان کو اب کسی طرح سے کوئی اس کا اندازہ نہیں کرا سکتا۔ ہر شخص کو پہلے سلام کرنے کے وہ اتنے حریص اور اس معاملہ میں اس قدر مشاق اور چابکدست تھے کہ اُن کے قریباً سبھی نیازمندوں نے جن کی تعداد ہزاروں ہو گی مدتوں اس کی کوشش کی ہوگی کہ پہلے سلام عرض کرنے کی سعادت کبھی انہیں حاصل ہو لیکن راقم سطور کے ساتھ وہ سب شہادت دے سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں وہ ہمیشہ ناکام اور شکست خوردہ رہے۔ حضرت مولانا کا عام قاعدہ تھا کہ نگاہ نیچی کیے تیز چلتے اور جیسے ہی کوئی شخص سلام کی زد پہ آجاتا (یعنی اتنے قریب ہو جاتا کہ وہ سلام سُن سکتا) تو اچانک اس کی طرف نگاہ اٹھاتے اور نگاہ کے ساتھ ہی زبان اپنا کام کرتی اور اس بیچارے کو وعلیکم السلام ہی عرض کرنے کا موقع ملتا۔ دار العلوم میں پڑھنے والے طالب علموں کے سوا جو شخص ملنے آتا عموماً اس کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ آپکے جو شاگرد طالب علمی کے زمانہ میں آپکے خاص خادم اور نیازمند رہے ہوتے وہ بھی جب بعد میں کبھی حاضر ہوتے تو حضرت مولانا ہمیشہ کھڑے ہو جاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ پہلے انھیں بیٹھنے پر مجبور کرتے اور بعد میں خود بیٹھتے۔ واقعہ یہ ہے کہ تواضع اور دوسروں کے اکرام کی یہ صفت اس درجہ تھی کہ جو شخص آپ کو نہ جانتا اُسے بسا اوقات تصنع اور بناوٹ کا شبہ ہو سکتا تھا۔

افسوس صد افسوس کہ ان اوصاف و کمالات کا حامل و جامع ہم سے جُدا ہو گیا ہے!

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله وانزل على روحه وجسده وتربته شآبيب رحمتك ورضوانك واجعله من عبادك المقربين۔ آمين يا ارحم الراحمين!

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق

اردو زبان میں حدیثِ نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

جلد اوّل

معارف الحدیث

یعنی احادیثِ نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں؟ — اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے ناظرین کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیثِ نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ احادیثِ نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے یعنی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت اُس کو کوشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی روح رہے۔ — مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے پورے تشفی بخش علمی و تحقیقی جوابات بھی دئے گئے ہیں، جو آج کل کے بگڑے ہوئے ذہنوں میں احادیث نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

امید ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہل ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی روح میں ایک تازگی اور نورِ ایمان میں اضافہ محسوس کریں گے اور ان کا دل چاہے گا کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ یہ تحفہ پہنچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا

شروع میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ ہے جس میں صرف قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے حجت دینی ہونے کے منکر ہیں، وہ قرآن حکیم کے کس قدر نصوص و بینات سے منحرف ہیں — یہ مقدمہ اپنے موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالہ ہے۔

ظاہری حیثیت سے بھی کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔

کاغذ اعلیٰ سے اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت بھی بفضلہٖ تعالیٰ مثالی اور معیاری ہے

قیمت غیر مجلد تین روپے بارہ آنے (ے۳/۱۲) ———— مجلد مع گرد پوش چار روپے آٹھ آنے (للعہ)

(پوری جلد کپڑے کی ہے، جلد کی قیمت لاگت بلا لاگت لگائی گئی ہے)

ملنے کا پتہ **کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ** لکھنؤ

کلمہ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور مؤثر انداز میں کی گئی ہے، کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نورِ یقین میں اضافہ ہوتا ہے، اور ایمان تازہ ہوتا ہے، اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور عارفانہ رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں — تازہ اڈیشن — قیمت ۸/

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیس سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور مؤثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجئے، اور اگر آپ کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے…… کاغذ و طباعت اعلیٰ……

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اور اپنی نمازوں میں روحانیت اور نورانیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور آئمہ دین و معرفت حضرت امام غزالی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس سلسلہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے

کلمہ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے

تازہ اڈیشن…… کاغذ اور طباعت اعلیٰ…… قیمت ۸/

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنے

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک قول و قرار اور ایک اہم عہد ہے، وہ عہد ہے

اس بات کا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی [illegible]

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ربانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۃ الفرقان

مدیر و مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

قیمت فی کاپی ...... آٹھ آنے

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ..... ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ .... ۱۰ عہ

ان سے
ان (اصر
ان آنے
ے ۲ ر

شعبان و رمضان ۱۳۷۴ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۵۵ء — نمبر ۸-۹

کی بے وقعتی اور غیر معقو
ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں
میں اپنے والدین کی ا
سے باغی ہو جائے۔ نہ یہ
سے انکار بھی کرتی رہے
دوسری طرف
لئے تجویز کی گئی ہیں
ور ایک مکتب

اگر اس ○ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہِ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی.پی ارسال کیا جائیگا۔
چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ دوبارہ بھیجدیا جائے گا

(مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

نگاہِ اولیں

اس مرتبہ بغیر کسی پیشگی اطلاع و اعلان کے دو ماہ کا مشترکہ شمارہ آپ کی خدمت
خیال تو رجب کے شمارہ کی اشاعت سے پہلے ہی آیا تھا مگر حصول مضامین کی دقتوں کے
اعلان کر دینے کی ہمت نہ ہو سکی ـــــ لیکن رجب کی اشاعت کے بعد کچھ ایسی صورتیں
عمل میں آنا آسان معلوم ہونے لگا اور بنامِ خدا ارادہ کر لیا گیا۔ یہ شمارہ شعبان و ر
کا ہو اب اسکے بعد شوال مطابق جون میں اگلا رسالہ نکلے گا۔ رمضان میں کسی مزید شما ... نہ فرمایا جائے۔
دعا فرمایئے کہ عید کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو خیریت کے ساتھ ملائے!

اس اشاعت کیلئے مخدوم و مکرم جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اپنا ایک خطبۂ صدارت عنایت فرمایا ہے جو اسکی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس شمارہ کے "نگاہ اولیں" کی جگہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس مرتبہ اسی کو "نگاہ اولیں" سمجھئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے جس اہم مسئلہ سے اس کا تعلق ہے اس پر سنجیدگی سے غور فرمایئے!

غافل منشیں نہ وقت بازیست وقت ہنر است و کارسازیست

ہماری خواہش تھی کہ ہم مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فرزند اور فضلائے دارالعلوم کے عظیم المرتبت اور نعیدالمثال استاذ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سراپا فیض زندگی کا کچھ مفصل تذکرہ الفرقان کے صفحات میں پیش کریں کہ ایسی نادرہ روزگار ہستیاں بھلائی جانے کے قابل نہیں ہوتیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک ورق اگر حفاظت کے ساتھ پہنچا دیا جائے تو آنے والوں کے لئے ایک قیمتی سبق بنتا ہے ـــــ ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ آرزو بہت جلد بر آئی اور اسی اشاعت کا ایک معتدبہ حصہ تذکرہ اعزاز سے متعلق ہے۔ اس میں ممدوح کی پوری زندگی تو نہیں لیکن زندگی کا ایک ہلکا سا خاکہ ضرور آگیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اسے مفید بنائے اور ہمارے تعلیمی اداروں میں مولانا کی سی شخصیتیں پوری فیاضی کے ساتھ پیدا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز!

مسلمان بچوں کا تعلیمی مسئلہ

نئے ہندوستان میں!

(جون پور، یو۔پی) کی دینی تعلیمی کانفرنس کا خطبۂ صدارت)

(از مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی)

اضلاع مشرقی کا [illegible] اہم تعلیمی اجتماع جس شہر میں منعقد ہو رہا ہے اس کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں صدیوں دینی و علمی مرکزیت حاصل رہی ہے۔ نویں صدی کے بالکل آغاز میں امیر تیمور گورگان کے حملہ نے جب دہلی کو زیر و زبر کیا تو جونپور کا پایہ دہلی سے بلند ہو گیا اور بہت سے علمی جواہرات جو سلطنت دہلی کے لئے گوہ نور اور سرمایۂ فخر و سرور تھے جونپور کی طرف منتقل ہو گئے انھیں منتقل ہونے والوں میں ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۸۴۹ھ) اور ابو الفتح بن الشیخ عبد الحی بن عبد المقتدر الکندی (م ۸۵۹ھ) بھی تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنی ذات سے ایک عظیم الشان دار العلوم تھا۔ اور ہر ایک نے فضلاء کاملین فن اور اہل درس کی اتنی بڑی جماعت تیار کر دی جو اس وقت بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے ممکن نہیں۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں تاریخ کی چشم عبرت نے تخت سلطنت کو مسند علم کے سامنے جھکتے ہوئے اور سلطان وقت کو علم کے بوریہ نشیں پر قربان ہوتے ہوئے دیکھا۔ دنیا کی علمی تاریخ میں یہ واقعہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ جب ملک العلماء شیخ شہاب الدین دولت آبادی بیمار ہوئے اور ان کی صحت سے نا امیدی ہوئی تو سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ ان کے سر پر گھما کر خدا سے عرض کیا کہ ملک العلماء سے

کی بے وقعتی اور غیر معقولیت کا قائل ہوتا ہے اور خود ایک کش مکش اور ذہنی الجھن میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں نتیجے کسی نظام تعلیم کے لئے اچھے اور قابل قبول نہیں، نہ یہ کہ بچہ جو مدرسے میں اپنے والدین کی امانت ہے اپنے والدین کے عقائد اور اپنے مذہب کے بنیادی حقائق سے باغی ہو جائے۔ نہ یہ کہ وہ تعلیم بھی حاصل کرتا رہے اور اس کی فطرت سلیم اس کے قبول کرنے سے انکار بھی کرتی رہے اور اس کو وہ بعید از قیاس اور نا قابل فہم بھی معلوم ہوتے رہیں۔

دوسری طرف آپ اُردو کی وہ سرکاری کتابیں دیکھئے جو مختلف تعلیمی منزلوں کے لئے تجویز کی گئی ہیں اور حکومت کے زیر نگرانی تصنیف ہوئی ہیں، ان میں کس طرح صرف ایک فرقے اور ایک مکتب خیال کی نمائندگی کی گئی ہے اور صرف اس کی روایات، تقریبات اور مذہبی و تاریخی و سیاسی شخصیات (HEROES) کو انتخاب کیا گیا ہے اور کس طرح دوسرے فرقوں اور جماعتوں (COMMUNITIES) کی نامور شخصیتوں قابل ذکر تقریبوں اور زندگی کے اچھے پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے میں آپ کے سامنے صرف ایک نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یوپی کے محکمہ تعلیم نے اُردو کی جو بیسک ریڈریں تیار کرائی ہیں۔ ان میں بزرگوں اور شخصیتوں کے سلسلہ میں صرف شری رام چندر جی، شری کرشن جی، سور داس، تلسی داس، میرا بائی کے متعلق اسباق ہیں، تیرتھوں اور مذہبی مقدسات میں صرف اجودھیا، متھرا، کاشی، پریاگ، گنگا، رامائن کا تذکرہ ہے، تاریخی واقعات میں سے بھرت ملاپ، دھنش یگ، پرہلاد کا انتخاب کیا گیا ہے۔ رہنماؤں اور لیڈروں میں سے مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، ایشور چندر ودیا ساگر، مدن موہن مالوی، تلک، لالہ لاجپت رائے، سردار پٹیل، راجندر پرشاد، سروجنی نائیڈو، پنڈت پنت، ٹنڈن جی کا نام ملتا ہے۔ پورے سلسلہ میں کہیں کسی مسلمان شخصیت کسی اسلامی تقریب کسی تاریخی روایت حتیٰ کہ جنگ آزادی کے بھی کسی مسلمان قائد اور رہنما کا تذکرہ نہیں ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں منگل پانڈے، نانا تیا ٹوپی اور بھگت سنگھ تک کو فراموش نہیں کیا گیا ہے۔

میں عرض کروں گا کہ یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ نا انصافی نہیں ہے بلکہ ہندوستان

کے ساتھ بھی بڑی ناانصافی ہے کہ اُس کو خواجہ معین الدین اجمیریؒ جیسے کامل انسان، مخدوم شرف الدین یحییٰ بہاری جیسے خدا شناس، نظام الدین اولیاء جیسے سچے خدا پرست، ناصر الدین محمود جیسے درویش صفت بادشاہ، شیر شاہ سوری جیسے اعلیٰ مدبر و منتظم، امیر خسرو جیسے شاعر خوش نوا و فخر ہندوستان، عبدالرحیم خان خاناں جیسے جامع کمالات انسان، شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے حکیم و فلسفی، ٹیپو سلطان جیسے غیور و بلند ہمت انسانوں کی پیدائش اور پرورش کے شرف سے محروم کردیا جائے جن کی وجہ سے ہندوستان کا پایہ سارے مشرق اور پورے ایشیا میں بلند ہے اور بڑے بڑے اہل کمال کا سر عقیدت اس کے آگے خم ہے۔ یہ نئی نسلوں کے ساتھ بھی ناانصافی ہے کہ ان کو انسانیت کی ان تابناک مثالوں اور ہندوستان کے ان سرمایہ فخر فرزندوں کے نام اور کام سے واقف ہونے کا کوئی موقع نہ دیا جائے جن کی زندگی صرف اسی ملک کے لئے نہیں دنیا کے تمام نوجوانوں کے لئے قابل تقلید اور ان کا کردار انسانی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لئے ایک بیش بہا طاقت ہے۔

حضرات! نصاب کی یہ نوعیت نظام تعلیم کا یہ جارحانہ رجحان اور اس کے مرتبین کی یہ کوتاہ نظری مسلمانوں کی قومی زندگی کا سب سے اہم اور دشوار مسئلہ بن گیا ہے، دوسرے معاشی و سیاسی مسائل اس مسئلہ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، مسلمانوں کو جب تک اس کی طرف سے اطمینان نہ ہو کہ ان کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی (اور یہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ اسلام کسی قومیت اور نسل کا نام نہیں، وہ عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے) اُس وقت تک مسلمان ایک شدید ذہنی کش مکش میں مبتلا رہیں گے اور ان کو اپنے مستقبل کی طرف سے وہ اطمینان و سکون حاصل نہیں ہوگا، جو اس قوم کے لئے ضروری ہے جو اپنے ماضی کے اعتبار سے بھی اور اپنی موجودہ صلاحیتوں اور تعداد کے اعتبار سے بھی اسی ملک کی تعمیر و ترقی کا ایک اہم عنصر ہے۔ مجھے معلوم ہے اور آپ حضرات بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ حساس مسلمانوں کا ایک طبقہ شدید کش مکش میں مبتلا ہے، اسی کش مکش کا نتیجہ وہ تاریخی کنونشن ہے، جو تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے گذشتہ جنوری میں بمبئی میں منعقد ہوا، اور جس میں سارے ملک سے مسلمانوں کی مختلف الخیال جماعتوں اور اداروں نے شرکت کی بہت سے مسلمان اس مسئلہ کے حل سے مایوس ہو کر یا مستقبل کی خطرناکی کو دیکھ کر اس ملک کو چھوڑ دینے پر غور کرنے

لگتے ہیں اور میرے اور آپ کے لئے یہ کوئی راز کی بات نہیں کہ بہت سے خاندانوں نے محض اسی وجہ سے اس ملک کو خیرباد کہدیا۔ میں اس شکست خوردہ ذہنیت کا سخت مخالف ہوں اور اس کو مسئلہ کا حل بالکل نہیں سمجھتا۔ اس کو اس عظیم تعداد کے ساتھ بے وفائی بھی سمجھتا ہوں جس کو اس ملک میں رہنا ہے لیکن اس سے بہرحال مسلمانوں کی شدت احساس اور تلخیٔ احساس کا اظہار ہوتا ہے اور ہمیں سنجیدگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرنا چاہیے۔

اس صورت حال کا مقابلہ جو خلاف عقل بھی ہے اور خلاف عدل بھی جو مسلمانوں کے ملی وجود کے لئے بھی خطرہ ہے اور ہندوستان کی سیاسی قوت وعظمت کے لئے بھی۔ دو طرح سے ممکن ہے ایک یہ کہ پوری قوت وجرائت کے ساتھ اس کا مطالبہ کیا جائے کہ ہماری نامذہبی ریاست کا نظام تعلیم پوری دیانت داری کے ساتھ نامذہبی ہو۔ اس نصاب تعلیم سے وہ تمام اجزاء خارج کئے جائیں جو مذہبی اور کسی خاص فرقہ کی تعلیمات وعقائد وتاریخ کی نمائندگی کرتے ہیں! یہ بنیاد ہر طرح معقول ومستحکم ہے۔ آپ جو اس ملک میں قیام کا فیصلہ کر چکے ہیں، جو یہاں پیدا ہوئے اور یہاں کے شہری ہیں، جو حکومت کے محاصل ومطالبات ادا کرتے ہیں جن کو حق رائے دہندگی حاصل ہے، جو حکومتوں اور وزارتوں کی تشکیل میں دخیل ہیں، جن کو کوئی حکومت اور کوئی سیاسی پارٹی نظرانداز نہیں کر سکتی جن کی رائے اور تعداد کا پاسنگ ہر پلڑے کو جھکا سکتا ہے۔ ان کو تمام خصوصیتوں سے قطع نظر محض ہندوستانی اور شہری ہونے کی بنا پر بھی اس کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں کہ اس ملک کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم ان کے بنیادی عقائد اور ان کے مذہبی جذبات وضروریات کے مطابق ہو یا کم سے کم ان کو مجروح کرنے والا اور ان کو چیلنج کرنے والا نہ ہو۔ اس مطالبہ میں ہندوستان کے تمام معقولیت پسند عناصر آپ کی تائید کریں گے۔ اور یہ صورت حال جس میں زیادہ دن باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے اور جو بالکل غیر طبعی اور خلاف فطرت ہے جلد تبدیل ہو جائے گی لیکن اس کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ یہ مسئلہ آپ کی زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے اور آپ کے لئے مذہبی وروحانی طور پر موت وزندگی کا سوال ہے اور آپ کے لئے اس کے مقابلہ میں کوئی اور متوازی راستہ نہیں ہے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ آپ اپنے ان بچوں کی دینی و اخلاقی تعلیم کا خود بھی بندوبست کریں جو جبری تعلیم کے قانون کے مطابق سرکاری مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اس کا سہل اور قابل عمل راستہ یہ ہے کہ آپ ہر اس مقام پر جہاں مسلمانوں کی کچھ تعداد آباد ہے" صباحی و مسائی" مکاتب و مدارس کا انتظام کریں۔ جہاں آپ کے بچے سرکاری اسکول جانے سے پہلے ایک آدھ گھنٹہ یا سرکاری اسکول سے آنے کے بعد ایک آدھ گھنٹہ دینی تعلیم حاصل کریں۔ اس سلسلہ تعلیم کے قیام اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک عزم کی دوسرے نظم کی۔ ان دو طاقتوں سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے مکاتب و مدارس قائم ہو سکتے ہیں۔ وسائل و ذرائع ہر دور میں اور ہر ملک میں انسانی فیصلہ اور عزم کے تابع رہے ہیں۔ عزم نے ان کو حاصل کیا اور نظم نے ان کو کارآمد اور دور رس بنایا۔ اب بھی جہاں کہیں یہ دو چیزیں پیدا ہو گئی ہیں انھوں نے وسائل کو بھی مسخر کر لیا ہے اور موانع کو بھی مغلوب بنا لیا ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کم سے کم دو مقامات (ضلع بستی اور شہر سیتا پور) میں عزم اور نظم نے اس مشکل کو آسان کر کے دکھا دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ ہر مقام پر انھیں دو طاقتوں سے اس مہم کو سر کیا جا سکتا ہے اور مدارس و مکاتب کا ایک ایسا غیر سرکاری جال بچھایا جا سکتا ہے جس کے ذریعہ ہزاروں بچے اپنے عقائد و فرائض اور دینیات اور اردو کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرات! آپ نے اپنے ایک گمنام کارکن اور سپاہی کو (جس کا دائرہ عمل جلسوں اور کانفرنسوں سے دور دور رہا ہے) ایک اہم تعلیمی کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی، سپاہی حقیقت پسند اور عملی ہوتا ہے۔ میں آپ سے آخر میں اسی کا مطالبہ کرتا ہوں کہ آپ اپنے آہنی عزم اور عاقلانہ نظم سے اپنے تعلیمی اور دینی مستقبل کو اس ملک میں محفوظ بنائیں۔ جہاں آپ نے رہنے کا فیصلہ کیا ہے اور جس کو آپ کے پیغمبرانہ پیغام کی ضرورت ہے، آپ اپنی متحدہ آواز اور پر امن لیکن طاقتور احتجاج سے نظام تعلیم کے اس نقص کو دور کریں جو اس ملک کے بنیادی دستور اور سیاسی منشور کے بھی خلاف ہے اور اس ملک کی قدرتی ساخت اور واقعات کے بھی خلاف ہے آپ مطالبہ کریں کہ وہ نظام تعلیم یا تو خلوص اور دیانت داری کے ساتھ

نا مذہبی ہو یا انصاف و رواداری کے ساتھ مذہبی۔ ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ نہیں۔ دوسرے اپنے عزم و نظم سے صباحی و مسائی مکاتب و مدارس کا جال بچھا دیجئے اور ہر سرکاری مکتب اور مدرسہ کے ساتھ ایک دینی مدرسہ اور مکتب قائم کیجئے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ صرف اس ایک اجتماع میں مختلف گاؤں، قصبات اور شہروں سے آئے ہوئے وہ مخلص اور صاحب اثر مسلمان اور اہل علم ہیں کہ اگر وہ تنہا اس کا عزم کرلیں کہ وہ واپس جاکر ایسے مدارس اور مکاتب قائم کریں گے تو سیکڑوں کی تعداد میں ایسے مدرسے قائم ہو سکتے ہیں اور جہاں تک اضلاع مشرقی کا تعلق ہے یہ مسئلہ بہت حد تک حل ہو سکتا ہے میں ان سب بزرگوں اور دوستوں سے عرض کروں گا ؎

غافل منشیں نہ وقت بازیست
وقت ہنر است و کارسازیست

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

پاکستانی حضرات توجہ فرمائیں!

بہت سے پاکستانی بھائی رسالہ جاری کرانے کے لئے ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور کو چندہ بھیجدیتے ہیں مگر ہمیں براہ راست اس کی اطلاع نہیں دیتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب لاہور سے ماہانہ رپورٹ آتی ہے تب ہمیں ان کے چندہ کی اطلاع ملتی ہے۔ اس طرح بعض حضرات کے چندہ کی اطلاع وصول یابی سے تقریباً ایک مہینہ بعد پہنچ پاتی ہے اور انہیں شکایت ہوتی ہے کہ رسالہ جاری کرنے میں اتنی تاخیر کیوں کی جارہی ہے ـــ اگر وہ ترسیل زر کے ساتھ ایک اطلاعی خط براہ راست ہمیں بھیجدیا کریں تو یہ شکایت نہ ہو۔ ورنہ ہم معذور ہیں کہ اطلاع ملے بغیر رسالہ جاری کرنے کی کوئی صورت نہیں!

ناظم الفرقان لکھنؤ

قرآنی دعوت

۔۔۔۔ ۱۹ ۔۔۔۔

تقویٰ (۳)

اس سلسلہ کی اس سے پہلی دو قسطوں میں تقوے کی حقیقت، قرآنی تعلیم میں اس کی اہمیت، اس کے تقاضے، اور اس کے دُنیوی و اُخروی نتائج وغیرہ مختلف پہلوؤں پر قرآنی آیات پیش کی جا چکی ہیں، آج کی قسط میں چند وہ آیات درج کی جا رہی ہیں جن میں قرآن مجید نے اہلِ تقویٰ کے اوصاف اور اُن کی کچھ نشانیاں بیان کی ہیں۔

تقوے کی نشانیاں اور اہلِ تقویٰ کے اوصاف:-

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہو تقوے دراصل دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے، پھر اُس کیفیت کے دل میں ہونے سے آدمی احتیاط اور پرہیزگاری کی جو زندگی گزارتا ہو اس کو بھی تقوے کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی بھی وضاحت کی گئی ہو کہ انسان کی عملی زندگی پر تقوے کے کیا اثرات ہوتے ہیں اور اہلِ تقوے کی خاص علامات اور نشانیاں کیا ہیں۔ چند آیتیں اس سلسلے کی بھی پڑھ لیجیے! ——— سورہ بقرہ کے بالکل شروع ہی میں ارشاد ہو۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ○ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ	یہ کتاب (قرآن مجید) ہدایت ہو متقی بندوں کے واسطے (وہی اس سے نفع اٹھائیں گے)

الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۱)

یہ متقی بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہو کہ وہ بن دیکھی باتوں پر ایمان لاتے ہیں، اور خوب اچھی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہو اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔

یہاں اہل تقویٰ کی موٹی موٹی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں، ایک اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی اُن غیبی حقیقتوں کو دل سے ماننا اور اُن پر ایمان لانا جن کو آدمی بطور خود نہیں جان سکتا، (مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اور قیامت و آخرت، جنت دوزخ وغیرہ) —— اور دوسری نماز اچھی طرح ادا کرنا، اور تیسری اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اُس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنا —— پس جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا دل تقوے سے خالی ہے۔

پھر اسی سورۂ بقرہ میں، آگے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے۔

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۲۲)

اصل نیکی (کرنے والے جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر و قیمت ہو) وہ بندے ہیں جو ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر اور یوم آخر پر، اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر، اور اپنا محبوب مال انھوں نے اللہ کی محبت میں (اس کے حکم کے مطابق) دیا اپنے (صاحب حاجت) اہل قرابت کو، اور عام یتیموں، مسکینوں کو، اور (ضرورت مند) مسافروں اور سائلوں کو اور (خرچ کیا) غلاموں کی رہائی میں، اور اچھی طرح قائم کی انھوں نے نماز، اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے

والے اپنے عہد کو جب کسی سے کوئی عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں۔ یہی ہیں راست باز اور متقی بندے

اس آیت میں بتایا گیا ہو کہ راست باز اور متقی وہ لوگ ہیں جن میں تقوے کے یہ آثار اور یہ نشانیاں پائی جائیں ــــ وہ ایمان رکھتے ہوں اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی کتابوں پر اور نبوت کے پورے سلسلہ پر، اور مال کی محبت اور چاہت کے باوجود اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو بے دریغ خرچ کرتے ہوں اپنے حاجت مند قرابت داروں پر، عام مسکینوں یتیموں پر، اور ضرورتمند مسافروں اور سائلوں پر، اور اللہ کے بندوں کو قید غلامی سے آزاد کرانے پر ــــ نیز وہ پوری فکر کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوں، زبان کے سچے اور وعدے کے پکے ہوں، اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی راہ میں تنگیاں اور سختیاں جھیلنے والے اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوں۔

اور سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہو

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ص وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

(آل عمران ع ۱۴)

(لوگو تیزی سے بڑھو اور دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش اور اس وسیع جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہو، وہ اُن متقی بندوں کے لیے تیار کی گئی ہو (جن کی سیرت یہ ہو کہ) وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی اور تکلیف میں بھی، اور جو آپس کے اختلافات و نزاعات میں غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، اور اللہ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہو ــــ اور (وہ بندے بھی متقیوں ہی میں شامل ہیں اور جنت کے وہ بھی مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہو کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرمناک بات اُن سے

سرزد ہو جاتی ہو یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہو، پھر وہ اس سے اپنے گناہوں قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، — اور کون ہو سوا اللہ کے جو بخشے گناہوں کو — (اور پھر وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں) اور دیدہ ودانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے (اور اس کو اپنی عادت نہیں بناتے)

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کی علامات اور صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ خوشی اور راحت اور تکلیف و مصیبت دونوں حالتوں میں خدا کو یاد رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق اس کی راہ میں اپنا کمایا ہوا روپیہ خرچ کرتے ہیں، اور اپنے ذاتی معاملات میں غصے کو پی جانے والے اور اپنے قصورواروں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہو کہ اور جن لوگوں کا حال یہ ہو کہ اگر کبھی شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آکر ان سے کوئی ناشائستہ حرکت یا کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہو تو انھیں اللہ اور اس کا عذاب یاد آجاتا ہو، اور پھر وہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتے ہیں اور گناہ کو وہ عادت نہیں بناتے، وہ بھی متقیوں ہی میں شمار ہیں۔

اور یہی آخری بات سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں فرمائی گئی ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ○ (الاعراف ع ۲۴)	جن بندوں کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہو ان کا حال یہ ہوتا ہو کہ جب کبھی شیطان کی طرف سے کوئی چرکا ان کو لگتا ہو (اور وہ خبیث ان پر کمند ڈالتا ہو) تو فوراً ہی ان میں

چونک پیدا ہوتی ہو اور ان کی ایمانی بصیرت بیدار ہو جاتی ہو، (اور پھر وہ اس کے جال سے نکل جاتے ہیں)

اور سورۂ حج میں تقویٰ کا ایک خاص اثر یہ بتلایا گیا ہو کہ جس دل میں تقویٰ ہوگا وہ اللہ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کا بہت ادب اور ان کی بہت تعظیم کرے گا، جیسے اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول، اللہ کی مسجدیں، خاص کر خانۂ کعبہ، اسی طرح اللہ کے نام اور اللہ والوں کا وہ ادب کرے گا، الغرض اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی علیٰ فرق مراتب تعظیم اور ان کا ادب کرنا بھی تقوے کے خاص آثار و علامات میں سے ہو۔ ارشاد ہو۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (الحج ع ۴)

اور جو بندے تعظیم کریں اللہ کے شعائر کی (یعنی اس سے خاص نسبت رکھنے والی چیزوں کی)، تو ان کا یہ ادب و تعظیم کا رویہ ان کے دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہو۔

اور اسی بنا پر سورۂ حجرات میں بارگاہ نبوی کا ادب کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ (الحجرات ع ۱)

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں (از راہ ادب) دبی آواز سے بولتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے جانچ کر انتخاب کر لیا ہو تقوے کے لیے، ان کے لیے اللہ کی معافی ہو اور ثواب عظیم ہے۔

الغرض ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ادب اور اسی طرح اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم تقویٰ کے لازمی اثرات میں سے ہو، جو بے ادب اور بیباک اس سے محروم ہیں، اُن کے دلوں کو تقویٰ کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔

تقویٰ کے آثار اور اہل تقویٰ کے اوصاف کے سلسلہ میں اب صرف ایک آیت اور پڑھ لیجئے!۔
سورۂ ذاریت میں اہل تقویٰ کو جنت اور نعمائے جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہو۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذاریت ع ۱)

یقیناً ہمارے متقی بندے بہشتی باغات میں اور خوش منظر، واں چشموں میں رہیں گے ان کا پروردگار جو خاص نعمتیں ان کو دے گا وہ ان کو (اپنے ہاتھوں سے) وہاں لیں گے، یہ بندے پہلے سے تھے اچھے کام کرنے والے، راتوں کو یہ تھوڑا سوتے تھے (اور زیادہ وقت نماز اور ذکر و دعا وغیرہ عبادات

میں گزارتے تھے، اور سحر کے وقتوں میں پھر اللہ سے معافی اور بخشش کی دعائیں مانگتے تھے

اور اُن کے مالوں میں حصہ تھا ضرورتمند سائلوں اور ہارے ہوئے آفت رسیدوں کا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقوے کے خاص آثار میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کم سوئے، اور اس کی راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی عبادت اس کی یاد اور دعا و استغفار میں گزرے، اور اس کے بعد بھی وہ مطمئن اور بے فکر نہ ہو، بلکہ رات اس طرح گزارنے کے باوجود اپنے کو خطاکار اور قصوروار سمجھتے ہوئے سحر کے وقت اپنے اللہ سے معافی اور بخشش ہی کا سوال کرے۔ اور اپنی دن کی کمائی میں ضرورت مند سائلوں اور ایسے بے دست و پا بندوں کو حصے دار بنائے جو کسی مرض یا کسی اور آفت کی وجہ سے ضروریات کے محتاج ہو گئے ہوں۔

ان سب آیتوں کو جمع کرنے سے تقوے والی زندگی کی ایک مکمل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو تقوے کے نور سے منور فرمائے اور ہماری زندگیوں کو متقیوں والی زندگی بنائے، اور ہمارے ساتھ چلنے والوں اور ہماری آئندہ نسلوں کو بھی تقویٰ نصیب فرمائے۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

معارف الحدیث

مسلسل

توکّل اور رضا بالقضا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہونچنے کے لیے اللہ ہی کے مقرر کیے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہونچتا ہے وہ پانی پہونچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لَو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اُسی سے امید یا خوف ہونا، اور اُسی سے دُعا کرنا، بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں **توکّل** ہے — توکّل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا یہ توکّل کے لیے لازم نہیں ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے

ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ ہی جانتے تھے۔ اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لیے شرط ہے، ہاں اگر غلبہ حال سے اللہ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے، تو قابلِ اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہ کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لیے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لیے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے کوئی بندۂ خدا ترکِ اسباب کا رویہ اختیار کرلے تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثنا کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پر جو بھی اچھے یا برے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ — "ہر چہ از دوست میرسد نیکوست"

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھیے!

(۷۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔

رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ وہ بندگان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے ہیں، اور نہ شگون بد نہیں لیتے ہیں، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لیے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابل اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں، ایک یہ کہ جب وہ خود یا ان کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے تو اس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے۔ (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا... کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون برا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا اس لیے پھر اسکو نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لیے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگون بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لیے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کارفرما اور موثر اسباب نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہذا کسی مقصد کے لیے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگان خدا وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگون بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگونِ بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اُن اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ——— پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لیے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے، اُن کا ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب و تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔[۱]

البتہ توکل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے، اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرزِ عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے۔ یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجۂ اول میں مستحق ہوں گے۔ ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے ——— علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اقول انما وصفهم النبي صلى الله عليه وسلم بهذا لأن بقوله هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون الخ، اعلاماً بأن اثر التوكل ترك الاسباب التي نهى الشرع عنها لا ترك الاسباب التي منها الله تعالى لعباده۔ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲ / ۲۲۰

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے، بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہونچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی جڑ جائے۔

(۸۷) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصاً وتروح بطاناً (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں جیسا کہ انھیں کرنا چاہیے تو اللہ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو بہت سے رزق دیتا ہے کہ انھیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے۔ صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں۔ اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہونچائے اور انھیں زیادہ کد و کاوش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہے۔

(۸۹) عن عمرو بن العاص قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنَّ قلبَ ابنِ آدمَ بکلِّ وادٍ شعبۃٌ فمن اتبعَ قلبَہ الشعبَ کلَّہا لم یبالِ اللّٰہُ بایِّ وادٍ اھلکہ ومن توکّل علی اللّٰہ کفاہُ الشعبَ۔

(رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے دل کے لیے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان

میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگادے گا اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروا نہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اس کے سپرد کردے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنادے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کے لیے کفایت کرے گا۔ (اور اس کو دل کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہے)

(تشریح) حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جاچکا ہے، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور اس پر توکل اور اعتماد کرے اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گزارے اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جد و جہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کردے، پھر اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۸۰) عن ابن عباس قال كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يوماً فقال يا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔

(رواہ احمد و الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا۔ اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہیے اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب

تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہونچائے تو صرف اسی چیز سے تجھ کو نفع پہونچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر دی ہو، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دُنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہونچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہونچا سکے گی جس سے نقصان پہونچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لیے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہونچایا جا سکے گا، اٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔

(مسند احمد و ترمذی)

تشریح، حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہو کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہو، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان، یا دکھ یا آرام پہونچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اُس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو، اور قلمِ تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہو، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہو ـــ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لیے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہو۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لیے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ اور اس سے لینے کی صورت یہ ہو کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمھاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہو کہ "تقدیر کا مطلب کیا ہو اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہو۔ اس لیے اس شبہ اور وسوسہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارہ میں خلجان ہو تو معارف الحدیث جلد اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

(۸۱) عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَيْسَ مِنْ شَيْئٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْئٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے۔ مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہونچا چکا ہوں) اور الرُّوْحُ الْاَمِيْن نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہونچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمھیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت

گزاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(شرح السنۃ، شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہونچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امین نے اس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طور پر متوجہ کرنے کے لیے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہونچائی ہے تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے۔ وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہیے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اس کے حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اللہ کا فضل و انعام، اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجیے اللہ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھا لے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہونچنے والی ہے وہ پہونچ کے رہے گی پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر، اور اپنی روح کو ناپاک اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَأٰی مَا

بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ إِلَى الْبَرِّيَّةِ فَلَمَّا رَأَتِ امْرَأَتُهُ قَامَتْ إِلَى الرَّحٰى
فَوَضَعَتْهَا وَإِلَى التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتِ اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ
فَإِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ إِلَى التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا
قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ أَصَبْتُمْ بَعْدِيْ شَيْئًا قَالَتِ امْرَأَتُهُ نَعَمْ مِنْ
رَبِّنَا وَقَامَ إِلَى الرَّحٰى فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
أَمَا إِنَّهُ لَوْ لَمْ يَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ —

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہونچا جب اُس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دُعا کرنے کے لیے) جنگل کی طرف چلدیا، جب اس کی نیک بیوی نے دیکھا (کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے اس نے تیاری شروع کردی،) وہ اُٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا، (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جاسکے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک ہمیں رزق دے! — اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لیے جو جگہ بنی ہوتی ہو (جس کو چکی کا گرانڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں،) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہو، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہو (اور جتنی روٹی اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ — بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہو (یعنی براہ راست خزانہ غیب سے اس طرح ملا ہو) یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اُٹھا کر دیکھا، یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اُٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے۔ اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے اور اگر ان کے کسی متبع امتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالےٰ نے اُن کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لیے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آ گیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں اُن کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں، لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے اُن کے لیے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (سورہ طلاق) اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کے لیے اور اس کے کام بنانے کے لیے کافی ہے۔

(از، ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی)

دوسری اور آخری قسط

۳

تمام انسانی افعال میں جنگ سب سے زیادہ بہیمانہ فعل ہے۔ میدانِ جنگ میں انسان اپنی اشرف المخلوقات کی خلعت اتار کر رکھ دیتا ہے اور جنگلی درندوں کا جامہ پہن لیتا ہے۔ لیکن چوں کہ آنحضرت صلعم ایک مقدس فرض ہی کے طور پر تلوار اٹھانا جائز سمجھتے تھے اس لیے آپ نے تمام وحشیانہ طریقوں کی ممانعت کردی اور ایسی اصلاحیں جاری فرمائیں کہ سفاکی، بیدردی اور درندگی کی جگہ عدل و رحم کے جذبات میدانِ جنگ کے بھی اوصاف بن گئے۔

اچانک حملہ کر بیٹھنا یا حملہ آوری میں پیش دستی کرنا زمانۂ قدیم میں بھی بہترین جنگی قیادت کا لب لباب سمجھا جاتا تھا اور آج بھی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلعم کا دستور اس کے خلاف تھا اور اس میں آپ کی مصلحت صرف یہی نہیں تھی کہ مسلمانوں پر میدانِ جنگ میں پیش قدمی کرنے کا الزام نہ آنے پائے بلکہ ایک اس سے کہیں زیادہ اہم نکتہ بھی ملحوظ ہوتا تھا اور وہ یہ کہ دشمن کو جنگ و امن کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے اور اگر آخری لمحہ میں بھی وہ صلح کو جنگ پر ترجیح دینا چاہے تو کوئی چیز مانع نہ ہو۔

چناں چہ جیسا کہ سوانح کے ابواب[1] سے واضح ہو گیا ہو گا جن غزوات میں اسلامی افواج کی

[1] الفرقان جیسا کہ پہلی قسط میں بتلایا جا چکا ہے کہ یہ مقالہ مختلف ابواب سیرت کا ایک باب ہے۔ یہاں مصنف کا اشارہ

قیادت آپ خود فرما رہے ہوتے تھے ان میں میدانِ جنگ میں صفیں آراستہ کرنے کے بعد آپ کل مجاہدین کو صاف حکم دیدیتے تھے کہ جب تک دشمن کی فوجیں بالکل قریب نہ آجائیں اپنی جگہ سے کوئی نہ بڑھے۔ اور جن مہموں میں آپ خود شریک نہ ہوتے تھے ان میں افواج کو رخصت کرتے وقت آپ اسی قسم کی ہدایات فرمادیا کرتے تھے۔ مثلاً سنہ ھ میں حضرت علی تین سو سواروں کے ساتھ عازم یمن ہوئے تو رسول اللہ صلعم نے ان سے فرمایا کہ "جب تم وہاں پہونچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا[۱]۔ اسی طرح حضرت معاذ بن انس سے روایت ہو کہ "میں فلاں غزوہ میں آپکے ساتھ تھا لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر تنگ کیا اور لوٹا مارا۔ آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کردی کہ جو دوسروں کو ان کے گھروں میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں[۲]"

یہ ایک پُرانا مقولہ ہو کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہو مگر جس کا فرض زندگی کے ہر شعبہ میں جائز و ناجائز کی دائمی تحدید ہو اس کی نظر میں اس طرح کے شاعرانہ مقولے کچھ وقعت نہیں پاسکتے۔ آنحضرت صلعم نے جنگ میں ضعیفوں، عورتوں، بچوں، ملازموں اور غلاموں کے قتل کی قطعی ممانعت کردی تھی۔ اور جب مسلمانوں کی فوجیں غنیم کی آبادیوں میں داخل ہوتی تھیں تو انھیں عام طور پر یہ حکم دیدیا جاتا تھا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں یا کسی اور طریقہ سے مقابلہ میں نہ آنے کا ارادہ ظاہر کردیں انھیں مکمل امان دیا جائے۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ جب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر نے شام کی طرف فوج روانہ کی تو اس کے نام یہ تاریخی فرمان جاری کیا۔ "دشمنوں سے تمھارے معاہدوں میں جھوٹ یا فریب نہ ہونا چاہیئے۔ ہر معاملہ میں ایماندار رہو تاکہ تمھاری صداقت اور اعلیٰ ظرفی ثابت ہوجائے۔ اپنے وعدوں اور اپنی باتوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ راہبوں اور سنیاسیوں کے سکون میں خلل نہ ڈالو۔ اور ان کے مسکنوں کو مسمار نہ ہونے دو[۳] ....

....

[۱] ماخوذ از سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۶۰۵۔ [۲] ایضاً صفحہ ۶۱۲۔ [۳] لاکوارٹرلی ریویو ۱۹۰۸ء (ماخوذ از اسلام اینڈ سولائزیشن مصنفہ خواجہ کمال الدین، صفحہ ۷۵)

مشہور انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ تحریر کرتے ہیں کہ "ابو بکرؓ نے شام میں اپنی فوجوں کو حکم دیدیا تھا کہ نہ تو مُردوں کے چہرے بگاڑیں، نہ بڈھوں عورتوں اور بچوں کو قتل کریں، نہ پھلدار درختوں کو گرائیں اور نہ ان کے جانوروں کو ماریں علاوہ اس کے کہ کھانے کے لیے ضرورت ہو اور ان کریمانہ اصولوں نے مسلمانوں کی ساری جنگی تاریخ میں جنگی ضوابط کا کام دیا۔"[۵]

اور فنلے نے لکھا ہو کہ "اس فرمان نے یہودیوں اور عیسائیوں کو انصاف وحلم و بردباری کے ایسے اصولوں کا مژدہ سنایا جن پر نہ تو رومی شہنشاہوں اور نہ سخت عقیدہ پادریوں اور پوپوں نے کبھی عمل کیا تھا۔"[۶]

یہاں ایک نظر دشمنوں کے ساتھ سلوک کے اس انداز پر بھی ڈال لینا چاہیے جس کی تعلیم یہود کی شریعت میں پائی جاتی ہو۔ اور جس پر ان کا عمل تھا۔ کتاب توراۃ کے باب گنتی کی یہ سطریں ملاحظہ ہوں:۔

"بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا۔ ان کے مویشی، اور بھیڑ بکری اور مال ومتاع سب لوٹ لیا اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے تمام قلعوں کو پھونک دیا۔" (۹ - ۳۱)

"تم ان کے کل بچوں کو قتل کر دو اور ہر عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہے جان سے مار دو۔" (۱۸ - ۳۱)

"لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لیے زندہ رکھو۔" (۱۹ - ۳۱)

اور ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید کے ان چند اقتباسات کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"اس نے پچاس ہزار سیاہ فام دشمنوں کو لڑائی میں موت کے گھاٹ اتارا۔" (منڈل ۴ منتر ۱۶)

"ہم نے داسوں (غلاموں) کے جسموں کو دو حصوں میں قطع کر ڈالا۔ قضا وقدر نے ان کو اسی لیے پیدا کیا تھا۔" (منڈل ۱۰ - منتر ۴۹)

---

[۵] ایضاً صفحہ ۲۱۸ [۶] فنلے۔ گریس انڈر دی رومنس، صفحہ ۳۶۷

"وہ اندر راجس نے ورترا کو قتل کیا اور قصبے کے قصبے اور گاؤں کے گاؤں تہ وبالا کر ڈالے"

(منڈل ۲۔ منتر ۲۰)

اسیران جنگ پر ظلم کے پہاڑ توڑنا اس زمانہ کی تمام قوموں میں ایک معمولی بات تھی اور اس سفلانہ رواج میں بھی عرب کسی سے پیچھے نہ تھے۔ آنحضرت صلعم نے جنگی قیدیوں کی بابت تاکید کی کہ انہیں امن، عزت اور آرام کے ساتھ رکھا جائے۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ لوگ اہل مکہ تھے اور ان کی اسلام دشمنی کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ اور زبان سے رسول اللہ صلعم اور اکثر اکابر صحابہ کو مختلف قسم کی اذیتیں پہونچائی تھیں۔ چنانچہ آپ نے مناسب جانا کہ ان کے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے۔ صحابہ میں رائے کا اختلاف ہوا۔ ایک گروہ حضرت ابوبکر صدیق کا ہم خیال تھا جن کی رائے تھی کہ قیدیوں کو جرمانہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو جنگی ساز و سامان کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ جرمانہ کی رقم اس سلسلہ میں بہت مفید ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ رہا ہونے کے بعد اکثر قیدیوں کے ایمان لے آنے کا بھی امکان تھا۔ صحابہ کا دوسرا گروہ حضرت عمر فاروق کی اس تجویز سے متفق تھا کہ کل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے کیونکہ وہ سب کے سب کفر اور شرک کے امام اور پیشوا تھے۔ نہ جانے کتنے مسلمانوں کا خون ان کی گردنوں پر تھا۔ اب موقع تھا کہ ان معصوم شہدا کا قصاص لیا جائے۔ حضرت ابوبکر کی رائے چونکہ نرم دلی پر مبنی تھی اس لیے رحمۃ للعالمین کو وہی پسند آئی۔ آپ نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے جو جرمانہ ادا کر دیں وہ رہا کر دیے جائیں اور جو مقدرت نہ رکھتے ہوں انھیں مدینہ لے چلا جائے۔ مدینہ پہونچ کر جب یہ قیدی صحابہ کے حوالہ کیے گئے تو آپ نے تاکید فرمادی کہ ان کو کھانے پینے یا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ انہی قیدیوں سے روایتیں ہیں کہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے اور ان کو کھانا کھلاتے تھے۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار اسیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ آپ نے ان سب کو بلا معاوضہ رہا فرمادیا اور ان کے پہننے کے لیے چھ ہزار جوڑے عنایت فرمائے۔ اسیران جنگ کی غیر مشروط رہائی کا یہ کوئی تنہا واقعہ نہ تھا۔ سیرت پاک میں اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

قاضی سلیمان منصور پوری کا کہنا ہو کہ احادیث کی کتابوں میں ایک واقعہ قیدیوں کے تبادلہ کا بھی پایا جاتا ہو۔[1] گویا آپ نے چودہ سو برس قبل ایک ایسے معاملہ کو قابل عمل ثابت کردیا تھا جس پر کامیابی کے ساتھ عمل پیرا ہونا آج کی مہذب ترین قوموں کے لیے دشوار ہو رہا ہو۔

دوران جنگ میں دشمن کے مال واسباب کو لوٹنے کا رواج عام تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا۔ ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہو کہ ہم لوگ ایک مہم پر گیے ہوئے تھے کہ تنگدستی کے ہاتھوں سخت پریشانی میں مبتلا ہو گیے۔ راستہ میں اتفاق سے بکریوں کا ایک ریوڑ نظر آیا تو سب لوگ بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ موقع پر تشریف لائے۔ اس وقت تک گوشت ہانڈیوں میں چڑھایا جا چکا تھا۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، اس سے آپ نے ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا "لوٹ کے گوشت اور مردار گوشت میں کوئی فرق نہیں ہو"[2]

مفتوحہ ملک سے جو مال و دولت ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا حق سمجھا جاتا تھا اور عیش وعشرت کے چراغ روشن کرنے اور رقص وسرود کی محفلیں گرم کرنے کے کام میں لایا جاتا تھا، اور دربار کے امراء اس سے حسب حیثیت مستفید ہوتے تھے۔ آپ نے بحکم خداوندی اس میں محتاجوں، بے بسوں اور لاوارثوں کے حقوق مقرر فرمائے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ	"اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں
فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ	حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہو اور
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ	رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا
وَابْنِ السَّبِيلِ (الانفال)	اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔"

(۴)

دنیا میں دلیری اور شجاعت اور جنگجوئی اور سپہ سالاری کے عظیم الشان کارناموں کی کمی نہیں ہے۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں کرۂ ارض کے مختلف حصوں سے ایسی زلزلہ بردوش ہستیاں نمودار ہوتی

---

[1] رحمۃ للعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۱۹۳　[2] سنن ابی داؤد۔ کتاب الجہاد۔

رہی ہیں جنھوں نے اپنی تلواروں کی نوکوں سے دنیا کے طبقے الٹ دیئے ہیں، لیکن کیا کبھی ان کی فتح و نصرت کی داستانیں روح انسانی کے نہاں خانوں میں بھی سنی گئی ہیں؟ کیا ان کی تلواریں اوہام اور خیالات فاسدہ کی بیڑیاں کاٹ کر تہذیب و معاشرت کا کوئی نیا خاکہ کبھی پیش کر سکی ہیں؟ اور کیا کبھی کسی سکندر یا چنگیز یا نپولین کی قوت بازو کے صدقہ میں انسانیت کو اس کے قلب و روح کی سیاہی، ناپاکی اور زنگ آلودگی سے نجات مل سکی ہے۔

برخلاف اس کے انبیا علیہم السّلام کے پیش نظر ہمیشہ ہمارے باطن کی اصلاح رہی ہو۔ انھوں نے ہماری روحانی و اخلاقی خامیوں اور بیماریوں کے علاج بہم پہونچائے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ "تن کی دنیا" دراصل "من کی دنیا" ہی کی آواز بازگشت ہو اور جب تک انسانوں کے ادراک و احساس و اخلاق کو سنوارا نہ جائے دنیا کا سنورنا محال ہے۔

چنانچہ نبی اور فاتح کے منصبوں میں بڑا فرق ہے۔ نبی اگر سر پر خود پہن کر اور ہاتھ میں تلوار لے کر میدان جنگ میں آتا بھی ہو تو اسکی مثال اس ماہر جراحت کی ہوتی ہے جو ہاتھوں میں مختلف قسم کے نشتر لے کر آپریشن کی میز کے پاس جاتا ہے۔

متعدد بار صحابۂ کرام نے یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ معرکۂ کارزار گرم ہے۔ تیروں کی بارش ہو رہی ہو، تلواریں چمک رہی ہیں، سر تن سے جدا ہو رہے ہیں اور رسول اللہ صلعم کا سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے۔ توکل کی سپر، دعاؤں کے تیر، یقین کی زرہ، صداقت کی شمشیر۔ یہ ہیں ایک نبی کے اسلحہ خانے کے اصلی آلاتِ حرب۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہو کہ تمام غزوات میں ایک بار بھی آنحضرت صلعم کا دستِ مبارک خون آلود نہیں ہوا۔

---

(۵)

اب آیئے ایک نظر غزوات نبویؐ پر بھی ڈال لیجیے۔ آپ کے کل غزوات اور سرایا کی تعداد، مشہور سیرت نگار نبوی قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق کی رو سے بیاسی ۸۲ ہے اور ان سب میں طرفین کے مجموعی نقصانات کا جو نقشہ انھوں نے پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:[۵۱]

۵۱۔ رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۲۶۹۔۲۷۰

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	کل	کیفیت
مسلمان	۱	۱۲۷	۲۵۹	۳۸۷	ہر دو جانب کے زخمیوں کی تعداد قطعی نہیں ہے۔
مخالف	۶۵۶۴	---	۷۵۹	۷۳۲۳	اسیروں اور مقتولوں کی تعداد انشاء اللہ صحیح ہے۔
میزان	۶۵۶۵	۱۲۷	۱۰۱۸	۷۷۱۰	

تبلائیے کہ جن جنگوں کے مجموعی نقصانات کے اعداد شمار یہ ہوں ان کی بابت یہ کہنا کہ عرب جیسے جنگجو اور رزم پیشہ ملک میں صدیوں پرانے مذہبی اعتقادات پر اسلام کے غالب آنے کا اصلی راز ان ہی میں پوشیدہ ہے! کہاں تک قرین عقل و صداقت ہے؟

پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ یہ جنگیں کن حالات میں پیش آئیں اور کیا اسباب تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانے پر مجبور کیا؟

صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد قریش مکہ اس حقیقت کو شدت سے محسوس کرتے رہے کہ اسلام کا وقتی طور پر ان کی سرزمین سے ہٹ جانا کسی طرح ان کے مذہبی عقاید و رسوم کی حفاظت و بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اسلام کو مدینہ میں جڑ پکڑنے کا موقع مل گیا تو رفتہ رفتہ اس کی شاخیں مکہ پر ضرور اپنا سایہ ڈالیں گی اور پھر عرب میں جو سیاسی تفوق اور روحانی سرداری ان کو حاصل ہے اس کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو ان کے نئے مسکن میں بھی سکون سے نہ بیٹھنے دیا جائے۔ وہ ایک طرف تو خود مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑکایا کہ اگر یہ نیا گروہ کامیاب ہو گیا تو تم فنا ہو جاؤ گے۔

یہ واقعہ تو نظر سے گزر چکا ہو گا کہ جب بیعت عقبہ میں انصار آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا تھا کہ "بھائیو! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے اعلانِ جنگ ہے۔" گویا یہ حقیقت کسی سے چھپی نہ تھی کہ اسلامی مرکز کا مکہ سے مدینہ منتقل ہونا مشرکین عرب کے نزدیک ایک چیلنج تھا۔ چنانچہ ہجرت کے فوراً بعد ہی قریش نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی کو کہلا بھیجا تھا کہ "محمدؐ کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم خود وہاں آکر تم اور محمدؐ دونوں کا فیصلہ کر دینگے۔"

اس صورت میں یہ لازمی تھا کہ مدینہ کی حفاظت کی تدبیریں اختیار کی جائیں۔ حفاظت کا حتی الامکان پورا انتظام نہ کرنا صرف اسلام کے وجود ہی کو سخت خطرہ میں ڈال دیتا بلکہ اہل مدینہ کے ساتھ بدعہدی کا بھی مرادف ہوتا اور پھر جو قلم آج نبی صلعم کے تلوار اٹھانے کے خلاف اوراق اور جلدیں سیاہ کر رہے ہیں آپ کے تلوار نہ اٹھانے پر نکتہ چینی کرتے ہوتے۔

ٹامس کارلائل نے ان واقعات پر یوں تبصرہ کیا ہو:۔ "اب تک محمد نے اپنے دین کی اشاعت صرف تبلیغ اور تلقین ہی کے ذریعہ کی تھی۔ لیکن اب بیرحمی کے ساتھ اپنے آبائی وطن سے نکال دیے جانے کے بعد ــــ جب کہ غیر منصف انسان نے صرف ان کے آسمانی پیغام اور ان کے دل کی پکار کو سننے ہی سے انکار نہیں کر دیا تھا بلکہ اپنی بات پر قائم رہنے کی پاداش میں ان کے خون کا بھی پیاسا ہو گیا تھا ــــ صحرا کے اس تہذیب نا آشنا فرزند نے ایک مرد اور ایک عرب کی طرح اپنے تحفظ کا ارادہ کیا۔"[۱]

---

[۱] آن ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، صفحہ ۶۱

ایک مقدس وقف اور اس کا متولّی

(از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

گذشتہ شمارہ میں مولانا کے تبلیغی دورہ کی ایک تقریر ہدیۂ ناظرین کی گئی تھی اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اس سلسلہ کی بعض اور تقریریں آئندہ اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔ حسب وعدہ دو تقریریں اس شمارہ میں پیش کی جارہی ہیں۔ ایک یہ اور ایک حضرت مدیر الفرقان زید مجدہم کی۔ (ع۔س)

دوستو! اور بھائیو! اس وقت ہمارے ملک میں جلسوں اور مجلسوں کا اچھا خاصا رواج ہے لیکن یہ جلسے اور مجلسیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو بالکل ذاتی غرض اور مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہیں۔ خواہ اُس کے پیچھے کوئی جماعت و سیاسی پارٹی کام کرتی ہو یا کسی جماعت یا پارٹی کا نام لیا جاتا ہو، اس کی روشن مثال الکشن کے جلسے ہیں۔ الکشن کی بدولت قصبے قصبے، گاؤں گاؤں جلسے ہوتے ہیں اور اس کے لئے سخت جدوجہد کی جاتی ہے۔ وقت صرف کیا جاتا ہے اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ جو لوگ کسی نشست کے لئے کھڑے ہوتے ہیں وہ ووٹ دینے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انتخاب کے لئے موزوں ترین اور لائق ترین آدمی ہیں۔ ان جلسوں میں زندگی کے اصول اور اخلاق اور اچھا شہری بننے کی تعلیم نہیں دیجاتی اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دئے جائیں۔ اُن کے نزدیک وہی لوگ قابل تعریف ہیں اور انہیں کی زندگی کی قیمت ہے جو اُن کی حمایت کریں اور ان کو ووٹ دیں خواہ وہ اخلاقی حیثیت سے پست اور اصول و سیرت اور کردار کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کے انسان ہوں۔

دوسری قسم کے جلسے وہ ہوتے ہیں جو مذہبی رسوم یا معاشرتی (سوشل) تقریبات کے

سلسلہ میں منعقد ہوتے ہیں۔ اس طرح کے جلسے مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی لیکن افسوس کی بات ہے کہ مذہبی جلسے جو کبھی قوموں میں زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتے تھے اور اصلاح و انقلاب کا پیغام دیتے تھے اب کوئی پیغام اور پروگرام نہیں رکھتے، اسی طرح سے وہ معاشرتی تقریبات جن سے کبھی اصلاح اور اجتماعیت کا کام لیا جاتا تھا ایک طرح سے بے روح اور بے جان ہو گئی ہیں اور لگے بندھے نظام کے ماتحت ہونے لگی ہیں۔ ان جلسوں میں لوگ جو ذہن لے کر آتے ہیں وہی ذہن لے کر جاتے ہیں، ان میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان جلسوں کی شرکت سے ایک قسم کا اطمینان پیدا ہوتا ہے ان میں شریک ہونے والا سمجھنے لگتا ہے کہ شرکت سے وہ ہلکا اور پاک ہو گیا اور اس نے جو پاپ کئے تھے وہ دھل گئے۔ آج مذہب سے انسانوں کے دل و دماغ پر چوٹ نہیں لگتی مذہبی تقریبات کی شرکت سے اطمینان اور سکون اور بڑھ جاتا ہے، حالانکہ مذہب غلط زندگی کا حریف ہے، اس کا سمجھوتہ خرابیوں، پاپ اور بداخلاقیوں سے ناممکن ہے۔ پہلے غلط قسم کی زندگی گذارنے والے ان جلسوں سے کتراتے تھے کہ کہیں مذہب ان کی حرکتوں پر تنقید نہ کرے۔ قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم ناپ تول میں کمی نہ کرو، تم ڈنڈی مارتے اور کم تولتے ہو، تم گاہک سے زیادہ سے زیادہ لینے کی فکر میں رہتے ہو اور اس کو کم سے کم دینے کی کوشش کرتے ہو یہ بہا پاپ ہے! قوم نے جواب دیا کہ کیا تمہاری نماز تم کو اس کی تعلیم دیتی ہے کہ تم ہمارے اس طرز عمل پر اعتراض کرو اور ہم کو اپنے مال میں آزادانہ کارروائی کرنے سے روکو؟! قوم نے تشخیص ٹھیک کی، یہ سب رکاوٹیں نماز ڈالتی ہے اور زندگی میں غلط اور صحیح کی تمیز کراتی ہے .... ایک صحیح اور زندہ مذہب زندگی کی غلطیوں اور گناہوں پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

بھائیو! ہمارا یہ جلسہ نئے طرز کا ہے، یہ نہ الکشن کے جلسوں میں کا کوئی جلسہ ہے نہ مذہبی تقریبات سے کوئی تقریب ہے، ہم اس جلسہ میں کوشش کریں گے کہ بتائیں کہ زندگی کا صحیح راستہ کیا ہے؟ اور انسان پستی میں کیوں گر گیا ہے؟

آپ جب کوئی کام کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کس نیت سے کیا جائے۔

اور اس معاملہ میں آپ کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تہہ میں یہ بنیادی حقیقت کام کر رہی ہے کہ انسان نے دنیا میں اپنے کو کیا سمجھا اور اس کو کیا مقام اور پوزیشن حاصل ہے؟ اگر یہی بات صحیح سمجھ لی گئی تو ہر کام ٹھیک ہوگا اور اگر اسی منزل پر غلطی ہو گئی تو غلطی ہوتی ہی چلی جائے گی۔

دوستو! اسلام نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب، خلیفۃ اللہ اور دنیا کا ٹرسٹی ہے، دنیا ایک وقف ہے اور انسان اس کا متولی، اس کے ذمہ یہاں کا انتظام اور ہدایت کا کام ہے۔ دنیا میں چھوٹے بڑے بہت سے وقف ہوتے ہیں، یہ سارا عالم، یہ ساری کائنات ایک عظیم الشان وقف (ٹرسٹ) ہے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت، یا کسی کے باپ، دادا کی جائداد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے کھائے اڑائے۔ اس وقف میں جانور، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ، سونا چاندی، سامان خوراک اور دنیا کی تمام نعمتیں ہیں۔ یہ سب انسان کے حوالے کی گئی ہیں کیونکہ وہ ان کے مزاج سے بھی واقف ہے اور ان کا ہمدرد بھی۔ انسان خود اسی ٹرسٹ کی مٹی سے بنا ہے اور اسی خاک کا ہے اور منتظم کے لئے واقفیت وعلم اور ہمدردی وتعلق دونوں شرط ہیں۔ انسان دنیا کے نفع ونقصان سے بھی واقف ہے اور اس کے اندر اس کی ضروریات بھی رکھی گئی ہیں اس لئے وہ اچھا ٹرسٹی بن سکتا ہے۔

مثال کے طور پر لائبریری (کتب خانہ) کا انتظام وہی اچھا کر سکتا ہے جس کو علم کا شوق ہو اور کتابوں سے لگاؤ اور دلچسپی ہو، اگر کسی کتب خانہ کا انتظام کسی جاہل کے سپرد کر دیا گیا، چاہے وہ کتنا ہی شریف اور اچھا آدمی ہو وہ بہترین لائبریرین نہیں بن سکتا لیکن جس کو علم کا شوق ہوگا اور کتابوں سے مناسبت، وہ اس میں کافی وقت صرف کرے گا۔ اس کے ذخیرہ میں معقول اضافہ کرے گا اور اس کو ترقی دے گا۔

اسی طرح انسان چونکہ اسی دنیا کا ہے اس کو اس سے دلچسپی بھی ہے اور وہ اس کا ضرورتمند بھی ہے، اس سے واقف بھی ہے اور اس کا ہمدرد بھی، اس کو اسی میں رہنا بھی ہے اور اسی میں مرنا بھی لہٰذا وہ اس کی پوری دیکھ بھال کرے گا اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکانے لگائیگا یہ کام اس کے علاوہ اور کوئی اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔

جب حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا، فرشتے جو پاک اور روحانی مخلوق ہیں، جو نہ گناہ کرتے ہیں نہ گناہ کی خواہش رکھتے ہیں. بولے کہ اے مالک آپ ایسے کو اپنا نائب بنا رہے ہیں جو دنیا میں خون خرابہ کرے گا۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں یہ منصب ہم کو عطا فرما۔ خدا نے جواب دیا، تم اس بات کو نہیں جانتے ہو۔ خدا نے آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا۔ چونکہ آدم اسی خاک کے تھے ان کو دنیا استعمال کرنی تھی، اُن کی فطرت کو اس سے مناسبت تھی اس لئے وہ اس کی ایک ایک چیز سے واقف تھے، انھوں نے ٹھیک جواب دیا۔ فرشتوں کو ان چیزوں سے واسطہ نہ تھا اس لئے جواب نہ دے سکے، اس طرح خدا نے دکھا دیا کہ دنیا کے انتظام اور اس وقف کی تولیت کے لئے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود انسان ہی موزوں ہے۔ بلکہ یہ کمزوریاں اور ضرورتیں ہی اس کو اس منصب کا اہل ثابت کرتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں فرشتے ہوتے تو دنیا کی اکثر نعمتیں بیکار رہی ثابت ہوتیں اور ان کی وہ ترقی ہرگز نہ ہوتی جو انسان نے اپنی ضرورت اور خواہش کی بنا پر دی۔

لیکن یہ بھی آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ نائب اور قائم مقام کا فرض ہے کہ قائم مقام بنانے والے کی پوری پوری پیروی کرے، وہ اس کے اخلاق کا نمونہ اور پرتو ہو، اگر میں یہاں کسی کا قائم مقام ہوں تو کامیاب اور وفادار قائم مقام اُسی وقت کہلاؤں گا جب اپنی بساط بھر اس کی نقل کروں اور اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کروں۔ خدا کی نیابت یہ ہے کہ اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کئے جائیں اور اُس کی صفات سے مناسبت ہو، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اس کی صفات و اخلاق میں علم، رحمت، شکر، احسان، انتظام، پاکبازی، عفو و درگذر، بخشش و عطا، عدل و انصاف، حفاظت و نگرانی، محبت، جلال و جمال، مجرمین سے گرفت و انتقام، جامعیت وسعت ہے، خدا کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو تعلیم دی کہ خدا کے اخلاق اختیار کرو (تخلقوا باخلاق اللہ)، انسان اپنے محدود انسانی دائرے میں اور اپنی تمام بشری کمزوریوں کے ساتھ ان اخلاق خداوندی اور ان صفات اللہ کا پرتو اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہوسکتا لیکن دنیا میں خدا کے اخلاق کا مظاہرہ کرسکتا

ہے اور یہی ایک سچے نائب کا کام ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر انسان حقیقی طور پر اپنے کو خدا کا نائب سمجھنے لگے اور اخلاق خداوندی کو اپنی زندگی کا معیار بنائے تو خود اس کی ترقی و بلندی اور اس کے دور خلافت و نیابت میں دنیا کی خوش حالی اور سرسبزی کا کیا حال ہوگا؟ مذہب انسان کا بلند ترین اور معتدل ترین تصور بخشتا ہے۔ وہ انسان کو خدا کا نائب اور اس زمین کے انتظام میں اس کا قائم مقام اور اس عظیم الشان وقف کا اس کو متولی قرار دیتا ہے، اس سے بڑھ کر انسان کا اعزاز اور انسانیت کی معراج نہیں ہو سکتی۔

مگر انسانوں نے خود دو متضاد تصور قائم کیے۔ کہیں تو انسان کو خدا بنایا گیا اور اس کی عبادت ہونے لگی اور کہیں جانور سے بدتر سمجھ لیا گیا اور اس کو گائے بیل کی طرح ہنکایا جانے لگا بعض انسان خود خدا بن بیٹھے اور بعض اپنے کو جانور سے بدتر سمجھنے لگے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف پیٹ سے کام ہے اور صرف نفس دیا گیا ہے، یہ دونوں تصور غلط ہیں بلکہ صریح ظلم ہے، نہ انسان خدا ہے نہ جانور، انسان انسان ہی ہے لیکن نائب خدا، ساری دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ خدا کے لئے، ساری دنیا اس کے سامنے جواب دہ ہے اور وہ خدا کے سامنے، یہ زمین یہ دنیا کسی کی ذاتی جائداد نہیں، ایک وقف ہے اور انسان اس کا متولی۔ اس تصور اور اس عقیدے کے بغیر دنیا کی چول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی تاریخ کی شہادت ہے کہ جب انسان اس راہ راست سے ہٹا اور اپنی حد سے بڑھا اور خدا بننے کی کوشش کی اور اپنے کو دنیا کا حقیقی مالک سمجھا یا اپنے مرتبے سے گرا اور اپنے کو جانور سمجھا یا دنیا کے انتظام اور تولیت سے دست بردار ہوا اور زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے اس نے گریز کیا تو خود بھی برباد ہوا اور یہ دنیا بھی تباہ ہوئی۔

آج یورپ جس کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے اور وہ انسانیت کا لیڈر بنا ہوا ہے۔ اس نے حیوانیت کے درجہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے انسان کا جماداتی تصور پیش کیا۔ وہ کہتا ہے کہ انسان روپیہ ڈھالنے کی مشین اور ایک کامیاب ٹکسال ہے۔ البتہ اس کے اندر خواہشات ہیں لیکن سراسر حیوانی، کاش کہ وہ انسان کو صرف ایک مشین ہی رہنے دیتا جس کے اندر اپنی کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ مشین بھی ہے اور خود غرض بھی اور مردم آزار بھی، یورپ کے اس دور قیادت میں سارا عالم ایک بے جان فیکٹری

بنتا جاتا ہے جس میں کبھی کبھی بڑا خطرناک ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ اس مشینی دور میں لطیف انسانی جذبات و احساسات، انسان سے ہمدردی، دل کا گداز ڈھونڈھنے سے نہیں ملتا، اس ٹکسال میں کہیں خدا کا نام نہیں!! اس کی سچی طلب، دل سوزی نہیں۔ نہ آنکھوں میں نمی ہے نہ دل میں گرمی، نہ انسانیت کی لطافت ہے، نہ قلب و روح کی حرارت۔ حالانکہ جس دل میں محبت اور معرفت نہیں وہ انسان کا دل نہیں، پتھر کی سل ہے، جس آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے وہ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے۔

اب سوائے روپیہ، پیٹ اور اغراض کے کچھ نہیں۔ میں اپنے شہر میں صبح ٹہلنے نکلتا ہوں تو مختلف پارٹیوں اور دوستوں کی ٹولیوں کے پاس سے گذرنا ہوتا ہے، اِدھر سے دو آدمی گذر رہے اُدھر سے چار آدمی آئے لیکن برسوں حسرت رہی کہ ان مسلمان اور ہندو بھائیوں سے کچھ اور سنوں لیکن سوائے اس کے اور کچھ سننے میں نہیں آتا کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ آپ کی بالائی آمدنی کیا ہو جاتی ہے؟ آپ کا تبادلہ کہاں ہو رہا ہے، فلاں افسر بد مزاج ہے، فلاں افسر بہت اچھا ہے، بیٹے کی شادی میں اتنا خرچ ہوا، بیٹی کو اتنا جہیز دیا، ہمارا فنڈ اتنا جمع ہے۔ فلاں کا بینک میں اتنا حساب ہے اور اب تو کرکٹ کا دور دورہ ہے، ہر جگہ کرکٹ کا تذکرہ۔ ہر جگہ کھیلنے والوں پر تبصرہ! میں کھیل کا مخالف نہیں خود بھی کھیلا ہوں اور اس کا ذوق رکھتا ہوں، ورزشوں اور مردانہ کھیلوں کو مفید اور ضروری سمجھتا ہوں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی زندگی کا ایک موضوع بن کر رہ جائے اور صبح سے شام تک اس کے تذکرہ سے فرصت نہ ہو، آپ نے سُنا ہوگا کہ پاکستان میں ایک صاحب کا اس خبر سے ہارٹ فیل ہو گیا کہ ایک کھلاڑی ۹۹ رن بنا کر آؤٹ ہو گیا اور سنچری نہ بنا سکا۔ ہم نے بعض سفروں میں دیکھا ہے کہ دو دو تین تین گھنٹے تک مسلسل کرکٹ کی ٹیم اور اُس کے کھیل پر تبصرہ ہوتا رہا، ایک منٹ کے لئے بھی موضوع نہ بدلا۔ انسانو! تم نے دنیا کو کلب بنایا، ٹکسال بنایا، کارخانہ بنایا، جنگ کا میدان بنایا مگر آدمیوں کی بستی نہ بنائی! پہلے ہر گاؤں، ہر قصبے میں، اللہ کے ایسے بندے ہوتے تھے جن سے دل کی پیاس بجھتی تھی جس طرح زبان کی ایک پیاس ہوتی ہے، اسی طرح دل کی بھی پیاس ہوتی ہے، زبان کی پیاس پانی، شربت، سوڈے لیمن سے بجھتی ہے۔ دل کی پیاس سچی اور پاک محبت کی باتوں اور محبوب حقیقی کے تذکرے سے بجھتی ہے۔ وہ روپیہ، دولت اور نفس کی خواہشات کے ذکر سے بھڑکتی ہے، آج ہر چیز کی دوکانیں

ہیں، منڈیاں ہیں، بازار ہیں لیکن دل کی دوا اور روح کی غذا نایاب ہوتی جاتی ہے اور کہنے والے عرصہ سے کہہ رہے ہیں ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

آج نہ گھروں میں خدا کا ذکر ہے، نہ ریلوں میں حتیٰ کہ مسجدوں، مندروں میں بھی اس کا ذکر فکر کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ آج جگہ جگہ ہوا و ہوس اور نا و نوش کا شور برپا ہے۔ رہی سہی کمی، یہ سینما پوری کر دیتے ہیں جو حیوانی جذبات بھڑکانے کا خاص کام کرتے ہیں۔ روح بے قرار ہے۔ اللہ کا بندہ کہاں جائے؟ اگر صرف پیسہ ہی کمانا انسان کا کام ہے اور پیٹ بھر لینا ہی اس کا فرض تھا تو یہ دل انسان کو کیوں دیا گیا، دماغ کیوں عطا کیا گیا۔ ایسی بے چین اور بلند پرواز روح کیوں بخشی گئی ایسی گوناگوں اور عجیب و غریب صلاحیتیں کیوں ودیعت کی گئیں؟

یورپ نے انسان کو ایندھن سمجھ لیا، وہ اپنی عزت و خواہشات کے الاؤ میں انسانوں کو لکڑی کوئلہ کی طرح ڈالتا جا رہا ہے، امریکہ کی خواہش ہے کہ شمالی کوریا اور کمیونسٹ چین کو بھینٹ چڑھا دے روس چاہتا ہے کہ قوم پرست چین کو تباہ کر کے رکھ دے۔ پورا یورپ چاہتا ہے کہ مشرق بعید یا مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بن جائے کسی کو انسانیت کا درد نہیں، کسی کے دل میں انسان کا احترام نہیں۔ سب خدا کی مملکت کے غاصب بننا چاہتے ہیں کوئی خدا کا نائب بننا نہیں چاہتا، کوئی اپنے کو اس مقدس وقف کا متولی نہیں سمجھتا۔

ایشیا اور افریقہ میں بھی حکومتوں کی بنیاد ہدایت و رہنمائی کے اصول، انسانوں کی فلاح و بہبود، اخلاقی اصلاح اور انسانیت کی ترقی پر نہیں۔ سب کی بنیاد مالی مسائل اور آمدنی کے وسائل کی ترقی و اضافہ پر ہے۔ اُن کے نزدیک قوم کی اخلاقی حالت اور انسانی مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس کے لئے کوئی مالی نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، اگر کسی غلط ادارہ، یا کسی تفریحی صنعت سے اس کو بڑی آمدنی ہوتی ہے اور قوم کے کسی طبقہ یا نئی نسل کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ کبھی اس آمدنی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، چاہے آئندہ نسلیں بالکل تباہ اور اخلاق بالکل برباد ہو جائیں۔

دوستو! اس وقت ایمان و اخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ حکومتوں پر چھوڑا جا سکتا

ہے، نہ اداروں اور تعلیم گاہوں پر، یہ بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ہم سب کو کوشش کرنے کی ضرورت ہے یاد رکھئے جس کام کو افراد اور عوام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور جس کی اہمیت کا احساس جمہور اور عوام کو نہ ہو وہ کام جتنا بھی آسان ہو عمل میں نہیں آسکتا، اور بڑی سے بڑی حکومت بھی اس کو انجام نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے عمومی اور عوامی کوشش کی ضرورت ہے پیغمبروں نے اپنی ذات اور عام افراد کی کوشش سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہم کو آپ کو ان کے نقشِ قدم پر چل کر اس کی کوشش کرنی چاہیئے خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور عام اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے، اس کی کوشش کی جائے کہ انسان اس دنیا کو مقدس وقف اور اپنے کو ایک ذمہ دار متولی سمجھنے لگے، وہ اپنے کو اس دنیا میں خدا کی نیابت وخلافت کا اہل ثابت کرے اور اخلاق خداوندی کے ساتھ خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرے۔ یہی اصلاح کا طریقہ ہے اور اسی میں انسانیت اور دنیا کی نجات ہے۔

ہماری موجودہ زندگی کے خطرناک نتائج

(مدیر 'الفرقان' کی ایک تازہ تقریر جو مارچ کے پہلے ہفتہ
میں کشن گنج (صوبہ بہار) کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی ـــــــ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ، لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوات اللہ تعالیٰ علیھم وعلیٰ کل من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

میرے دینی بھائیو! کسی قوم کی یہ حالت اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہوتی ہے کہ وہ اللہ و رسول کو ماننے اور اُن پر ایمان رکھنے کے باوجود اُن کے حکموں پر نہ چلے اور دینی احکام سے بے پروا ہو کر زندگی گزارے، جب کسی قوم اور اُمت کی عام زندگی اس طرح کی ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس دنیوی زندگی میں اپنی رحمتوں سے اسکو محروم کر دیتا ہے اور جب اس کے بعد بھی وہ اللہ و رسول کی طرف اور اُن کے دین کی طرف رجوع نہیں ہوتی اور اپنی زندگی کو درست نہیں کرتی تو پھر وہ قوم اور امت اللہ کی نظر سے گر جاتی ہے اور دنیا میں سخت ذلتوں اور مصیبتوں کا شکار ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں کی جاتی، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو ایمان کی توفیق دیکر اپنی خاص نعمتوں کے لیے اُس کو چن لیتا ہو۔

قرآن مجید میں جابجا بنی اسرائیل کا ذکر ہے، ان کی سرگزشت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اسکے

رسولوں پر ایمان لائے تھے اور ان کے دین کو انھوں نے قبول کیا تھا لیکن بعد میں ان کی زندگی بگڑ گئی اور وہ اللہ کی بندگی اور اسکے احکام کی فرمانبرداری کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات پر چلنے لگے، اور اللہ کی بندگی اور طاعت کے مقابلہ میں نافرمانی اور بدکاری ان کی زندگی پر غالب آگئی، گویا ایمان لاکر اور اللہ اور اسکے رسولوں کو مان کر ان کی فرمانبرداری والی زندگی گزارنے کا جو عہد انھوں نے کیا تھا اپنے عمل سے اس کو توڑ دیا ——— پھر اللہ نے اپنی نعمتیں ان سے چھین لیں، اور رحمتوں سے اُن کو محروم کر دیا ——— قرآن مجید میں ارشاد ہے "فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً" یعنی انھوں نے جب عہد شکنی کر کے نافرمانی کی زندگی اختیار کی تو ان پر ہماری لعنت ہوئی اور ان کے دلوں کو ہم نے اور سخت کر دیا ——— دوسری جگہ ارشاد ہو ——— "اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ" مطلب یہ ہو کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد اور اللہ کی فرمانبرداری کا عہد و پیماں کرنے کے بعد اسکی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اپنے عمل سے اس عہد کو توڑتے ہیں اور جن تعلقات کے جوڑنے کا اور جن حقوق کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا ان کو جوڑتے نہیں بلکہ توڑتے ہیں اور اپنی مجرمانہ زندگی سے دنیا میں بگاڑ اور فساد پھیلاتے ہیں، وہ خدا کی رحمت سے محروم اور اسکی لعنت کے سزاوار ہیں اور آخرت میں ان کے لیے برا ٹھکانا ہے۔

بھائیو! ان آیتوں میں جس زندگی کو "نقض میثاق" کی یعنی عہد شکنی کی اور قابل لعنت زندگی بتایا گیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاکر، ان کے احکام کے خلاف زندگی گزاری جائے اور اپنے عمل سے اُن کے حکموں کو توڑا جائے۔ بنی اسرائیل کی عام زندگی اسی قسم کی ہو گئی تھی۔ قرآن مجید سے اور تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو ماننے کے بعد انھوں نے پھر اُن کا انکار کر دیا تھا اور وہ کھلم کھلا مرتد اور اللہ اور اسکے اُن رسولوں کے منکر ہو گئے تھے، بلکہ قرآن مجید نے ان کے جس بگاڑ کا جا بجا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو احکام ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے تھے اور جن کو ایمان لاکر انھوں نے قبول کیا تھا اور ان کی تابعداری کا عہد کیا تھا بعد میں ان کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا اور نافرمانی والی زندگی اختیار کرلی، اور پوری قوم کی عام حالت یہی ہو گئی۔ بالغرض بنی اسرائیل کا وہ خاص جرم جس نے ان کو اللہ کی رحمتوں سے محروم کر کے لعنتی بنایا یہی تھا کہ اللہ کو

اور رسولوں کو ماننے کے باوجود اُن کے حکموں کو ماننا اور اُن کی فرمانبرداری کرنا انھوں نے چھوڑ دیا اور نافرمانی والی مجرمانہ زندگی اختیار کرلی ——— پھر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے "افضل اقوام" بنایا تھا (فضلتکم علی العالمین) اور جس نسل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ تک سینکڑوں ہزاروں نبی ہوئے تھے، اللہ نے اسکو اپنی خاص رحمتوں سے محروم کردیا اور اپنے فضل وکرم اور اپنی خاص رحمت کے لیے ایک ایسی قوم کو چن لیا جو اس وقت کی دنیا کی شاید سب سے زیادہ گری ہوئی قوم تھی، جس میں نہ تعلیم تھی، نہ تہذیب تھی، نہ صحیح عقائد تھے نہ اچھے اخلاق تھے۔ نہ دل تھا نہ دماغ تھا، عقیدہ کا حال تو یہ تھا کہ خانہ کعبہ میں انھوں نے تین سو ساٹھ بت بنا رکھے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے، نبوت اور قیامت جیسے بنیادی عقیدوں سے بھی ان کو انکار تھا، دل کی بربادی کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ خود باپ اپنے نومولود بچہ کا گلا گھونٹ دیتا تھا اور ان کے دماغی افلاس اور عقل کے دیوالیہ پن کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہو کہ ان میں سے بہت سے حج میں بیت اللہ کا طواف مادر زاد برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اس کا فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ جب ہم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور بالکل معصوم اور بے گناہ تھے تو اس وقت بھی ننگے تھے لہٰذا ہم اللہ کے گھر کا طواف بھی اسی حالت میں کرتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنی اور غیر ایمانی طرز زندگی کی وجہ سے ہدایت کے منصب سے معزول اور اپنی رحمتوں سے محروم کرکے دنیا کی اتنی گری ہوئی ایک قوم کو اپنی نوازش کے لیے اور دنیا کی امامت اور ہدایت کے لیے انتخاب کرلیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی عرب قوم تھی اور آپ کے صحابہ کرام تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ایمان کی اور ایمان والی زندگی کی دعوت پہنچی انھوں نے اس کو قبول کیا اور اس طرح قبول کیا کہ جب انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کو مانا تو یہ بھی فیصلہ کرلیا کہ پوری زندگی اُن کے احکام کے مطابق گزاری جائے گی، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہوگا وہ سب کریں گے اور دل وجان سے کرینگے اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم ہوگا ان سے پوری طرح بچیں گے۔ پھر انھوں نے ایسا ہی کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی بارش کی وہ دنیا میں بھی اونچے کیے گئے اور اس دنیا سے جانے کے بعد انھوں نے جو پایا اور جو جنت میں وہ پائیں گے اس کو تو بس اس دنیا سے جانے کے بعد ہی ہم دیکھیں گے۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کی زندگی میں بھی وہی بنی اسرائیل والی خرابی آنی شروع ہوئی،

یعنی اللہ و رسول کو ماننے کے باوجود ان کے احکام سے غفلت اور اعمال میں نافرمانی اور معصیت، اور یہ خرابی برابر بڑھتی ہی گئی، پھر نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح بنی اسرائیل اپنی بد اعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں سے محروم کیے گیے تھے اسی طرح یہ مسلمان بھی اللہ کی رحمت اور مدد سے محروم ہو گیے، اسی وقت سے دنیا میں مسلمانوں کی ذلتوں کا دور شروع ہوا اور اب وہ گرتے گرتے اس مقام پر آ گیے ہیں کہ پچاس کروڑ کے قریب ان کی تعداد ہونے کے باوجود دنیا کی میزان میں آج ان کا کوئی وزن نہیں، شاید آپ میں سے بہت سے بھائی ناواقفی سے خیال کرتے ہوں کہ مسلمان ذلت اور پستی کی حالت میں صرف ہندوستان ہی میں ہیں، ورنہ جہاں ان کی اپنی حکومتیں ہیں وہاں تو وہی باعزت اور طاقت ور ہیں، تو میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں بظاہر وہ برسرِ حکومت ہیں وہاں بھی وہ اصلی عزت اور طاقت سے محروم ہیں، مثال کے طور پر آپ عرب ممالک کو دیکھ لیجئے، کیا وہ اپنی پالیسی میں بھی آزاد ہیں؟ کیا عراق اور سعودی عرب اگر آج چاہیں کہ اپنے تیل کے چشموں کے ٹھیکے منسوخ کر کے اپنی اس دولت سے خود فائدہ اٹھائیں تو کیا آج وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد ان حکومتوں کی بے بسی کا راز پوری طرح فاش ہو چکا ہے۔ دنیا میں ایک بالشت زمین پر بھی یہودیوں کی حکومت نہ تھی، جرمنی وغیرہ کتنے ہی ملکوں نے اس سود خور قوم کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر ملک بدر کیا اور اپنے علاقوں سے نکالا، لیکن سات عرب حکومتوں کی متفقہ مخالفت اور مزاحمت کے باوجود اس مغضوب اور مطرود قوم نے عرب میں اپنی حکومت قائم کر لی اور آج تک بھی یہ ساتوں حکومتیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکیں، حالاں کہ سب محسوس کرتی ہیں کہ اسرائیلی حکومت ان سب کے لیے خطرۂ جان ہے۔ بس اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن ممالک میں حکومت بظاہر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہاں بھی وہ کتنے کمزور اور بے بس ہیں۔

میرے بھائیو! اس کمزوری اور پستی کا اصل سبب یہی ہے، کہ تمام ممالک کے مسلمانوں کی زندگی ایک مدت سے اللہ و رسولؐ کے احکام کے خلاف چل رہی ہے۔ ان کی غالب اکثریت کا حال یہ ہو گیا کہ وہ اللہ و رسولؐ کو تو مانتے ہیں لیکن ان کی بات نہیں مانتے، یہ بالکل بنی اسرائیل والی وہ زندگی ہے جس نے اُن کو اللہ کی رحمتوں سے محروم کیا تھا ——— میں جانتا ہوں اور شاید آپ بھی زیادہ جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس عام بگاڑ کے باوجود قریباً ہر علاقہ میں اللہ کے کچھ ایسے

بندے بھی موجود ہیں جو اللہ و رسول کو ماننے کے ساتھ ان کے حکموں کو بھی پوری طرح مانتے ہیں اور ایمان کے ساتھ ان کی زندگی بھی ایمان والی ہے، بلکہ ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص اخاص تعلق ہے اور وہ مومن کامل اور اللہ کے ولی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس دنیا میں قوموں کے ساتھ ان کی اکثریت اور عمومی حالت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر کسی قوم کی غالب اکثریت کی زندگی اللہ کی نافرمانی والی زندگی ہو اور اس میں فاسقوں فاجروں کی کثرت ہو، اور کچھ افراد صالح اور متقی بھی ہوں تو وہ قوم دنیا میں عذاب اور سزا ہی کی مستحق ہوگی اور چند افراد کا تقویٰ اور ان کی عبادت گزاری اور پرہیزگاری قوم کو بچا نہیں سکے گی ـــــ قرآن و حدیث سے بنی اسرائیل کا حال بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس قوم کی عام حالت حد درجہ بگڑ گئی تھی اور ان کے ہر طبقہ کی زندگی نافرمانی والی زندگی ہو گئی تھی تو اس وقت بھی اللہ کے کچھ بندے ان میں ایسے صالح اور متقی موجود تھے جن سے اللہ تعالیٰ راضی تھا، لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی قوم بنی اسرائیل اپنی اجتماعی اور عمومی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم اور ملعون ہوئی۔[1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی امت کے بارہ میں بھی فرمایا تھا کہ جب اس امت میں فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی غالب ہو جائے گی، اور فساق و فجار زیادہ اور اللہ کے صالح بندے کم رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت اور مدد سے محروم کرنے گا اور پھر اس پر طرح طرح کی تباہیاں آئیں گی اور یہ امت ذلیل و خوار ہوگی اور اللہ کے کچھ صالح اور متقی بندوں کا امت میں ہونا اس کو تباہی کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔[2] بلکہ ایک حدیث میں تو یہ بھی ہے کہ جب تمہاری زندگی نافرمانی والی زندگی ہو جائے گی تو ایسے ظالم حاکم تم پر مسلط کئے جائیں گے جو تمہارے ساتھ

---

[1] قرآن مجید میں کئی جگہ اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اہل کتاب میں اللہ کے کچھ ایماندار اور صالح بندے بھی ہیں، اور نفس پرستی اور دنیا طلبی اور فسق و فجور ان کی اکثریت کا حال بتلایا گیا ہے "وکثیر منھم فاسقون" (حدید) اسی طرح حدیث شریف میں ہے "ان اللہ نظر الی اہل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من بنی اسرائیل (صحیح مسلم)

[2] حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ بعض امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا "انہلک وفینا الصالحون؟" ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا "نعم اذا کثر الخبث" (مشکوٰۃ شریف)

کوئی رعایت اور مروت نہیں کرینگے اور وہ تمھیں تباہ اور ذلیل کرینگے، پھر اس وقت تم اللہ سے رو رو کے دعائیں کروگے تو اللہ تمھاری دعائیں بھی قبول نہیں کرے گا، حدیث کے الفاظ مشکوٰۃ شریف میں جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ہیں کہ "فیسومونکم سوء العذاب ثم تدعون فلا یستجاب لکم"۔ آگے اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب تمھاری شامت اعمال سے ایسا وقت آئے تو ان حاکموں کو بُرا بھلا کہنے سے اور ان کو کوسنے سے کچھ نہ بنے گا، ہاں اگر نافرمانی کی زندگی سے توبہ کرکے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی زندگی اختیار کرلی جائے گی اور امت میں اللہ کی طرف عام رجوع پیدا ہو جائے گا تو اللہ تعالےٰ حالات بدل دے گا، اور ذلت اور مصیبت سے نجات دے کر عزت اور عافیت کی زندگی عطا فرمادے گا۔

بہرحال میں آپ سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس وقت خدا فراموشی، آخرت سے بے فکری اور فسق و فجور کی کثرت کے لحاظ سے مسلمان قوم کا عام حال قریب قریب وہی ہو گیا ہے جو بگاڑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ہو گیا تھا اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمان قریب قریب ہر جگہ اللہ کی خاص رحمت اور نصرت سے اسی طرح محروم ہیں جس طرح بنی اسرائیل محروم کردیے گئے تھے، اور اب میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے بعد بھی ہم نے اپنی حالت کو سنبھالنے کی فکر نہ کی اور اللہ کے ساتھ اپنے معاملہ کو درست نہیں کیا تو خدانخواستہ اس دنیا میں ہم اس سے بھی زیادہ تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہوں گے اور مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے اس ملک میں شودروں کا جو حال رہا ہے کہیں ساری دنیا میں ہمارا بھی وہی انجام نہ ہو۔

بیشک حدیثوں میں آیا ہے اور ہم کو اطمینان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سفارش کے طفیل اس امت کے نافرمان، بندروں اور سؤروں کی شکلوں میں تو کبھی بھی مسخ نہیں کئے جائیں گے، لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ اگر یہ امت اسی طرح خدا فراموشی اور آخرت سے بے فکری اور فسق و فجور کی طرف بڑھتی رہی اور اس نے اللہ و رسول کی طرف بازگشت نہیں کی تو دنیا میں یہ آخری حد تک ذلیل و خوار ہو گی۔ میرے بھائیو! یہ انجام تو خدانخواستہ اس دنیا کی زندگی میں ہونے والا ہے اور نافرمانوں کے لیے آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ سخت اور مرنے کے بعد کی ذلتیں اور مصیبتیں یہاں کی تمام مصیبتوں اور ذلتوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں۔

خدا کی قسم قبر کا ایک دن اور ایک رات کا عذاب اس دنیا کی ساری عمر کی تکلیفوں سے

زیادہ تکلیف دہ ہوگا، اسی طرح اگر حشر میں اللہ کی رحمت کے قابل نہیں ہوئے تو وہاں کی تکلیف اور مصیبت بھی اس دنیا کی پوری عمر کی تکلیفوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگی، اور اگر ہماری بداعمالیاں اس درجہ کی ہوئیں کہ کچھ مدت کے واسطے دوزخ میں ڈالے جانے کا بھی فیصلہ فرما دیا گیا تو وہاں کا عذاب اور وہاں کی تکلیف تو بالکل ہی ناقابل برداشت ہوگی، ذرا سوچو تو ہم میں سے کون ایک منٹ کے لیے بھی اس دوزخ کا عذاب برداشت کر سکے گا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو کہ وہاں سب سے کم درجہ کا اور سب سے ہلکا عذاب یہ ہوگا کہ مجرم کو آگ کی جوتیاں پہنا دی جائیں گی جن کی وجہ سے سر میں اس کا دماغ اور بھیجہ اس طرح پکے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی پکتی ہے۔ اللّٰھم احفظنا!

میرے بھائیو! قبر، حشر اور دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلایا ہے وہ بالکل حق ہے اور وقت آنے پر ہم سب اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جس طرح ماں کے پیٹ کی زندگی کا دور ختم کر کے اس دنیا میں آنے کے بعد ہم نے یہاں کے زمین و آسمان دیکھ لیے، دریا اور پہاڑ دیکھ لیے، ریلیں اور ہوائی جہاز دیکھ لیے، جن میں سے کسی ایک چیز کو بھی ہم ماں کے پیٹ میں نہیں دیکھ سکتے تھے، بالکل اسی طرح اس دنیا کی زندگی ختم کرنے کے بعد جب دوسری دنیا میں ہم پہونچیں گے تو وہاں ہر منزل میں وہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول نے ہم کو بتلایا ہے اور یہاں ہم اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں ——— یہ تو بیچ میں ایک جملۂ معترضہ تھا، میں آپ حضرات سے کہہ یہ رہا تھا کہ مسلمان قوم کا جو یہ حال ہے کہ ان کی غالب اکثریت اللہ و رسول کے احکام سے بالکل بے پروا ہو کر اور آخرت کے حساب اور مواخذہ کی طرف سے بالکل بے فکر ہو کر زندگی گزار رہی ہے اور زبان سے اللہ و رسول پر ایمان کے اظہار و اقرار کے باوجود اس کی زندگی ایمان و اسلام والی نہیں ہے یہ حالت اللہ تعالیٰ کے غضب اور جلال کو حرکت میں لانے والی ہے۔ اس کی یہ سزا تو صدیوں سے ہم کو مل رہی ہے کہ اللہ کی رحمتوں اور نصرتوں سے محروم ہو کر ہم اس دنیا میں ذلیل و خوار ہیں اور اگر ہم نے اپنے کو نہ بدلا اور قوم کو بدلنے کی کوئی عمومی جد و جہد نہ کی گئی تو خدانخواستہ ہماری ذلتوں اور مصیبتوں میں اور زیادہ اضافہ ہوگا، ہماری صورتیں اگرچہ بندروں اور سوروں کی سی نہ کر دی جائیں گی لیکن یہ ہو سکتا ہو کہ ذلت و خواری کے لحاظ سے ہم خدا نکردہ بندروں اور سوروں کے مقام پر گرا دیے جائیں ——— اور اگر مرنے کے بعد قبر و حشر اور دوزخ کے عذاب کا مزا بھی ہم کو چکھنا پڑا تو جو کچھ وہاں گزرے گی

اسکا اس دنیا میں اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا ــــــ دوستو اور بھائیو! جس طرح جنت میں اللہ کی رحمتیں اسکی شان کریمی کے مطابق ہوں گی، اسی طرح اس کا عذاب بھی بس اسی کی شانِ قہاری کے مطابق ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس عذاب کا جس کے متعلق خود اس کا ارشاد ہے "اِنَّ عذابی لشدید" اور "اِنَّ عذابی ھو العذاب الالیم" میرا عذاب بڑا سخت ہے، میرا عذاب بڑا دردناک اور بڑا تکلیف دہ ہے۔

اب ہمارے اور آپکے سامنے دو راہیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی اور عام مسلمانوں کی اس بگڑی ہوئی زندگی کو بدلنے کے لیے اور ایمان والی زندگی اُن میں عام کرنے کے لیے پوری طاقت سے جد وجہد کیجائے اور اس راہ میں جو کوشش جس سے ہو سکے اس کے کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ امت کی اس گاڑی کو یوں ہی خدا فراموشی کے راستہ پر اور نافرمانی کی پٹری پر چلنے دیا جائے اور اسکا راستہ بدلنے کی کوئی فکر اور کوشش نہ کیجائے جس طرح دنیا کی دوسری قوموں کا عام حال ہے کہ آج انکو اسکی کوئی فکر نہیں ہے۔ انھیں حکومت کی فکر ہے، دولت کی فکر ہے، تجارت کی فکر ہے صنعت کی فکر ہے اور اسکے علاوہ بھی دنیا کی ساری فکریں ہیں لیکن اس کی کوئی فکر کسی قوم کو نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ انکا تعلق درست ہو اور مرنے کے بعد کی زندگی میں وہ اللہ کے عذاب اور اسکی سزا سے بچ جائیں اور اسکی رحمتوں سے حصہ لیں۔ یہ واقعہ ہے کہ آج نہ مغربی اقوام کو اسکی فکر ہے نہ مشرقی اقوام کو، دنیا کی ساری قومیں اور امتیں اگرچہ خدا کا اور آخرت کا انکار زبان سے نہ کریں لیکن انکا حال یہی ہے کہ وہ زندگی کے اس مسئلہ کی طرف سے بالکل بے فکر اور بے پروا ہو کر اپنی دنیوی زندگی کے مسائل کے لیے جد وجہد کر رہی ہیں۔

پس ہم مسلمانوں کو سنجیدگی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا دنیا کی اِن دوسری قوموں اور اُمتوں کی طرح جن کی رہنمائی کیلئے قرآن پاک جیسی کوئی کتاب انکے پاس موجود نہیں ہے اور نہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اپنے کو وابستہ کیا ہے تو کیا "کتاب و پیغمبر" پر ایمان نہ رکھنے والی ان مغربی یا مشرقی اقوام کی طرح خدانخواستہ ہم مسلمان بھی اس مسئلہ کی طرف سے بے فکر اور بے پروا رہنا چاہتے ہیں ــــــ یا اپنی زندگی کے رُخ کو درست کرنے کیلئے کوئی جد وجہد کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

ہم کو یقین ہے کہ مسلمانوں کی حالت دین کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی خراب اور برباد ہو چکی ہے لیکن پھر بھی اُن کا کوئی طبقہ ایسا نہ ہوگا جو اس مسئلہ میں دوسری قوموں کی تقلید کا فیصلہ کرے، اگر ہم کو اس کا یقین نہ ہوتا تو شاید آپکے پاس آنے کی ہم کو ہمت ہی نہ ہوتی، بہر حال ہمیں پہلے بھی یقین تھا اور تجربہ کے بعد

ہمارا یہ یقین ترقی کرکے حق الیقین ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کو اگر اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا جائے تو اُن کے ہر طبقہ کا بلکہ ان کے ہر فرد کا فیصلہ یہی ہوتا ہے کہ اس حالت کی درستی کے لیے کچھ کرنا چاہیئے!

بھائیو! ہم اسی مسئلہ کو لیکر اور اسی کام کیلئے پھر رہے ہیں اور آپکے پاس بھی آئے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم اور اسکی رہنمائی سے ہم نے ایک ایسا طریق کار بھی پا لیا ہے جو اس امت کے موجودہ حالات کے عین مطابق ہے، ہم نے اس مقصد کے لیے کوئی انجمن اور کوئی پارٹی نہیں بنائی ہے۔ نہ آپ کو اس کا مشورہ دیتے ہیں، ہماری دعوت ہر مسلمان کو فرداً فرداً صرف یہ ہے کہ وہ دو فیصلے کرلے، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے جس دین پر وہ ایمان لایا ہے اور اللہ و رسول کے جن احکام کو وہ حق جانتا ہے اپنے امکان کی حد تک وہ اپنی زندگی کو اُن کے مطابق اور ماتحت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور دوسرا فیصلہ یہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اس چیز کو عام کرنے کی جد و جہد میں وہ ضرور کچھ حصہ لے گا۔

پھر ان دونوں فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موجودہ زمانہ میں سب سے زیادہ سہل اور تجربہ کے بعد سب سے زیادہ مفید طریقہ ہم وہ سمجھتے ہیں جس پر خدا کی توفیق سے ہم خود بھی عمل کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے قافلے اور جماعتیں بنا بنا کر زیادہ مدت کے لیے یا کم مدت کے لیے باہر نکلا جائے اور اس زمانہ میں ایک خاص پروگرام کے تحت ایمانی زندگی کی مشق کیجائے اور خاص اصولوں کے ساتھ اللہ کے دوسرے بندوں میں بھی اس ایمانی زندگی کیلئے کوشش کیجائے اور اس راہ میں ہر شخص اپنا خرچ حتی الوسع خود اٹھائے۔

آپ اس کام کا تفصیلی طریقہ اور پروگرام کام کرنے والی کسی جماعت کے ساتھ رہ کر اچھی طرح معلوم کرسکتے ہیں، اس وقت اگر میں اس کی کچھ اور تفصیل بیان بھی کردوں تو آپکے لیے زیادہ مفید نہیں ہوگا، یہ کام چونکہ سراسر عملی ہے اسلیئے اسکو تقریر یا کتاب کے بجائے عمل سے ہی لیا جاسکتا ہے۔ اس لیے میں آپ حضرات کو برادرانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس وقت ہم لوگ اس کام ہی کے سلسلے میں نکلے ہوئے ہیں آپ چند روز اس سفر میں ہمارے ساتھ گزاریں آپ ہم کو اور ہمارے اس کام اور طریقہ کو انشاء اللہ اچھی طرح جان لیں گے اور اسکے نتائج کا کچھ تجربہ بھی کرلیں گے۔

میرا تعلق اس کام سے قریباً ۱۴ برس سے ہے، الحمد للہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس علاقہ اور جس طبقہ کے مسلمانوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اس کام کو اپنایا خدا کی توفیق سے ان کی زندگیوں کے رُخ بدل گئے، بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اسکے کتنے بندے ہیں جو پہلے ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتے تھے!

اور اس کام سے لگ کر اور اس راہ پر چل کر الحمدللہ تہجد گزار بن گئے پہلے وہ دین سے بالکل ناواقف اور ناآشنا تھے اور اب واقف اور آشنا ہوگئے، بلکہ دوسروں کو بھی دین کی باتیں بتانے اور سکھانے لگے، ان کی زندگی میں دین کی فکر کا کوئی حصہ نہ تھا اور اب ان کی بڑی فکر دین ہی کی فکر بن گئی۔ وہ پہلے خدا کو بھولے ہوئے تھے اور اب بحمداللہ اس کے ذاکر شاغل بندے بن گئے اور اللہ کے ذکر میں ان کو لذت اور حلاوت ملنے لگی ان کے دل خدا کے خوف سے خالی تھے اور اب وہ راتوں کے رونے والے ہوگئے — بھائیو! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جو چار دن کے لیے اس کام کو کرنے لگا اور ہمارے ساتھ ہوگیا اس میں یہ تبدیلی ہوگئی۔ بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ جس نے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ اس کام کو اپنایا اور اپنی زندگی کا کام بنایا ہمارا عام تجربہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی زندگی میں بہت کچھ تبدیلی فرما دی، ہم نے یہ تبدیلی امیروں میں بھی دیکھی ہے اور غریبوں میں بھی، بوڑھوں میں بھی دیکھی ہے اور جوانوں میں بھی، اسکولوں کالجوں کے طالبعلموں میں بھی دیکھی ہے اور کسانوں اور کارخانوں کے مزدوروں میں بھی — اس لیے ہم آپکو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر ہر جگہ کے ہمارے وہ مسلمان بھائی جنھیں دین کا کچھ درد ہے اور مسلمانوں کی اس گری ہوئی حالت کی کچھ فکر ہے ہماری اس دعوت کو قبول کرکے اس سلسلہ میں کچھ کام کرنے لگیں تو انشاءاللہ چند برسوں میں مسلمانوں کی زندگی کا رخ بدل جائے گا اور خدا نے چاہا تو نیکی بدی پر اور فرمانبرداری نافرمانی پر غالب ہوجائیگی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس امت پر دنیا میں بھی رحمتیں فرمائے گا۔ اور میں قسم کھا سکتا ہوں کہ جن حالات پر ہم روتے رہتے ہیں وہ دیکھتے دیکھتے بدل جائیں گے — اور اگر بالفرض ہمارے بھائیوں نے ہماری نہ سنی نہ مانی تو بھی اپنی زندگی تو انشاءاللہ بدل ہی جائے گی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر میں، حشر میں، اور اسکے بعد کی منزلوں میں ہم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حقدار ہوں گے اور دوزخ کی آگ سے انشاءاللہ بالکل محفوظ رہ کر اللہ کی رضا کے مقام جنت میں پہنچا دیے جائینگے، اور کسی بندہ کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہو سکتی ہے "فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحيوٰة الدنيا الا متاع الغرور"۔

اور میرے بھائیو! ایک آخری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے اچھے برے حالات کی اطلاع دیتے رہتے ہیں اور روضۂ پاک میں آپ کو امت کے احوال کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ پس سوچو کہ آج کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فرشتوں سے معلوم

ہوتا ہوگا کہ آپ کی امت کی نوّے فی صدی سے بھی زیادہ اکثریت دین سے غافل ہو اور آپ کا راستہ عملاً چھوڑے ہوئے ہو آپ نے جن نیکیوں کے کرنے کا اور دنیا میں ان کو رواج دینے کا حکم دیا تھا وہ ان کو خود نہیں کر رہی ہو اور جن برائیوں کے چھوڑنے کا اور دنیا سے اُن کو مٹانے کا آپ نے حکم دیا تھا وہ اپنے عمل سے دنیا میں ان کو فروغ دے رہی ہو اور اس طرح آپ کے مشن کے خلاف چل رہی ہو، تو آپ کے قلب مبارک کو کتنا صدمہ ہوتا ہوگا اور آپ پر کیا گزرتی ہوگی۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھی جانتا ہو اس کو اس بات میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح آپ کے لیے سب سے زیادہ خوشی کی اور دل کی راحت کی بات یہ ہو سکتی ہو کہ آپ کی امت دنیا میں آپ کے راستہ پر چلے اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اور عام انسانوں کو اللہ کی رحمت اور جنت کی طرف لانے کے لیے جدوجہد کرے، اسی طرح آپ کے لیے سب سے زیادہ رنج اور صدمہ کی بات یہ ہو کہ آپ کو فرشتوں سے یہ خبریں ملیں کہ آپ کی امت کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت سے عملاً بے تعلق ہو گئی ہو اور دنیا کی دوسری خدا فراموش قوموں کی طرح اسکی زندگی بھی خدا کی بندگی اور آخرت کی فکر سے اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش سے بالکل خالی ہو گئی ہو۔

پس میرے بھائیو! اگر ہم آپ ابتک کی اپنی اس نافرمانی اور غفلت والی زندگی سے توبہ کر کے آگے کے لیے عہد کرلیں کہ اب ہم اللہ و رسول کی فرمانبرداری والی اور دین کی فکر اور حضور کے مقصد کے لیے جدوجہد والی زندگی گزارینگے اور امت میں وسیع پیمانہ پر یہ تبدیلی اور یہ جدوجہد ہونے لگے تو میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روضۂ اقدس میں فرشتوں کے ذریعہ اسکی اطلاع ہوگی تو حضور کو بے حد خوشی اور مسرت ہوگی اور آپ کے قلب مبارک سے اپنے ان امتیوں کے لیے بڑی دعائیں نکلیں گی ___ پس یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو خوش کرنے والا اور آپ کی دعائیں دلانے والا خاص کام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کام کی عظمت و برکت اور افادیت سمجھنے کی توفیق دے اور اسکے لیے ہمارے سینے کھولے اور ہماری ہمتوں کو بلند کرے اور آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

اللّٰھمّ ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً ، فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واھدنا الی سواء السبیل

اللّٰھمّ انک سألتنا من انفسنا لا نملکہ الّا بک فاعطنا منھا ما یرضیک عنا

اللّٰھمّ - انا ضعفاء نقوّ فی رضاک ضعفنا وخذ الی الخیر بنواصینا

آمین یا ارحم الراحمین !!

سفر مصر

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(مترجمہ عتیق الرحمٰن سنبھلی)

پنجشنبہ ۲۰/۵/۷۰ھ - ۸/۲/۵۱ء

آج صبح دس بجے ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی[۱] سے ملنے کے لئے عباسیہ گئے، اُن سے ابتدائی تعارف مجھے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کی کتاب "النقد التحلیلی لشعر الجاہلی"[۲] کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا، اسکے بعد ان کے دیگر مقالات اور نگارشات پڑھنے کا موقع ملا جن میں ان کی دینی غیرت نمایاں تھی۔

آج اُن سے مل کر انھیں توقع کے مطابق ایک مرد مومن اور صاحب علم وفضل پایا۔ میں نے محب الدین الخطیب کی طرح، ان سے بھی دریافت کیا کہ آپ کے یہاں کے بعض ادباء اور مصنفین کے دین سے انحراف اور ان کے قلم سے ایسے مقالات اور ایسی تصنیفات نکلنے کی کیا وجہ ہے جن میں اسلام پر جرح و تنقید ہوتی ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ ابتدائی تربیت کا ثمرہ ہے، میں نے کہا کہ ان میں تو بعض ازہر کے تعلیم یافتہ بھی ہیں، انھوں نے کہا ہاں درست ہے لیکن میرے خیال میں یہ وہ لوگ ہیں جو ازہر میں نیک نام نہیں تھے اور بجائے قرآن و حدیث کے ان کا انہماک خالص ادب اور عربی شاعری میں رہتا تھا۔

ادب میں غیر دینی رجحان انھوں نے مزید فرمایا کہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے ادب کا رجحان غیر دینی چل رہا ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کا انہماک تمام تر فن شعر

[۱] ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی کلیۃ العلوم (سائنس کالج) میں علم الکیمیا (کیمسٹری) کے پروفیسر ہیں، اپنے موضوع کے کامیاب استاذ اور باخبر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب کا بھی ذوق رکھتے ہیں اور صاحب قلم بھی ہیں۔

[۲] ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ڈاکٹر طہٰ حسین کی بدنام کتاب الشعر الجاہلی کی تردید میں ہے اس پر امیر شکیب ارسلان کا مقدمہ ہے۔

میں رہے جیسے کامیو، اس یا اس جیسے دوسرے ادیب تو اس سے کہاں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کا رجحان دینی ہوگا؟ اور پھر اس پر طرہ یہ کہ وہ یونیورسٹی سے متعلق رہ کر یورپ میں رہ آیا ہو! ــــــ میں نے کہا کہ پھر آپ بھی تو اس دور اور اسی نظام تعلیم و تربیت کی پیداوار ہیں آخر آپ کیسے اس طاقت ور ماحول پر غالب آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ میرا گھرانہ علم و دین کا گھرانہ تھا۔ میرے بھائی ازہر میں تعلیم پاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ازہر میں میری آمد و رفت رہتی تھی۔ وہ زمانہ ازہر کا اس سے اچھا زمانہ تھا (اس کا بھی مجھ پر اثر پڑا) اور پھر میرے گھر کی زندگی نے میرے اوپر بہت اثر ڈالا۔

میں نے کہا ان لوگوں کی مذہب بیزاری اور دین اور اہل دین کے خلاف طعن و تشنیع کا سبب مسلمانوں کا انحطاط، ان کی بدحالی اور پراگندگی ہے، اس لئے کہ بسا اوقات ایک آدمی جب ذکی الحس اور اعصابی مزاج کا ہوتا ہے تو ایسی حالت کو برداشت نہیں کر پاتا ہے اور جلدی سے جوش و غیض میں آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ ان کی بغاوت اور بیزاری آخر اسی شکل میں کیوں ظاہر ہوتی ہے، اس کے بجائے صحیح دین کی دعوت اور غلط رجحانات کی اصلاح کی شکل کیوں نہیں اختیار کرتی؟ ــــــ میں نے عرض کیا کہ یہ تو توفیق پر منحصر ہے۔

ادب میں دینی رجحان پیدا کرنے کی شکل

میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ اچھا ادب میں دینی رجحان پیدا کرنے کی کیا شکل ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ تبدیلی تو ایک دینی تحریک اور اسلامی زندگی سے وجود میں آ سکتی ہے، کیونکہ ادیب وہ چیز تیار کرتا ہے جس کی بازار میں مانگ ہوتی ہے اور جس کی طرف لوگ التفات کرتے ہیں پس اگر عوام کا میلان طبع دینی ہو جائے تو یہ از خود ایسی چیزیں پیش کرنے پر مجبور ہوں گے جسے عوام کی پسندیدگی اور ان کا قبول حاصل ہو سکے۔

ازہر کے لئے ایک تجویز

میں نے دریافت کیا کہ ازہر کو زیادہ مفید بنانے کے لئے آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ شیخ ظواہری کے دور میں میں نے ذمہ داران ازہر کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ازہر کا ایک مدرسۃ المعلمین قائم کیا جائے جس میں ان تمام

فنون کے لئے اساتذہ و مدرسین تیار کئے جائیں جو ازہر میں پڑھائے جاتے ہیں تاکہ ازہر کو باہر سے ایسے اساتذہ نہ مانگنے پڑیں جن کی سابقہ تعلیم و تربیت ازہر کے مقاصد اور اس کی روح سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اور ایسے اساتذہ بسا اوقات طلبہ میں شک و تذبذب پیدا کرنے اور اسلامی عقائد و دینی حقائق اور علوم طبعیہ کے درمیان جنگ چھیڑ دینے کا موجب بن جاتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ :-

"اس زمانہ کے علوم و تجربات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم نہیں جانتے کہ دین سے جو فلاں بات اس کے خلاف ثابت ہوتی ہے اس میں اور اس میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے"

بس ان کا یہی طرزِ عمل طالب علم کے اندر ایک تذبذب و انتشار اور دین کے ساتھ سوءِ ظن پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ازہر اپنی ضرورت کے لئے اساتذہ خود تیار کرے تو وہ ان دونوں چیزوں کے درمیان تطبیق کر کے دکھا سکیں گے بلکہ علوم طبعیہ کو اس طرح پڑھائیں گے جیسے یہ اس نوع کی آیات قرآنی کی تفسیر ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ میری تجویز بعض انتظامی مشکلات کی وجہ سے بروئے کار نہ آ سکی مگر میری رائے اب بھی یہی ہے مزید کہا کہ شرق اسلامی میں علوم طبعیہ (فزکس) کے علاوہ اور کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ پس ہم ان علوم کے بارے میں صاحب احتیاج ہیں اور یورپ سے انھیں حاصل کریں گے مگر مغربی علوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض علوم طبعی کی حیثیت سے جن کا انکشاف اتفاق سے یورپ نے کیا ہے۔ رہے مغربی علوم جیسے اجتماعیات، ادب، تہذیب وغیرہ تو ان کی ہمیں بالکل ضرورت نہیں ہے اور یہی علوم فی الحقیقت مغربی کہلانے کے مستحق ہیں۔ رہے علوم طبعی تو ان پر کسی کی چھاپ نہیں ہوا کرتی۔ ہم ان علوم کو لیں گے اور آیاتِ قرآنی کی تفسیر بنا کر پڑھائیں گے۔ البتہ اس فرق کو لحوظ رکھیں گے کہ ان علوم و نظریات میں سے کون وہ ہیں جو تحقیق سے گزر کر درجۂ ثبوت کو پہونچ چکے ہیں اور کون ابھی معرض تحقیق و تجربات میں ہیں ـــــ پس ان دونوں قسموں میں ہم امتیاز کریں گے اور ہر ایک کو اس کی مناسب جگہ پر رکھیں گے۔

مصر کی تقلید کے خلاف آگاہی | ڈاکٹر عمراوی صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی کہ انھیں ہندوستان و پاکستان اور انڈونیشیا سے بہت کچھ امید ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ

جی ہاں آج کل ہندوستان اور پاکستان میں ایک ایسا دینی جوش اور ولولہ موجود ہے۔ جو غالباً بلاد عربیہ میں بھی نہیں پایا جاتا، انھوں نے فرمایا لیکن اہل ہند و پاکستان کو چاہیے کہ وہ مصر کی تقلید نہ کریں۔ اور مصر کی اس حیثیت سے مرعوب نہ ہوں کہ اس میں جامع ازہر جیسا دینی ادارہ موجود ہے اس لئے کہ مصر میں اس ادارہ کے باوجود غیر دینی رجحان پایا جاتا ہے۔

ازہر کے بارے میں تشویش ڈاکٹر صاحب نے ازہر اور اس کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت ازہر کے خلاف ایک سخت سازش ہو رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ازہر میں مختلف شعبوں کی تقسیم اور اضلاع میں ازہر کے ملحقہ مدارس کا قیام انگریزوں کے اشارہ سے عمل میں آیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ایک شہر میں ایک جگہ پر طلبہ کی اتنی غیر معمولی تعداد کے مستقل اجتماع کو انگریز اپنے لئے ایک خطرہ محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اس اجتماع کو توڑنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اضلاع اور شہروں میں ازہر کی شاخیں قائم کرائیں تاکہ اُن مقامات کے طلبہ بجائے قاہرہ آنے اور اونچے اخراجات برداشت کرنے کے مقامی شاخوں ہی میں تعلیم حاصل کریں ——— اس تجویز سے طلبہ اور ان کے سرپرستوں کے مصارف کا بوجھ تو ضرور ہلکا ہو گیا مگر ازہر کی قوت ٹوٹ گئی۔

اس گفتگو کے بعد میں نے استاذ غمراوی کی خدمت میں "ماذا خسر العالم" کا ایک نسخہ پیش کیا اور اجازت چاہی۔

قلعہ کی سیر!

یہاں سے اٹھ کر ہم قلعہ کی طرف نکل گئے، جہاں محمد علی پاشا کے دفاتر (سکریٹریٹ) تھے، سب سے پہلے قلعہ کی مسجد کی زیارت ہوئی نہایت حسین اور مضبوط مسجد ہے اور اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے آرٹ کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے بعد ہم "کردن" کی طرف گئے جہاں حکومت خدیویہ کا سکریٹریٹ اور دیگر دفاتر تھے۔ یہاں سے قلعہ کے کتب خانہ میں آئے۔ یہاں "الوقائع المصریۃ" (جس کا تذکرہ ادب عربی کی تاریخ اور مصر کی سیاسی و ادبی تاریخ میں پڑھا تھا) کی جلدیں دیکھنے کو ملیں، علی ہذا، "اللواء" کی جلدیں بھی دیکھیں جس میں مصطفےٰ کامل مرحوم لکھا کرتے

اور وہ اس کے نگران اعلیٰ تھے۔ "المؤید" کی جلدیں بھی اس کتب خانہ میں تھیں۔ اس طرح مختلف چیزیں دیکھتے ہوئے احمد زکی پاشا کے ذاتی کتب خانے میں پہونچے جو اب قلعہ کے کتب خانہ میں آگیا ہے اور یہاں ہم نے اس فاضل محقق کی بعض علمی یادگاریں دیکھیں اور وہ کتب خانہ دیکھا جو کسی زمانہ میں دارالعروبہ (کاشانۂ احمد زکی پاشا) کی زینت تھا۔

مساجد و مقابر کی زیارت

ظہر کی نماز ہم لوگوں نے سلطان حسن کی مسجد میں ادا کی، اس کے بعد مسجد الرفاعی کی زیارت کی۔ یہ (اصل میں) شاہ فواد اور ان کے والد خدیوی اسماعیل وغیرہ کا مقبرہ ہے، پھر مسجد امام شافعی اور آپ کی قبر کی زیارت کی۔ اسی طرح بہت سے مقبروں سے گزر ہوا۔ اور خیال ہوا کہ اگر اسی طرح ہر امیر و کبیر اور ہر عالم و ولی کے لئے مقبرے بنائے جاتے تو مُردوں کی بستی زندوں کی بستی سے بڑی ہوتی اور زندہ لوگوں کو مکانات کے لئے بالشت بھر زمین بھی ملنا مشکل ہوتی۔

اسلام کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے مقبرہ سازی کے رجحان کی ہمت افزائی نہیں کی۔ اللہ اپنے رسول برحق کو بہترین جزا عطا فرمائے کہ آپ نے اس کام کو سخت ناپسندیدہ ٹھہرایا اور لوگوں کو خبردار کیا اور یہود و نصاریٰ کے اس فعل سے بیزاری کا اظہار فرمایا کہ ان میں جب کوئی نیک بندہ وفات پاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے۔

جمعہ ۳/۵/۷۰ھ - ۹/۲/۵۱ء

شہر فسطاط اور جامع سیدنا عمرو بن العاصؓ کی زیارت

آج علی الصباح بعض عزیزوں کے ساتھ فسطاط کا شہر دیکھنے گئے۔ پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ کی جامع مسجد پہونچے۔ اس میں مختلف زمانوں میں سلاطین مصر نے توسیع و اضافات کئے ہیں اور اس وقت وہ اصل جامع عمروؓ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے لیکن اس کا وہ حجازی طرز تعمیر بحال رکھا گیا ہے جو مصر میں منیٰ کی مسجد خیف، اور مساجد حرمین شریفین کی

یاد دلاتا ہے ——— اس مسجد میں ایک خاص روحانی لذت محسوس ہوئی اور ہونی بھی چاہئے تھی کیونکہ ارض مصر پر یہ وہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ و توحید اور عبادۃ وحدہٗ لا شریک پر رکھی گئی ہے اور ایسے مبارک ہاتھوں نے اس کی بنیاد رکھی ہے جنھوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی اور جنھیں نہ معلوم کتنی بار آپ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس مسجد میں ہم نے وہ اُنس اور وہ کشش محسوس کی جو مصر کی کسی دوسری مسجد میں محسوس نہیں ہوئی، اس لئے کہ یہ نہایت سادہ، زینت و آرائش سے پاک اور فن کی نمائش سے دور ہے لیکن افسوس ہے کہ نہایت بے پرواہی کے عالم میں پڑی ہوئی ہے۔ چاروں طرف مٹی، کوڑا اور گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ——— سنا ہے کہ شاہ فاروق ہر سال جمعۃ الوداع یہاں پڑھتے ہیں۔ شاید پیشوائی کرنے والے اس موقع پر فرش فروش کے ذریعہ مسجد کی اس حالت کو چھپانے کا اہتمام کرتے ہوں گے

اوہام کی کارفرمائی ایک چیز یہاں ہم نے یہ دیکھی کہ مسجد کے ایک ستون کے چاروں طرف لوہے کا جال لگا دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ یہ ستون جب مسجد میں لگانے کے لئے لایا جا رہا تھا تو زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے مزدوروں کو بڑی دقت ہوئی تھی اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ یہ مسجد میں داخل ہونا نہیں چاہتا تھا اور اپنے خبث باطنی کی وجہ سے اِبا کر رہا تھا۔ چنانچہ فرزندانِ اسلام نے جوتوں سے اس کی تادیب و توہین اپنے ذمہ لازم کر لی۔ لہٰذا حکومت کو اس کی حفاظت کے لئے یہ جال لگوانا پڑا تاکہ غضبناک مجاہدین کے جوتوں کی روک تھام ہو سکے ——— اور یہ کام واقعی اس نے اچھا کیا ہے۔ اس خرافات کو روکنا ہی چاہئے تھا۔

اس کے برعکس مسجد کے دوسرے گوشہ میں (اس گوشہ میں جس میں کہ سیدہ نفیسہ[1] بیٹھ کر لوگوں

---

[1] سیدہ نفیسہ حضرت سیدنا حسنؓ کی اولاد اور اہل بیت کرام میں سے تھیں۔ ان کے شوہر اسحٰق بن جعفر الصادق ابو جعفر منصور کی طرف سے مصر کے حاکم تھے، وہ اپنے شوہر کے ساتھ مصر گئیں اور ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی قبر موجودہ قاہرہ میں ہے۔ امام شافعیؒ جب مصر گئے تو ان کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور حدیث کی سماعت کی۔ جب امام شافعی کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ سیدہ نفیسہ کے پاس لایا گیا اور انھوں نے اپنے گھر میں نماز جنازہ پڑھی۔ مصریوں کو ان کے ساتھ بڑا اعتقاد ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ محققین تاریخ و آثار کے نزدیک مصر کے جو مقابر افرادِ اہل بیت کی طرف منسوب ہیں (مثلاً سیدنا حسینؓ، سیدہ رقیہ، سیدہ زینب، سیدہ نفیسہ) ان میں سے صرف سیدہ نفیسہ کی مصر میں آمد محقق اور ان کا مدفن صحیح ہے۔

کو درس دیتی تھیں) ایک ایسا خوش نصیب ستون دیکھا جس کو لوگ زبان سے چاٹتے تھے[ل] اور اس عمل سے اس کے اندر گڑھا پڑ گیا تھا۔ اس حرکت کو روکنے کے لئے بھی حکومت کو اس ستون پر لوہے کا جنگلہ لگانا پڑا۔

پُرانے مصر میں جامع عمرو کی زیارت سے فارغ ہو کر ہم نے فسطاط کے پرانے شہر کا رُخ کیا۔ یہ شہر مصر میں پہلا اسلامی پایہ تخت تھا۔ راستہ میں ہمارا گزر نصاریٰ کے مقابر و کنائس پر سے بھی ہوا، ان اسلامی آثار کی عظمت و اہمیت اور اسلامی تاریخ کی شان و شوکت کے مناسب یہ تھا کہ اس اسلامی بستی کا گرد و پیش ایسا اسلامی ہوتا جو زائرین کے دل میں اس مقام کی عظمت اور سکینت پیدا کرتا۔ ہم حدود شہر میں داخل ہوئے اور بہت دیر تک اس کے کھنڈرات سے گزرتے رہے اس عرصہ میں میں صحابہ کرام کی آبادی، ان کی چھاؤنی اور مجاہدین کے خیموں کا تصور کرتا رہا میں اپنے دل میں کہتا تھا شاید یہاں زبیر بن العوامؓ کا خیمہ ہو گا اور اس جگہ عبادہ بن صامتؓ کا خیمہ ہو گا، یہاں محمد بن مسلمہ کا قیام رہا ہو گا، اور شاید امیر مصر عمرو بن العاصؓ کا گھر رہا ہو گا — ایسا گھر کہ آج قاہرہ کا کوئی مزدور یا غریب بھی اس میں رہنا پسند نہیں کرے گا، لیکن مصر کا فاتح اور رومیوں کو شکست دینے والا اس میں رہتا تھا —— اور کبھی سوچتا کہ شاید آپ کے عظیم المرتبت صاحبزادے عبداللہ بن عمروؓ اسی جگہ عبادت کرتے اور حدیث بیان فرماتے ہوں گے!

میں انہیں خیالات میں منہمک تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ اپنے ذہن کو پوری طرح اس عہد مبارک پر مرکوز کر دوں اور تھوڑی دیر اس دنیا کو چھوڑ کر اُس دنیا میں پہونچ جاؤں اور یہ بھول جاؤں کہ میں چودھویں صدی کے نئے مصر میں ہوں!

لیکن حقائق مفروضات اور تصورات سے مغلوب نہیں ہوا کرتے۔ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا اور خود کو اس زمانے سے منفک نہیں کر سکا، یہیں کی آوازیں کانوں میں تھیں اور یہیں کے مناظر نگاہوں کے سامنے تھے۔ . . . . .

[ل] سیدہ نفیسہ اس ستون سے کمر لگا کر بیٹھا کرتی تھیں۔ اور درس دیتی تھیں انہیں سے اعتقاد کا یہ نتیجہ تھا۔

رمضان کا استقبال!

قرون اول میں

ترجمہ: عتیق الرحمٰن سنبھلی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دام مجدہٗ نے دو سال پیشتر رمضان المبارک کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو دہلی کی فرمائش پر، عربی پروگرام کے سلسلہ میں چند تقریریں، ریڈیو کے مناسب ہلکی پھلکی زبان اور دلچسپ اسلوب بیان میں نشر فرمائی تھیں، ان میں سے ایک تقریر کا ترجمہ ہم مولانا موصوف کی اجازت سے ہدیۂ ناظرین الفرقان کر رہے ہیں —— اس میں مولانا نے اپنی بات رمضان کی زبان سے کہی ہو اور اپنے سامعین کو خود رمضان کا مخاطب بنایا ہو جس سے ایک خاص قسم کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے — امید ہو کہ یہ ناظرین کے حق میں رمضان کے پر جوش استقبال کی ترغیب اور ہمارے حق میں ایک درجہ میں سنت نبوی کی ادائیگی ہو گی!

تقریر کے شروع کا حصہ جس میں سامعین کی جانب سے رمضان سے زبان غیبی میں اپنے استقبال کا حال بیان کرنے کی فرمائش کی گئی تھی حذف کر دیا گیا ہو —— رمضان کی طرف سے اس فرمائش کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ○ —————— (ادارہ)

میرے دوستو! تمھیں نیا رمضان مبارک اور خدا کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام!۔

تمھاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہو، پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اور ایک تقاضہ تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمھارے تجویز کردہ

عنوان سے بہتر اور محبوب عنوانِ گفتگو میرے لیے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنہ ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا۔ پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا، اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا۔ نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی، نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا، اور نہ دین کے ارکان میں سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا، رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد ـــ استغفر اللہ ـــ رشک ہوتا تھا، کیونکہ یہ اَشْھُرِ حُرُم (محترم مہینے) تھے اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھے ایک اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا ـــ مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا اور روزہ جیسے اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا، لیکن یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ بہرحال اب سنیے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا، انھوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمۃ الجیش اور میرے مبشّر کی طرح استقبال کیا۔ شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ایّھا النّاس قد اظلّکم شھرٌ رمضان شھرٌ عظیمٌ، شھرٌ فیہ لیلۃٌ خیرٌ من الفِ شھرٍ جعلَ اللّٰہُ صیامَہٗ فریضۃً وقیام لیلہٖ تطوّعاً من تقرّب فیہ بخصلۃٍ من الخیر کان کمن ادّیٰ فریضۃً فیما سواہ ومن ادّیٰ فریضۃً فیہ کان کمن ادّیٰ سبعینَ فریضۃ فیما سواہ وھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنّۃ وشھر المواساۃِ وشھرٌ یزاد فیہ رزق المؤمن

اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ فگن ہو رہا ہے۔ بڑا عظیم الشان مہینہ ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھکر ہے۔ اللہ نے اس مہینے کے روزے فرض کیے ہیں اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفلی نیکی کرے گا، اس کا ثواب دوسرے دنوں کے فرض کے برابر ہوگا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا۔ اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔ یہ ماہ صبر ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ غمخواری و غمگساری کا مہینہ ہے!

ـــــــ اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لیے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے، غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کر رہا ہو، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگار عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہٰذا اس کی طرف سے حکم طلوع ہوا اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمۂ مسرت جاری ہوا۔

ھِلَالُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ! اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی!

سامعین کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی — حالانکہ میں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو صبر و جہاد کا مہینہ تھا — وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج آپ کو عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہو — میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا کیونکہ یہ ایک طویل بات ہو، اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاطِ عبادت ابھر آیا۔ یہ لوگ عشا کے بعد ایک ایک، دو دو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے جس کو جو میسر آیا اس نے اس سے سحر کھائی پھر مساجد کی راہ لی اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہو جہاں وہ لوگ آجکل کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، آج اگر آپ میں سے کوئی رات کو تھوڑی دیر عبادت کر لیتا ہو، اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہو تو وہ اپنا حق سمجھتا ہو کہ دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو (روزہ رکھ کر) صبح ہی صبح اپنی دوکان یا ڈیوٹی پر جاتے ہوں اور کم ایسے روزہ دار ملیں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاصا حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہو — اسکے برعکس صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا، وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقت حیات بھی برداشت کرتے تھے اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے، ان کے زمانہ میں رمضان اختیار کی طبائع نہیں بدلتا تھا۔

اور نہ دن کو راتے بناتا تھا، وہ اُلٹے ان میں قوت اور نشاط کار بڑھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی جسکو لوگ پہلے سے کرتے تھے رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی، میں اگر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا، مثلاً انھوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت، فحش کلامی اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا، تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے، ہاں اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصہ کو بھی ضبط کرتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ

"میں روزہ دار ہوں"

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غمخواری کے بیحد حریص ہوگئے، یوں سمجھئے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا،

اذا حلّ رمضان کان اجود بالخیر	جب رمضان آتا تو آنحضرت امور خیر میں
من الریح المرسلۃ	آندھی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوجاتے تھے۔

روزہ دار کو افطار کرانے، غلاموں کو آزاد کرانے، ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقراء و مساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔

لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا، لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لوٹے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ مساجد کا حال اسوقت یہ ہوجاتا تھا کہ اگر تم جاؤ تو ذکر کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، موذن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سید الاولین والآخرین نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا اور پھر اس پر اتنا شکر کہ انواع و اقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہوسکتا۔ سنئے حضور فرما رہے ہیں۔

ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت	خشکی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں اور اللہ نے
الاجر ان شاء اللہ	چاہا تو اجر واجب ہوگیا۔

آپ کے اصحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا اور اللہ کی حمد کی، پھر نماز پڑھی اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا صرف بقدر ضرورت کھالیا، نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ

ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھر ان کا یہی معمول رہتا تھا، نہ اس میں کوئی فرق آتا اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور بردشتہ خاطر ہوتے، بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی گویا روزہ ان کی روح کو غذا ملتی تھی اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے مخمور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آخری عشرہ آتا تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرما لیتے تھے۔

میں جب اس دور سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کرتا ہوں تو صورت و شکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں، مگر خشوع و اخلاص اور ایمان و احتساب کی کیفیات میں کھلا فرق محسوس کرتا ہوں، اگر سابقین کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی کہ وہ اپنے ایمان و احتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرا فرق جو میں بتلا سکتا ہوں یہ ہو کہ ان پر روزہ اپنے بہت گہرے اخلاقی اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا، یوں کہیے کہ ان کی طبیعتوں پر روزہ کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی، اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا تو ان میں وہی عفت، وہی تقویٰ، وہی صدق و امانت، وہی رقت، وہی کریم النفسی، وہی حرص طاعت، وہی لذات نفس سے نفرت، وہی آخرت کی فکر اور وہی دنیا سے بے رغبتی پاتا ــــ الغرض ہر دوسری مرتبہ وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن و صاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! ــــ جب میرا وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا تو انھوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے دوست کی طرح رخصت کیا، آنسو کسی طرح تھمتے نہ تھے، اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں، لبوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا یہ ملاقات آخری نہ ہو، یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں۔

یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ہلکی سی تصویر!

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو دہلی)

کتبخانہ کا رعایتی اعلان

جو حضرات اب سے آخر رمضان تک کم از کم پانچ روپے کی کتابیں طلب فرمائیں گے ان کو کتبخانہ الفرقان کی مطبوعات پر فی روپیہ ۴؍ اور دوسرے اداروں کی مطبوعات پر فی روپیہ ۲؍ کی رعایت دی جائے گی۔

محصول بہرحال بذمہ خریدار ہوگا۔

ہماری مطبوعات یہ ہیں معارف الحدیث مجلد للعہ، غیر مجلد ہے۔ اسلام کیا ہے کاغذ اعلیٰ مجلد عہ، اسلام کیا ہے کاغذ ادنیٰ غیر مجلد عہ، نماز کی حقیقت ۱۲؍، کلمہ طیبہ کی حقیقت ۱۲؍، برکات رمضان ۵؍، آپ حج کیسے کریں عہ، تصوف کیا ہے عہ، تبلیغی تقریریں مجلد عہ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت عہ، ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ۔ مکاتیب حضرت مولانا محمد الیاسؒ عہ، تصوف و صوفیہ اور ہندستان میں ان کے برکات عہ، حضرت شاہ ولی اللہؒ از مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم عہ۔ قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۲؍ فیصلہ کن مناظرہ، یعنی مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے تکفیری فتوے حسام الحرمین کا علمی جائزہ اور دینی محاسبہ عہ۔ بوارق الغیب (حصہ دوم) یعنی مسئلہ علم غیب کے متعلق رسول اللہ صلعم کی سو حدیثیں مع تشریح عہ،

ہماری ان مطبوعات کے علاوہ دوسرے اداروں کی شائع کردہ دینی کتابیں مثلاً حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تالیفات۔ تفسیر بیان القرآن، اختری بہشتی زیور، حیوٰۃ المسلمین، تعلیم الدین، اصلاح الرسوم اور جناب مولانا عبد الباری صاحب کی تالیفات جامع المجددین، تجدید تصوف و سلوک، تجدید تعلیم و تبلیغ — اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی تمام تالیفات، حکایات صحابہ، فضائل نماز وغیرہ۔ اسی طرح مولانا احتشام الحسن صاحب کی تصنیفات تجلیات کعبہ، تجلیات مدینہ، شاہراہ ترقی وغیرہ۔ اسی طرح مکتبہ اسلام لکھنؤ، اور مکتبہ دین و دانش لکھنؤ، اور ندوۃ المصنفین دہلی کی تمام مطبوعات اور تازہ ترین مطبوعات میں سے سوانح قاسمی از مولانا گیلانی، اور حیات انور، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی کی معرکۃ الآراء تالیف "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" — اور ان کے علاوہ بھی کتب خانہ الفرقان میں رہنے والی تمام دینی کتابیں جو دوسرے اداروں کی طبع کردہ ہیں، آخر رمضان تک ان سب پر ۲؍ فی روپیہ رعایت دی جائے گی — امید ہے کہ شائقین اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے — منیجر کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں!

تذکرۂ اعزازؒ

اُس ہستی کے محاسن و خصائص کا تذکرہ جس نے مسلسل پچاس سال تک، نہایت خاموشی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت و اشاعت کی، اور بالآخر اسی میں خود کو فنا کر کے آرام گاہِ ابدی میں جا سوئے۔

اُس نے زندگی بھر تشنہ کامانِ علم کو اس بے پناہ فیاضی کے ساتھ سیراب کیا کہ آج اس کے میخانۂ علم کا ایک جرعہ نوش اس کے سفر اُخروی کی خبر پا کر پکار اُٹھتا ہے۔

نُفِضَتْ بِكَ الأَحْلَاسُ نَفْضَ إِقَامَةٍ
وَاسْتَرْجَعَتْ نُزَّاعَهَا الأَمْصَارُ
فَاذْهَبْ كَمَا ذَهَبَتْ غَوَادِي مُزْنَةٍ
أَثْنَى عَلَيْهَا السَّهْلُ وَالأَوْعَارُ

شیخ الادبؒ

سیرت کا ایک ہلکا سا خاکہ

(از جناب سید فرید الوحیدی)

حضرت شیخ الادب والفقہ استاذ الاساتذہ مولانا الحاج حافظ محمد اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی کا کوئی خاکہ پیش کرنا ہو یا ان کی عظمت و منزلت کا کسی قدر اندازہ کرانا ہو تو ممدوح کی علمی زندگی پر قلم اٹھانا چاہیے، ان کی پوری زندگی مختلف علوم و فنون بالخصوص ادب و فقہ کی ایک ضخیم انسائیکلوپیڈیا ہے، کوئی ذی علم صاحب قلم یہ انسائیکلوپیڈیا سامنے رکھ کر تحریر و انشا کی خوب خوب حسرتیں نکال سکتا ہے۔ تعلیم و تعلّم حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ دنیا کی ہر چیز سے صرف نظر کر کے محض اسی شغلہ کو ممدوح نے اپنی زندگی کے لئے منتخب فرما لیا تھا۔ دوسرے مشاغل اور دلچسپیوں سے (سوائے اسی لائن کی تصنیف و تالیف کے) نہ صرف یہ کہ دلچسپی نہ تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ایک حد تک بُعد و تنفر تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ علمی انسان بہت سے ہوئے ہیں۔ آج بھی مختلف علوم و فنون کے بڑے بڑے ماہرین اور فضلا موجود ہیں مگر تعلیم و تعلّم کا اس قدر شیدائی اور اس سلسلہ میں ان صفات کا حامل آج دوسرا نظر نہیں آتا جدید اصطلاح میں مختلف صلاحیتوں کے لوگوں کو ان کی متعینہ صفات کے اعتبار سے فولادی انسان کہا جاتا ہے، ہم بھی اگر تھوڑی دیر کے لئے آج کی زبان میں مدح کریں تو حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ بلا شبہ تعلیمی لائن کے فولادی انسان تھے، اس خصوصیت اور ان حقائق کی کے پیش نظر حضرت شیخ الادب کی زندگی کا صحیح عکس اور سیرت ممدوح کی علمی زندگی اور علمی کارناموں کا تذکرہ ہی ہو سکتا ہے لیکن اول تو حضرت استاذ رحمۃ اللہ کی نفس سیرت پر ہی قلم اٹھانا میں بڑی ذمہ داری اور جرات کا کام سمجھتا ہوں اور پھر علمی زندگی کا جائزہ و تذکرہ تو یقیناً صرف انہی کا حق سمجھتا ہوں، جو اس نعمت سے بہرہ ور ہوں اور ان خصوصیات پر فہم و بصیرت کے ساتھ

نظر رکھتے ہوں دوسرے چونکہ ممدوح کی زندگی کا یہی پہلو نمایاں اور عوام و خواص کے لئے مرکز توجہ رہا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ جو تذکرے بھی حضرت استاذ رحمۃ اللہ کے آئیں گے اُن میں بیشتر اسی موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے گی اور علاوہ تعلیم و تعلّم کے ..... حضرت کی زندگی کی وہ خصوصیات و امتیازات جنھوں نے ممدوح کی زندگی کو عام سطح سے بلند تر کر دیا تھا ان کا تذکرہ شاید نہ آسکے اس لئے میں صرف حضرت کی عام زندگی کا خاکہ پیش کروں گا۔ علمی تذکرہ اور اس پر بحث میرے موضوع سے خارج ہے ضمنی طور پر کوئی بات آگئی تو وہ مقصود نہ ہوگی

حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ کی ایک اہم خصوصیت جو اپنے مفہوم اور افادیت کے اعتبار سے درحقیقت علمی خصوصیت تھی وہ دارالعلوم دیوبند اور طلبائے علوم عربیہ سے شفقت اور تعلق خاطر تھا اس میں کوئی مبالغہ نہیں اور حضرت کے کم و بیش پچیس ہزار تلامذہ و خدام کے غم و اندوہ سے لبریز قلوب اس بات کی شہادت دیں گے کہ طلبہ سے بلا امتیاز و بلا استثناء حضرت کو حقیقی باپ سے کچھ کم تعلق اور محبت نہ تھی خدانخواستہ کسی طالب علم کی ناسازی طبع کی بات کان میں پڑگئی تو سارے کام ملتوی کر کے جائے قیام دریافت کرتے کرتے حضرت استاذ علیل طالب علم کے سرہانے موجود ہوتے، چہرے پر تاثر ہوتا، دعا فرماتے، غرضکہ جو بیتابی اور بے چینی اپنی اولاد کی علالت پر ایک ضعیف باپ کو ہو سکتی ہے اس سے زیادہ ایک طالب علم کی علالت پر حضرت بے چین اور مضطرب نظر آیا کرتے تھے مشاغل کی کثرت کے باوجود بار بار عیادت اور پرسش حال کا وقت نکال لیتے، کچھ دیر بیمار طالب علم کے پاس بیٹھتے جتنی دیر تشریف رکھتے دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کرتے رہتے۔ سر پر ہاتھ پھیرتے اور تسلی و تشفی فرماتے خدانخواستہ کسی طالب علم کا انتقال ہو جاتا تو حضرت کو بڑا صدمہ ہوتا تھا اور کئی کئی روز تک مغموم رہتے تھے۔

حیدر آباد سندھ کے ایک نابینا طالب علم حافظ عبدالرحمٰن مرحوم بہت شوقین محنتی اور ذہین طالب علم تھے۔ یہ خدا کی دین تھی کہ نابینا ہونے کے باوجود کتابوں میں وہ ہم سب بینا منتر کار سے زیادہ تیز اور صاحب استعداد تھے، چنانچہ طبعاً حضرت شیخ الادب کو اُن سے لگاؤ تھا۔ امید تھی کہ دارالعلوم سے فراغت کے بعد وہ ایک مقتدر عالم ثابت ہوں گے مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ انھیں زکام ہوا بخار اور کھانسی کی شکایت ہوئی اور شکایت نے یہاں تک طول پکڑا کہ آخر پیغام قضا آپہونچا۔ انتقال سے چند منٹ قبل ایک صاحب میرے پاس دوڑے ہوئے

آئے اور اطلاع دی کہ حافظ عبدالرحمٰن کی حالت خراب ہے، میں پہونچا تو نزع کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ سرہانے بیٹھے ہوئے پرسوز اور پر اثر آواز میں تلقین فرمارہے تھے یہ تعین تو میں اس وقت نہیں کرسکتا کہ حضرت کی آواز بھرّائی تھی یا نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ آواز سے اس قدر حزن و ملال مترشح تھا کہ میں اور سب حاضرین ضبط پر قادر نہ ہوسکے اور ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، فرحمہا اللہ تعالیٰ۔

یوں تو عام طور پر طلبہ سے حضرت کو تعلق اور محبت تھی ہی مگر ذہین اور شوقین طلبہ پر حضرت کی خصوصی توجہات رہتی تھیں طلب علم اور اس میں شغف کے سوا کسی قسم کی خدمت، کوئی معاملہ ایسا نہ تھا جس سے طلبہ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصی توجہ حاصل کرسکنے میں کامیاب ہوجاتے بعض نہ پڑھنے والے طلبہ مختلف قسم کے ذرائع اور سفارشیں استعمال کرتے تھے، مگر یہ چیزیں کبھی اثر انداز نہیں ہوسکیں۔ ہاں اسباق میں حاضر باش اور علم کا شوقین طالب علم ممدوح کے ذہن میں ایک مستقل مقام حاصل کرلیتا تھا۔ بہت سے طلبہ ایسے تھے جو کبھی خدمت میں حاضر نہ ہوتے تھے اور حضرت اُن کے دوسرے حالات سے واقف بھی نہ ہوتے تھے، مگر اپنے علمی شغف اور محنت کی بنا پر حضرت کے لئے مرکز توجہ رہتے تھے۔

راستے میں چلتے ہوئے سر کو جھکا کر چلتے تھے۔ اِدھر اُدھر نظریں نہیں اُٹھاتے تھے مگر کوئی طالب علم اگر مطالعہ یا مذاکرہ میں مشغول نظر آیا تو اُس کے قریب یا محاذ میں پہونچ کر نظریں اس کی جانب اُٹھ جاتی تھیں اور دو چار قدم تک غور اور شفقت کے ساتھ اُسے دیکھتے چلے جاتے تھے اور پھر وہ طالب علم ذہن میں ایک جگہ حاصل کرلیتا تھا۔

سبق میں راستے میں یا کمرہ پر اگر کسی نے کوئی علمی اشکال پیش کیا تو اسی لمحہ اُسے مطمئن کرنے پر تیار ہوگئے۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ اس قسم کے سوالات کرنے والوں یا اشکلات پیش کرنے والوں سے گریز ہو۔ رات کے بارہ بجے ہیں ابھی بخاری یا ترمذی کا درس دے کر تشریف لائے ہیں اور کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہیں اتنے میں کوئی طالب علم حاضر ہوا، نہایت شفقت سے بٹھایا اور پھر آنے کا سبب دریافت کیا، طالب علم نے اپنی الجھن بیان کی حضرت نے بلا تکلف اس کی تشفی کا سامان فراہم کردیا۔ اس نے اگر بوقت تکلیف دہی پر معذرت کی تو حضرت نے

مخصوص انداز میں فرمایا "مولوی صاحب اللہ جانے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، حق تعالیٰ آپ کو ترقی علم وعمل دے، جس وقت کوئی ضرورت ہو بلاتکلف تشریف لے آئیے" طالب علم رخصت ہوا، وقت کافی ہو چکا ہے، صبح فجر سے پہلے چند طلبہ کو کوئی کتاب پڑھانی ہے، اس کے بعد ایک طالب کا قرآن سننا ہے، فجر کے بعد سے نو بجے تک مسلسل ہدایہ اخیرین کا درس دینا ہے مگر مطالعہ کا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔

ان مصروفیتوں کے ساتھ بعض طلبہ کے پیہم اصرار اور اُن کے ازدیادِ شوق سے مجبور ہو کر کوئی خصوصی سبق بھی شروع کرا دیتے تھے، یا کسی حافظ طالب علم کا قرآن سُنا کرتے تھے، ان اسباق کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ اہم اور منتہی اسباق ہوں۔ اس کا معیار محض درخواست کرنے والے طلبہ کی طلب اور ان کا شوق تھا، اگر طلبہ شوقین ہیں اور طلب صادق ہے تو نحومیر اور نفحۃ العرب بھی پڑھاتے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ جب شروع کرا دیا تو چھوٹے سے چھوٹے سبق کی بھی اسی قدر پابندی فرماتے تھے جس قدر ہدایہ اخیرین اور ابوداؤد کی پابندی فرماتے تھے۔ ایک شوقین طالب علم نے ایک مرتبہ ایک سبق کی فرمائش کی، حضرت نے وقت کی کمی کا عذر فرمایا مگر اس کا اصرار بڑھتا گیا تو حضرت نے اُسے بارہ بجے رات کا وقت دیا اور فرمایا اس وقت میں کمرے اُٹھ کر گھر جاتا ہوں، راستے میں آپ سبق پڑھ لیا کریں، چنانچہ وہ طالب علم اسی طرح اکتساب فیض کرتا رہا اور حضرت اس کا تذکرہ بہت خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ اُس نے کبھی ناغہ نہیں کیا۔

وقت کا صحیح استعمال اور نظام الاوقات کی پابندی جس قدر حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس کی مثال احقر نے تو کہیں دیکھی نہ سنی۔ مقررہ اوقات میں منٹوں کا فرق بھی مشکل سے ہوتا تھا مختلف اوقات کی مختلف گذرگاہیں مقرر تھیں مثلاً تیسرے گھنٹہ کے فوراً بعد تعلیمات کے دفتر میں تشریف لیجانیکا وقت مقرر ہے۔ آپ چار سال کے بعد دارالعلوم میں حاضر ہوں اور آپ کو فوری ملاقات مقصود ہو تیسرے گھنٹہ کے شروع میں کمرے اور دفتر تعلیمات کے راستے میں کھڑے ہو جائیے، حضرت آپ کو راستے میں مل جائیں گے لیکن گھنٹہ شروع ہونے کے پانچ منٹ بعد حضرت آپ کو راستے میں نہ ملیں گے وہ تعلیمات کے دفتر میں پہونچ چکے ہوں گے۔

پانچویں گھنٹہ میں سنن ابی داؤد کا سبق مقرر ہے۔ گھنٹہ کی آواز اس امر کی ضمانت ہے کہ شیخ الادب

درسگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ سبق کا ذکر آیا تو ایک دلچسپ طرزِ عمل کا تذکرہ اور کرتا چلوں، درسگاہوں میں عام طور پر حاضری کا اندراج سبق سے پہلے ہوتا ہے حضرتؒ کے یہاں حاضری کا کوئی وقت مقرر نہ تھا اس لئے طلبہ کو حاضری ختم ہونے کے بعد درسگاہ سے اٹھ جانے کا موقع نہ ملتا تھا، سبق کی تقریر کرتے کرتے درمیان میں اچانک کتاب بند ہو جاتی اور حاضری کا اندراج شروع ہو جاتا۔ جو طلبہ کسی وجہ سے اس وقت غیر حاضر ہو جاتے پھر ان کی حاضری کا اندراج مشکل ہو جاتا کیونکہ وہاں یہ مجال ذرا مشکل تھی کہ کوئی صاحب یہ عذر پیش کر سکیں کہ میں کسی وجہ سے صرف اسی وقت کہیں چلا گیا تھا۔ دو چار دن درمیان میں حاضری کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر طلبہ ابتداءِ سبق میں آنے کے بجائے کچھ دیر گذار کر آنے لگے کہ ایک دن گھنٹہ شروع ہونے کے فوراً بعد حاضری شروع ہو گئی نتیجہ میں دیر کرنے والے طلبہ کی غیر حاضری درج ہو گئی۔ ہر نئے سال کی ابتداء میں نئے طلبہ کی جماعت کے ساتھ یہ معاملہ دو ایک مرتبہ پیش آتا اور پھر تمام سال کے لئے طلبہ چوکنے ہو جاتے تھے، سبق میں باب پر باب مسائل پر مسائل اور قصیدے کے قصیدے ختم ہو رہے ہیں، طلبہ منتظر ہیں کہ گھنٹہ ختم ہونے میں صرف ۵ منٹ باقی ہیں اتنی دیر کے لئے حضرت نیا قصیدہ یا نیا باب کیا شروع کرائیں گے مگر جب تک گھنٹہ میں سانس باقی ہوتا سبق کی آس نہ ٹوٹتی۔ متنبی کا ایک قصیدہ ختم ہو چکا ہے صرف ۳ منٹ باقی ہیں، مگر دوسرا قصیدہ شروع کر دیا گیا۔ ابھی ایک مصرعہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ گھنٹہ ختم ہوا۔ اِدھر گھنٹہ پر پہلی چوٹ پڑی اُدھر کتاب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہو گئی۔ گھنٹہ ختم ہونے سے پہلے نہ کبھی سبق ختم ہوا اور نہ ختم ہونے کے بعد ایک منٹ بھی جاری رہا حضرت استاذؒ کی اس افتادِ طبع کا تذکرہ مولانا الحاج محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم نے بہت ہی صحیح انداز میں فرمایا۔ موصوف نے دارالعلوم کے ایک تعزیتی اجلاس میں تقریر فرماتے ہوئے کہا:۔

"دیانت دار تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں مگر وقت کے بارے میں اتنا دیانت دار اور محتاط انسان ہماری نظروں سے نہیں گذرا، مولانا نے کبھی وقت میں خیانت نہیں کی"

نظام الاوقات کی یہ پابندی اور محض علمی شغف پر شفقت کی یہ ارزانی شوقین اور محنتی طلبہ کیلئے تو رحمت تھی ہی مگر بدشوق اور نہ پڑھنے والے طلبہ بھی حضرت کی اس افتادِ طبع سے پوری طرح مستفید ہوتے رہتے تھے اور اس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ گذرگاہ پر وقت معینہ میں مطالعہ کرنے بیٹھ گئے اور گردن جھکا کر گویا غرقِ کتاب ہو گئے، چند منٹ بعد حضرتؒ گذر گئے تو یہ بھی کپڑے جھاڑ کر بحرِ علم سے نکل آئے اور اس طرح عرصہ تک کرتے رہے۔

عام اساتذہ کی بہ نسبت حضرتؒ کے یہاں معافی کا باب کافی وسیع تھا، مگر اس کا طریقہ صرف اعتراف و ندامت اور معقول معذرت ہی تھا۔ یہ شرط اگر پوری کر دی جاتی تو بڑے سے بڑا قصور ایک لمحہ میں معاف ہو جاتا تھا بلکہ اس قدر سادہ دل تھے کہ اگر کوئی ندامت کے آثار طاری کر کے جھوٹی معذرت بھی کامیابی کے ساتھ پیش کر کے مولانا کو مغالطہ دینے میں کامیاب ہو جاتا تو اس سے بھی مولانا فوراً خوش ہو جاتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ شاید کبھی نہ بھولے گا!

ایک صاحب کے یہاں کچھ بے تکلف مہمان آئے ہوئے تھے، انھوں نے اپنے کمرے پر مخصوص احباب کو چائے پر مدعو کیا۔ وقت بعد مغرب کا تھا۔۔۔۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہر وقت چائے کا وقت ہوتا ہے۔ مہمان کچھ شاعر قسم کے تھے چنانچہ چائے کے ساتھ ساتھ کچھ شعر و شاعری کا بھی سلسلہ چل نکلا۔ غرض مجلس دو آتشہ بلکہ شعرا کے شوق سگرٹ نوشی سے سہ آتشہ ہو گئی۔ ایک احتیاط پسند نے معاملہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ "حضرت شیخ الادب صاحب سبق پڑھا کر آتے ہوں گے اور اسی طرف سے گذریں گے۔"

مگر رندانِ بلانوش نے یہ صدائے بے محل "بے معنی غرق مے ناب کر دی"، اور چند ہی لمحوں کے بعد دروازے پر مخصوص انداز میں دستک کی آواز سے ہم سب نے سمجھ لیا کہ شیخ الادب صاحب آ پہونچے لہٰذا یکلخت ہرن ہو گیا، بتی گل کر دی گئی، جو چار پائی پر بیٹھے تھے وہ آہستگی سے دیوار کی طرف گر گئے، جو فرش پر تھے وہ چارپائیوں کے نیچے پہونچ گئے، یہ دونوں جگہیں پُر ہو گئیں تو بچے کھچے لوگوں نے کمرہ کے گوشوں میں پناہ لی مگر صاحب کمرہ مولانا...... کا حال بُرا تھا، ان پر یہی دوہرا جرم تھا اور پھر مزید یہ کہ وہ اس جماعت کے طالب علم تھے جس کو درس دے کر حضرت شیخ الادب واپس تشریف لا رہے تھے۔ شعر و شاعری اور مجلس آرائی کے لئے سبق کا ناغہ، گویا شیخ الادب کی بارگاہ میں ان کی قسمت پر مہر لگ گئی تھی، بیچاروں پر سکتہ کا عالم طاری تھا، بجائے چھپنے کے کھڑے ہو گئے ..... اور کمرے کے کواڑ بند کر لئے گئے

دستک برابر جاری رہی اور دروازہ بند رہا کس کی ہمت تھی کہ دروازہ کھولتا مگر صاحب کمرہ مولانا..... نے بڑھ کر مجبوراً چٹخنی کھولی۔ حضرت نے دروازہ کھولا تو گھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، ایک قدم کمرے میں رکھا اور فوراً پیچھے ہٹ کر فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کس قدر بدبو پھیلی ہوئی ہے، بدبو کی وجہ سے کمرے میں قدم نہیں رکھا جاتا، اچھا کون کون صاحب ہیں؟ اپنے اپنے نام بتلائیے، حضرت نے نام سننے کے انتظار میں کچھ سکوت فرمایا، مگر جواب میں خاموشی رہی، صاحب کمرہ مولوی...... سامنے ہی دبکے کھڑے تھے، حضرت نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا آپ ذرا روشنی میں تشریف لائیں، مولوی صاحب سامنے آئے تو شیخ الادب نے اپنے

مخصوص انداز میں فرمایا "اوہو! مولوی صاحب آپ ہیں، اللہ جانے مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی، بہت اچھا بہت اچھا! تشریف رکھئے!

حضرت تشریف لیجا چکے تھے۔ حاضرین دم بخود تھے، ہمیں اطمینان تھا، صاحب کمرہ پریشان تھے مجلس برخاست ہوئی۔ صاحب کمرہ نے کہیں جا کر اس دن کا سبق دریافت کیا اور حضرت شیخ الادب صاحب کی تقریر لفظ بلفظ یاد کرلی، یہ وہی سبق تھا جس سے فارغ ہو کر اس وقت حضرت واپس ہوئے تھے، کچھ ہی دیر بعد صاحب کمرہ حضرت ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئے جسب دستور کمرہ ہر کس و ناکس کے لئے کھلا ہوا تھا۔ مولوی صاحب مذکور نے گھستے ہی رونا شروع کیا اور عرض کی "حضرت میں معافی کا خواستگار ہو کر حاضر ہوا ہوں، میں حضرت والا کی تشریف آوری سے چند ہی منٹ قبل کمرہ پر حاضر ہوا تھا اور درس میں شریک تھا۔ باہر سے آئے ہوئے چند مہمان طلبہ نے یہ مجلس منعقد کر رکھی تھی، میں بے قصور ہوں اور معافی چاہتا ہوں"۔ ارشاد ہوا، مولوی صاحب عذر گناہ بدتر از گناہ! اگر آپ سبق میں تشریف رکھتے تھے تو بتلائیے کہ کونسا باب ہوا ہے اور میں نے کیا عرض کیا ہے، مولوی صاحب نے مالہٗ وما علیہ کے ساتھ سبق بتلا دیا، فرمایا "اچھا مولوی صاحب اللہ جانے، میرا دل بالکل صاف ہوگیا، میں اب بالکل ناخوش نہیں ہوں"۔ مولوی صاحب شاداں و فرحاں تشریف لے آئے ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ڈیڑھ دو ہزار طلبہ، اساتذہ اور کارکنوں پر کنٹرول وقابو رکھنا بڑی کٹھن بات ہے کیسا ہی صاحب اختیار انسان ہو، اور کتنا ہی طاقتور عہدہ ہو مگر تنہا اتنے مختلف الخیال طلبہ پر پورا اثر قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے مگر حضرت شیخ الادب نور اللہ مرقدہٗ کو قدرت نے اس قدر رعب و دبدبہ اور جلالت شان عطا فرمائی تھی کہ بڑے سے بڑے سرکش طلبہ اور معاندین تک کو رو برو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، جدھر سے گذرتے تھے دور تک راستہ صاف ہوتا چلا جاتا تھا۔ جو جہاں ہے اس کے قدم وہیں ٹھٹھک جاتے تھے، طلبہ کا کوئی مجمع ہے ہنسی مذاق اور بے تکلف گفتگو ہو رہی ہے اچانک شیخ الادب نظریں نیچی کئے گذر گئے، نہ نظریں اٹھائیں نہ کسی کو دیکھا مگر مجمع ساکت و جامد ہوگیا، لوگوں نے سہمی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور مجلس برخاست ہوگئی، ایک مرتبہ دار العلوم میں طلبہ کا ایک مشاعرہ ہو رہا تھا بے چھٹی کا زمانہ، بے فکر طلبہ کا مجمع اور پھر محفل مشاعرہ خود فراموشی اور سرمستی کا عالم نہ پوچھئے! داد کی وہ ارزانی کہ ایک ایک شعر پر مجمع کھڑا ہو ہو جاتا تھا، سامعین کی وہ فراوانی کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں اور مجمع باہر کھڑا

اچانک ایک شریر طالب علم نے خوفزدہ سی صورت بنا کر باہر کھڑے ہوئے مجمع سے کہا۔" ارے! شیخ الادب آ گئے"۔ اور یہ کہہ کر زور سے بھاگ پڑا، دو ہی منٹ بعد جس جگہ مشاعرہ تھا وہاں مشاعرہ کا ادنیٰ ثبوت ملنا بھی مشکل ہو گیا اور ایک متنفس بھی وہاں نہ رہا۔ رعب و ہیبت اس قدر کہ اس کی نظیر نہ ملے اور شفقت اتنی کہ دیکھی نہ سُنی۔ حضرت کو اس صورت حال اور طلبا کی اس کیفیت کا اندازہ تھا چنانچہ ہمیشہ ایسے مواقع پر جانے یا گذرنے یا دخل سے حتی الوسع گریز کرتے تھے پھر بھی کبھی کبھی ایسے مواقع پیش آ ہی جاتے تھے۔

استہزاء اور مزاح تو شاید حضرت کے لغات زندگی سے خارج الفاظ تھے، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ میں نے کوئی ایسا موقع نہیں دیکھا جس میں حضرت نے کوئی مزاح کا جملہ ارشاد فرمایا ہو یا کھلکھلا کر ہنسے ہوں۔ براہ راست طلبہ سے تخاطب یا درس کے وقت تو شاید کبھی مسکرانے کی نوبت بھی نہ آئی۔ درجہ وسطیٰ یا ادنیٰ کے مدرسین کے مجمع میں، بر سبیل تذکرہ کوئی ایسی بات ہو گئی تو کبھی کبھی مسکراہٹ لبوں پر آ جاتی تھی۔ اکابر دار العلوم اور حضرت شیخ الاسلام مدنی ادام اللہ برکاتہم کی مجلس میں کبھی خود حضرت مدنی اور کبھی حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہم حضرت استاذؒ سے مزاح فرمایا کرتے تھے وہاں ضرور ہلکی سی ہنسی دیکھنے میں آ جاتی تھی۔ رحلت سے چند سال پہلے حضرت شیخ الادب برد اللہ مضجعہ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، مرحومہ نہایت ہی فرشتہ صفت اور نیک سیرت خاتون تھیں، حضرت استاذؒ پر ان کے انتقال کا بڑا اثر تھا۔ حضرت شیخ مدنی دامت برکاتہم عموماً خاص مجالس میں عقد ثانی کے لئے اصرار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علامہ بلیاوی اور حضرت مدنی کا یہ ملا جلا اصرار کبھی کبھی شگفتہ انداز اختیار کر لیتا تھا۔ ایسے مواقع پر کبھی کبھی یوں بھی ہنستے دیکھا کہ الٹا ہاتھ منہ پر رکھ لیا اور بدن میں چند سکنڈ تک ایک متوازن حرکت ہوتی رہی۔ مسکراہٹ اور مزاح کے اس فقدان اور رعب و دبدبہ کی مناسبت سے بعض طلبہ حضرت کو شیخ الادب کے قافیہ پر شیخ الغضب کہا کرتے تھے، گو کہ معناً یہ غلط تھا۔

اپنے چھوٹوں اور خدام سے شکایت کرنے کے لئے عموماً نہایت لطیف اور غیر محسوس قسم کا طرز گفتگو اور گرامی ناموں میں استعمال فرماتے تھے۔ مثلاً آپ دیوبند حاضر ہوئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے میں آپ نے کچھ تاخیر کی۔ اب ملاقات پر سب سے پہلا سوال آپ سے یہ ہوگا کہ "کب تشریف لائے؟" آپ نے عرض کی "حضرت کل حاضر ہوا"۔ اس پر قدرے چونک کر آپ کی طرف دیکھیں گے اور فرمائیں گے۔ "اللہ جانے مولوی صاحب مجھے بالکل علم نہ ہوا ورنہ میں ضرور حاضر ہوتا

اور اگر آپ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ ہے اور آپ کچھ جرأت سے کام لے کر فرمائیں کہ حضرت! اسی ٹرین سے حاضر ہوا ہوں" اس پر بھی اسی قدر چونک کر فرمایا" او ہو! آپ ابھی تشریف لائے، مجھ سے تو کسی صاحب نے کہا تھا کہ آپ کل آئے ہیں، غالباً انہیں دھوکا ہوا" اب آپ دل ہی دل میں شرمندہ ہولیں، نادم ہولیں۔ مگر بات نہایت تیزی سے آگے بڑھ جائے گی اور ایسا محسوس ہوگا کہ حضرت نے اس پر کچھ توجہ نہ دی۔

فقہ و حدیث وادب کے گنجینۂ معارف اسباق کے وہ دلکشیں مناظر، پہلو بدل بدل کر طالب علم کو گھول کر پلا دینے کی وہ مسلسل جد و جہد، ایک مسئلہ پر تقریر ختم کرنے کے بعد عبارت آگے چلانے کی لفظ" جی" کے ساتھ وہ مخصوص فرمائش، بڑے بڑے دقیق مسائل اور پیچیدہ مضامین کو چٹکی بجاتے آسان طرز میں حل کر دینے والی تقریر، دوران سبق میں اعتراضات و اشکالات کے نہایت پر وقار انداز میں الزامی اور پر لطف جوابات کی تفصیل لکھنے کے لئے کہاں سے قلم لایا جائے اور کس طرح اس مسئلہ پر کچھ لکھا جائے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

بات لکھنے اور لکھے ہوئے کو پڑھنے کی نہیں بلکہ دار العلوم حاضر ہو کر ٹوٹے ہوئے بوریوں پر بیٹھ کر زانوئے ادب تہہ کرنے کی تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہم نے حضرت شیخ الادب کے اسباق کی شان ایک ہی جملہ میں خوب ادا کی ہے اور نہایت بلیغ ترجمانی فرمائی ہے کہ" اگر صاحب ہدایہ قاضی بیضاوی اور امام ترمذی وغیرہ مولانا کو اپنی کتابوں کا درس دیتے ہوئے دیکھتے تو بعید...... اگر مولانا اس بارے میں سبقت نہ فرماتے تو میں اس جگہ یہ ضرور لکھتا کہ اگر صاحب ہدایہ متنبی اور دیگر کتابوں کے مولفین آج زندہ ہوتے تو وہ بھی اتنی ہی عمدگی سے اپنی تالیفات پڑھا سکتے جس قدر خوبی سے مولانا پڑھاتے تھے۔

طلباء سے تو حضرتؒ کو غایت تعلق تھا ہی لیکن فضلاء قدیم کے لئے بھی حضرت کی ذات ملجا و ماویٰ تھی جو مدرس تھے اور سیکڑوں اور ہزاروں میل کی دوری پر مدرس تھے ان کی تعلیمی و تدریسی حالت کی پوری طرح نگرانی فرماتے تھے، مسائل اشکالات کو بڑی فکر و کاوش سے حل فرماتے تھے، ہدایتیں اور نصائح ارسال فرماتے تھے، ترقی کی تدبیریں فرماتے اور پوری طرح

باخبر رہتے تھے، جو ملازم نہ تھے ان میں سے ہر ایک کی حیثیت کے مطابق ملازمتوں پر تقرر کراتے تھے اور اس کی تدبیریں لگے رہتے تھے۔ اس قسم کے ہزاروں علما، و فضلاء اور طلبہ حضرت کی ذات سے فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے سیکڑوں مدارس و مکاتب اسلامیہ کی سرپرستی، نگرانی اور ان کی فلاح و بہبود حضرت کی ذات سے متعلق تھی، ان میں سے اکثر کا عزل و نصب، سالانہ امتحان کے ممتحنین کا تقرر، نتائج کی جانچ اور ان پر ترقی کا ترتب یہ سب حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ ہی کراتے تھے اور کمال یہ تھا کہ یہ سارا کام عموماً دار العلوم میں بیٹھے بیٹھے ہوتا تھا، مگر بعض اہم مواقع پر خود بھی تشریف لے جاتے تھے یا اپنے کسی معتمد کو بھیج دیتے تھے، ساتھ ہی دار العلوم کی نظامت تعلیمات کی نیابت اور اس کی پوری ذمہ داری جس قدر سلیقے اور جانفشانی سے حضرت شیخ الادب نے انجام دی ہے اس کا اندازہ ان چند سطروں سے لگنا ناممکن ہے تفصیل کیوں کر لکھی جائے لکھی بھی جائے تو محض نظامت تعلیمات کی خدمات کا ہلکا سا خاکہ تین چار اشاعتوں میں اسی قدر صفحات کا طلب گار ہے۔

کم و بیش ڈیڑھ ہزار طلبہ کے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کے نتائج ہر طالبعلم کی تعلیمی حالت کی مجمل سی رپورٹ ہر تیسرے ماہ طالب علم کے والدین اور سرپرستوں کے پاس حضرت کے دستخطوں کے ساتھ امتحان کے بعد دوسرے ہی تیسرے ہفتے میں پہونچ جایا کرتی تھی، یہ محض حضرت استاذ کی انتھک محنت اور جدت طبع کا نتیجہ تھا، دار العلوم کی نظامت تعلیمات اور ملک کے صدہا مدارس عربیہ کی نگرانی کا یہ ڈھنگ اور بلا کسی معاوضہ یا ادنیٰ دنیوی منفعت کے یہ نظیر آج بڑی بڑی تنخواہوں اور شان والے وزرا تعلیم اور ڈائرکٹرس آف ایجوکیشن میں بھی نہ ملے گی۔

حضرت شیخ الاسلام مدنی دامت برکاتہم سے حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کو جو تعلق اور محبت تھی اور حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کو آپ کی ذات پر جو بھروسہ اور اعتماد تھا اس کا تذکرہ اب بہت ہی صبر آزما ہے علمی مصروفیات میں اور دار العلوم کے معاملات میں مرحوم حضرت شیخ مدنی کے دست راست کا درجہ رکھتے تھے اور حضرت مدنی مرحوم کی وجہ سے اپنے مشاغل میں، اسفار میں بڑی حد تک مطمئن ہو کر مصروف رہتے تھے تفصیل کے بجائے اجمالی طور پر اتنا عرض کر دینا

کافی ہے کہ حضرت شیخ مدنی دامت برکاتہم نے انتقال کے بعد دارالعلوم پہونچ کر فرمایا کہ

"حضرت شیخ الادب کے انتقال کے بعد میرا سفر کرنا اور دارالعلوم سے غیر حاضر رہنا نہایت مشکل ہوگیا ہے، اب پھر کوئی شیخ الادب پیدا ہو تو میں اس درجہ بے فکر ہو سکتا ہوں"

حضرت شیخ الادبؒ کی علمی شہرت نہ صرف ہندوستان ہی بلکہ دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ انتظامی قابلیت۔ ادب و فقہ میں بے نظیر خصوصیتیں دوسرے اداروں اور یونیورسٹیوں کو حضرت کی جانب متوجہ کرتی رہتی تھیں، بارہا بڑی بڑی تنخواہیں اور عہدے پیش کئے گئے مگر دارالعلوم سے حضرت کو عشق کے درجہ میں تعلق تھا یہاں سے جانا گوارا نہ کیا اور ہمیشہ قناعت اور فقر کی زندگی بسر فرمائی۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام عمر دارالعلوم کی خدمت ہی کو حضرت نے اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔

بات ابھی آدھی بھی نہیں ہوئی وقت بہت ہوگیا، نہ جانے کتنے اوصاف حمیدہ ابھی ایسے ہیں کہ میں نے اُن کا تذکرہ بھی نہیں کیا جن کی طرف ہلکے ہلکے اشارات کئے ہیں یقین کیجئے کہ اُن میں سے ایک ایک وصف پر لکھنے کے لئے کئی کئی صفحے درکار ہیں، جوں جوں لکھتا جاتا ہوں حضرت استاذ نور اللہ مرقدہٗ کے صدہا اوصاف سامنے آتے جاتے ہیں۔ کوئی کیا لکھے کیا نہ لکھے اور کہاں تک لکھے قصہ یوں مختصر ہوتا ہے کہ

۳ر مارچ ۱۹۵۵ء کی دوپہر کو ضلع میرٹھ کے ایک عربی مدرسہ میں شرکت کے لئے میرٹھ اسٹیشن پر اُترے خدام اور متعلقین کا ایک مجمع استقبال کے لئے حاضر تھا۔ اس بھیڑ میں اور مصافحہ اور زیارت کی کش مکش میں چمڑے کا بیگ جو ساتھ تھا کسی بدبخت نے چُرا لیا، قیام گاہ پر پہونچے تو بیگ غائب تھا۔ اس بیگ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے ایک طالب علم کا مسودہ تھا، جو اُس نے ڈاکٹریٹ کے امتحان کے لئے تیار کر کے ملاحظہ و تصحیح کے لئے بنارس ہندو یونیورسٹی سے بھیجا تھا۔ میں بھی اسی جلسہ کی شرکت کے لئے دوسری ٹرین سے میرٹھ پہونچا تھا، پہونچتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت کا بیگ غائب ہوگیا اور اُس کا حضرتؒ پر کافی اثر ہے۔ میں پریشانی کے عالم میں دریافت حال کے لئے قیام گاہ پر حاضر ہوا، کیسے عرض کروں کہ میں نے حضرت اُستاذ کو کتنا پریشان اور بےچین پایا۔ بس یوں سمجھئے کہ میں نے اس قدر بےچین و مضطرب حضرت کو کبھی نہیں دیکھا تھا، مجھے حکم دیا

"اللہ جانے مولوی صاحب میں تو اس قابل رہا نہیں کہ جلسہ میں شریک ہوں، مگر آپ ضرور شرکت کرلیں۔" دوسرے دن جمعہ کو دیوبند واپس تشریف لائے، سنیچر کے دن میں واپس ہو کر خدمت میں حاضر ہوا، وہی اضطراب و بے چینی جو پہلے دن میرٹھ میں تھی وہی آج تیسرے دن تھی۔ میں نے عرض کی حضرت میں نے اخبار میں اعلان کر دیا ہے اور مبلغ عشرہ انعام کا وعدہ کر دیا ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور مسودہ مل جائے، اس پر خوش ہو کر دعا دی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں واپس آیا دوسرے دن دارالعلوم پہونچا تو سنا کہ حضرت شیخ الادب کی طبیعت بہت خراب ہے یوں تو اکثر یہ سن لیا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الادب کی طبیعت ناساز ہے مگر آج بیماری کی خبر وحشت ناک تھی۔ فوراً حاضر ہوا، دولت کدہ پر عیادت کرنے والے طلبہ و اساتذہ کا تانتا بندھا ہوا تھا، میں نے دیکھا تو حالت غیر تھی، دل کے درد کا دورہ تھا۔ شدت درد سے بے چین تھے سانس لینی دشوار تھی، بار بار اٹھ کر بیٹھتے اور پھر گر پڑنے کے انداز میں لیٹ جاتے تھے کسی وقت بیہوشی اور غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی مگر فوراً ہی درد سے بے چین ہو کر تڑپ اٹھتے طلبہ، خدام اور تیمارداروں کا ایک ہجوم تھا، تیماردار لاکھ کوشش کرتے تھے کہ عیادت کرنے والوں کا یہ ہجوم کسی طرح رُکے مگر لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر ہر ممکن طریقہ سے زیارت کی کوشش کرتے تھے۔

اس قدر بے چینی اور درد کے باوجود حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ جس وقت ہوش میں رہتے تو کلمۂ شہادت زبان پر جاری رہتا اور جب غشی طاری ہو جاتی تھی تو ابوداؤد شریف کی تقریر زبان پر جاری ہو جاتی تھی اس کے علاوہ کراہ یا شکایت وغیرہ کا کوئی کلمہ زبان پر نہیں آیا۔ یہی حالت پورے ۲۴ گھنٹے جاری رہی، نہ درد کی شدت میں کمی ہوئی اور نہ سکون ہوا، دوسرے دن رات کو سنا کہ کچھ تخفیف ہو گئی ہے۔ حاضر ہوا تو کوئی تخفیف نہ دیکھی، رات بھر یہی بے چینی رہی۔ فجر کی اذان کے بعد دارالعلوم کے لاؤڈ اسپیکر نے کچھ اعلان کیا۔ الفاظ سمجھ میں نہ آئے مگر ذہن نے کوئی تاویل کرلی، چند ہی منٹ بعد میرا چھوٹا بھائی رشید الوحیدی آیا اور روتے ہوئے اس نے یہ اطلاع دے ہی دی کہ "انتقال ہو گیا"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میری طبیعت یوں بھی کچھ قوی نہیں ہے اور خبر بھی بڑے حادثہ کی تھی۔ سن کر جو دل پر گذری

وہ اس سے پہلے کبھی نہ گذری تھی، افتاں و خیزاں دولت کدہ پر پہونچا، رات جس جگہ حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الادب والفقہ مولانا محمد اعزاز علی کو چھوڑ کر گیا تھا وہاں چارپائی پر چادر سے ڈھکی ہوئی ایک نعش رکھی تھی، لرزتے ہوئے ہاتھوں سے چہرے سے چادر ہٹائی۔ نہ چہرے پر درد کی شدت کا اثر تھا، نہ دل کے درد کی وہ تکلیف تھی، نہ وہ بے چینی تھی۔ دائمی سکون و اطمینان کے آثار سے چہرہ منور تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، موت کی ادنیٰ نشانی بھی چہرہ سے مترشح نہ تھی۔ موت کے بعد بہت سے علماء و صلحا کے چہرے دیکھے، جو شاداب تھے مگر اتنا منور چہرہ کسی کا نہیں دیکھا، طلبہ شدت غم سے بیتاب تھے، بے اختیار آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بعض حضرات باوجود کوشش کے ضبط پر قادر نہ تھے اور روتے ہوئے ان کی آواز نکل رہی تھی۔ رونے والوں میں ۵۰ برس کے معمر، ۶۰ برس کے بڈھے۔ نوجوان اور بچے سبھی شامل تھے، کسی کو دلاسا دینے اور تسلی دینے کا ہوش نہ تھا، فجر کی جماعت کے بعد ایک طالب علم نے دار العلوم کی مسجد میں روتے ہوئے اٹھ کر کہا "آج ہمارے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور ہم یتیم ہو گئے"، ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ہمارے ماں باپ دونوں مرگئے اور ہم بالکل بے سہارا ہو گئے، اس اعلان پر تمام طلبہ بے اختیار رو گئے اور مسجد آہ و بکا سے گونج اٹھی۔

جنازہ دولت کدہ پر رکھا رہا اور انتقال کے بعد سے فوراً زیارت کرنے والے اور آنسوؤں کے ذریعہ نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والے ۳ بجے شام تک لائن لگا کر ایک طرف سے آتے اور دوسری طرف سے جاتے رہے یہ سلسلہ پورے بارہ گھنٹے قائم رہنے کے بعد بھی ختم نہ ہوا، وصیت کے مطابق آب زمزم سے متبرک احرام کی چادروں اور حضرت شیخ الہند کے عمامہ مبارک کا کفن دیا گیا، ٹیلیفون اور تاروں کے ذریعہ پہلے ہی دہلی، میرٹھ، سہارنپور اور مظفر نگر وغیرہ میں اطلاع پہونچ چکی تھی، چنانچہ ان مقامات سے سیکڑوں حضرات کے علاوہ مولانا حفظ الرحمان صاحب مولانا سید محمد میاں صاحب، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور دوسرے اساتذہ و علماء ۱۲ بجے تک پہونچ چکے تھے۔ نماز جنازہ تک ٹرین، کار، اور دوسرے ذرائع سے مذکورہ مقامات سے سیکڑوں کی تعداد میں لوگ حاضر ہو چکے تھے۔ ۳ بجے کے قریب جنازہ دار العلوم کی مشہور درسگاہ نودرہ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا اور دار العلوم کے ہیبت ناک گھنٹے نے پورے شہر کو نماز جنازہ

کی اطلاع دی۔ دہلی، میرٹھ، سہارنپور، مظفر نگر وغیرہ سے آئے ہوئے سیکڑوں حضرات، شہر کے ہزارہا مسلمانوں اور دارالعلوم کے پونے دو ہزار سکان کے ایک جم غفیر نے مل کر نماز جنازہ ادا کی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھائی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی آدمیوں کا ایک سمندر سا نظر آتا تھا۔

نماز بعد ہجوم نے میت کے آخری دیدار کے لئے یلغار کی، منتظمین کو مجمع پر قابو پانا مشکل ہو گیا، ہر شخص چاہتا تھا کہ میں سب سے پہلے پہونچوں، اور زیادہ سے زیادہ عرصہ تک بصیرت وبصارت کو زیارت سے شرف اندوز ہونے کا موقع دوں۔ خدام وکارکنان نے بیحد کوشش کی کہ گھیرا ڈال کر لائن لگا دی جائے مگر کوئی تدبیر بن نہ آئی۔ جنازے کے گرد کھڑے ہوئے مولانا حفظ الرحمان صاحب، مولانا محمد میاں صاحب، مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے اور دوسرے اساتذہ و خدام مجمع سے قابو میں رہنے کی اور صبر وسکون کے ساتھ زیارت کرنے کی اپیل کر رہے تھے اور جنازہ کو صدمے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے، کم وبیش ایک گھنٹہ تک یہ کش مکش جاری رہی۔ اور آخر جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو سب نے مل کر طے کیا کہ چونکہ مجمع زیادہ ہے اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ میں جنازہ کو ہاتھ لگاؤں لہذا عام راستے کے بجائے جنازہ صدر دروازے سے نکال کر محلہ دیوان کے سامنے سے گزرتا ہوا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا حفظ الرحمان صاحب مولانا محمد میاں صاحب اور دوسرے بڑوں نے مل کر جنازہ اٹھایا، اٹھانے اور کاندھوں تک آنے میں کئی منٹ صرف ہوئے۔ مجمع بے تحاشا عواقب سے بے پرواہ ہو کر کاندھا دینے کے لئے ٹوٹ پڑا اور دیر تک جنازہ ایک قدم بھی نہ بڑھ سکا۔ بڑی مشکل اور کوششوں سے لوگوں سے بار بار چلا چلا کر عرض کرنے کے بعد جنازہ چیونٹی کی سی چال سے آگے بڑھا، ہر ہر قدم پر پوری کوشش کر کے ایک ایک قدم آگے بڑھتا۔ کاندھا دینا تو کجا جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی آسان نہ تھا جو حضرات کوشش کر رہے تھے وہ کئی کئی مرتبہ قریب پہونچے مگر آنِ واحد میں پھر دور پھینک دیے گئے اور کئی مرتبہ اس طرح تھپیڑے کھانے کے بعد اکثر حضرات مایوس ہو گئے، بہتوں نے کامیابی حاصل کی، جنازہ کے پیچھے بھی لوگ جھکے جھکے چل رہے تھے، جو لوگ ایک مرتبہ گھس گئے انھیں آخر تک نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ جب تک جنازہ قبرستان تک نہیں پہونچ گیا۔

سب سے زیادہ دل خراش منظر اس وقت پیش آیا جب جنازہ صدر دروازے سے نکلا، اس موقع پر حضرت شیخ الادبؒ کے کمرے کی تین قد آدم دروازہ نما کھڑکیاں ملتی ہیں جو سڑک کی جانب کھلتی ہیں اس جگہ سے گذرتا ہوا ہر شخص جب ان کھڑکیوں کے محاذ میں پہنچتا تھا تو نہایت خاموشی اور احتیاط سے اپنے کو چھپاتا ہوا گذرتا تھا، عموماً سبھی طلبہ اور غیر طلبہ کے قدم اس جگہ پہونچ کر ٹھٹھک جاتے تھے۔ آج اس قدر ہجوم اور مجمع میں بھی جب جنازہ کمرے کے محاذ میں پہونچا تو حسب عادت لوگوں کے قدم ٹھٹھکے اور ہزاروں نگاہیں بیک وقت ان کھڑکیوں کی طرف اٹھ گئیں مگر وہ کھڑکیاں بند تھیں اور معاً یہ خیال آیا کہ اب یہ کھڑکیاں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی ہیں اور جس کے ادب سے چھپ کر نکلا کرتے تھے وہ آج اس کمرے میں نہیں، ہمارے کاندھوں پر ہے، اس موقع پر لوگوں کو جوش گریہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا، پانچ منٹ کا راستہ گھنٹوں میں طے ہوا، جنازہ قبرستان پہونچا تو دارالعلوم سے لے کر قبرستان تک آدمیوں کے سلسلے میں کوئی فصل نہیں نظر آتا تھا۔

ساڑھے چار بجے کے قریب اس پیکر علم وعمل، ادب وفقہ کے آفتاب اور ۲۵ ہزار اساتذہ کے اس شفیق ترین استاذ کو اس کے محبوب استاذ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے پیروں کے پاس سپرد خاک کر دیا گیا ـــــ سدا رہے نام اللہ کا!

اسلاف کی ایک سچی یادگار

(مولوی سید انظر شاہ صاحب مدرس دار العلوم دیوبند)

چاندنی افسردہ، گل بے رنگ و بو، نغمے اُداس
اک ترے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "اعلام الموقعین" میں نقل کیا ہے کہ:-

"قال مالك بن يخامر لما حضر معاذ بن جبل الوفاة بكيت فقال ما يبكيك؟ قلت والله ما ابكي على دنيا كنت اصيبها منك، ولكن ابكي على العلم والايمان اللذين كنت اتعلمهما منك۔

یعنی مالک بن یخامر جو حضرت معاذ بن جبل صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذؓ پر سکرات موت کی کیفیات طاری ہوئیں اور روح پاک جسد عنصری سے پرواز کیا چاہتی تھی۔ تو مجھ پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا اور رنج و غم کے آنسو، پر نم و اشک آلود آنکھوں سے پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگے، سیدنا معاذؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو مجھ سے دریافت کیا کہ مالک کیوں رو رہے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ــــ "خدا کی قسم دنیا کے وہ منافع جو آپ سے ہم کو حاصل ہوتے تھے اور بظاہر آج جن کا سلسلہ منقطع ہو رہا ہے غم و الم اس کا نہیں ہے بلکہ میری یہ بیقراری و اضطراب اس سرچشمۂ علم و ایمان کے خشک ہونے پر ہے جس سے صبح و شام ہم تشنگان علم و یقین سیراب ہوتے تھے"۔

واقعہ یہ ہو کہ استاذ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ کی موت پر مجھ ایسے بے بضاعت و تہی دامن انسان کا غم و ملال ان دنیاوی منافع پر نہیں جن کا سلسلہ

مولانا مرحوم کی ذات سے وابستہ تھا بلکہ سینے کے اندر تڑپنے والا دل اور خون کے آنسو بہانے والی آنکھ آج اسلیئے رو رہی ہے کہ شہر خموشاں کے کسی گوشہ میں ہم نے "اعزاز علی" کو دفن نہیں کیا بلکہ ادب، فقہ، معانی و شعر، صرف و نحو، تفسیر و حدیث کے ایک گنج گرانمایہ اور ایک متاع عزیز کو اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا ہے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کیے؟

عطا بن رباح نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس فضل و کمال کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ:-

ما رائت مجلساً قط اکرم من مجلس ابن عباس اکثر فقہاً و اعظم ان اصحاب الفقہ عندہ، و اصحاب القرآن و اصحاب الشعر عندہ یصدرھم کلھم فی واد واسع

بلاشبہ مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں پہونچنے والا فقہ و ادب، شعر و معانی، قرآن و حدیث کی ایک وسیع اور فراخ وادی میں گلگشت کرتا تھا۔ فقہی جزئیات کی حافظ، ادب و شعر پر مالکانہ تصرف رکھنے والی شخصیت مولانا مرحوم کی تھی۔ وہ اپنے بزرگوں کا نمونہ اور ہمارے اسلاف کی ایک سچی نشانی تھی غالب مرحوم کا شعر ان کی موت پر کس قدر صادق ہے ؎

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یوں تو ان کی دستار فضیلت میں، حسن صفات اور خوبیوں کے بہت سے دل آویز و تابدار جواہر و لعل آویزاں تھے لیکن موقع کی مناسبت سے مولانا مرحوم کی چند وہ خصوصیات جن میں وہ منفرد تھے پیش ہیں۔

خدمت علم نصف صدی سے زائد درس و تدریس کی خدمت میں عمر کے طویل اور بیش قیمت حصّہ کو مولانا مرحوم نے جس شغف و انہماک سے صرف کیا وہ انکی زندگی کا ایک حسین رُخ اور شاندار باب ہے، صبح و شام، روز و شب جس جانفشانی سے وہ درس و تدریس میں لگے رہتے اس خصوصیت میں واقعہ یہ ہے کہ ان کی ہم وزن شخصیت مشکل سے مل سکے گی، خدمت علم کے لافانی

جذبہ سے وہ کچھ ایسے سرشار و مست تھے کہ رات کے آرام و راحت، سکون و اطمینان کے لمحات بھی پڑھنے، پڑھانے میں گزرتے دوسروں کے متعلق کیا عرض کروں خود خاکسار کو "نفحۃ العرب" اور مفید الطالبین کے اسباق تین بجے شب میں ایک جماعت کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ انھیں ایام میں دیکھا کہ رات کی اندھیریوں میں اساتذہ کی آمد و رفت ان کے قیام گاہ پر ہے اور اشکالات کا حل مولانا سے کرایا جا رہا ہے۔ رمضان المبارک کا زمانہ درس و تدریس میں گزرتا، دوسرے مشاغل کے ساتھ اسباق کا سلسلہ جاری رہتا خاص عید الفطر و عید الضحیٰ کے روز بھی مولانا مرحوم کے یہاں سبق ہوتے۔ "علم الصیغہ" کی بحث صفت مشبہ عید الضحیٰ کے روز مولانا نے اس ظلوم و جہول کو سمجھائی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تعطیلات کے زمانہ میں مولانا کو دار العلوم کی ذمہ داریوں سے قدرے فراغت ہوتی تو ہم ایسے بدشوق طلباء کو گھیرنے کا موقع ملتا اکثر ایسا ہوتا کہ ہمیشہ کتاب ایک گھنٹہ ہوتی تو ان ایام میں دو، دو گھنٹے مولانا درس دیتے، کتاب کا جتنا حصہ ہو چکا ہوتا ایک ایک لفظ سنتے، غرضیکہ نہ خود اطمینان کا سانس لیتے اور نہ دوسروں کو ضرورت سے زائد آرام و راحت میں اوقات گذارنے کی اجازت ہوتی۔

اور اسی خدمت علم کے جذبہ نے مولانا مرحوم کو ایسا بے نفس کر دیا تھا کہ طلباء کے کمروں پر درس دے آنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ایک صاحبزادے نے پڑھنے کی خواہش کی دو بجے شب وقت طے ہوا مولانا مرحوم ٹھیک وقت پر پہونچ جاتے لیکن وہ صاحب سوتے رہتے ایک ہفتہ کی مسلسل تشریف آوری کے بعد فرمایا کہ :-

"مولوی صاحب میں برابر پہنچتا ہوں لیکن آپ سوتے رہتے ہیں"

اللہ اکبر اس بے نفسی کے ساتھ علم کی خدمت ادب کی زبان میں "سہل ممتنع" ہے اور پھر مولانا اسی خدمت علم کے انمٹ اور لافانی جذبہ کے نتیجہ میں "اکل حلال" کی سعادت سے یقیناً بہرہ اندوز تھے۔

بے پناہ شفقت

مولانا کی دوسری خصوصیت ان کی طلباء کے ساتھ "بے پناہ شفقت" تھی ہر ایک طالب علم کے لیے مولانا کی دلی تمنا اور آرزو صرف یہ ہوتی کہ وہ اپنے مشاغل علمیہ میں انہماک کے ساتھ لگا رہے وہ تمام طلباء کے لیے ایک شفیق مربی تھے جس کا سینہ شفقتوں کا خزینہ تھا۔ شخصیت نہایت مرعوب کن، لیکن قلب شفقت و خلوص کے جذبات سے

لبریز۔ مگر ان کی یہ شفقت صرف مستعد طلباء کے لیے مخصوص تھی ورنہ بد شوق طلباء سے کبیدہ خاطر رہتے، اس پر بھی حسن ظن کا یہ عالم کہ جہاں بد شوق سے بد شوق طالب علم نے کتاب لے کر دیکھنا شروع کی پھر اس کو مولانا کے خزینۂ شفقت سے متمتع ہونے کا حق حاصل ہوتا۔ عام طلباء ہر وقت استفادہ کے لیے حاضر ہوتے بارہا دیکھا کہ وہ تھک کر بے خبر سو رہے ہیں۔ طالب علم پہنچا، مولانا جاگ گیے، اور کسی ناگواری کے بغیر کتاب سمجھانے کے لیے بیٹھ گیے، راقم الحروف اور اپنے صاحبزادہ مولوی حامد میاں کو حکم ہوا کہ رات کو گیارہ بجے کمرہ پر حاضر ہو کر "کنز الدقائق" کا تکرار کرو۔ جب دو ایک گھنٹے گزر جاتے تو خاکسار اور صاحبزادہ صرف مولانا مرحوم کو پریشان کرنے کے لیے بار بار بیدار کرتے، مقصد یہ ہوتا کہ پریشان ہو کر کمرہ سے اٹھ جانے کی اجازت ہو لیکن یہ شہید علم ہماری تمام نامناسب اور ناروا حرکتوں پر اُف تک نہ کرتا، اور کبھی کمرہ سے اٹھ جانے کا حکم ہوتا۔ ان کی یہ بے پناہ شفقت آخر دم تک قائم رہی۔ اور سکرات موت کی کشمکش میں بھی مولانا طلباء کے لیے شفیق رہے۔ خاص اس شب میں جس کی صبح حضرت مولانا کے لیے پیغام اجل لے کر پہنچی ایک طالب علم جو مولانا کی نگرانی میں تھے مناظرہ کی ایک مجلس سے شرکت کر کے پہنچے۔ حضرت مولانا نے دریافت کیا کون ہے؟ تبلانے پر درد قلب کی جانگسل تکلیف میں مبتلا ہونے والا یہ انسان کہہ رہا تھا، کہ

"مولوی صاحب علم یوں تھوڑے ہی آتا ہے کہ مناظرہ بازی کر لی، تقریر میں شرکت ہو گئی۔ وہ تو ایک گوشہ میں کتاب لے کر بیٹھ جانے ہی سے حاصل ہوتا ہے"

ارباب نظر خود فیصلہ کریں کہ ایک ضعیف البنیان انسان ہادم اللذات کی گرفت میں کامل طور پر آچکا ہو، لیکن طلباء کی خیر خواہی سے لبریز دل اب بھی اپنا کام کر رہا ہے۔ اس بے پناہ شفقت کا نتیجہ تھا کہ وہ طالب علم کو صرف پڑھنے اور لکھنے میں مشغول دیکھنا چاہتے تھے۔ اسکے علاوہ طالب علم کے لیے کوئی شغل اور انہماک مولانا کے یہاں جائز نہ تھا۔ وفات سے تین روز پہلے جب کہ موت کے آثار ان کی زندگی کے کسی گوشہ سے بھی نمایاں نہ تھے۔ (اگرچہ اپنی موت کا وجدان وادراک مولانا کو ہو چکا تھا جس کا بارہا اظہار خود اس خاکسار سے کیا) اپنے کمرہ میں تشریف رکھتے ہوئے ایک خاص موضوع پر گفتگو کے دوران میں اس تہی دامن سے فرمایا کہ

"مولوی صاحب آپ نے تو مضمون نگاری سیکھ لی یہ آپکی نظر میں کمال ہو گا ہمارا تو

جی چاہتا تھا کہ تمام وقت درسیات کے مطالعہ میں گذار دیتے"

افسوس کہ اس شفقت کے ساتھ تنبیہ کرنے والا خلوص و شفقت کا یہ پیکر اب نظر سے اوجھل ہو گیا،

تواضع مولانا کی تیسری خصوصیت جو ان کی زندگی پر پوری طرح حاوی تھی وہ انکی "تواضع" تھی۔ وہ یقیناً بڑے پایہ کے عالم تھے اور ہزار ہا عقیدتمندوں کی ارادتمندیاں انکو حاصل تھیں لیکن اس کے باوجود عجب و غرور، کبر و خودنمائی ان کو چھو کر نہیں گذرے تھے۔ وقور، حلیم، صابر و قانع ہونے کے ساتھ بلا کے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ مجھ کو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی مولانا کی جوتیاں سیدھی کرنے کی میں نے کوشش کی ہو اور سکون کے ساتھ مولانا نے اسکو برداشت کیا ہو۔ جسم دبانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مولانا کی فروتنی ہمیشہ مانع آئی کسی خاص موقع پر دعا کے لیے کہا تو انکا جواب یہ تھا:۔

"جی ہاں دعا کے لیے اہلیت شرط نہیں کافر کی بھی قبول ہوتی ہے ضرور کرونگا۔"

آنے جانے والوں کے ساتھ اس بشاشت، خندہ پیشانی اور فروتنی سے ملتے کہ ان کی تواضع اور ہضم نفس سے آدمی پانی پانی ہو جاتا۔ سچ ہے کہ ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند، خوے اوست

مروّت اسی تواضع کے نتیجہ میں مولانا مرحوم مروت و حسن خلق کا ایک حسین و دلنواز پیکر تھے، بڑوں کی اولاد سے ایسا معاملہ کرتے جس کی مثال نظر نہ آسکے گی اساتذہ و اکابر کی اولاد میں سے جو کوئی پہونچ جاتا تو سروقد کھڑے ہو کر استقبال کرتے۔ اور ایسے تواضع کے کلمات استعمال کرتے کہ سننے والوں کو فروتنی کا عجیب سبق ملتا۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مرحوم کے بھائی پہونچے تو استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ آپ مولانا مرحوم کے بھائی ہیں جن کے مجھ پر احسانات ہیں، ایک نہایت شکستہ احوال مفلوک الحال جسکے آبا و اجداد کے یہاں سے طالب علمی کے زمانہ میں انکا وظیفہ جاری تھا وہ اگر کبھی سامنے آتے تو مولانا احترام و اکرام میں بیشقدمی کرتے ان پر کوئی ضرورت بیان کرتے تو اسکی تکمیل ان کے لیے ضروری ہو جاتی۔ غرضکہ ہر شخص کے ساتھ مروت، سیر چشمی اور اخلاق کا معاملہ

مولانا کی جانب سے ضرور ہوتا۔

تقویٰ و تورع ان شمائل نبوی اور اخلاق اسلامی کے ساتھ مولانا مرحوم کی زندگی کا سب سے زیادہ تابناک اور منور پہلو انکا مثالی "تقویٰ و تورع" تھا اور یہ تقویٰ اپنے تمام تقاضوں کے ساتھ مولانا کی زندگی میں موجود تھا خصوصاً امانت، دیانت اور حیا کا ہر شخص ہر وقت مطالعہ کر سکتا تھا، تکبیر اولیٰ کے پابند، فرائض و ارکان کی ادائیگی میں ایسے چست اور مستعد کہ اپنی مثال آپ تھے۔ دو چار، طویل اور خطرناک بیماریوں کو دیکھنے کا خود خاکسار کو موقع ملا۔ کرب و بے چینی کے عالم میں معمولات کو جاری رکھنا مولانا کا خاص حصہ تھا۔ اس آخری بیماری میں شب کو ڈاکٹر نے انجکشن دیا تو ہدایت کہ پانی ہرگز استعمال نہ کریں۔ لیکن عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے جو اضطراب ان پر طاری تھا وہ سب کے لیے حیرت انگیز تھا۔ آخر وقت تک کلمۂ طیبہ و کلمۂ شہادت ورد زبان رہا۔ قرآنی آیات کی تلاوت فرماتے رہے، غشی ہوتی تو ابوداؤد اور ترمذی شریف کی تقریر کرتے، اس عالم آب و گل سے اس طرح تشریف لے گئے کہ بیماری کی کشمکش میں بھی اپنے تمام اوراد و وظائف مکمل کر لیے۔

عام اخلاقی کمزوریاں ان کے قریب سے نہیں گزری تھیں۔ غیبت، قیل و قال سے انکا دامن پاک تھا۔ معاصرین پر بے جا تنقید، اور انکی عیب جوئی کو خلاف تقویٰ سمجھتے تھے۔ معاصی کا ارتکاب کجا ان کا تصور بھی مولانا کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔ حیا کا یہ عالم کہ کتابوں کے ان مواقع اور مباحث پر تفصیلی تقریریں ان کے لیے ناممکن تھیں جن پر بولنا فطری حیا کے خلاف ہوتا جسم کے ان حصوں کا بھی ستر کرتے جنکا اہتمام عام علماء و صلحاء کے یہاں بھی نہیں ہو۔ غرضکہ مولانا کی موت صرف "اعزاز علی" کی موت نہیں بلکہ علم و عمل، تقویٰ و تورع، حیا و ایثار، مروت و اخلاق، حسن خلق و حسن کردار کے ایک حسین پیکر کی موت ہے مجھکو مولانا کی موت پر بے اختیار عرب کا ایک مشہور مرثیہ یاد آجاتا ہے ؎

یا غائباً فی الثریٰ یبلی محاسنہ

اللہ یولیک غفراناً و احساناً

ان کنت جرعت کاس الموت واحدۃً

ففی کل یوم اذوق الموت الواناً

حضرت سعید کا بیان ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ (باقی صہ ۱۰۳ پر)

اعزاز العلماءؒ کی عنایتیں

اپنے ایک حقیر ترین خادم پر

(از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)
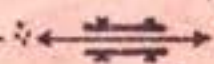
استاذ العلماء، اعزاز الملۃ والدین، شیخ الادب والفقہ رحمۃ اللہ علیہ کی خبر وفات اخبار سے پہلے مجھے میرٹھ کے ایک خط سے ملی، پڑھ کر پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی اس کا تصور بھی نہ تھا کہ وہ ہمارے درمیان سے ایک دم اٹھالئے جائیں گے۔ اللہ اللہ۔ قیام دارالعلوم کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ان کا دیدار ہر وقت نصیب تھا۔ یہ شیخ الادب نودرہ میں بلند اور پر رعب آواز سے پڑھا رہے ہیں۔ اب شیخ الادب سبق ختم کرکے اپنے مکان جارہے ہیں۔ مکان سے جلدی جلدی چلے آرہے ہیں اپنے حجرہ میں پہونچ گئے۔ جماعت کے اوقات میں اپنے حجرے کو بند کرکے مسجد میں آرہے ہیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ اور اُن کے حجرے کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں تک کانوں میں بسی ہوئی ہیں۔ وفات کے بعد دیوبند پہونچا تو نماز مغرب کے بعد صحن مسجد میں لیٹ گیا ایسا محسوس ہوتا رہا کہ جیسے حضرت شیخ الادب اب آگئے اور اپنا حجرہ کھولا۔ لیکن اُن کا حجرہ مقفل تھا۔ ہائے آج ہم اُن کی ملاقات سے محروم ہوگئے۔ اس سے پہلے تو ایسا نہ ہوتا تھا۔ اوقات مقررہ میں اُن کا حجرہ غیر مقفل ہوتا تھا کیواڑ بند کرلیتے تھے۔ ڈرتے ڈرتے حجرے کے کیواڑ کھولے اندر داخل ہوئے کہ ایک نورانی چہرہ نظر پڑا

آؤ آؤ آئی آئیے آئیے تشریف لائیے ــــــ غور سے اپنے خادم کو دیکھا اور ایک دم کھڑے ہو گئے ــــــ معانقہ کیا۔ اپنے پاس بٹھایا، تھوڑی دیر کے لیے اپنا تمام کام چھوڑ دیا۔ آج شیخ الادب کہاں چلے گئے؟ اللہ کے یہاں گئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

دیکھئے ــــــ یہ ان کی قبر سرزمین دیوبند کے "خطہ صالحین" میں ہے قاسم العلوم حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے قدموں میں جگہ پائی ہے ؏ جگر افگار ہم پھرتے ہیں وہ سوتے ہیں مدفن میں'

طلباء اور نو وارد تعزیت کنندگان کے پرے کے پرے جوق جوق مزار پر حاضر ہو رہے ہیں اور ایصال ثواب کر رہے ہیں۔ وفات کے بعد پہلا جمعہ آیا ہے۔ مہتمم صاحب دار العلوم، گجرات کے سفر سے واپس آئے نماز جمعہ کے بعد دار الحدیث میں ایک پُر اثر تعزیتی تقریر فرما کر مزار شیخ الادبؒ پر پہونچے ہیں ان کے ہمراہ طلباء کا اتنا ہجوم ہے کہ قبر نظر نہیں آتی ــــــ اب ہم ان سے قیامت میں ملیں گے ان شاء اللہ جنت میں ملاقات ہو گی مگر ــــــ شیخ الادبؒ کے علوم زندہ ہیں، بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجود ہیں ــــــ یوں بھی تو دار العلوم سے باہر آنے کے بعد اُن سے مدتوں ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ کبھی سال بھر میں کبھی دو سال میں ملنا ہوتا تھا۔ وفات سے پانچ چھ دن پہلے نو دس ماہ کے بعد اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تھی ــــ بس یہ آخری ملاقات تھی۔ اس ملاقات میں خلاف عادت فرمایا کہ دیوبند میرے ساتھ چلو ــــ میں نے عرض کیا کہ آخر شعبان میں حاضر ہوں گا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ دوچار دن ہی میں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جائیں گے اور ۱۶ مارچ کا جمعہ خیر المساجد میرٹھ میں حضرت شیخ الادبؒ کی اقتداء میں پڑھ کر اگلا جمعہ دیوبند میں اس حال میں پڑھوں گا کہ نظریں شیخ الادبؒ کو ڈھونڈھ رہی ہوں گی۔ شوال میں امروہہ آنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر وہ تو قبر میں جا سوئے اب کیسے آئیں گے۔ ہائے ان کے آباء کی سرزمین ان کی سکونت سے تو محروم تھی ہی اب اُن کی گاہے گاہے تشریف آوری سے بھی محروم ہو گئی۔ امروہہ سے کتنا تعلق تھا اس کو نہ پوچھئے، بدایوں میں پیدا ہوئے، تعلیم میرٹھ، شاہجہانپور اور دیوبند میں پائی۔ امروہہ میں ذاتی مکان تک باقی نہ تھا لیکن آبائی وطن ہونے کی وجہ سے نسبت امروہہ کی طرف ہی کرتے رہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حافظ زاہد حسن صاحب مرحوم مجھکو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کی تدریسی خدمات کے لیے لے گئے میں نے وہاں پہونچ کر اسباق طلب کئے سب سے پہلے

کنز الدقائق میرے سامنے آئی طلباء نے کہا کہ کل سے شروع کرائیے میں نے کہا کہ آج ہی شروع کردو۔ فرمانے مجھے خوب یاد ہو کہ کنز الدقائق میرے سامنے آئی۔ بعدہ حضرت شیخ الہندؒ کو دیکھا کہ وہ مجھے اپنے حکم سے دیوبند واپس لے گئے"

اب بھی شیخ الادبؒ اپنی برزخی توجہات سے مستفیضین کو نواز رہے ہیں۔ پہلے ان کا مکتوب گرامی ڈاکخانوں کی وساطت سے آتا تھا اب دل کو قاصد بنانا پڑیگا۔

قاصد یہ تیرا کام نہیں اپنی راہ لے ❊ اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے؟

دل اسی نامہ و پیام کے اجرا کی امید پر مطمئن ہو ورنہ فیض کی سلسلہ جنبانی سے دل مایوس ہو جاتا تو زندگی اجیرن ہو جاتی۔

مولانا عبد الحئی صاحب بڈھانوی (رفیق سید شہیدؒ) کی وفات کی اطلاع نواب وزیر الدولہ (ٹونک) کو دیتے ہوئے سید محمد علی شہیدؒ (خواہرزادہ سید شہیدؒ) نے لکھا تھا کہ یہ وفات ایسا غم انگیز سانحہ ہو کہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان کو تعزیت کرے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت شیخ الادبؒ کی ذات بھی ایسی ہی الم انگیز ہو۔ اس کا اثر بھی صاحبزادگان اور نبیرگان سے گزر کر عالم اسلامی کے ہزارہا افراد پر پڑا ہے، مناسب ہے کہ مستفیضین ایک دوسرے کو تعزیت کریں۔

ایسا شفیق استاذ، ایسا مربی اُستاذ، ایسا دلسوز استاذ آج دنیا کہاں پیدا کرتی ہو۔ اساتذۂ متقدمین کے واقعات سنے اور پڑھے تھے۔ آنکھوں سے بھی ہم نے دیکھ لیا کہ جن چیدہ شخصیتوں سے قدرت کو علمی و روحانی تربیت کا کام لینا ہوتا ہو وہ ایسے ہوتے ہیں

دیوبند کے زمانۂ قیام میں ان کا جو مربیانہ طرز عمل تھا اس کو میں پھر لکھوں گا اب تو مجھے دار العلوم سے باہر آنے کے بعد ان کی شفقتوں کو ان کی ہی زبانی بیان کرنا ہو۔

مولوی عتیق الرحمن سنبھلی سلمہٗ کا مکتوب آیا کہ حضرت شیخ الادبؒ پر کچھ لکھا جائے۔ سوچتا تھا کہ کیا لکھوں ابھی تو ان کے تصور سے ہی فرصت نہیں۔ آنکھوں کے آنسو اگرچہ خشک ہو گئے ہیں مگر دل کی ویرانی نہیں جاتی۔ تعمیل اگرچہ دیر سے ہو رہی ہے اور شاید تکمیل سے بھی قدرے ناآشنا ہے مگر بہرحال اپنے لیے تسکین دل کا ایک سامان بہم پہونچا لیا۔ خیال آیا کہ میرے نام حضرت شیخ الادبؒ کے جو مکتوبات

ہیں ان کو جمع کرلیا جائے ــ ایک دو دن تو صرف اس میں صرف ہوئے کہ جگہ جگہ سے مکتوبات گرامی اکٹھے کیے۔ صندوقوں میں الماریوں میں، طاقوں میں، کتابوں میں، تھیلوں میں اور نہ معلوم کس کس گوشے میں یہ تبرکات رکھے ہوئے تھے، تلاش کرتے کرتے تھک تھک گیا بالآخر چند مکتوبات مل گیے۔ بیس سال کی منتشر ڈاک میں مکتوبات گرامی آبدار موتیوں کی طرح چمک چمک کر لکھنے والے کا پتہ بتا رہے تھے۔ ان کو پڑھتا گیا۔ دل کی پیاس بجھاتا رہا۔ اور ایک ایک بات یاد آتی گئی۔ اپنے استاذ معظم کے خطوط احتیاط سے ایک جگہ رکھتا رہتا تو یوں پریشانی نہ اٹھانی پڑتی ــ ایک آدھ کارڈ شکن کی وجہ سے نصف رہ گیا ہو اس کو بھی حرز جاں بنایا ــ ع پھر جمع کر رہا ہوں دل لخت لخت کو

ابھی تو بہت سے مکتوبات اور ہوں گے سامنے آتے رہیں گے اور ان کو آنکھوں سے لگاتا رہوں گا۔

اب یہ جتنے ہیں ان کے کچھ اقتباسات پیش کرنے کا ارادہ ہو ــ پورا پورا مکتوب درج نہیں کروں گا۔ ہر ایک میں سے کچھ کچھ جملے ہوں گے۔ ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر بھی کچھ روشنی پڑے گی۔ میں ان مکتوبات کے آئینے میں ان کی عنایات دکھانا چاہتا ہوں۔ ہر چند کہ اس میں بعض جملے میرے حق میں ایسے ہیں جن کو نقل کرتے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے اور اگر کوئی خوش گمان ہو تو اس کو میری خودنمائی اور ریاء وسمعہ پر محمول کرلے گا ــ لیکن میں باوجود شرمندگی کے ان کے اظہار پر آمادہ ہوں یہ میرے استاد کے شفقت آمیز جملے ہیں۔ یہ ان کی شرافت نفس، عظمت خیال اور وسعت قلب کے آئینہ دار ہیں اکابر اپنے اصاغر کے متعلق ایسا ہی خیال رکھا کرتے ہیں اس میں ان کا ہی کمال بر آمد ہوا کرتا ہو تمام مکتوبات شائع ہونے کا کہاں موقع ملے گا نہ میں ان تمام کو شائع کرنا چاہتا ہوں اسکی وجہ یہ ہو کہ وہ ایسے مکتوبات ہیں جو زیادہ تر شفقت آمیز یاد آوری پر مشتمل ہیں ــ میں تو بس حضرت والا سے خیریت معلوم کرلیا کرتا تھا اور ایک دو باتیں لکھ کر عریضہ بھیج دیتا تھا ــ علمی سوال نہیں کرتا تھا۔ ان کی مشغول زندگی کو پیش نظر رکھ کر میں اس کو مناسب بھی نہیں سمجھتا تھا کہ وہ میرے لیے کچھ غیر معمولی وقت صرف کریں اور اپنی کم علمی پر علمی سوال کا اہل بھی کب تھا ــ ان عرائض کے جواب میں یہ چند مکتوبات آج میری تسلی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ ع

بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

اب یہ مضمون نہ ہوا استاذ علیہ الرحمہ کے تبرکات کا ایک مرقع ہوگیا ــ اپنے پاس ہو کچھ کیا

یہ انھیں بزرگوں کا صدقہ ہے جو الٹا سیدھا لکھنا، بولنا آگیا ہے۔

حضرت شیخ الادبؒ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کے جملے کے جملے من وعن سنایا کرتے تھے انھوں نے غالباً ایک سے زیادہ بار میرے سامنے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے —— "اللہ تعالیٰ کی ابیلی سرکار ہے" اس جملے کو حضرت شیخ الادبؒ اس محبت اور جوش کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ سننے والوں پر خاص اثر پڑتا تھا، اب ہم استاذ مرحوم کے تقریری جملے ہو بہو پیش نہ کرسکیں تو کم از کم تحریری جملے ہی سہی ——

میری تو یہ حالت ہے کہ حضرت والا کے ان مکتوبی جملوں کو پڑھ پڑھ کر ان کی یاد تازہ ہو رہی ہے اور دل مصروف دعائے مغفرت ہے۔ حضرت والا کے دیگر متوسلین بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان جملوں سے مستفیض ہوں گے —— اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الادبؒ کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے —— (آمین)

اب ان کے تحری کلمات طیبات پڑھئے۔ کہیں کہیں تشریح بھی ساتھ ہی ساتھ کرتا جاؤں گا۔

حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ نے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کی خدمت کے لیے مجھے دیوبند سے بریلی طلب کیا۔ میں نے حضرت شیخ الادبؒ سے اجازت طلب کی بہت خوش ہوئے، وہ دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلباء کو جلد سے جلد خدمت درس میں مشغول دیکھنا چاہتے تھے۔ جس طرح ایک باپ کو اپنے بالغ بیٹے کی گھر گرہستی کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح اس روحانی باپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ میرا علمی فرزند کسی طرح پڑھانے کا سلیقہ پیدا کرلے اور کسی مدرسہ میں کام کرنے لگے۔

میں ۵۰ھ میں بریلی آیا۔ سب سے پہلا مکتوب جو بریلی آیا اسکے چند جملے یہ ہیں:۔

"پس از سلام مسنون —— دیوبند سے تودیع کے بعد آج پہلا عریضہ ارسال کر رہا ہوں اور وہ بھی ایک ذاتی ضرورت سے —— میرٹھ کے مکان مل جانے سے میں تقریباً مایوس ہو گیا ہوں اس لیے یہ خیال ہو رہا ہے کہ امروہہ میں کوئی صورت ہو تو اچھا ہے۔"

(۲۷ رجب ۵۰ھ یوم جمعہ)

بریلی سے میں نے ہدایات طلب کیں تو تحریر فرمایا —— "آپ کو میں نصیحت کروں یاللعجب۔

ہاں میری یہ رائے ضرور ہے کہ آپ تعلیم میں اپنی طرف سے اسکی سعی کریں کہ طلبہ کتاب کی بات پوری سمجھ لیں اور تحصیل علم میں محنت کی طرف مائل ہوں۔ کتاب پوری پڑھا دیں اور تقریر میں انکی استعداد کا خیال رکھ کر کلم الناس علی قدر عقولھم" کی روشنی میں کام کریں۔ اوقات درس کی حتی الامکان پابندی کریں۔" (یوم النحر ۱۳۵۰ھ)

تساہل کی وجہ سے ارسال عریضہ میں دیر ہو جاتی تھی، اس پر کس خوبی سے توجہ دلاتے ہیں:۔

"آپکے تعلیمی حالات سُن کر خوشی ہوئی اس لیے دل چاہتا ہو کہ گاہے گاہے آپ ضرور یاد فرمایا کریں ۔۔ مولانا (محمد) منظور صاحب کی علالت کا حال ان کے خط تحریر فرمودہ آنجناب سے معلوم ہوا تھا میں نے ایک عریضہ اُن کی خدمت میں بغرض دریافت عافیت مزاج ارسال کیا مگر اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ چٹھی رساں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا گیا ہو کہ وہابیوں، دیوبندیوں کو ہر طرح نقصان پہونچانا موجب ثواب ہے۔ براہ کرم مولانا ممدوح کی عافیت مزاج سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔"

(۴ر رمضان ۱۳۵۰ھ)

طلبہ کے سلسلے میں نصیحت فرمائی

"طلبہ پر شفقت صحیح معنی میں ہونا چاہیے، آپ نہ اتنے نرم ہوں کہ طلباء پڑھنا ہی ترک کر دیں نہ اتنے گرم ہوں کہ وہ آپ سے مایوس ہو جائیں، ضرورت ہو کہ آپ اپنے عمل سے یہ امر ثابت کر دیں کہ آپ ان کی تعلیم کو تمام امور سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں اسی طرف ان کو مائل رکھئے اور حتی الامکان سہولت کے ساتھ ان کے اخلاق کی تہذیب کیجئے اور ان کے ذہن نشین کیجئے کہ آئندہ چل کر ان کو اصلاحی خدمات انجام دینے ہوں گے۔ بے غیرتی اور غیر مہذب چیزوں پر آپ کی طرف سے گرانی کا اظہار ضروری ہو۔ [۱۴ر صفر ۱۳۵۹ھ]

ایک عریضے میں حضرت والا کے احسانات کا میں نے تذکرہ کر دیا، اسکے جواب میں ارقام فرمایا۔

"میں نے بہت دیر تک غور کیا، میری سمجھ میں نہ آیا کہ میری وہ کون سی خدمت تھی جس کا بار آپ پر اتنا ہوا ہو، اور یہ معمولی خدمت بھی اگر خالص خدمت ہوتی تو آپ جو چاہتے فرمالیتے لیکن ایک ظالمانہ خدمت تو خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو بجائے تیر زد ۔۔۔ آپ اور آپ جیسے

.... کی خدمت اگر میں نے کی ہو تو اس طمع پر کی ہو کہ آپ حضرات حسن خاتمہ کی دعا سے میری دستگیری فرمائیں گے۔" (۲۷ر صفر ۱۳۶۰ھ)

حضرت والا کو مدرسۂ اشفاقیہ کے ایک جلسہ میں بریلی مدعو کیا گیا، تشریف لائے، یہاں حضرت والا کا وعظ پہلی مرتبہ سننے کا اتفاق ہوا، بڑا موثر، پرجوش اور جامع وعظ فرمایا، میرا اندازہ ہو کہ عوام کالا بھی اس سے بہت متاثر ہوئے۔ احقر نے حضرتؒ کو لکھ دیا کہ حضرت والا کا وعظ بڑا موثر تھا، اس پر تحریر فرمایا:۔

"اس مرتبہ بریلی سے واپس ہو کر خیال ہوا کہ آپ کو لکھوں گا کہ ہمارے اطراف میں مثل مشہور ہو سونار کی نہ ایک لوہار کی، آپنے میرے اس سفر کی وجہ سے کلفتیں بھی اس قدر برداشت کیں کہ مجھ کو اس کا ہزارواں حصہ بھی آپکے قیام دیوبند میں نہ ہو سکیں اور مدارات بھی اس قدر کی کہ مجھ کو شرم آگئی۔ اب آپنے تحریر فرما دیا کہ تیری تقریر موثر ہوئی، اگر آپ کی اس خبر میں محبت کی آمیزش نہیں ہو تو یہ تاثیر آپ کی کرامت ہوگی، ورنہ آپ کو معلوم ہو کہ میں سبق میں بھی تقریر کا عادی نہیں ہوں، میں رمضان میں حسن خاتمہ کی دعا کا متمنی ہوں۔" (۲۶ر شعبان ۱۳۶۰ھ)

بریلی سے حضرت والا دیوبند تشریف لے گئے تو قیام گاہ پر حضرتؒ کی ایک ٹوپی میرٹھ کی بنی ہوئی رہ گئی، میں نے اس کو بھجوایا اور یہ لکھا کہ جی تو یہ چاہتا تھا کہ اس ٹوپی کو تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھ لیتا، اس پر یوں ارقام فرمایا۔

"میری ٹوپی پہونچ گئی تھی، مگر وہ ایک اور "طالب علم صاحب" نے بطور تبرک لے لی، اگر آپ اس کو قبول کر لیتے تو شاید زیادہ اچھا ہوتا۔ اگر دوستوں نے ٹوپی اتارنے کی رسم شروع کر دی تو کھدر کی ٹوپیاں بہت سے سروں پر آجائیں گی۔"

[۱۳ر رمضان ۱۳۶۰ھ]

میں نے بریلی چھوڑنے کا قصد ظاہر کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا۔

"اگر مجبوری نہ ہو تو آپ بریلی ترک نہ کریں، مجبوری کی حالت میں انسان سب ہی کچھ کرتا ہے۔"

[جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ]

بریلی سے مجبوری کی بنا پر امروہہ آگیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فکر ہوئی اور تحریر فرمایا۔

"آپ کا تعطل میرے لیے بہت شاق ہو، اشاعت علم کے کسی نہ کسی سلسلہ میں مصروف رہنا ضروری ہو۔ کچھ دنوں تک جبریہ تعطل کے بعد بیکار رہنے کی عادت پڑ جاتی ہو۔ ایسلیے اگر ہو سکے تو امروہہ ہی کے کسی مدرسہ میں تھوڑا بہت تعلیمی کام شروع کر دیجئے"۔

[۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ]

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا

"میری دلی خواہش ہو کہ آپ اپنے آپ کو تدریس کی خداداد نعمت سے علیحدہ نہ کریں۔"

[سنہ ۶۱]

اب آگے ان مکاتیب کے اقتباسات ہیں جو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلق کے بعد آئے — اس حصے میں ایک تو اس کا جواب ہو کہ امروہہ کب تک تشریف آوری ہوگی۔ دوسرے حضرت والا یہ چاہتے تھے کہ امروہہ میں مکان خرید لیں۔ اس کا ذکر بھی کہیں کہیں آئے گا باقی شفقتوں اور عنایتوں کی بارشیں ہیں جو ہوتی چلی آرہی ہیں۔ — [اب میں سوائے سنین کے تاریخوں کی ترتیب کا کا التزام بالکل نہیں کروں گا] —

ارقام فرمایا —

"خط پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ اگر دو چار خط اور آگئے یا اگر تقدیر مساعدت کرے اور میں آپ کی چند روزہ ہمرکابی کا فخر حاصل کر سکوں تو نااہلیت کے باوجود اگر ولی نہیں تو صاحب کرامت ضرور سمجھنے لگوں ..... آپ مجھ کو زبان سے ولی نہ بنائیں قلبی توجہات صرف کر کے مجھ کو اس قابل کر دیں کہ میں دنیا سے ایمان کی دولت ساتھ لے کر جاؤں۔ — یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ بیکار نہیں ہیں۔"

[۱۰ ربیع الثانی سنہ ۶۱]

"میرا ارادہ ضرور ہو کہ جلد سے جلد دو چار دن کے لیے امروہہ حاضر ہوں، مگر اول تو میرے تمام ارادے ہی "تغیر عالم" کا صحیح نمونہ ہیں۔ مگر سفر کا ارادہ جس طرح کہ ہر ساعت رہتا ہو اسی طرح ہر ساعت بدلتا رہتا ہو، اس لیے میں کچھ نہیں لکھ سکتا ہوں کہ کب تک حاضری ہو سکے گی۔"

[۲۰ شوال سنہ ۶۲ جمعہ]

"دارالعلوم میں بحمداللہ اب کسی قسم کا خلفشار نہیں ہے، بلکہ پہلے سے زیادہ رونق ہے۔"

[۳؍ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ]

"فسخ نکاح کے مسائل میں غیر مسلم کا فیصلہ اگرچہ شرعی قواعد کے مطابق ہو شرعاً معتبر نہیں، نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے۔ اور جو نکاح اس طرح کر دیا جائے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کاری ہے اس صورت میں اچھا یہ ہے کہ دیندار مسلمانوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے، اور رسالہ حیلۂ ناجزہ کی روشنی میں فیصلہ کر دیا جائے۔"

[۲؍ربیع الاول ۱۳۶۶ھ]

"میرے عزیز دارالعلوم دیوبند میں چہل سالہ قیام کی وجہ سے نام کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل الذیل ہے، مگر ایسا بدقسمت ہوں کہ میری نظر میں صرف چند حضرات ہی ایسے ہیں کہ جن سے محبت کی توقع ہے، ان میں سے ایک آپ بھی ہیں...... تقریر و وعظ کے متعلق اپنی عاجزی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ امروہہ کوئی معمولی جگہ نہیں ہے..... حضرت .... جیسے خطباء وہاں تقریریں کر چکے ہیں تو ہم جیسوں کو مقررین کی فہرست میں داخل کرنا مناسب نہ ہوگا۔ لیکن آپ کے نزدیک یہ عذر قابل قبول نہیں نہ سمجھا۔ ۱۳؍رجب ۱۳۶۷ھ

"میرے متعلق جو الفاظ آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ خود سعادت مندی کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں، جب خود مجھ کو اپنا صحیح علم ہے تو اس سے زیادہ اور کیا عرض کروں کہ آپ جیسے ...... کا حسن ظن میرے ساتھ ہے تو ان شاء اللہ دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور کام آئے گا۔ رشید میاں پاکستان ہیں، ہندستان آنے کی سعی کر رہے ہیں۔ حامد میاں کنز پڑھ رہے ہیں، احمد میاں سلمہ کے دونوں بچے حفظ کر رہے ہیں۔ جس بچے کو (ارشد میاں سلمہ) آپ میرا شبیہ فرما رہے ہیں زیادہ ذہین ہے اور "نسبتہ" پڑھنے کا شوقین بھی ہے........ رہا وعظ تو آپ کو معلوم ہے کہ مجھ کو وعظ فی الحقیقت نہیں آتا ہے۔ دوسرے مجھ کو حیا کرنی چاہیے کہ جس مسجد میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی آرام فرما ہوں میں وہاں تقریر کروں ؎
ایاز قدر خویش بشناس۔"

[۱۶؍ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ]

"میں کسی مصرف کا نہ تھا، مگر میری قلبی خواہش یہ ہے کہ امروہہ کا یہ مدرسہ اوج ترقی

پر رہے۔ اس وقت کی حاضری دشوار ہو۔ گزشتہ سال بھی دشوار تھی، مگر اس دشواری کو حضرت مولانا مدنی عمت فیوضہ کے امر نے حل کر دیا تھا، اس مرتبہ ایسا نہ ہو سکا..... مختصر یہ کہ میں تو بہر صورت آپ کا خادم ہوں، لیکن چونکہ مدرسہ کا ایک ناکارہ ملازم ہوں اس لیے مدرسہ کی ضروریات مقدم ہیں"

(۹ر شعبان ۱۳۶۹ھ شنبہ)

"ربیع الثانی کے کسی جمعہ کی حاضری کی نسبت ارشاد فرمایا ہو، انشاء اللہ آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ یہ صرف آپکے حکم کا امتثال ہوگا ورنہ آپ یقین کریں کہ خطابت کے فن سے مجھ کو کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ بسا اوقات تتنسون انفسکم کا خیال قلب میں افسردگی پیدا کر دیتا ہو"

(۲۵ر ربیع الاوّل ۱۳۶۹ھ جمعہ)

"میں نے "دار العلوم" میں آپ کا مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ کی شاعری کے متعلق دیکھا دل بہت خوش ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق مزید عطا فرمائے"

(یکم جمادی الثانیہ ۱۳۷۱ھ)

"میری علالت کی خبر نے آپ کو پریشان کر دیا، بزرگوں اور احباب نے تار وغیرہ سے بھی عزت افزائی کی، کثرت خطوط نے جواب میں تعجیل سے روک دیا۔ کسی صاحب نے صحت کی خبر شائع کر کے احباب کو مطمئن کیا، مگر عیادت کا سلسلہ اب تک جاری ہو۔ امید ہو کہ آپ حضرات میرے لیے حسن خاتمہ کی دعا ضرور فرمائیں گے" "رہا مرنا سو یہ تو ایک دن ہونا ہی ہو آج نہ سہی کل"

[۲۵ر رجب ۱۳۷۲ھ جمعہ]

بقیہ مضمون صد ۹۳

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ابدی آرام گاہ پر تشریف لائے اور بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ:۔

هكذا يذهب العلم

آج مولانا مرحوم کے مرقد مبارک پر کھڑا ہونے والا بھی غم والم، حسرت و یاس کے گہرے تاثرات میں ڈوب کر کہتا ہو

هكذا يذهب العلم

آہ سیدنا حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ

سنہ ع
۱۹۵۵

"سرشکِ خونی از محمد حسن بدر عفی عنہ"
سنہ ع
۱۹۵۵

"آہ شیخ الادب الفقہ مولانا محمد اعزاز علی اعلیٰ مقامہٗ" — سنہ ع ۱۹۵۵ | "رحیلِ شیخ الفقہ" — سنہ ھ ۱۳۷۴

"سنۂ عیسوی استاذِ حدیث" — سنہ ع ۱۹۵۵ | "حیاتِ ابد شیخ الادب" — سنہ ھ ۱۳۷۴

"آہ استاذی! اللہ معک" — سنہ ھ ۱۳۷۴ | "سالِ مسیحی مخدوم نیکو سرشت" — سنہ ع ۱۹۵۵

"ساعتِ سعید سالِ ہجرت" — سنہ ھ ۱۳۷۴ | "اوستادِ بے مثال رحمۃ اللہ" — سنہ ھ ۱۳۷۴

"آہ دردِ دلِ شیخ الفقہ" — سنہ ھ ۱۳۷۴ | "حضرت فہامہ مولانا محمد اعزاز علی" — سنہ ع ۱۹۵۵

"غفر الوحید لہٗ" — سنہ ھ ۱۳۷۴ | "استاذی! السلام علیکم طبتم" — سنہ ع ۱۹۵۵

"انا للہ وانا الیہ راجعون ان مع العسر یسرا"
سنہ ھ
۱۳۷۴

"سنِ ہجری ستودہ صفات" از محمد حسن بدر سنبھلی
سنہ ھ ۱۳۷۴ + ۵۸۱
سنہ ع
۱۹۵۵

آہ شیخِ فقہ و استادِ ادب — زیں جہاں رفتہ سوئے دار الثواب
سالِ رحلت جستم و آمد ندا — بدرا سالِ رحلتش "غفر المآب"
سنہ ھ ۱۳۷۴

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق

اردو زبان میں حدیثِ نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

معارف الحدیث جلد اوّل

یعنی احادیثِ نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ

تالیف مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں؛۔ اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے ناظرین کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیثِ نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ احادیثِ نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے یعنی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت اُس کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی روح رہے۔ مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے بھی تشفی بخش علمی و تحقیقی جوابات بھی دیے گئے ہیں جو آج کل کے بگڑے ہوئے ذہنوں میں احادیثِ نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

امید ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہلِ ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی روح میں ایک تازگی اور نورِ ایمان میں اضافہ محسوس کریں گے اور ان کا دل چاہے گا کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ یہ تحفہ پہنچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا

شروع میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ ہے جس میں خود قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے حجت دینی ہونے کے منکر ہیں وہ قرآن حکیم کے کس قدر نصوص و بینات سے منحرف ہیں۔ یہ مقدمہ اپنے موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالہ ہے

ظاہری حیثیت سے بھی کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے

کاغذ اعلیٰ سے اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت بھی بفضلہ تعالیٰ مثالی اور معیاری ہے

قیمت غیر مجلد تین روپے بارہ آنے (عہ) ——— مجلد مع گرد پوش چار روپے آٹھ آنے (للعہ)

(ہماری جلد کپڑے کی ہے، جلد کی قیمت ولاگت بلا لاگت لگائی گئی ہے)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور انشاء اللہ ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیس سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور موثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنایئے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجئے، اور اگر آپ کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے...... کاغذ و طباعت اعلیٰ......

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنے

کلمہ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور موثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے، اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ و عارفانہ رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں ——— تازہ اڈیشن ——— قیمت ۸؍

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو بالخصوص خواہ وہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے، اپنی نمازوں میں روحانیت اور نورانیت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں، نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور آئمۂ دین و معرفت خصوصاً امام غزالی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر مختصر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے

کلمۂ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے

تازہ اڈیشن ...... کاغذ و طباعت اعلیٰ ...... قیمت ۱۲؍

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور وہ اس پر

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

"ادارہ الفرقان"

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

جلد ۲۲ | بابت ماہ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق جون ۱۹۵۵ء | نمبر ۱۰

اگر اس ○ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہِ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغہ وی۔پی ارسال کیا جائیگا چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۴ر تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ر کو روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ر تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

دنیائے اسلام کے جس خطہ پر بھی نظر ڈالیئے ایک عجیب افسوس ناک منظر سامنے آتا ہے نہ دین ہی ٹھیک ہے نہ دنیا ہی۔ دین سے بے اعتنائی کا یہ عالم کہ دو چار باتوں کے سوا غیر مسلم اقوام سے کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ شرابیں وہاں بھی اڑتی ہیں اور یہاں بھی، قمار وہاں بھی چلتا ہے اور یہاں بھی۔ رقص و سرود کی محفلیں وہاں بھی گرم ہوتی ہیں اور یہاں بھی عصمت وہاں بھی علی الاعلان بکتی ہے اور یہاں بھی، عورتیں شمع محفل وہاں بھی بنتی ہیں اور یہاں بھی۔ غرض جو کچھ دوسروں کے ہاں ہوتا ہے وہی سب کچھ اپنے یہاں بھی ہو رہا ہے۔ دنیاوی حالت دیکھئے تو اپنا رنگ ساری دنیا سے نرالا ہے۔ قومیں نہایت عزم و انہماک اور یکسوئی اور ہوشمندی کے ساتھ اپنی تعمیر میں لگی ہوئی ہیں اور ترقی کی منزلوں پر منزلیں طے کرتی چلی جا رہی ہیں۔ مگر ہم ساری دنیا سے آنکھیں بند کئے ہوئے اور اِس (آنکھیں بند کرنے) کے انجام سے بھی آنکھیں بند کئے ہوئے پورے انہماک کے ساتھ صرف ایک کام میں مشغول ہیں۔ اور وہ کام ہے سیاسی اٹھا پٹک ——— آج ایک حکومت بنتی ہے۔ دو چار مہینے بھی نہیں ہوپاتے کہ مستعفی ہو جاتی ہے، یا برخاست کر دی جاتی ہے۔ دو چار دفعہ یہ کھیل ہوتا ہے تو کوئی منچلا فوجی کمانڈر راتوں رات فوجی انقلاب کر دیتا ہے اور پھر فوجی آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف پے بہ پے فوجی انقلاب کرنے لگتے ہیں ——— یہ ہے ہماری ساری قوتوں اور صلاحیتوں کا مصرف! پھر تعمیر و ترقی میں صرف کرنے کے لئے وقت، قوت اور صلاحیت کہاں سے آئے؟ چنانچہ ہمارے اسلامی ملک جہاں سے چلتے ہیں سالہا سال تک وہیں رہتے ہیں کیونکہ یہ سیاسی اٹھا پٹک کا چکرا ڈالا تو سفر شروع کرنے نہیں دیتا اور اگر دو چار قدم بڑھ بھی جاتے ہیں تو یہ چکر

پھر گھما پھرا کر اسی نقطۂ آغاز پر پہنچا دیتا ہے۔ ہمارے ان اسلامی ملکوں میں ایسی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ملک کا حاکم اعلیٰ اپنے چند روزہ اقتدار کی حفاظت کے لئے اگر کوئی اور راستہ نہیں پاتا تو ملک کے برسوں میں طے کئے ہوئے سفر کو کالعدم قرار دیدیتا ہے اور منزل کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی کو لوٹا کر وہیں لے جاتا ہے جہاں سے چلی تھی ـــــــ الغرض یہ ملک دینی اعتبار سے بھی روز بروز انحطاط کی طرف جا رہے ہیں اور دنیوی اعتبار سے بھی اس قدر بے وزن اور مضحکہ خیز پوزیشن میں ہیں کہ خیال کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ـــــــ مگر جب تک اسلام کا رشتہ موجود ہے اور اس رشتہ کا احساس باقی ہے خیال کئے بغیر چارہ بھی نہیں، اس لئے دل کڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ حالت بدلے۔

یہ حالت کیوں کر بدلے؛ جہاں تک دنیوی زبوں حالی کا سوال ہے اس کے لئے تو ظاہر ہے کہ کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اقتدار کی باگ ڈور موجودہ برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو اپنی قوم کے مخلص ہوں۔ رہی دینی حالت تو واقعہ یہ ہے کہ اس کی درستی کی بھی کوئی کوشش اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتی جب تک اس طبقہ کا اقتدار قائم ہے اس لئے کہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر عام قوم میں دینی رجحان پیدا ہو گیا تو قوم پھر اپنی قیادت ان کے سپرد کرنے پر راضی نہ ہوگی اور بغیر قوم کی مرضی کے اس جمہوریت کے دور میں وہ کتنا بھی زور لگائیں یا دھاندلی کریں زیادہ دن تک اس منصب پر نہیں رہ سکتے اور سوال صرف اقتدار اور قیادت ہی کے ہاتھ سے جانے کا نہیں ہے بلکہ جب قوم کی مرضی کے مطابق اسلام کے فرمانبردار لوگ ان کی جگہ لیں گے تو پھر وہ فاسقانہ اور ملحدانہ تہذیب و تمدن جس کے یہ دلدادہ ہیں اس کے لئے ملک میں کوئی گنجائش نہ رہے گی ـــــــ اس بنا پر بدیہی بات ہے کہ یہ طبقہ دینی تحریکوں کو بھی پھلنے پھولنے کی کھلی چھٹی نہیں دے سکتا۔ اور اگر وہ ان کو بے اثر کرنے کی کوئی خاص کوشش نہ بھی کرے تو کیا رائج الوقت نظام تعلیم اور تمدنی ماحول کے وہ عناصر جو حبالۃ الشیطان کا صحیح مصداق ہیں اور وہ معصیت کوشی کا نقیب لٹریچر، جو موجودہ نئی نسل کے اخلاق و شرافت کو گھن کی طرح کھائے ڈال رہا ہے، ان تحریکوں کو بے اثر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟ کے فی صدی ایسی سعید روحیں نکلیں گی جو اس نظام تعلیم سے تیار ہوں اور اس ماحول میں

بلیں بڑھیں اور پھر دین کی دعوت پر کان دھریں؟ یہ کوئی نظری بات نہیں، ہم میں سے ہر ایک کم وبیش اس بات کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کر رہا ہے کہ موجودہ نظام تعلیم اور تمدنی ماحول کس پیمانہ پر دین سے بغاوت یا غفلت کی تخم ریزی کر رہا ہے حتیٰ کہ اچھے اچھے دینی گھرانوں کے چشم وچراغ بھی اس سیل بے پناہ میں تنکوں کی طرح بہتے نظر آتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ اس طبقہ کی حکومت سے اس بات کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس نظام تعلیم وتمدن کی اصلاح وتطہیر کرے اور ان تمام چیزوں کے خلاف اپنے قانونی اختیارات استعمال کرے جو قوم کو منکرات ومعاصی کی طرف راغب کرتی ہوں اور آخرت فراموشی کا باعث بنتی ہوں۔۔۔۔ اس لئے قوم میں وسیع پیمانہ پر دینی زندگی پیدا کرنے کے لئے بھی بہرحال اس بات کی ضرورت ہے کہ اقتدار کی باگ ڈور اس طبقہ کے ہاتھ سے نکل کر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے، جو اصلاحی کوششوں کی راہ سے ان موانع کو ہٹائیں۔

یہ جو ہم بعض اسلامی ملکوں میں دیکھتے ہیں کہ دینی اصلاح کی کوئی تحریک اٹھتی ہے اور خاموشی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے انداز پر کام شروع کرتی ہے لیکن کچھ عرصہ بعد اس میں حکومت کی اصلاح کا رجحان بھی پیدا ہونے لگتا ہے وہ اصل میں اسی ضرورت کے احساس کا نتیجہ ہے وہ لوگ کچھ عرصہ کام کرلے کے بعد یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ملکی زندگی کے ہر گوشہ میں فسق وفجور کے ایسے قوی محرکات پل رہے ہیں کہ ان کی موجودگی میں قوم کی غالب اکثریت، جو بہت عرصہ سے غفلت میں مبتلا ہے ہماری دعوت وتبلیغ سے پوری طرح متاثر نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ملکی زندگی کا عام ڈھانچہ کچھ اس طرح کا بنا ہوا ہے کہ اس میں دین پر چلنا مشکل اور نیکی مشکل ہے اور برائی آسان ہے۔ کوئی شخص اگر عام زندگی سے تعلق رکھ کر دین کے احکام و ہدایات کا لحاظ رکھنا چاہتا ہے تو اکثر اوقات تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور نقصان بھی اس لئے بہت سے اشخاص باوجود خواہش کے دینی احکام کا اتباع نہیں کر پاتے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کو اپنا کوئی حق حاصل کرنے کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے تو خواہ اس کا کیس کیسا ہی صاف اور مضبوط کیوں نہ ہو اسے تھوڑا بہت جھوٹ بولے بغیر اور جھوٹی گواہوں کا انتظام کئے بغیر اس کا حق نہیں مل سکتا۔ اب یا تو آدمی اپنے حق سے صبر کرے اور یا پھر

جھوٹ کا ارتکاب کرے ــــــ اس لئے وہ اپنی اصلاحی کوششوں کی کامیابی کے لئے اپنے کو اس امر کی کوشش کے لئے بھی مجبور پاتے ہیں کہ ملک کا اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے جو معاشرے سے فسق و فجور کے محرکات دور کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔ اور ملک کا نظام ایسا بنانے کی کوشش کریں جس میں نیکی کی راہ پر چلنا مشکل کے بجائے آسان ہوجائے۔

بعض حضرات اس جد و جہد کو، بجائے دینی جد و جہد کے ایک تخریبی جد و جہد قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس کے نتیجہ میں ایک مسلمان حکومت سے کش مکش لازم آتی ہے ــــــ آج کی صحبت میں ہم اسی مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا کام کرنا جس کے نتیجہ میں کسی مسلمان حکومت سے کش مکش لازم آتی ہو، بہر حال ایک تخریبی عمل ہے؟

اس سلسلہ میں صحیح نتیجہ پر پہونچنے کے لئے ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل سوالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اس جد و جہد کا مقصد کیا ہے؟

(۲) دینی نقطہ نظر سے وہ مقصد کیسا ہے؟

(۳) اس مقصد کے حصول کے لئے اس قسم کی جد و جہد ناگزیر ہے یا نہیں؟

۱- اس جد و جہد کا مقصد جیسا کہ اوپر اچھی طرح واضح ہوچکا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین سے ایسے اسباب اور ایسے حالات کا خاتمہ کیا جائے جو ان کو فسق و فجور اور غیر اسلامی زندگی کی طرف کھینچنے والے یا اس پر مجبور کرنے والے ہیں۔

۲- ہمارے خیال میں اہل دین میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ نکلے گا جو اس مقصد کو دینی نقطہ نظر سے صرف صحیح ہی نہیں بلکہ مستحسن نہ قرار دے۔ اس لئے اس پر کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔

۳- تیسرے سوال کا بھی جائزہ لیجیے تو یہ بات تقریباً بدیہی نظر آتی ہے کہ ان اسباب و حالات کو دور کرنے کیلئے موجودہ برسر اقتدار طبقہ کے اقتدار کا خاتمہ ضروری ہے کیونکہ ان اسباب و حالات سے اسے ذاتی دلچسپی ہے اور جب تک بات اس کے اختیار میں ہے

ایسے اسباب و حالات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہے گا اور اس کی دلچسپی کی مثالیں اس کثرت کے ساتھ سامنے آتی رہتی ہیں کہ ان کی نہ تردید کی جا سکتی ہے نہ تاویل۔ مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ قوم میں ذوقِ گناہ کی پرورش کرنے میں ان ارباب اقتدار کا اہم حصہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی پرورش یہ ملک کے مالک و مختار کریں اسے ختم کرنے کی کوئی صورت ان کے خاتمہ کے بغیر کیسے ممکن ہے!

تعجب ہے کہ ان حقائق کے باوجود اس جد وجہد کو دینی جد وجہد کے بجائے تخریبی ٹھیرانے کے کیا معنی ہیں!

رہ جاتی ہے یہ بات کہ اس سے ایک مسلمان حکومت سے کش مکش لازم آتی ہے، تو آخر یہ کون سا گناہ ہے۔ اگر یہ جد وجہد غیر آئینی طریقوں پر کی جائے اور طاقت کے ذریعہ حکومت کو بدلنے کی کوشش کی جائے تب تو کہا بھی جا سکتا ہے کہ اس سے مسلمانوں میں باہمی کشت و خون ہوگا۔ لیکن اگر آئینی ذرائع سے یہ جد وجہد کی جائے تب اس میں کیا قباحت ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ جب حکومت کو بدلنے کا کوئی آئینی ذریعہ نہ تھا اور ارباب اقتدار اگر منصب اقتدار چھوڑنا نہ چاہیں تو ان سے چھڑانے کی کوئی صورت بجز طاقت کے استعمال کے نہ تھی مگر آج جبکہ جمہوریت کا دور دورہ ہے اور حکومت کے نصب عزل کے لئے قوتِ بازو کے بجائے ووٹ کی طاقت کافی ہے اور خود حکومتیں عوام کا یہ آئینی حق تسلیم کرتی ہیں کہ وہ جس کو چاہیں منصب حکومت پر بٹھائیں اور جس کو چاہیں اتاریں تو پھر کیوں نہ اس حق سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ جب یہ آئینی حق نہ تھا تو امت معذور تھی، اگر اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مسلمانوں کے اولی الامر ہونے کے لائق نہ تھے مگر آج جب کہ یہ حق حاصل ہے اور بغیر قتال بین المسلمین کے حکومت بدلی جا سکتی ہے تو پھر اقتدار کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑے رکھنے کے کوئی معنی نہیں ہیں جو مسلمانوں کی دنیا بھی برباد کر رہے ہیں اور عقبیٰ بھی ——— ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس آئینی جد وجہد میں بھی بعض غیر آئینی صورتیں پیش آجاتی ہیں اور کبھی کبھی معرکہ دار و رسن بپا ہو جاتا ہے، مگر کھلی اور غیر جانبدار آنکھوں سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ اس غیر آئینیت کا ارتکاب یہ ہمارے حکمراں ہی کرتے ہیں۔ یہ تو کہہ نہیں سکتے

کہ اس جدوجہد کا تمہیں حق نہیں ہے مگر مذکورہ صدر وجوہ کی بنا پر چونکہ گدی چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے بے سروپا الزامات لگا کر کسی کو پھانسی چڑھاتے ہیں اور کسی کو جیل کی ہوا کھلاتے ہیں، پس ان واقعات کی ذمہ داری ان تحریکوں پر ڈالنا یا یہ نصیحت کرنا کہ اس آئینی جدوجہد میں چونکہ ایسے مرحلے بھی پیش آجاتے ہیں اس لئے اس سے باز آجایئے۔ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے ان اسلاف سے (جو صرف حق بات کے اظہار کے جرم میں کبھی سلاطین کے معتوب ہو جایا کرتے تھے) کوئی کہتا کہ للہ آپ اس روش سے باز آیئے کیونکہ آپ کی حق گوئی پر جو سزا مرتب ہوتی ہے اس سے آپ کے معتقدین میں قدرتی طور پر حکومت کے خلاف ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ کسی انتشار کی صورت میں رونما ہو ——— جو مشورہ یہ ناصحین ان تحریکوں کو دیتے ہیں کس قدر مناسب ہوتا اگر یہ ارباب حکومت کو یہ مشورہ دیتے کہ للہ آپ اس روش سے باز آیئے اور اپنی قوم کو غیر آئینی جدوجہد پر مجبور مت کیجئے۔

بہرحال ہماری دعا ہے کہ خدا وہ دن لائے جب یہ تحریکیں کامیاب ہوں اور اسلامی دنیا دینی انحطاط اور دنیاوی ادبار سے نکل کر دنیا میں اپنے شایان شان مقام حاصل کر سکے۔

ناظرین ادارۂ اصلاح و تبلیغ لاہور کے نام سے تو واقف ہی ہیں اور نام ہی سے اس کے کام کا بھی ایک ہلکا سا تصور ذہن میں آہی جاتا ہے۔ اس ادارہ نے اپنی دیگر تبلیغی و اصلاحی مساعی کے ساتھ ساتھ حال ہی میں ایک نیا قدم ایک پندرہ روزہ رسالہ "درس قرآن" نامی کے اجراء سے اُٹھایا ہے ——— ہم اس اقدام کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

درس قرآن کے دو تین شمارے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس کی افادیت کے پیش نظر ہم مفید سمجھتے ہیں کہ اپنے ناظرین سے اس کا تعارف کرائیں۔

اس رسالہ میں ہر پندرہ دن کے لئے (ایک سبق یومیہ کے حساب سے) آیات قرآنی کے اسباق پیش کئے جاتے ہیں۔ دو سبق حدیث کے بھی ہوتے ہیں۔ ہر سبق نہایت سادہ انداز اور آسان زبان میں صرف ایک صفحہ کا ہوتا ہے۔ نئی سورہ شروع ہونے سے پہلے ایک سبق میں اس کا تعارف کرایا جاتا ہے اور ختم ہونے پر ایک سبق اس کے مضامین کے خلاصہ کے

طور پر ان اسباق کی ترتیب و تدوین کے لئے ادارہ نے پاکستان کے پانچ ذی علم حضرات پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا ہے۔ جس میں سر فہرست نام مولانا خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی کا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ عوام کو درسِ قرآن دینے کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔۔۔۔۔۔ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے، فی پرچہ ۸ آنہ۔۔۔۔۔ ہندوستان میں جو حضرات اس کی خریداری قبول فرمائیں وہ اپنا چندہ دفتر الفرقان کو بھیج سکتے ہیں۔ مگر اس کی اطلاع براہ راست ادارہ کو ضرور دیدیں۔

ایک ضروری اطلاع

۷ ارمئی کو ہمیں یکایک دفتر الفرقان کی عمارت ۳۳ گوئن روڈ بعض ناگزیر حالات کے تحت چھوڑ دینا پڑی ہے۔ ابھی تک کوئی مناسب جگہ دفتر کے لئے نہیں مل سکی ہے۔ اس لئے فی الحال پتہ میں صرف اتنی تبدیلی ہوگی کہ ۳۳ نہیں لکھا جائے گا باقی پورا پتہ سردست وہی رہے گا یعنی گوئن روڈ لکھنؤ۔ اس پتہ سے تمام ڈاک ہمیں بحفاظت پہونچتی رہے گی۔

دفتر کی عمارت کا نیا انتظام ہونے کے بعد اطلاع دیدی جائے گی۔۔۔۔۔ ملنے کی غرض سے تشریف لانے والے حضرات رہائشی مکان پر تشریف لا سکتے ہیں جس کا پتہ یہ ہے۔

پس پشت قدوائی ہومیوپیتھک اسٹور کچہری روڈ لکھنؤ

کچہری روڈ، گوئن روڈ سے بالکل متصل ہے اور یہ مکان سڑک کے اس سرے پر واقع ہے جو گوئن روڈ سے ملتا ہے۔ والسلام

خاکسار

عتیق الرحمٰن

مدیر الفرقان مولانا محمد منظور صاحب نعمانی سے ذاتی خط و کتابت اس پتہ پر کیجائے

مرکز اصلاح و تبلیغ کچہری روڈ۔ لکھنؤ

موصوف کا مستقل قیام مرکز ہی میں رہتا ہے

معارف الحدیث

(مسلسل)

صبر و شکر

اِس دُنیا میں دُکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی ۔۔ اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اُسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہیئے کہ جب کوئی دُکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دُکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے ۔۔۔۔۔ اسی طرح جب انکے حالات سازگار ہوں اور انکی چاہتیں انکو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسّر ہوں تو بھی وہ اُس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں ۔۔۔۔۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان

نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

اس سلسلہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے:۔

(۸۳) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔ مسلم

(ترجمہ) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اُسے کوئی دُکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اسکی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

(تشریح) اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لئے ہو لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالےٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دُکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں ——— اور چونکہ دُکھ سُکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے اِن بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

(۸۴) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ ——— رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اسکی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہو ــــــــ

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کیطرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا تعالیٰ راضی نہ ہو گا ــــــــ اللہ اکبر! کسقدر کریمانہ انداز ہے، براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا ــــــــ گویا اس صبر کی وجہ سے بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہونگے ــــــــ

(ف) جب کسی بندۂ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرلے تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۸۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ ــــــــ

رواہ الطبرانی فی الاوسط (جمع الفوائد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخشدینگے۔
(معجم اوسط طبرانی)

(تشریح) صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہو کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لیے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۸۶) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنَالِي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِءُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچہ کا آخری دم ہو اور چل چلاؤ کا وقت ہو لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں۔ آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہو۔ الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے اگر کسی کو دیتا ہو تو اپنی چیز دیتا ہو اور کسی سے لیتا ہو تو اپنی چیز لیتا ہو۔) اور ہر چیز کیلئے اسکی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیزاس دنیا سے اٹھالی جاتی ہو) پس چاہیئے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپکے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اٹھ کر چل دیے اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب . . . .

اور زید بن ثابت اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، اس کے اس حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو، اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) حدیث کے آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا تقاضی صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے ——— باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ رحمت سے محروم ہے سعد بن عبادہ نے حضور کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب کے ساتھ سوال اس لئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۷) عَنْ مُعَاذٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ مَاتَ لَہٗ اِبْنٌ فَکَتَبَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّعْزِیَۃَ "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَیْکَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰہُ لَکَ الْاَجْرَ وَاَلْھَمَکَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِیَّاکَ الشُّکْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَھْلَنَا مِنْ مَوَاھِبِ اللّٰہِ الْھَنِیْئَۃِ وَعَوَارِیْہِ الْمُسْتَوْدَعَۃِ مَتَّعَکَ اللّٰہُ بِہٖ فِیْ غِبْطَۃٍ وَّسُرُوْرٍ وَقَبَضَہٗ مِنْکَ بِاَجْرٍ کَبِیْرٍ اَلصَّلٰوۃُ وَالرَّحْمَۃُ وَالْھُدٰی اِنِ احْتَسَبْتَہٗ فَاصْبِرْ وَلَا یُحْبِطْ جَزَعُکَ اَجْرَکَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا یَرُدُّ مَیِّتًا

وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ وَالسَّلَام —

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط (جمع الفوائد)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ اُن کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم —— اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام —— میں پہلے اس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بعدازاں) دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمھارے دل کو صبر عطا فرمائے۔ اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہو کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مُبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اُصول کے مطابق تمھارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا، اور جب اُس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہو، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الہی کی نیت سے صبر کیا —— پس اے معاذ صبر کرو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمھارے اجر کو غارت کردے، اور پھر تمھیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے

—— والسّلام (معجم کبیر و معجم اوسط)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے "أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر تم نے ثواب اور رضاء الہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمھارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہو۔"

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لیے تعزیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہو جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

(۸۸) عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى اِنِّیْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِیْ وَعِلْمِیْ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداء رضی کی بیوی ام الدرداء رضی سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے شوہر ابو الدرداء نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمھارے بعد ایک امّت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملینگی تو وہ جذبۂ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریںگے اور جب ان پر ناخوش گوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریںگے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے، حالاں کہ اُن میں (کوئی خاص درجہ کی) بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی ـــــــ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا کہ جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی تو اُن سے خوشحالیوں میں شکر اور مصائب پر صبر کیوں کر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دونگا ـــــــ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوش حالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہو " اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا

وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا" اب اگر کسی اُمّت اور کسی گروہ کی سیرت ایسا ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہوا اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور قرون ما بعد کے صلحاء مومنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا اور اُن کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرّے ان بندوں کو عطا فرما دیے ہیں اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں ——

جس طرح اس امت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انھوں نے اور اُن سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے اور اُس کے نتیجہ میں ایک ایسی اُمّت کی اُمّت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے حلم و علم سے وہ بہرہ یاب ہوگی۔

حج و زیارت کے متعلق ایک روح پرور کتاب

آپ حج کیسے کریں؟

اسکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ دل میں سوز و گداز اور عشق و محبت کی وہ کیفیتیں بھی پیدا کرتی ہو جو حج کی رُوح اور جان ہیں اور حج کے اعمال و آداب اور اسکے طریقے کے بارہ میں بھی پوری رہنمائی کرتی ہو۔ حج کو جانے والے جو خوش نصیب حضرات سفر میں اسکو اپنے ساتھ اور اپنے مطالعہ میں رکھیں گے انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ اللہ کا کوئی بندہ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہو اور اپنے ساتھ عاشقانہ اور مسنون حج ادا کر رہا ہو —— اور جو حضرات گھر بیٹھے اس کا مطالعہ کریں گے انھیں صرف اس کے پڑھنے ہی سے حج و زیارت کی بہت کچھ لذتیں حاصل ہوں گی کہیں کہیں تو انھیں بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ حج و زیارت کی روح پرور نظارے اور مکہ و مدینہ کے نورانی جلوے گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ان کچے ایمان والے دلوں میں حج و زیارت کا سچا شوق اور حرمین پاک کی حاضری کی سچی طلب اور تڑپ ضرور پیدا ہوگی جو انشاء اللہ رنگ لائیگی۔

قیمت ۸ر صرف —— ملنے کا پتہ —— کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

پیغمبر اسلام کے بعض معجزات

(از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی)

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ

(اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے)

(القرآن : مائدہ)

معجزات ، اُن مافوق العادت افعال کو کہتے ہیں جو بحکم الٰہی انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے پیغمبروں کے معجزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مذاہب کے صحیفوں میں بھی اس قسم کے اَن گنت واقعات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ کچھ انبیاء ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے بزرگان دین بھی وقتاً فوقتاً خدا کے حکم سے اسباب وعلل کے کارخانوں پر غالب آتے رہتے ہیں۔

عام اصطلاح میں جو عجائب وخوارق انبیاء کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں ان کو معجزات اور جو اولیائے کرام سے صادر ہوتے ہیں اُن کو کرامات کہتے ہیں۔ مگر درحقیقت لفظ "معجزہ" کا استعمال زیادہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جس مفہوم کا حامل ہے اس سے اس کے خود پیغمبر کے فعل ہونے کی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کسی جگہ معجزہ کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس کے بجائے آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔

یہاں معجزہ اور سحر کا فرق بھی جان لینا ضروری ہے۔ سحر ایک ہُنر، ایک علم ہے جسے سیکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ معجزہ کسب و اختیار سے باہر ہے۔ اور جس طرح نبوت محض ایک عطیہ ربانی ہے،

معجزہ بھی کسی خیالی توجہ و تصرف یا "زورِ بازو" سے تعلق نہیں رکھتا چنانچہ سحر طبعی و نفسی اسباب کا نتیجہ ہو۔ اور معجزہ براہِ راست خدا کی مشیت اور قدرت کی پیداوار۔ اس کے علاوہ شعبدہ گری کا مقصد محض تفنن طبع ہوتا ہے، اور معجزہ سے مقصود نبوت کی تصدیق اور دین کی تبلیغ ہوتی ہو اور اسی لیے ساحروں کا اخلاقی معیار بلند ہونا بھی ضروری نہیں، اور نہ وہ اس کا دعوے ہی کرتے ہیں۔

مولانا روم نے معجزہ اور سحر کا فرق اس طرح بیان فرمایا ہے :۔

سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو را بر مکر پندارد اساس
زرِّ قلب و زرِّ نیکو در عیار بے محک ہرگز ندانی ز اعتبار
ہر کرا در جاں خدا بنہد محک ہر یقیں را باز داند او ز شک
چوں شود از رنج و علت دل سلیم طعم صدق و کذب را باشد علیم

کیا معجزے واقعی ممکن ہیں؛ اس کا ایک جواب تو یہ ہو کہ اگر ممکن نہ ہوتے تو واقع کیونکر ہوتے اور اگر واقع ہونے کی بابت شک کیا جائے تو پھر اسے معجزات ہی تک کیوں محدود رکھا جائے اور تاریخ کے دوسرے واقعات کیوں مستثنےٰ کر دیے جائیں۔ رہی یہ بات کہ ان واقعات کا ہونا سمجھ میں نہیں آتا، تو جو چیز سمجھ میں نہ آتی ہو اس کی واقعیت سے انکار کر بیٹھنا یہ بھی تو تقاضائے عقل نہیں ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ :۔

"عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہو جس میں اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ، وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے۔ وہ، وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے۔ اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح سکندر اور نپولین کے فتوحات اور بدھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے[1]"

---

[1] سیرۃ النبی جلد سوم۔ صفحہ ۲۳۔

رہی ان خوارق کی منطقیانہ توجیہ و تعلیل تو اس پر بے شمار اوراق سیاہ کیے جا چکے ہیں۔ یونانی فلاسفہ سے لے کر ہیوم، ہیگل، ہکسلے، اور ولیم جیمس تک سبھی مفکروں نے اس بحث میں حصہ لیا ہے۔ جس کا خلاصہ بھی اس مختصر مقالے میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں فلسفہ قدیم کے نظریات کی تسلی بخش تشریح کی گئی ہے، اور جدید فلسفہ کے نظریات پر پروفیسر عبدالباری ندوی کا ایک مقالہ بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے سب سے زیادہ مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمس کی کتاب "ورائیٹیز آف ریلیجس ایکسپیرئینس" بھی اس سلسلہ میں مطالعہ کے لائق ہے۔ معجزوں پر یقین آنے کی پہلی شرط خدا اور غیب پر یقین ہے۔ قدرت خداوندی پر ایمان لائے بغیر معجزات کی صداقت کا دل نشین ہونا محال ہے اور ایمان لے آنے کے بعد کوئی چیز مانع یقین نہیں رہتی۔

انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹانلی جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب اصول سائنس[1] کے نام سے لکھی ہے جس میں انھوں نے آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:[2]

> "اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں اُن سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے .... جس قدرت نے کائنات مادی کو خلق کیا وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے۔ اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے، ہمارے لیے ناقابل تصور کہے جا سکتے ہیں، پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔"

گویا دوسرے الفاظ میں، خالق فطرت خلاف فطرت بھی کر سکتا ہے اور کبھی کبھی اپنی شان کبریائی کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کے لیے ایسا کر بھی دیتا ہے۔

(۲)

یوں تو اخیار کا سرتاپا وجود ہی ان کے منصب جلیل کی تصدیق کے لیے کافی ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ خیال رائج ہے کہ اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات نبوت کے ضروری اجزا ہیں۔

---

[1] پرنسپلس آف سائنس [2] ماخوذ از سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ ۲۰۲۔

اور نبی وہی شخص ہو سکتا ہو جو خدا کی طرف سے امور غیب کی اطلاع رکھتا ہو اور جس سے خوارق ظاہر ہوتے ہوں۔

چنانچہ اس قدیم عقیدہ کے ماتحت کہ انبیاء کے ساتھ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہو معجزے نبوت کی منطقی دلیل نہ سہی نفسیاتی دلیل بلاشبہ ہو جاتے ہیں۔

معجزے بذات خود نہ مقصود ہیں نہ مطلوب، کیونکہ انبیاء کا اصلی کام جمادات اور نباتات پر تصرف کرنا نہیں، بلکہ دلوں میں تبدیلی کرنا ہو۔ معجزوں کی حیثیت بس ایک ذریعہ کی ہو کہ وہ لوگوں کے قلوب کو خدا کی طرف موڑنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو انبیاء کی زندگیوں کا ہر باب خود ایک معجزہ نظر آئے گا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کا قریش کی پیہم سازشوں کے باوجود زندہ وسلامت رہ کر دین کی تبلیغ کرنا، اُمّی ہونے کے باوجود قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کتاب کا حامل ہونا، محدود وسائل کے باوجود دشمنوں کے عظیم الشان لشکروں پر میدانِ جنگ میں غالب آنا اور بالآخر تمام رکاوٹوں اور مخالفتوں پر غالب آکر اشاعتِ دین میں بے مثال کامیابی حاصل کرنا وغیرہ — ان میں کون سی بات آپ کی ذات کی معجز نمائی پر دلالت نہیں کرتی۔ مگر ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق سوچتا اور سمجھتا ہو۔ چنانچہ آپ کے اولیں مخاطب قریش مکہ کی بڑی تعداد کا یہی حال تھا کہ ان سب چیزوں سے بھی ان کو اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ اور وہ برابر خوارق ہی کے لیے اصرار کرتے رہے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ۝ (یونس ع ۲)	"اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے اس پر کوئی نشان کیوں نہیں اُترا۔ اے پیغمبر کہہ دے کہ غیب (کی بات) خدا کے پاس ہو، تم اس کے ظہور کا انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں"
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ	"اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی

(الرعد ع ۴)

کیوں نہیں اُترتی"

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ
حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ
يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ
مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ
خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ
تَأْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا

(بنی اسرائیل ع ۱۰)

اور کہا انھوں نے کہ ہم نہ مانیں گے
تمھاری بات جب تک کہ تم نہ نکال دو ہمارے
واسطے زمین سے ایک چشمہ۔ یا ہو جائے
تمھارے واسطے ایک باغ کھجور اور
انگور کا، پھر جاری کردو تم اس کے بیچ
میں نہریں، یا گرادو آسمان کو ہمارے اوپر ٹکڑے
ٹکڑے کرکے، جیسا کہ تم کہا کرتے ہو، یا
لے آؤ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے ضامن بناکر

بالآخر جب مشرکین مکہ اپنی ضد سے نہ ہٹے تو اتمام حجت کے لیے پروردگار نے اپنے نبی کے دست حق سے مختلف معجزے رونما کیے۔

جنوبی ہند میں ایک مثل ہو کہ "سوتے ہوئے کو صرف تالی بجاکر جگایا جاسکتا ہو مگر بن کر سونے والے کو ڈھول پیٹ کے بھی نہیں چونکایا جاسکتا۔" یہی حال صدور معجزات کے بعد منکرین دین کا ہوا۔ جن کے دلوں میں حق طلبی کا ذرا بھی مادہ تھا ان کی چشم بصیرت روشن ہوگئی۔ لیکن جو خود بینی اور خود نمائی کے باعث آپ کو جھٹلاتے تھے اُن کے باطن نے کروٹ تک نہ لی۔

معجزہ طلب کرنے والوں میں پیش پیش اسی آخری قسم کے لوگ تھے جن کے بغض و عناد نے ان کی حق و باطل کی فطری تمیز کو فنا کردیا تھا۔ اور جن کو بڑی سے بڑی علامت اور نشانی بھی شک و شبہ کے گرداب سے نکال نہیں سکتی تھی۔ وہ کبھی معجزوں کو اتفاقی امور کہتے تھے اور کبھی سحر اور شعبدہ بازی بتلاتے تھے۔ ایک معجزہ ان کو دکھایا جاتا تو فوراً دوسرے کا تقاضا کر بیٹھتے، اور کہتے کہ اس بار تو تشفی نہ ہوسکی لیکن اگر آئندہ پھر ایسا ہی ہو جائے تو ہم ضرور قائل ہو جائیں گے۔ ان کے جواب میں اللہ پاک اپنے نبی کو نصیحت فرماتا کہ دو چار نہیں ان کے سامنے اگر مسلسل نشانیاں اُترتی رہیں تو بھی ان کی زبانیں بند نہ ہوں گی۔ اور وہ حق کو نہ مانیں گے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ

"اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی

اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ (الانعام ع ۱)	ان کے پاس نہیں آتی جس سے یہ منہ نہ پھیر لیتے ہوں۔
وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (الانعام ع ۱)	"اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتاریں جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو سکیں تو وہ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ یہ ایک جادو کا کھیل ہے۔"
وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا۔" (الانعام ع ۳)	"اگر وہ لوگ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔"

(۳)

آنحضرت صلعم کے معجزوں میں سے چند یہ ہیں۔ غلبۂ روم کی پیشین گوئی، بنو نضیر کی سازش کی اطلاع، مہاجرین حبش کو بشارت، ابو سفیان اور عمیر کی آپ کو قتل کرنے کی سازش کی اطلاع، قبائل عرب و قریش کی شکست اور فتح مکہ کی پیشین گوئیاں، فتح بدر و خیبر و حنین کی پیشین گوئی، یہود کی دائمی نامرادی کا اعلان، روم کی قوت ٹوٹ جانے کی اطلاع، خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں، اپنی وفات کی اطلاع، شرح صدر، معراج، شق القمر، شفائے امراض، گونگے کا بولنے لگنا، استجابت دعا، قلیل المقدار اشیاء میں کثیر برکت کا ظاہر ہونا، خالی مشکیزہ سے پانی کا ابلنے لگنا، آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا ناخواندگی کے باعث یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے ناواقف ہونے کے باوجود اُن کے علماء کے سوالات کا صحیح جواب دینا، نزول قرآن، ملائکہ سے گفتگو، رویائے صادقہ، ہندستان میں اسلام پھیلنے کا مژدہ سنانا، یہاں نمونہ کی طور پر اطلاعِ غیب اور صدور خوارق کا ایک ایک واقعہ یعنی اول الذکر میں سے غلبۂ روم کی پیشینگوئی اور آخر الذکر میں سے شق القمر کے معجزہ کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہو۔

ایک گذشتہ باب میں آچکا ہو کہ روم اور فارس میں برابر جنگیں ہوا کرتی تھیں اور بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۳ء میں رومیوں کو ایسی فاش شکست ہوئی تھی کہ ان کی سلطنت

کے پرزے اُڑ گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہو جائے گا۔

رُومی چونکہ نصرانی المذہب تھے اس لیے اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے اس جنگ میں مسلمانوں کو ان سے ایک گونہ ہمدردی تھی۔ اور ان کی ضد میں مشرکین مکہ ایرانیوں کی طرفداری کرتے تھے۔ چنانچہ جب جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی آرزوؤں کے خلاف نکلا تو کفار بہت شادماں ہوئے اور انھوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ "جس طرح ہمارے بھائی (آتش پرست ایرانی) تمھارے ساتھیوں پر فتحمند ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم بھی ہمارے مقابلہ میں آئے تو مغلوب ہو گے"۔

رومیوں کی شکست، دوسرے قریش کی طعنہ زنی کی وجہ سے مسلمان افسردہ خاطر اور رنجیدہ تھے۔ عین اس وقت ماضی، حال اور مستقبل کا یکساں علم رکھنے والے نے انھیں اپنے نبی کے ذریعہ یہ مژدہ سنایا۔

غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۝ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰہِ ۝

(الروم ع ۱)

"قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ مگر مغلوب ہونے کے چند (تین سے نو) برسوں کے اندر پھر غالب ہو جائیں گے۔ پہلے اور پیچھے سب اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے۔

کوئی بھی پیشین گوئی اسی وقت حیرت انگیز مانی جا سکتی ہو جب حالات اور واقعات کے لحاظ سے وہ قطعاً ناقابلِ یقین ہو اور ہر شخص اسے مستبعد اور بعید از قیاس سمجھتا ہو اور اس سب کے باوجود وہ حقیقت بن کر سامنے آجائے، لہٰذا وہ پیشین گوئی جسے قرآن نے قدرتِ خداوندی اور صداقتِ نبوی کی ایک نشانی کے طور پر پیش کیا ہو، اس لیے یہاں اس پیشین گوئی کے تاریخی پس منظر کا تھوڑا سا جائزہ لے لینا مناسب ہوگا۔

۶۰۲ء میں فاکس نامی ایک فوجی سردار نے رومی شہنشاہ مارکس اور اس کے خاندان کو قتل کر کے خود تختِ شاہی پر قبضہ کر لیا تھا۔ عام دستور کے مطابق نئے شہنشاہ نے خسرو پرویز فرمانروائے ایران کو اپنی تخت نشینی کی اطلاع کی اور اس کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا، مگر خسرو نے

نئی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سفیر کو قید کرا دیا۔ اور سنہ ۶۰۳ء میں روم پر حملہ آور ہو کر آناً فاناً دریائے فرات کو عبور کر کے شام کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔

اسی زمانہ میں رومیوں کے پاس اعلیٰ فوجی افسروں کی بہت کمی تھی۔ نارسیس ان کا بہترین فوجی قائد تھا، مگر اسے فاکس نے تخت نشین ہوتے ہی قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا کر ختم کر دیا تھا۔ فاکس خود ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا چنانچہ ایرانیوں کو روکنے میں رومی ناکام رہے، اور وہ شام کے بعد بازنطینی سلطنت کا دار الخلافت انطاکیہ فتح کرتے ہوئے ارض مقدس کے ایک ایک شہر پر قابض ہو گئے۔ یروشلم کے کلیسے نذر آتش کیے گئے۔ مذہبی شعائر کی توہین کی گئی۔ اور یہودیوں کی اعانت سے ساٹھ ہزار بے گناہ عیسائی قتل کر ڈالے گئے۔

یہ قیامت خیز واقعات ہو ہی رہے تھے کہ رومی افریقہ کے گورنر ہرقل نے فاکس کے خلاف بغاوت کی اور سنہ ۶۱۰ء میں اس کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

ادھر ایرانیوں کا لشکر مصر پر چھا گیا اور حبش و طرابلس کو زیر و زبر کرتا ہوا صحرائے لیبیا کے راستہ سے واپس لوٹا، ایرانی افواج کا دوسرا بازو ایشیائے کوچک کو روندتا ہوا باسفورس کے ساحل پر جا کے رکا اور شہنشاہ روم کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہر طرف سے اس کی لپیٹ میں آ گیا۔

ایرانی سیلاب جدھر سے ہو کر گزرتا گرجاؤں اور کلیساؤں کو بہا لے جاتا۔ ان کی جگہ آتش کدے تعمیر ہو جاتے اور حضرت عیسیٰ کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کے قوانین نافذ کر دیے جاتے۔

سنہ ۶۱۶ء تک رومی پوری طرح مغلوب ہو گئے تھے، اور علاوہ ان عظیم الشان علاقوں کے جو ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے سلطنت روما کی یوروپین شاخ میں بھی غدر مچا ہوا تھا۔ انگلستان اور فرانس وغیرہ چھٹی صدی کے اختتام ہی پر خود مختاری کا اعلان کر چکے تھے۔ آسٹریلیے کہ تھریس کی دیواروں تک آواریوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اور لومبارڈ، گوتھ اور ونڈال کے لگاتار حملے ہو رہے تھے۔

اس ابتری کا ذکر کرتے ہوئے رومیوں کے عظیم المرتبت مؤرخ ایڈورڈ گبن نے لکھا ہو کہ رومی سلطنت کی مثال اس شاندار درخت کی سی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوام

عالم آباد تھیں، مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہوگئیں۔ اب صرف تنا رہ گیا تھا اور وہ بھی خشک ہو رہا تھا۔ خود پایۂ تخت کے اندر غنیم کے گھس آنے کا ایسا خوف تمام آبادی پر چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے۔ وہ بازار اور تماشہ گاہیں جہاں رات دن چہل پہل رہتی تھی، اب ویران اور سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ اور عیش پرستی کا یہ عالم تھا کہ لوگ ایک عرصہ سے تاہل کے بجائے تجرد کی زندگی بسر کرتے تھے۔ تاکہ آزادی اور آسانی کے ساتھ اپنے شہوانی جذبات کی تشفی کر سکیں[1]۔

خود ہرقل کو شاہد و مینا سے فرصت نہ تھی۔ ان صورتوں میں قسطنطنیہ ایرانی محاصرہ کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً رومیوں کی طرف سے صلح کی تحریک ہوئی۔ رومتہ الکبریٰ کے زوال کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہو کہ جب رومی عہدیدار ایرانی دربار میں امن و عفو کی درخواست لے کر گئے تو اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ "مجھ کو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے، میں اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر ہمارے سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکا دے۔"

آخر کار ایرانی سپہ سالار نے صلح کی شرطیں پیش کیں۔ اور کثیر المقدار سونے اور چاندی کے علاوہ ایک ہزار ناکتخدا لڑکیوں کا بھی مطالبہ کیا اور رومیوں نے یہ سب منظور کر لیا۔

درحقیقت اس وقت ایرانیوں کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کے پاس بحری بیڑہ بھی ہوتا تو وہ آسانی سے پورا یورپ فتح کر سکتے تھے۔

یہ تھی حالت کہ جس میں ۶۱۶ء میں قرآن کی پیشین گوئی نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ کفار مکہ نے اس کا استقبال خندۂ تحقیر سے کیا، اور اس کے خلاف بھاری بھاری شرطیں لگائیں[2]۔

یکبارگی ہرقل کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا اور عیش پرستی، کاہلی اور پست حوصلگی کی جگہ جواں ہمتی، بیدار مغزی اور اعلیٰ فوجی صلاحیتوں نے لے لی۔ اس تبدیلی کی بابت گبن نے لکھا ہو کہ "وہ شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور وہم کا غلام

---

[1] ایڈورڈ گبن، جلد ۲، صفحہ ۳۷۲ [2] جامع ترمذی۔

اور اپنی رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا جس طرح صبح و شام کا گہرہ دوپہر کے آفتاب سے پھٹ جاتا ہے، دفعتہً محلوں کا ارکاڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا۔[1]

کہاں مصیبتوں اور ناامیدیوں سے گھبرا کر وہ قسطنطنیہ کو خیرباد کہنے کا ارادہ کر رہا تھا، کہاں اس نے سینٹ سوفیا میں جا کے قسم کھائی کہ رومیوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے میں زندگی اور موت کی بازی لگا دے گا۔

قسطنطنیہ میں بڑے عزم و انہماک سے جنگی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اور ۶۲۱ء میں ہرقل اپنی فوجیں لے کر ایرانیوں سے بدلہ لینے روانہ ہوا۔ جس وقت یہ لشکر قسطنطنیہ سے نکلا لوگوں نے سمجھا کہ دنیا رومۃ الکبریٰ کا آخری لشکر دیکھ رہی ہے۔[2] مگر قرآن کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور رومیوں نے مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا۔

ہرقل نے ایشیائے کوچک کے مغربی جنوبی ساحل کو بائیں طرف چھوڑتے ہوئے خلیج اسکندریہ میں اپنی فوجیں اتاریں۔ اور بندرگاہوں کے قلعوں کی مرمت کرائی، پھر وہ سلیشیا میں داخل ہوا اور اس کو فتح کرنے کے لیے ڈرشیا کا رُخ کیا، اور اس سے گذرتا ہوا بحر اسود اور آرمینیا کے پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا قلب ایران میں گھس گیا، اور رومی فوجوں کا دوسرا دستہ طورس فتح کرتا اور ایرانیوں کے آتشکدے سرد اور خسرو کی مورتیں نذر آتش کرتا ہوا گنذزا کا اور موگان کے علاقوں تک پہنچ گیا۔

ایرانیوں کی سلطنت اس دو طرفہ حملے سے خطرہ میں پڑ گئی۔ انھوں نے گھبرا کے وادی نیل اور باسفورس سے فوجیں طلب کیں، مگر ہرقل نے اس لشکر جرار کو بھی شکست دی اور قزوین اور اصفہان کے شہروں کو روندتا ہوا کردستان کے پہاڑی سلسلے کے اوپر سے گذرا اور دجلہ عبور کر کے ایرانیوں سے ایک اور خونیں جنگ لڑی۔ اور ان کو پسپا کر کے ساباط میں داخل ہو گیا۔ آخری اور فیصلہ کن معرکہ نینوا کے میدان میں ہوا جس میں ایرانیوں نے ایسی شکست فاش کھائی کہ ان کی سلطنت زیر و زبر ہو گئی، اور رومیوں نے اپنی قدیم تاریخی حدود سے نکل کر سلطنت فارس کے

---

[1] گبن، جلد ۲، صفحہ ۳۰۴ [2] ایضاً

قلب میں اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔

اس طرح ۶۲۵ء میں یعنی قرآن کی پیشین گوئی کے ٹھیک نو برس بعد ہرقل فاتحانہ قسطنطنیہ واپس آیا۔

گبن نے اس پیشین گوئی پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہو کہ: "محمد (صلعم) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشین گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں معلوم ہوتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روما کی عنقریب تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔"

اس مہم کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر شراب نوشی اور عیش پرستی کی طرف لوٹ گیا، اور ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ وہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں تھا۔ تمام مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کی زندگی کا بہترین اور سب سے زیادہ شاندار دور وہ تھا جس میں اس نے ایرانیوں سے بدلہ لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ قدرت نے صرف اپنی پیشین گوئی کو پورا کرانے کے لیے اسے بیدار کر دیا تھا۔

مؤرخین ہرقل کی زندگی کا معمہ کھولنے سے قاصر ہیں اور ان کا فیصلہ ہو کہ ہرقل کے لیے یہ کہیں زیادہ اچھا ہوتا کہ وہ ۶۲۸ء ہی میں مر جاتا۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانکا کی گیارھویں جلد میں مرقوم ہو کہ:-

"ہرقل کا کردار ایک عجیب معمہ ہو جس کا سلجھانا آسان نہیں ہو، ایک بہادر اور ہوشیار سپہ سالار اور تجربہ کار مدبر ہونے کے باوجود وہ نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنی سلطنت کو پرزے پرزے ہوتے ہوئے دیکھا کیا۔ زندگی کے مختلف دوروں میں اس کی حیثیتیں اور صلاحیتیں نہ صرف ایک دوسرے کے مختلف بلکہ متضاد نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس کی خانگی زندگی کے متعلق ہماری معلومات بہت ناقص ہیں، ممکن ہو کہ اس تضاد کا کوئی ذاتی سبب ہو، اگرچہ اس کے عمل کے لیے وہ صحیح عذر نہیں قرار دیا جا سکتا ہو۔ اگی

شہرت کی بقا کے لیے یہ بہتر ہوتا کہ وہ ایرانی مقابلہ کے فوراً بعد مرجاتا۔"

معجزہ شق القمر آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کے اواخر میں رونما ہوا تھا۔ صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن معطم وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہو۔

قاضی سلیمان منصور پوری کا بیان ہو کہ آنحضرت صلعم سے چاند کو شق کرنے کا مطالبہ قریش مکہ نے یہود کے مشورہ پر کیا تھا، ممکن ہو کہ اس طرف یہودیوں کا خیال حضرت موسیٰ کے سب سے بڑے معجزہ فلق بحر کی وجہ سے گیا ہو۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود کا اس واقعہ کا چشم دید بیان جو صحیح بخاری، و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مذکور رہو، یہ ہے:-

"ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ آپ نے فرمایا گواہ رہنا۔"

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہو کہ:-

"اہل مکہ نے نبی صلعم سے مطالبہ کیا تھا کہ ان کو کوئی بڑا معجزہ دکھایا جائے نبی نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھایا۔ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا کوہ حرا کے اس طرف تھا اور دوسرا اس طرف۔"

اور جبیر بن معطم کا بیان ہو کہ اس معجزے کو دیکھ کر قریش نے کہا کہ "محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہو۔" اس پر کچھ لوگ بولے کہ اگر محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہو تو وہ تمام آدمیوں پر تو جادو نہیں کر سکتے مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ جب مختلف مقامات سے مسافر آئے تو انھوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔[2]

قرآن مجید میں اس واقعہ کے بارہ میں اجمالاً صرف اتنا فرمایا گیا ہو۔

---

[1] رحمۃ للعالمین - جلد سوم، صفحہ ۱۸۶ [2] جامع ترمذی، تفسیر سورۂ قمر و ابو داؤد۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ٥ وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ٥ (القمر ع ۱)

"قیامت نزدیک آگئی، اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی بھی نشان دیکھیں تو وہ اس سے انکار ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔"

یہ معجزہ ابتدا سے دقیق فلسفیانہ بحثوں کا موضوع رہا ہے۔ قدما کو یہ اعتراض تھا کہ اجرام فلکی میں شکست و ریخت ناممکن ہے اس لیے چاند کا شق ہونا بھی محال ہے، مگر جدید انکشافات نے فلکیات کے تصوّروں میں بہت زیادہ تبدیلی کر دی ہے۔ اور چند صدیوں قبل جو باتیں محال سمجھی جاتی تھیں آج ان کو سن کر تعلیم یافتہ دنیا کی جبین پر کوئی شکن نہیں پڑتی ہے۔ ایمونیل ویلیکافسکی نے "ورلڈز ان کولائزن" کے نام سے اجرام فلکی کے سنن و عادات پر ایک بے نظیر کتاب لکھی ہے جس میں تاریخی حوالوں کے ساتھ بڑے بڑے اجرام کے شکست و ریخت و تصادم کے متعدد حادثوں کا ذکر کیا ہے، حتیٰ کہ سورج کے رخ بدلنے کے کم از کم ایک واقعہ کو بھی یقینی ممکن بتایا ہے۔

بعض معترضین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ایسی عجیب بات واقع ہوتی تو صرف اہل مکہ ہی کو نہیں، ساری دنیا کو نظر آتی۔ مگر چاند دنیا کے تمام حصوں میں بیک وقت نظر نہیں آتا ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے بڑی محنت سے وقت کا ایک نقشہ تیار کیا ہے جس میں دکھایا ہے کہ اگر عرب میں رات کے ۹ بجے ہوں تو دنیا کے دوسرے ملکوں میں کیا وقت ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان، برما، ملایا، ترکی، یونان، انگلستان، فرانس، اسپین، پرتگال، امریکا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بارہ بجے رات سے لے کر سہ پہر تک کے مختلف اوقات ہوں گے۔ چنانچہ دنیا کا بہت بڑا حصہ تو اس منظر کو دیکھنے سے قدرتی طور پر معذور تھا۔ اور جہاں طلوع ماہتاب سے لے کر نصف شب تک کا وقت تھا، وہاں اکثر لوگ سو رہے ہوں گے یا اپنے گھروں میں بند ہوں گے۔ اور جنھوں نے دیکھا بھی ہو گا ان میں بہت بڑی تعداد ایسوں کی ہو گی جو ناخواندگی کے باعث اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے کی قدرت نہ رکھتے ہوں گے۔ پھر جو چند پڑھے لکھے تھے بھی ان کے لیے ضروری تو تھا نہیں کہ اس مشاہدہ کو

قلمبند کر لیتے، اور اگر دو چار نے اپنی یادداشتوں میں لکھ بھی لیا ہو گا تو ممکن ہو ان کی یادداشتیں سیکڑوں دوسرے مسودوں کی طرح ضائع ہو گئی ہوں۔

دنیا میں لاتعداد فلکی انقلابات ظاہر ہوئے ہوں گے لیکن ان میں سے کتنے علم ہیئت کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں؟ تو کیا ان کا درج نہ ہونا عدم وقوع کی دلیل ہو؟ مثلاً انجیل میں یہ سطر ملتی ہو کہ "قریب دن بھر کے سورج پچھم کی طرف مائل نہ ہوا"[۱] اور یہودی اور عیسائی دونوں اس کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب کیا کوئی ایمان دار شخص محض اس بنا پر اس کو جھٹلا سکتا ہو کہ قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہو کہ کرۂ ارض بارہ گھنٹے کے لیے ساکت ہو گیا ہو؟

علامہ سلیمان ندوی مرحوم کے نزدیک اس میں ایک پہلو اور بھی ہو وہ فرماتے ہیں۔

چونکہ اللہ نے یہ نشانی محض اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور و رویت کی حاجت نہ تھی، اور اس بنا پر اگر بالفرض دنیا کے دوسرے حصوں میں چاند کو شق ہوتے ہوئے نہ دیکھا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ بلکہ مکہ کے علاوہ دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی، کیونکہ اگر یہ دنیا بھر کے لوگوں کو عام طور سے نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ یہ بھی آسمان کے طبعی انقلابات میں سے ایک انقلاب تھا۔ اور عام فلکی تغیرات سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ مگر جب اہل مکہ کے علاوہ جو اور لوگ شہر مکہ میں تھے یا باہر سفر میں تھے صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہو کہ یہ صرف آنحضرت صلعم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا تھا۔[۲]

---

[۱] کتاب یشوع ۱۰/۱۳ [۲] سیرت النبی جلد سوم صفحہ ۵۶۷

مسلمانوں کی موجودہ زندگی

اور

اس کے اثرات ونتائج

(مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو گزشتہ ماہ شعبان میں احمد آباد کے اجتماع میں کی گئی تھی)

الحمد للہ الذی ھدٰنا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللہ، لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوات اللہ تعالیٰ علیھم وعلیٰ کل من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔

محترم بزرگو اور دینی بھائیو!

اس وقت مسلمانوں میں دینی حالت کے لحاظ سے تین قسم کے اور تین طرح کے آدمی ہیں ــــ بہت تھوڑی تعداد میں تو اللہ کے وہ بندے ہیں جن کی زندگی ویسی ہو جو ایک مسلمان کی ہونی چاہیے۔ یعنی اُن میں ایمان بھی ہو اور ایمان کی وجہ سے آخرت کی فکر بھی ہو، اور اس فکر کی وجہ سے ان کی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کی وفاداری والی زندگی ہو۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہو وہ ان کو فکر اور اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں، اور جن باتوں سے بچنے کا حکم دیا ہو اُن سے بچتے ہیں۔ اور اگر کبھی شیطان یا نفس کے بہکانے سے ان سے کوئی نادانی اور غلطی ہو جاتی ہو تو وہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتے ہیں ــــ میں نے جیسا کہ عرض کیا، مسلمانوں میں اللہ کے ایسے بندوں کی تعداد بہت کم ہے، میرا اندازہ ہے کہ ایک دو فیصدی بھی نہیں ہے تاہم ابھی یہ اُمت ایسے بندگانِ خدا سے خالی نہیں ہوئی ہے، اور قریب قریب ہر ملک اور ہر علاقہ میں اللہ کے ایسے

وفادار اور فرمانبردار بندے موجود ہیں۔ اور اصلی اور حقیقی مسلمان دراصل یہی ہیں۔

اور ان کے مقابلے میں سب سے بڑی تعداد مسلمان کہلانے والوں میں اب ان لوگوں کی ہے جو اگرچہ پشتینی مسلمان ہیں لیکن اسلام سے نہ ان کا علمی تعلق ہے نہ عملی یعنی انھیں نہ یہ جاننے کی فکر ہے کہ اسلام کیا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے، اور نہ اپنی عملی زندگی میں انھوں نے اسلامی احکام کی پابندی، اور فرمانبرداری کا فیصلہ کیا ہے، ان لوگوں کے مسلمان ہونے کا مطلب بس اتنا ہی ہے کہ یہ اسلام کے منکر اور کافر نہیں ہیں۔ اور ان کے باپ دادا کا جو دین رہا ہے یعنی اسلام اس کو یہ سچا اور اچھا سمجھتے ہیں باقی اس سے آگے نہ وہ جانتے ہیں نہ سوچتے ہیں ـــــ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ مسلمان کہلانے والوں میں سب سے بڑی تعداد اسی قسم کے لوگوں کی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات میری اس بات کو واعظانہ مبالغہ سمجھیں، لیکن مجھے پورا اطمینان ہے کہ میں بالکل مبالغہ نہیں کر رہا ہوں اور میرے اندازہ میں مسلمانوں کی اکثریت قریب قریب اسی حال میں ہے، اور آپ میں سے جن حضرات کو میرے اس اندازہ سے اختلاف ہو میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خود چل پھر کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی دینی حالت کا براہ راست مطالعہ کریں، مجھے یقین ہے کہ جو صاحب اس سلسلہ میں اپنا کچھ وقت اور کچھ آرام قربان کریں گے وہ اسی نتیجہ پر پہونچیں گے اور میرے اندازہ کی تصدیق کریں گے۔

دو طبقے تو مسلمانوں میں یہ ہیں جن کا میں نے ذکر کیا۔ اور ایک تیسرا طبقہ ان دونوں کے درمیان والا ہے۔ یعنی نہ تو پہلے طبقہ کی طرح ان میں اللہ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری کی پوری فکر اور اہتمام ہے اور نہ دوسرے طبقہ کی طرح دین کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ اور صرف نام کے مسلمان ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ دین سے کچھ باخبر بھی ہیں، ان کو دین سے کچھ دلچسپی بھی ہے اور اسلام کے بعض احکام پر وہ عمل بھی کرتے ہیں، لیکن ایک سچے مسلمان کی طرح اللہ اور رسول کے ہر حکم پر چلنے کو اور ہر معاملہ میں اللہ و رسول کی ہدایت کی پیروی کرنے کو انھوں نے اپنی زندگی کا اصول نہیں بنایا ہے، اس لیے بہت سے کام وہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف بھی کرتے رہتے ہیں، مثلاً نماز پڑھتے تو ہیں، مگر پابندی سے پانچوں وقت کی نہیں پڑھتے، یا مثلاً زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، یا مثلاً نماز تو پڑھتے ہیں مگر رشوت لیتے ہیں یا جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ یا نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور سوداگری میں بددیانتی کرتے ہیں۔ الغرض ان کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمان تو ہیں اور ان کو اسلام سے محبت اور دلچسپی بھی ہے، لیکن

انھوں نے اپنے آپ کو اسلامی احکام اور اللہ ورسول کی ہدایات کا پوری طرح پابند نہیں کیا ہے، اس لیے ان کی زندگی اور ان کی عادات میں کچھ چیزیں اسلامی تعلیم کے مطابق بھی ہیں اور کچھ باتیں اسکے خلاف بھی ہیں۔ یہ تیسرا طبقہ جس طرح اپنی دینی حالت کے لحاظ سے درمیانی ہے اسی طرح اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہے، یعنی اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد پہلی قسم کے مسلمانوں سے تو بہت زیادہ ہے لیکن دوسری قسم کے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم ہے۔

الغرض مسلمان کہلانے والی قوم اور امت میں اس وقت یہ تین طبقے ہیں۔ ان میں سے پہلا طبقہ جو تناسب کے لحاظ سے بہت ہی کم تعداد میں ہے ظاہر ہے کہ دینی نقطہ نگاہ سے اس کا حال بڑا مبارک ہے، قرآن پاک میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں ایسے بندگان خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت اور جنت کی جنتیا بشارتیں ہیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اور آپ کو بھی ان ہی میں سے کردے۔

دوسرا طبقہ جس کے متعلق میں نے بتایا کہ اسلام سے اس کا کچھ بھی علمی اور عملی تعلق نہیں ہے اور اس کے مسلمان ہونے کا مطلب بس یہی ہے کہ وہ کافر اور منکر نہیں ہے، اس کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے اور ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہیں، کھاتے پیتے اور سوتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بہت بڑی تعداد اسلام سے اس قدر دور جا پڑی ہے۔ اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کا اسلام سے جو برائے نام تعلق ہے وہ آنے والے زمانہ میں کب تک باقی رہ سکے گا ۔۔۔ میں اس دوسرے طبقہ کے متعلق بھی اسوقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے غالباً یہاں اسوقت موجود بھی نہ ہونگے

اب رہا تیسرا طبقہ جس کو میں نے درمیانی طبقہ کہا ہے اور جو اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہے۔ اس کے متعلق میں صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ دوسرے طبقہ کے اعتبار سے اس کی حالت یقیناً بہتر ہے۔ لیکن قرآن مجید سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت بھی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہرگز راضی نہیں ہے، اور اگر توبہ کرکے حالت درست نہ کی جائے تو پھر یہ حالت بھی اللہ کے غضب اور لعنت کو کھینچنے والی ہے۔

حضرات! میری اس گزارش سے آپ حضرات نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس وقت مسلمان کہلانے والی قوم اور امت کا دینی حالت کے لحاظ سے اجتماعی نقشہ یہ ہو کہ ان میں ایک دو فی صدی تو ایسے حال میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ اس کی رحمت اور فضل خاص کے مستحق ہیں، اور باقی ۹۹ یا ۹۸ فی صدی کا حال ایسا ہو کہ وہ غضب اور لعنت کو زیادہ کھینچنے والا ہو، گویا شر، خیر سے اور فساد صلاح سے دسوں گنا زیادہ ہو ـــــ اور امت کی اس اجتماعی حالت کے تین نتیجے ہیں ـــ ایک نتیجہ تو یہ ہو کہ یہ امت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مدد سے محروم کر دی گئی ہو ایک وہ وقت تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ساری دنیا کے مقابلہ میں بھاری تھے، جدھر قدم اٹھتے تھے آسمانی نصرت ساتھ ساتھ چلتی تھی اور ہر میدان میں "نصرٌ من اللہ وفتحٌ قریب" کا وعدہ پورا ہوتا دکھائی دیتا تھا ـــ اور آج یہ حال ہو کہ ایک ایک ملک میں کئی کئی کروڑ ہونے کے باوجود ان کا کوئی وزن اور کوئی اثر نہیں، ـــ اللہ کی مدد سے موجودہ دور کے مسلمانوں کی محرومی کی نہایت عبرتناک اور سبق آموز مثال اسرائیلی حکومت کے مقابلہ میں عرب حکومتوں کی بے بسی ہو، کہیں بالشت بھر زمین پر بھی یہودیوں کی کوئی حکومت نہیں تھی، امریکا اور برطانیہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے اپنی خاص اغراض کے لیے عرب حکومتوں کے سینہ میں یہودی حکومت کا کھونٹا گاڑا، لیکن ساری عرب حکومتیں مل کر بھی اس شرارت اور شیطنت کو نہ روک سکیں، اور آج تک اس کے مقابلہ میں بے بس ہیں، اور یہ تو میں نے ایک مثال دی ورنہ مسلمانانِ عالم پر ہر روز جو کچھ گزرتی ہو، اور عالم اسلامی میں آئے دن جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں وہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہیں کہ اس دور میں مسلمان من حیث القوم اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے محروم ہیں ـــ ایک وہ وقت تھا کہ مسلمان قوم کی مصلحت کا تقاضا اگر تیز ہواؤں کے لیے ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیز ہوائیں اور آندھیاں چھوڑ دی جاتی تھیں اور جب مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہوتی کہ ہوا ساکن ہو جائے تو ہوا ساکن کر دی جاتی تھی، اور جب مسلمانوں کے حالات کا تقاضا یہ ہوتا کہ بارش ہو جائے تو آسمان سے بارش برستی، اور جب بارش کے روک دیے جانے میں مسلمانوں کی مصلحت ہوتی تو بارشیں روک دی جاتیں، غزوہ احزاب اور غزوہ بدر میں آندھیوں اور بارشوں سے مسلمانوں کی جو مددیں کی گئیں ان کا ذکر تو روایات کے علاوہ قرآن مجید میں بھی ہو ـــ بہر حال جب

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت والی زندگی تھی تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی مخفی طاقتوں سے ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے نتیجے وہ ہوتے تھے جو قرن اول کی تاریخ میں ہم اور آپ پڑھتے ہیں اور جب سے مسلمانوں کی عام زندگی میں شر اور فساد کا غلبہ ہو گیا اور ان کی اجتماعی حالت رحمت اور نصرت کے قابل نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی قانون کے مطابق ان کو اپنی مدد سے محروم کر دیا۔ اور اب دنیا میں ان کی حالت وہ ہے جو ہم اور آپ عرب و عجم میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں — پس مسلمانوں کی اس بگڑی ہوئی حالت کی ایک سزا تو خدائی مدد سے ان کی یہ محرومی ہے جو مدتوں سے اس دنیا میں ان کو مل رہی ہے — اور دوسری سزا مرنے کے بعد قبر اور حشر کی سختیاں اور پھر خدانخواستہ دوزخ کا عذاب ہے جو دنیا کی ساری ذلتوں اور مصیبتوں سے ہزاروں گنا زیادہ تکلیف دینے والا ہے — البتہ دنیا اور آخرت کی جزاء و سزا کے قانون میں یہ فرق ہے کہ دنیا میں کسی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کی عام حالت اور مجموعی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اور آخرت میں ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ ہوگا۔ "وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا"

بہر حال اگر ہم نے اپنی دینی حالت درست نہ کی اور ہماری زندگی میں خدا فراموشی اور نافرمانی کا غلبہ رہا تو اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یقینی اطلاع ہے کہ مرنے کے بعد کی منزلوں میں ہمیں بڑی سخت تکلیفیں اور بہت دردناک سزائیں بھگتنی پڑیں گی، ایسی تکلیفیں اور ایسی سزائیں جن کا ایک لمحہ بھی اس دنیا کی ساری عمر کی تکلیفوں اور دکھوں سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جا بجا فرمایا گیا ہے "ولعذاب الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون" "ولعذاب الآخرة اشق وابقیٰ" "ولعذاب الآخرة اخزیٰ"

میرے بزرگو اور میرے بھائیو! اللہ پاک کی مقدس کتاب اور اس کے صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبردار کیا تھا کہ اگر تم نے بجائے اطاعت و فرمانبرداری کے نافرمانی کی زندگی اختیار کی تو دنیا میں رحمت و مدد سے محروم کیے جاؤ گے اور ذلتیں اٹھاؤ گے اور ٹھوکریں کھاؤ گے۔ اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں ایسی ایسی تکلیفوں اور دکھوں میں مبتلا کیے جاؤ گے اور اس کے بعد اگر دوزخ میں ڈالے گئے تو وہاں ایسے ایسے سخت عذاب دیکھو گے — پس

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہم سے فرمایا گیا تھا وہ سب ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ آخرت کے بارہ میں فرمایا گیا وہ بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آجانے والا ہے۔

مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی کے دو نتیجوں کا اب تک میں نے آپ حضرات کے سامنے ذکر کیا ہے اب میں ایک تیسرے نتیجہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دینی بھائیو! ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے اور سب ملکوں اور سب قوموں کے لیے رسول بن کر آئے تھے، آپ جب تک دنیا میں رونق افروز رہے برابر اس کے لیے جد وجہد کرتے رہے کہ اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندے آپ سے ہدایت حاصل کریں اور اللہ کی رضا اور جنت کے مستحق بنیں اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے امت کی طرف منتقل فرما کے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کی امت اس کی ذمہ دار ہے کہ آپ کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے برابر جد وجہد کرتی رہے۔

لیکن اب مدت دراز سے صورت یہ ہے کہ خود آپ کی امت کی حالت آپ کے اس مشن کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جو لوگ انسانوں کے مزاج اور ان کی فطرت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو تحقیق اور مطالعہ سے یا کوئی دعوتی اور تبلیغی تقریر سن کر کسی دین کو قبول کرلیں، لیکن اگر کسی دین کے ماننے والوں کی عام عملی اور اخلاقی حالت دنیا میں ممتاز ہو اور ان کی زندگی اور سیرت یہ شہادت دیتی ہو کہ ان کا دین بہترین دین ہے۔ اور یہ اللہ کے اچھے بندے ہیں تو افراد ہی نہیں، بلکہ قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک ان سے متاثر ہو کر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کے زمانہ میں اسلام ملکی فتوحات کے ساتھ نہیں پھیلا، بلکہ جب کوئی ملک فتح ہوا، اور اس کا نظم ونسق مسلمانوں نے سنبھالا اور وہاں کے عوام کا ان مسلمان حکمرانوں سے واسطہ پڑا تو ان کی پاک اور خدا پرستانہ زندگی سے متاثر ہو کر وہاں کے عوامی طبقوں نے اسلام کو اپنا دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ خود ہمارے اس ملک ہندستان میں بھی یہاں کے قدیم باشندوں نے ان صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں ہی سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنایا تھا جو شروع شروع میں اس ملک میں فقیرانہ طور پر آئے تھے ۔۔۔ لیکن اب صدیوں سے یہ سلسلہ بند ہے اور اس لیے بند ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی

اب کسی کے دل میں اسلام کی عظمت اور محبت نہیں پیدا کرتی ۔۔۔ غیر مسلم اپنے مسلمان پڑوسیوں کو انکے گھروں اور محلوں میں دن رات دیکھتے اور برتتے ہیں۔ بازاروں میں ان کے ہاتھ سودا بیچتے اور اُن سے سودا خریدتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں غیر مسلم طالب علم اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ پڑھتے ہیں، اٹھتے اور بیٹھتے ہیں، اسی طرح دفتروں اور کارخانوں میں، عدالتوں اور کچہریوں میں، ریلوے اسٹیشنوں پر اور ریل گاڑیوں میں روزانہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان کی زندگی پاکیزگی اور خدا پرستی میں، دیانت داری اور راستبازی میں کہیں بھی غیر مسلموں سے ممتاز نظر نہیں آتی، جو برائیاں عام غیر مسلموں میں ہیں وہ سب بلکہ ان سے کچھ زیادہ آج مسلمان کہلانے والوں میں ہیں، ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کے دل میں اسلام کی طرف آنے کا داعیہ کیسے پیدا ہو، بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کے دل میں اگر کسی ذریعہ سے اس کا جذبہ پیدا بھی ہوتا ہے تو مسلمانوں کی موجودہ بگڑی ہوئی زندگی اس جذبہ کو وہیں ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ خود میرے علم میں ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

جب بات یہاں تک آگئی ہے تو آپ کی عبرت کے لیے ایک نہایت تکلیف دہ واقعہ بھی آپ کو سناتا ہوں ۔۔۔ ہمارے شہر لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر چودھری نعیم اللہ مرحوم میرے دوستوں میں اور بہت سے دینی کاموں کے رفیقوں میں تھے۔ ابھی سال ڈیڑھ سال پہلے ان کا انتقال ہوا ہے، وہ تھے تو ولایت پاس بیرسٹر، مگر ان کے جاننے والوں کو معلوم ہے کہ صرف صوم و صلوٰۃ کے پابند ہی نہیں بلکہ بڑے خوش اوقات تھے، اور خاص بات یہ بھی کہ دعوت و تبلیغ کا بڑا جذبہ رکھتے تھے، لکھنؤ یونیورسٹی میں وہ قانون کے استاذ بھی تھے اور اپنے غیر مسلم دوستوں کے سامنے اسلام کی خوبیاں اور اس کی تعلیم پر گفتگو کرنے کی ان کی عادت بھی تھی انھوں نے یہ واقعہ خود مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ ان کے ایک ہندو دوست نے جو غالباً لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسروں میں سے تھے ان سے کہا کہ بھئی نعیم اللہ جب تم میرے سامنے اسلام کی باتیں کرتے ہو تو مجھے بڑا رنج معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی مسلمان گھر میں کیوں نہیں پیدا ہوا۔ اور کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ جا کے جو گذرے میں مسلمان ہو ہی جاؤں لیکن میں بتاؤں کہ پھر کیوں میں مسلمان نہیں ہوتا؟ میں صبح کو روزانہ گومتی کے کنارے ٹہلنے جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ گومتی میں اشنان کرنے والی استریوں کو گھور گھور کے دیکھنے والے زیادہ تر

مسلمان ہوتے ہیں۔ بس یہ دیکھ کر میری طبیعت اسلام کی طرف سے بالکل ہٹ جاتی ہے۔

میرے بھائیو! اس طرح کے شرمناک واقعات کا بیان کرنا ہے تو خود اپنی رسوائی، اور خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے دل کے کس قدر دکھ کے ساتھ یہ واقعہ اس وقت بیان کیا ہے، لیکن بیان اس لیے کر دیا کہ آپ سب حضرات کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہم مسلمانوں کی بداعمالیوں سے اسلام کس قدر رسوا ہو رہا ہے، اور ہماری یہ بگڑی ہوئی زندگی اولادِ آدم کو اسلام کی طرف آنے سے کس قدر روک رہی ہے۔

آپ حضرات ذرا سوچیں ہمارا اور آپ کا ایمان ہے کہ اسلام بہترین مذہب ہے اور اسلامی تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے اور اس میں محبوبیت اور کشش ہے لیکن کیا بات ہے کہ ہمارے اس ملک میں بھی، اور دوسرے بہت سے ملکوں میں بھی دو دو سو اور چار چار سو سال سے بہت سے غیر مسلم خاندان اور مسلمان خاندان ایک ایک محلہ میں برابر برابر رہ رہے ہیں۔ نسلیں کی نسلیں گزری چلی جا رہی ہیں، لیکن غیر مسلم خاندان کے کسی فرد کے دل میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میرے مسلمان پڑوسی کا دین اور اس کا طریقۂ زندگی بڑا اچھا ہے، میں بھی اسی دین اور اسی طریقہ کو کیوں نہ اپنا لوں — میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کی عام زندگی بگڑی ہوئی نہ ہوتی اور وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں پورے مسلمان ہوتے جن کے قریب رہنے والے ان کی زندگیوں میں اسلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھ سکتے تو مسلمانوں کے قریب رہنے والے غیر مسلم خاندان اسلام کو اپنا دین بنانے پر مجبور ہو جاتے، اگر بالفرض ایک نسل غور نہ کرتی تو دوسری نسل غور کرتی، اور دوسری نسل بھی اگر بالفرض نہ سوچتی تو تیسری نسل سوچنے پر مجبور ہو جاتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک اچھائی کو کھلی آنکھوں برابر دیکھا جائے اور اس کو اپنا لینے کا دل میں ارادہ کبھی پیدا ہی نہ ہو۔

الغرض یہ واقعہ ہے کہ اسلام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی غالب اکثریت کی وہ زندگی ہے جو اسلام کے بالکل خلاف ہے، مگر دنیا اسی کو دیکھ کر اسلام کے بارہ میں رائے قائم کرتی ہے، یہ چیز خواہ منطقی طور پر میرے اور آپ کے نزدیک کتنی ہی غلط ہو لیکن واقعہ یہی ہے۔

اب میں ایک بات اس سلسلہ میں اور کہتا ہوں چاہے آپ کو وہ کتنی ہی بری اور کڑوی لگے، مگر ہے وہ بالکل حق، اس لیے ضرور کہوں گا — سنیے اور غصہ ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچیے۔ اسلام کے دشمنوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا ہے۔

اور مجھے معلوم ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے تحریر و تقریر کا یہ شیطانی سلسلہ ابتک جاری ہے اور جب کبھی ہمیں اور آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دریدہ دہن نے اسلام کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی شیطنت اور بدتمیزی کا نشانہ بنایا ہے تو ہمارا خون کھول جاتا ہے۔ اور جذبات پر قابو رکھنا ہمارے لیے مشکل ہو جاتا ہے (اور بلاشبہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے)۔ لیکن خدارا یہ سوچیے کہ دشمنوں کی کسی کتاب، کسی مضمون، اور کسی تقریر نے بھی دنیا کو اسلام کی طرف اور پیغمبر اسلام کی طرف آنے سے اتنا روکا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کی بداعمالیوں نے روکا ہے ــــــ؟ دنیا کی قومیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اسلام کی طرف جو صدیوں سے نہیں آرہی ہیں خدارا بتایئے کہ اسمیں دشمنان اسلام کی کتابوں، تقریروں اور مضمونوں کا زیادہ دخل ہے یا ہماری بداعمالیوں کا۔ پھر ہمیں اپنے اوپر غصہ کیوں نہیں آتا اور ہم اپنی اس زندگی کے خلاف کیوں جنگ نہیں کرتے جو اسلام کے خلاف دنیا کے سامنے ایک کھلی ہوئی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے۔

میرے بھائیو! دشمنان اسلام، اسلام کے خلاف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو ناپاک کتاب یا مضمون لکھتے ہیں اسکو خاص خاص ہی لوگ پڑھتے ہیں۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی بس ایک دفعہ پڑھ کر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی وہ کھلی کتاب ہے بلکہ وہ پوسٹر ہے جسے ہر غیر مسلم ہر وقت پڑھتا ہے، محلہ میں پڑھتا ہے، بازار میں پڑھتا ہے، دفتر میں پڑھتا ہے، کارخانہ میں پڑھتا ہے۔ کلب میں پڑھتا ہے، ریل میں پڑھتا ہے، موٹر بس میں پڑھتا ہے۔ــ پس اگر واقعی ہمیں اسلام سے محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ایمانی تعلق ہے تو اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہمیں جان کی بازی لگا دینی چاہیے! ــ اسکے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہمیں اور آپ کو کیا کرنا چاہیے۔

اس سلسلہ میں اس وقت صرف ایک مختصر سی بات میں آپ سے کہتا ہوں، آپ میں سے ہر شخص دو باتوں کا فیصلہ کرلے۔ ایک یہ کہ وہ اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر کرے گا، اور دوسری یہ کہ وہ اپنے حالات اور اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی اس کے لیے کچھ کوشش کرے گا ــ اپنی زندگی کی درستی کا مسئلہ کوئی بہت مشکل اور ٹیڑھا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ

سیدھا اور آسان ہو۔ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں اب تک جو کوتاہیاں غفلت سے یا نفس کی شرارت سے ہوئیں ان سے سچے دل سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا پختہ ارادہ اور عہد کر لیا جائے، اور اگر بالفرض پھر شیطان کے یا نفس کے بہکانے سے کوئی کام اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو جائے تو پھر اس سے توبہ کر لی جائے اور معافی مانگ لی جائے۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو اپنی زندگی کی درستی کا سامان کر لیا. اور اللہ اور اس کے رسول سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ لیا۔

ممکن ہو آپ میں بعض بھائی ایسے ہوں جو کچھ ایسے گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے ہوں کہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے ان کے چھوڑ دینے کا اسوقت فیصلہ اور عہد نہ کر سکتے ہوں تو وہ ایسا کریں کہ اب تک جو گناہ ان سے ایسے ہوتے رہے ہوں جن کو چھوڑ دینے کا وہ اس وقت بھی فیصلہ کر سکتے ہیں. وہ توبہ کر کے آئندہ زندگی میں ان سب گناہوں سے بچنے کا تو ابھی فیصلہ کر لیں اور جن گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کرنا اسوقت اُن کے لیے مشکل ہو وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے اللہ ہمارے حالات ایسے کر دے اور ہم کو اتنی ہمت دے کہ فلاں فلاں گناہ بھی ہم قطعی طور سے چھوڑ دیں، اور پھر اپنی استطاعت کی حد تک وہ اسکے لیے خود بھی کوشش جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی امید ہو کہ ان گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کرنا بھی ان کے لیے ایک دن آسان ہو جائے گا۔

اسی کے ساتھ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اس توبہ کے ساتھ آپ اپنے کو چند ایسی باتوں کا پابند بنا لیں جن سے اس توبہ پر استقامت میں آپ کو مدد ملے، اور اللہ و رسول کے ساتھ آپکا تعلق برابر بڑھتا رہے، اور آپ کے دین میں برابر ترقی ہوتی رہے:۔ سن لیجئے وہ چند باتیں یہ ہیں۔

کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" جو بندہ کی طرف سے توحید و رسالت کی شہادت اور اللہ کی بندگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا گویا اقرار نامہ ہو، آپ اپنے کو اس کا عادی بنائیں کہ دھیان کے ساتھ اور عہد و پیمان اور شہادت کے طور پر اس کلمہ کو پڑھ کر بار بار اپنا ایمان تازہ کیا کریں، بلکہ شروع میں یہ بہتر ہو گا کہ اس کی ایک تعداد اور وقت

مقرر کرلیں۔ مثلاً سو مرتبہ یا کم سے کم دس ہی مرتبہ آپ ہر روز صبح یا شام کو پورے دھیان کے ساتھ اس کلمہ شریف کو پڑھا کریں۔

دوسری بات اس سلسلہ کی یہ ہو کہ نماز انشاء اللہ آپ سب پڑھتے ہی ہوں گے اور جو بھائی اب تک پورے پابند نہ تھے انشاء اللہ وہ بھی اب توبہ کے بعد پابندی سے پڑھا کریں گے، تو آپ سب اسکی عادت ڈالیں کہ آپکی نماز دھیان اور خشوع و حضور والی نماز ہو۔ جس کا ادنیٰ اور کم سے کم درجہ یہ ہو کہ نماز پڑھتے وقت آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف ہو، اور یہ دھیان رہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں، جب آپ کھڑے ہوں تو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہوں اور میرا اللہ مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے، اسی طرح جب رکوع یا سجدہ میں آپ ہوں تو اس وقت بھی یہی دھیان ہو کہ اللہ کے سامنے جھک رہا ہوں اور اسکے لئے سجدہ کر رہا ہوں اور وہ مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے ـــــ نماز کے بارہ میں میں اس وقت اس سے زیادہ تفصیل نہیں کرسکتا۔ جو بھائی اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ مجھ سے میری قیام گاہ پر مل کر زبانی دریافت کریں یا میری کتاب "نماز کی حقیقت" کہیں سے حاصل کرکے اس کا مطالعہ کرلیں۔

تیسری بات اس سلسلہ کی یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ اللہ کے کچھ ذکر کی عادت ڈالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ذکر کے جن کلمات کے تعلیم دی ہے ان میں کلمۂ تمجید "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر" نہایت ہی جامع کلمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا و صفت کے سب پہلو آجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں ہیں صبح شام کم از کم سو سو دفعہ یہ کلمہ پڑھ لیا کریں، اسکے ساتھ سو سو ہی دفعہ استغفار اور درود شریف بھی پڑھ لیا کریں ـــــ یہ ذکر کا بہت ہی مختصر نصاب ہے، آپ میں سے جو حضرات اس سے زیادہ کریں وہ کسی صاحب ذکر بندہ سے اپنے بارہ میں مشورہ کریں ـــــ بہرحال زندگی کی درستی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھی خاص دخل ہو بشرطیکہ یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دھیان کے ساتھ ہو اور زبان کے ساتھ دل و دماغ کا بھی اس میں حصہ ہو۔

چوتھی اور آخری چیز اس سلسلہ کی یہ ہے کہ دو چار منٹ کا کوئی مناسب وقت مقرر کرکے آپ

اپنی موت کا مراقبہ کیا کریں، یعنی اپنے خیال اور ذہن کو ہر طرف سے یکسو اور ہر چیز سے خالی کرکے سوچا کریں کہ دنیا میں جس طرح موت کا سلسلہ جاری ہو اسی طرح ایک دن مجھے بھی موت آئے گی، میری رُوح قبض کی جائیگی، پھر غسل وکفن اور نماز جنازہ کے بعد مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا، اُس تنہائی کے عالم میں مجھ پر کیا گزرے گی، پھر جب اللہ کے حکم سے قیامت قائم ہوگی اور میں بھی اُٹھایا جاؤں گا تو میرا کیا حال ہوگا، پھر جب عدالت خداوندی میں حساب کے لئے کھڑا کیا جاؤں گا اور میرا اعمال نامہ میرے سامنے ہوگا تو اس وقت کیا عالم ہوگا، یہ سب اس طرح سوچا جائے کہ دل کی آنکھوں کے سامنے اِن سب منزلوں کا نقشہ کھنچتا چلا جائے اور دل میں خوف اور ہیبت ہو۔ پھر یہ یقین کرکے کہ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت ہی سے بیڑا پار ہوگا اپنے گناہوں سے توبہ کرکے جہاں تک ہوسکے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی دُعا کی جائے۔

یہ چار باتیں جو میں نے اس وقت تبلائی ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ بس سارا دین یہی ہے اور اِن کی پابندی کرنے سے آدمی پورا دیندار ہوجاتا ہے، بلکہ امید یہ ہے کہ اگر آپ نے اِن کو اپنا لیا اور پابندی سے آپ یہ کرنے لگے تو انشاء اللہ آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اور دین سے برابر بڑھتا جائے گا اور آپ کی زندگی سنورتی چلی جائے گی ۔۔۔

دوستو اور دینی بھائیو! اپنی اپنی زندگی درست کرنے کے لئے تو ایک عام مشورہ میں نے آپ کو یہ دیدیا، لیکن امت کی زندگی میں عام تبدیلی اسکے بغیر نہیں ہوسکتی کہ اس کے مقصد کے لئے وسیع پیمانہ پر پوری طرح جدوجہد کی جائے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو بھی اپنی زندگی کا جز بنالے، اب وقت میں گنجائش نہیں ہے کہ میں اس کا طریق کار آپکے سامنے بیان کروں صرف اتنا کہہ کے اب بات ختم کرتا ہوں کہ "تبلیغ" کے نام سے جو عمومی جدوجہد ہو رہی ہے، جس کی دعوت لے کر کبھی کبھی جماعتیں آپکے یہاں بھی آئی ہیں اس کا مقصد یہی ہے اور اُن جماعتوں کے ساتھ کچھ وقت گزار کے آپ اس کے طریق کار کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر میں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت امت کی جو اجتماعی حالت ہے وہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی اور اسکے غضب اور لعنت کو کھینچنے والی ہے اور اس کا انجام دنیا اور آخرت میں خدانخواستہ بہت بُرا ہونے والا ہے، اور اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

سفر مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

اس مرتبہ ان اوراق کے ترجمہ کے لئے ہم جناب سید محمد رابع صاحب ندوی استاذ ندوۃ العلماء کے ممنون ہیں۔ (ع)

شنبہ ۴/۵/۷۰ - ۱۰/۲/۵۱

آج کے دن کا بیشتر حصہ اپنے رسالے "بین العالم والجزیرہ" اور "المد والجزر فی تاریخ الاسلام" کے اجزاء کی تصحیح میں گذرا۔ اول الذکر رسالہ دارالکتاب العربی میں اور آخر الذکر مطبعۃ انصار السنۃ میں چھپ رہا ہے۔

استاد محمد علی طاہر سے گفتگو

بعد مغرب ہم لوگ سید یاسین الشریف کے ہمراہ محمد علی طاہر سے ملنے گئے۔ ان سے اس وقت کی ملاقات پہلے سے مقرر تھی، یہ رسالہ الشوریٰ کے مدیر ہیں، ہماری ان سے (غائبانہ) واقفیت ہندوستان ہی سے ہو، امیر شکیب ارسلان سے ان کا تعلق اور ان کی تصنیفات کی اشاعت سے ان کی دلچسپی اس کا بڑا سبب تھی نیز یہ کہ حجاز کے زمانۂ قیام میں ان کی نئی تصنیف "معتقل ہاکستب" بھی تھوڑی سی دیکھی تھی۔ ہم ان کے پاس پہونچے تو ان کے پاس فلسطینی سپہ سالار عبد اللہ التل بھی موجود تھے، بیٹھتے ہی فلسطین اور اسکے ضیاع کے وجوہ و اسباب پر گفتگو ہونے لگی، یہ محمد علی طاہر

مسئلہ فلسطین سے واقفیت میں اسپشلسٹ کا درجہ رکھتے ہیں، کہنے لگے کہ ایک کتاب لکھنے کا ارادہ ہے جو مسئلہ فلسطین سے ہی مخصوص ہوگی اور اس سے مسئلہ فلسطین کی حقیقت اور تاریخ اور وہاں پیش آنے والے حالات معلوم ہوسکیں گے اس ارادہ کا محرک یہ اندیشہ ہے کہ جس طرح فلسطین ضائع ہوا کہیں اسکی تاریخ بھی ضائع نہ ہوجائے اور پھر بعد کے آنے والے مؤرخ اور اہل قلم اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہیں اور ان کو اس سلسلے کی حسب ضرورت معلومات فراہم نہ ہوسکیں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میری یہ کتاب ایک تاریخی وستاویز ہو جو مستند حقائق و معلومات پر مشتمل ہو۔ فلسطین کا معاملہ بالکل اندلس جیسا ہوا اسکی بھی تاریخ ضائع ہوچکی ہوتی اگر مقری نے اپنی زبردست کتاب "نفح الطیب" نہ تصنیف کردی ہوتی۔

فلسطین کا المیہ اور عرب سلطنتوں کی تقصیر

اس کے بعد محمد علی طاہر المیہ فلسطین کی داستان اور اس سلسلے میں عرب سلطنتوں کی تقصیر بیان کرنے لگے وہ بتانے لگے کہ ان عرب حکومتوں نے تقصیر سے آگے بڑھ کر فلسطین کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا ہے انھوں نے اہل فلسطین سے خود ان کے اسلحہ بھی چھین کر قبضہ میں کر لئے اور اس قوم کو ایسا نہتا کر دیا کہ نہ تو اپنی جان کی مدافعت کر سکتی تھی نہ عزت کی جس کے نتیجہ میں اہل فلسطین یہود کے لئے ایک لقمۂ تر بن گئے، اگر ان حکومتوں نے اور عرب لیگ نے اہل فلسطین کو چھوڑ دیا ہوتا کہ وہ اپنے مسئلہ سے خود نمٹ لیں تو وہ اپنے ملک کی بہادرانہ مدافعت کر سکتے تھے جس طرح وہ اب تک اس پوری مدت میں اپنی مدافعت کرتے رہے تھے۔ اسکے بعد ہم لوگ ان بڑی شخصیتوں اور لیڈروں کے کردار پر گفتگو کرنے لگے میں نے کہا زمانۂ قدیم میں علماء رجال اسماء الرجال پر کتابیں لکھتے تھے اور ان میں جرح و تعدیل کرتے تھے۔ اب یہ زمانہ چونکہ سیاست اور لیڈری کا زمانہ ہے، سیاست ہر علم پر بلکہ ہر دوسری چیز پر غالب آچکی ہے چنانچہ آپ نے زمانہ کے مطابق ان مسلمان سیاسین و قائدین کی جرح و تعدیل میں کتاب لکھی —— اسکے بعد میں نے ان کو اپنی کتاب "اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کا عربی ایڈیشن پیش کیا اور انھوں نے مجھے "ذکری الامیر شکیب ارسلان" عنایت فرمائی، یہ ان مضامین اور ان اشعار کا مجموعہ ہے جو امیر شکیب کے ماتمی جلسوں میں پڑھے گئے اور جو کچھ ان کے احباب و اصدقاء یا مدیران رسائل وجرائد نے ان کی وفات پر کہا یا لکھا۔ اس کتاب کے علاوہ انھوں نے اوراق مجموعہ اور متعقل ہاکتب بھی عنایت فرمائیں اس دوران میں ان کے کچھ ملاقاتی آئے اور انھوں نے ہمارا ان کا تعارف

کرایا ان لوگوں میں احمد الشقیری معاون سکریٹری عرب لیگ اور قاضی محمد عبداللہ عمری یمن کی وزارت خارجہ کے سکریٹری تھے، سکریٹری صاحب سے "قصر الجزیرہ" ہوٹل میں دو شنبہ کے روز ملاقات طے ہوئی اور احمد الشقیری صاحب سے بھی اسی دو شنبہ یا چہار شنبہ کو ملنا طے ہوا۔

یکشنبہ ۵/۵/۷۰ - ۱۱/۲/۵۱

آج ایک حمام جانا ہوا جو ترکی حماموں کے طرز کا تھا غسل کے ارادہ سے اندر داخل ہوا تو مجھے نہانے والے جوانوں نوعمروں اور ادھیڑ اشخاص کی ایک برہنہ جماعت ملی جن کے جسموں پر کپڑے کی دھجی بھی نہ تھی اور ان کے اور جانوروں کے درمیان مطلق فرق نہ تھا۔ میں اس عجیب وغریب ڈھنگ کو دیکھ کر جو شریعت شرافت اور انسانیت سب کے منافی تھا سکتہ میں آگیا اور بغیر غسل کئے دل برداشتہ ہو کر باہر آگیا۔

بے حیا صحافت

آج کے اخبارات میں شاہ فاروق کی سالگرہ کی مناسبت سے، شاہ اور شاہ کی منگیتر کے فوٹو شائع ہوئے ہیں اس منگیتر سے رسوم منگنی آج ہی مکمل ہوئی ہیں، یہ فوٹو ایسے تھے جو مسلمان بی بیوں کے لئے بالکل مناسب نہیں ایک ایسی خاتون جو تھوڑے عرصہ کے بعد ملکۂ مصر بننے والی ہے اس کے لئے لازم تھا اس کے اس طرح کے فوٹو اخبارات میں شائع نہ ہوں، جبکہ صحافت ایک کھلا ہوا اسٹیج ہو لیکن اسکا کیا کیا جائے کہ ذوق ونظر بالکل تبدیل ہو گئے اور صحافت بالکل آزاد ہے جو چاہتی ہے شائع کرتی ہے اور ان طریقوں کو ناپسند کرنے والے صرف تھوڑے سے ہیں جن کا کوئی اثر نہیں۔

اہرام کی سیر

آج ہم اہرام دیکھنے کے لئے بھی گئے۔ یہ عظیم الشان اہرام جن کا شمار دنیا کے عجائبات اور فن وتاریخ کے امٹ نقوش وآثار میں ہے اور بارہا ہم نے ان کے بارے میں پڑھا اور سنا ہے ہم ان کے پاس اس طرح پہونچے کہ ہماری نگاہیں انکی جانب اٹھی ہوئی اور دل ان کی جانب متوجہ تھے، یہ ایک مخروطی شکل کی بلند عمارت تھی جس کی تعمیر چکنے پتھروں سے کی گئی ہے، عقل حیران ہو کہ جبل المقطم سے یہاں تک یہ پتھر کس طرح لائے گئے۔

ظالمانہ بیگار کی یادگار بڑے اہرام کو ہم نے گھوم پھر کر دیکھا یہ شاہ خوفو کا مقبرہ ہے اس عمارت

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

انتخاب

مذہبی تعلیم کی اہمیت

دینی تعلیمی کنونشن بہوروا (بلیا) کے خطبۂ صدارت (از شاہ معین الدین احمد ندوی اڈیٹر معارف) کا ابتدائی حصہ۔

حضرات آج ملک میں ایک ایسا طبقہ ہے جو مذہب اور مذہبی تعلیم کے نام سے کھٹکتا ہے خصوصاً مسلمانوں کی مذہبی وابستگی کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ حالانکہ دوسری قومیں اپنے پرانے اوہام اور فرسودہ رسم ورواج تک کو زندہ کررہی ہیں۔ درحقیقت نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے موجودہ حالات کی بنا پر اس زمانہ میں جس قدر مذہب اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ مادی تصور حیات اور قوم ووطن پرستی کے پیدا کردہ فتنوں نے ان قوموں کو بھی اخلاق و روحانیت کی طرف مائل کردیا ہے، جو اس کی سب سے بڑی مخالف تھیں، اور اخلاق و روحانیت کا مدار مذہب اور مذہبی تعلیم پر ہے۔ اس کے بغیر صحیح اخلاق و روحانیت کا وجود نہیں ہوسکتا، جو اخلاق و روحانیت انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے خالی ہو وہ محض ایک فن یا فلسفہ ہے جس کا عملی زندگی میں بہت کم اثر ہوتا ہے۔ انسانی اخلاق کی اصلاح کیلئے محض فلسفۂ اخلاق کی تعلیم کافی نہیں ہے۔ انسانوں کو لاکھ اخلاق و حکمت سکھائی جائے اور ممکن ہے اس کے ذریعہ کچھ انسان سدھر بھی جائیں۔ مگر جب تک دلوں میں ایک قادر مطلق ہستی کا یقین و اذعان اور اس کے مواخذہ کا خوف نہ ہوگا اس وقت تک عالم انسانیت کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور وہ اخلاقی قوانین کا پابند نہیں ہوسکتا، جس پر موجودہ دنیا کے حالات شاہد ہیں، آج سے زیادہ تعلیم و ترقی کا زمانہ اور کون سا ہوگا، بہتر سے بہتر فلسفۂ اخلاق اور اس کی تعلیم کے ایسے ایسے سامان موجود ہیں جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اخلاقی حیثیت سے آج انسان جس قدر تہی مایہ ہے اتنا اپنے دور وحشت میں بھی نہ تھا اور مادی ترقی کی معراج

پر پہنچنے کے باوجود اپنے اخلاق و اعمال میں وحشی انسانوں سے بھی گرا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے علم و حکمت سے کائنات کو مسخر کر لیا ہے مگر انسانیت کے امراض کا مداوا نہ کر سکا حکیم الامت کے بقول :۔ جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

اگر تہذیب و ترقی محض مادی ترقیوں کا نام نہیں ہے اور اس میں تہذیب اخلاق بھی شامل ہے تو آج کے مہذب انسان اور دور جہالت کے وحشی انسانوں میں مادیت کے ظاہری لفافہ کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں ہے اور وہ اپنی ہلاکت آفرینی میں وحشی انسانوں سے بھی بڑھ کر ہے، آج جو قوم جس قدر ترقی یافتہ ہے اتنے ہی وہ فضائل اخلاق سے عاری اور دنیاوی ہوا و ہوس میں غرق ہے اخلاقی قدروں کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ انسانیت کا احترام اٹھ چکا ہے، ہر قوم اپنے تفوق اور برتری قومی سربلندی مادی وسائل سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی اور تعیش و حظِ نفس کے لئے کمزور قوموں کو مٹانے یا کم از کم اس کے حقوق غصب کرنے کے درپے رہتی ہے جس سے ساری دنیا میں سیاسی اور اقتصادی کش مکش کا ایک طوفان برپا ہے۔ قوموں کی رقابت نے دنیا سے امن و سکون کا خاتمہ کر دیا ہے۔ علم و سائنس کی ترقیاں انسانیت کی خدمت کے بجائے اس کی تباہی و بربادی کے سامان فراہم کرنے میں صرف ہو رہی ہیں جس پر ایٹمی توانائی کے تجربے تجربات شاہد ہیں اور مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں کی درندگی و بہیمیت کی شہادت ہیروشیما اور ناگاساکی کے کھنڈرات سے مل سکتی ہے۔ اگر قوموں کی خود غرضی اور جذبۂ انانیت کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جب خود ترقی یافتہ انسانوں کے ہاتھوں تہذیب و انسانیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور دنیا ہی میں محشر کا نمونہ نظر آ جائے گا۔ عارف رومؒ نے ایسے علم و سائنس کے لئے کہا ہے

علم را بر دل زنی یارے بود علم را بر تن زنی مارے بود

بڑے بڑے مدبر اور مفکر آنے والے وقت سے ہراساں ہیں اور اس کے انسداد کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ یو۔ این۔ او۔ اس کے حل کی تلاش میں سرگرداں ہے مگر ہر قوم مادی تصور حیات میں اس قدر غرق اور خود غرضی میں اتنی مبتلا ہے کہ کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہونے پاتی اور یہ سارا فساد فی الارض نتیجہ ہے خدا کے خوف و خشیت سے آزادی، احتساب نفس سے غفلت اور مواخذۂ آخرت سے بے نیازی کا جس کی بنیاد مذہب اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر ہے اس کے لئے تنہا فلسفۂ اخلاق کا

درس کافی نہیں ۔ دنیا میں جتنے اخلاقی انقلاب بھی برپا ہوئے اور آج بھی جو اخلاق و روحانیت کی کرن نظر آتی ہے وہ حکما ، و فلاسفہ اور دنیاوی مصلحین اور معلمین اخلاق کا نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کا فیض ہے ۔ ارسطو و افلاطون کا فلسفہ اخلاق اور سقراط کی اخلاقی تعلیمات کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے لیکن حضرت موسیٰ ، عیسیٰ ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا فیض آج بھی دنیا میں جاری ہے ، اس لئے مذہب اور مذہبی تعلیم کی ضرورت موجودہ اصطلاح میں محض فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ انسانی نقطۂ نظر سے بھی اس کے بغیر مادیت کے پیدا کردہ مفاسد کا علاج نہیں ہو سکتا اس لئے اب خود ترقی یافتہ قوموں نے تھک کر خدا اور مذہب کا نام لینا شروع کر دیا ہے ۔ گو ابھی یہ نام صرف زبانوں پر ہے مگر ایک نہ ایک دن وہ ان کی پناہ لینے پر مجبور ہوں گی ۔

مذہب کی بنیادی صداقتیں ، خدا اور آخرت کا یقین ، فضائل اخلاق کا حصول اور رذائل اخلاق کا ترک ، جن کو قرآن مجید نے معروف و منکر سے تعبیر کیا ہے تمام الہامی مذاہب میں مشترک ہیں اور تمام الہامی مذاہب کی اصل ایک ہے جس کو قرآن مجید میں الاسلام کہا گیا ہے لیکن قوموں اور ملکوں کے حالات ، ان کی ضروریات اور انسانی عقل و شعور کے ارتقا کے اعتبار سے مختلف زمانوں اور قوموں کے مذاہب کی شکلیں مختلف اور اُن کے قوانین جدا جدا ہیں ۔ انہی قوانین سے مذاہب میں امتیاز پیدا ہوتا ہے اور ان کی ملت وجود میں آتی ہے اور اسی پر ان کی بقا کا دار و مدار ہوتا ہے ، ان کے بغیر کسی ملت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ، اس لئے ملتِ اسلامیہ کا وجود اسلام سے وابستہ ہے ۔ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام محض چند عقائد و رسوم یا سماجی نظام کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے جس سے زندگی کا کوئی شعبہ بھی باہر نہیں ہے اور وہ مسلمانوں کی جملہ دینی ، دنیاوی اور روحانی و مادی ضروریات کا کفیل ہے اور جس طرح وہ انسانی ہدایت اور تزکیہ و تطہیر کا نسخہ ہے ۔ اسی طرح قوموں کے عروج و زوال ، ترقی و تنزل اور موت و حیات کے اصول کی بھی کتاب ہے اس لئے مسلمانوں کی دینی و اخروی سعادت کے ساتھ ان کی دنیاوی فلاح و ترقی بھی اسی سے وابستہ ہے ۔ یہ محض خوش عقیدگی نہیں بلکہ تاریخی حقیقت بھی ہے ۔ مسلمان جب بھی آگے بڑھے مذہب ہی کے سہارے بڑھے اور جس قدر اس کا دامن ان کے ہاتھوں سے چھوٹتا گیا وہ دنیاوی حیثیت سے بھی گرتے گئے ۔ اس لئے مسلمانوں کی موت و حیات مذہب

بھی سے وابستہ ہے اس کے بغیر ان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ (قومی آواز)

عورت جہاں مرد بن گئی ہے

نیشنل شامی ویلفیر کونسل (قومی مجلس بہبود اطفال) کے صدر لارڈ ویرولم کی تازہ تقریر۔ بورن موتھ میں:-

"ملک کی پیداوار اور مارکیٹ اور اقتصادی حالت خواہ کیسی بھی ہو، بچوں کی نوجوان ماؤں کو فیکٹریوں کی بجائے گھروں میں اہم فرائض انجام دینے ہیں، ہمیں فیکٹری گرلز اور گلیمر گرلز سے کہیں زیادہ اچھی ماؤں اور اچھی بیویوں کی ضرورت ہے ..... فیکٹریوں میں عورتوں کی شفٹ شام کے ۶ بجے شروع ہوتی ہے اور اکثر مائیں فیکٹریوں میں چلی جاتی ہیں اور دن بھر کے تھکے ہارے باپ گپ شپ کے لئے کسی شراب خانہ میں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے رات کے دس بجے تک گلیوں میں آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں اور انھیں سنبھالنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ملک صنعتی لحاظ سے ترقی کر رہا ہے لیکن گھریلو زندگی تباہ ہوتی جا رہی ہے۔"

ہندوستان اور پاکستان کی ترقی زدہ بیگمات اور روشن خیال خواتین یہ داستانِ درد اور نالۂ حسرت سن رہی ہیں! تہذیب و تمدن کے جس جلوہ پر وہ فدا ہو رہی ہیں۔ اس نے خود اپنے مرکزوں میں کیا حال کر رکھا ہے اور گھریلو زندگی کتنی بگاڑ رکھی ہے۔

نرالی سیکولرزم

وزیر اعلا بمبئی اسٹیٹ شری مرار جی ڈیسائی نے تانسہ جھیل سے شہر تک پانی لانے کی نئی پائپ لائن کا افتتاح فرمایا، پہلے پوجا ہوئی، برہمنوں نے منتر پڑھے اور منتروں کی گونج میں وزیر اعلا نے پہیا گھمایا۔ جس کے ذریعہ نئے نل میں پانی آنے لگا۔

اور حکومت کی بار بار کی اعلان کی ہوئی "لا مذہبیت" جوں کی توں اور بدستور قائم رہی سیکولرزم کی پیشانی ابھی بھی داغدار نہ ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے بھی بے شمار موقعوں پر داغدار نہ ہوئی تھی! ـــــ لیکن ہندوستانی سیکولرزم کا آخر یہ مطلب ہی کیوں سمجھا جائے کہ اس ناطرفداری اور بے تعلقی میں دوسرے مذہبوں کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم بھی داخل ہے۔

لیڈی رویل کی زبان سے

لاہور کے ایک معزز ہفتہ وار میں اس کے مکتوب قاہرہ سے:-

گزشتہ سال جون ۱۹۶۶ء میں جب جرمنی کے مشہور رفیق

قائد آنجہانی مارشل رومیل کی بیوی مصر آئیں تو انھوں نے خواتین کی ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ:-

جرمن عورتوں کو اجتماعی (سوشل؟) خدمات کے علاوہ کسی امر سے سروکار نہیں اور ہمارے ہاں گھروں میں کام کاج کرنے کے لئے کوئی خادمہ نہیں ہوتی بلکہ گھر کا کام کاج ہم خود سرانجام دیتے ہیں۔

مادام دریہ شفیق، جو مصر میں بیگم رعنا کی دوسری کاپی ہیں۔ انھوں نے مارشل کی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مرد سے کسی حیثیت میں بھی پیچھے نہیں۔ میدانِ رزم ہو یا بزم! ہم دونوں صورتوں میں اس کے ساتھ شریک رہنا چاہتے ہیں۔ اس خطاب کا جواب دیتے ہوئے بیگم مارشل نے کہا کہ "میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تم جیسی نرم ونازک عورت افریقہ کے صحراؤں میں ہتھیار اٹھا سکے گی"۔ بیگم مارشل نے یہ بات اس لئے ...... کہی کہ ان کے خاوند مارشل رومیل نے گزشتہ جنگ میں افریقہ کے ریگستانوں میں محیّر العقول کارنامے سرانجام دئے ہیں۔

اس جواب پر دریہ شفیق خاموش ہوگئیں۔ مصری اخباروں نے اس سوال جواب پر لکھا تھا کہ مادام دریہ کا چہرہ بیگم مارشل کے جواب سے تمتما اٹھا۔ کیونکہ اس جواب سے انھیں خوبصورتی کا سرٹیفکٹ مل گیا۔ گو جواب ان کے خلاف تھا۔"

کتنا پر اثر اور حیرت انگیز تھا یہ مکالمہ کہ اسلامی نام رکھنے والی خاتون مصر یہ فرما رہی تھیں کہ مرد عورت میں کسی حیثیت سے کوئی فرق نہیں، اور غیر مسلم جرمن لیڈی یہ بتا رہی تھی کہ عورت مرد کی سی مشقت برداشت نہیں کر سکتی! ـــــ مومنہ جس کا کام فطرت کے بتائے ہوئے ہر فرق کو ملحوظ رکھنا اور اس کا درس دوسروں کو دینا تھا وہ اپنے مقام سے غافل ہو چکی اور دوسرے اسی تعلیم کو اسی کے ہاں سے لے کر یاد رکھتے ہوئے اور اُلٹا اب اس کا درس اسی کو دے رہے ہیں! (صدق جدید)

(بقیہ صفحہ ۴۲)

ہم اپنی اس بگڑی ہوئی زندگی سے اسلام کو رسوا کر رہے ہیں اور شاید اللہ کے لاکھوں کروڑوں بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہونے سے روک رہے ہیں ـــــ اس لئے اس وقت کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی حالت کو درست کرنے کی فکر کرے اور امت کے دوسرے افراد میں بھی اس کے لئے جو جد وجہد کر سکتا ہو اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ اگر ہم نے یہ کیا تو

یقیناً ہم اپنے اللہ کو راضی کرلیں گے اور دنیا و آخرت میں اس کے فضل اور رحمت کے مستحق ہوں گے، اور دنیا کی قومیں اسلام کی طرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح بڑھیں گی جس طرح کہ کبھی پہلے یہ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں کو کھولے، ہم میں عزم پیدا کرے اور اپنا فرض ادا کرنے کی توفیق دے

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

(بقیہ صفحہ ۴۸)

کی بڑائی، دلفریبی اور اس بڑے تاریخی نشان کی عظمت و شان میرے لئے اس بات سے مانع نہ بن سکی کہ میں اس ظالمانہ بیگار پر نفرین کروں جس کے نتیجہ میں یہ امسٹ ..... یادگار وجود میں آئی ہے، یہ ایک بادشاہ کے مدفن کے سوا اور کیا ہے؟ حالانکہ اس کو اس مقصد کے لیے دو ہاتھ زمین کافی تھی لیکن اس شخص نے اپنے جذبہ حب جاہ و افتخار کی تسکین اور اپنی ایک امسٹ یادگار قائم کرنے کی غرض سے ہزارہا اشخاص کو استعمال کیا اور ایک مدت دراز تک اس فضول کام میں پھنسائے رکھا ایسے ہی موقع پر آدمی کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول یاد آجاتا ہے اور وہ اسکی صداقت و عظمت کا قائل ہوجاتا ہے۔

اتبنون بکل ریع آیۃ	یہ تم ہر بلندی پر ایک یادگار قائم کرکے
تعبثون وتتخذون مصانع	کیا لغو کام کرتے ہو؟ اور اس طرح
لعلکم تخلدون	محل بنائے جاتے ہو جیسے تمھیں ہمیشہ
	یہاں رہنا ہے۔

مجھے انسانی طاقت اور اس کی صلاحیتوں کا یہ مصرف اور ان قیمتی اوقات، جن کا کوئی بدل نہیں، کا یہ استعمال بہت قابل افسوس معلوم ہوا اسکے بعد ان معبدوں کی طرف گیا جن میں ابتک کچھ تصویریں مجسمے نقوش و تحریرات پائے جاتے ہیں اس دوران میں ہمارا رہبر ہر چیز کی تشریح کرتا جاتا اور وہ سب بیان کرتا جاتا تھا جو اس نے علماء آثار قدیمہ سے ان معبدوں اور متعلقہ شخصیتوں کے بارے میں سنا یا یاد کر رکھا تھا، اسکے بعد ہم نے ابوالہول دیکھا اور اس طرح چند گھنٹے اس تاریخی سیر کی نذر کرکے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

تعارف وتبصرہ

جدید آسان لغات القرآن

مرتبہ جناب عبدالکریم صاحب پاریکھ ناگپوری ٹمبر مرچنٹ۔ اتواری ناگپور۔ ۳۲ صفحات۔ چھوٹا سائز۔ کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر، قیمت بارہ آنے۔

یہ کتاب غیر عربی داں شائقین فہم قرآن کے لئے لکھی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ قرآن عزیز کے تمام الفاظ پر مشتمل ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا مختصر سا کتابچہ کیوں کر تمام الفاظ قرآنی پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ پتہ نہیں تمام الفاظ قرآنی سے مرتب کی کیا مراد ہے؟ بہرحال جو کچھ بھی مراد ہو اور اور جتنے الفاظ پر بھی مشتمل ہو، اسے مفید مطلب مشکل ہی سے کہا جا سکتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پاریکھ صاحب نے ایک ایسا کام اپنے ذمہ لے لیا جو ان کے کرنے کا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اتنی مختصر سی تالیف میں بھی کسی ایک روش، کسی ضابطہ، کسی قاعدہ اور کسی اصول نگارش کے پابند نہیں نظر آتے کہیں دو دو مستقل اسمار کو ملا کر ایک لغت قرار دیدیا ہے جیسے "الحی القیوم" اور کہیں علامت استقبال "س" کو بھی فعل مضارع سے الگ کر دیا گیا ہے کہیں افعال مشتقہ کا ترجمہ صیغہ کے مطابق کیا گیا ہے اور کہیں معنی مصدری ہی لکھ دئے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں بعض جگہ نفس ترجمہ کی غلطی بھی نظر آئی۔ مثلاً "متبرجات" کا ترجمہ "بنا و سنگھار" یا "اخدان" کا ترجمہ "چوری چھپے آشنائی کرنا"۔

بہتر ہوتا کہ پاریکھ صاحب اس کام کو اس کے اہل لوگوں کے لئے چھوڑ دیتے اور چھوڑنے کا کیا سوال بعض اچھی تالیفات اس سلسلہ میں ہو بھی چکی ہیں اور ہو رہی ہیں بعض کا تعارف بھی انھیں صفحات میں کرایا جا چکا ہے۔

تبلیغی دورے | از مولانا قاری ودود الحق صاحب ندوی۔ کتابت طباعت بہتر، کاغذ معمولی صفحات ۲۴۰۔ قیمت ۱۲؍۔ ناشر ادارہ تبلیغ اسلام نمبر ۱۳۶ زکریا مسجد اسٹریٹ پہلا مالا بمبئی نمبر ۹۔

قاری صاحب موصوف نے گزشتہ سال مشرقی افریقہ کا تبلیغی سفر فرمایا تھا۔ یہ اسی سفر کی رویداد ہے، جو روزنامچہ کے انداز پر قلمبند کی گئی ہے تبلیغی فوائد کے ساتھ ساتھ، سفر کے دیگر کوائف، مشرقی افریقہ کے مختلف مقامات کا تعارف، ہر جگہ کے کچھ عمومی حالات کا تذکرہ۔ وہاں کے مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور اقتصادی حالت اور قادیانی مبلغین کی سرگرمیوں وغیرہ پر یہ روزنامچہ مشتمل ہے۔ امید ہے کہ مجموعی طور پر مفید ہوگا۔

(۱) **سنت رسول** | مصنفہ شیخ مصطفےٰ السباعی۔ مترجمہ ملک غلام علی صاحب

(۲) **مکاتیب سلیمان** | (مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط مولانا مسعود عالم ندوی کے نام) مرتبہ مولانا مسعود عالم

(۳) **شعلۂ خیال (نظم)** | از جناب نعیم صدیقی۔۔ ۱۶۰ صفحات، عمدہ کاغذ، مجلد ۳؍ مجلد ۲؍

تینوں کتابیں مکتبہ چراغ راہ۔ بیرون لوہاری دروازہ لاہور نے شائع کی ہیں اور ہندوستان میں مکتبہ الحسنات رام پور سے مل سکتی ہیں۔

(۱) ایک شامی عالم اور ادیب ڈاکٹر شیخ مصطفےٰ حسنی سباعی کا ایک مبسوط مقالہ ہے جو قاہرہ کے بلند پایہ ماہنامہ المسلمون میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ ملک غلام علی صاحب (معاون امیر جماعت اسلامی پاکستان) نے اس کو اردو کا قالب دیا ہے اور اس وقت وہ ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ابتدا میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے قلم سے چند صفحہ کا تعارف ہے جس میں انھوں نے ترجمہ کی تحسین و تصویب بھی فرمائی ہے۔ ترجمہ کی خوبی تو مطالعہ سے ظاہر ہو جاتی ہے مگر یہ بات کہ ترجمہ مطابق اصل بھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولانا کی تصدیق ایک کافی و شافی ضمانت ہے۔

پاکستان میں انکارِ حدیث و سنت کا فتنہ ایک نہایت تشویشناک صورت اختیار کر رہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اسی فتنہ کی غارت گری کے سدباب کی ایک کوشش ہے اور ہماری نظر میں نہایت وقیع اور سنجیدہ کوشش ہے ـــــ چونکہ اصل تصنیف ایسی فضا میں

ہوئی ہے جہاں یہ فتنہ موجود نہیں ہے اس لئے خالص تحقیقی انداز کی ہے۔ بلکہ مولانا مسعود عالم صاحب کا خیال تو یہ ہے کہ یہ دراصل وہی مقالہ ہے جس پر ساعی صاحب کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی اسی کو انھوں نے جدید ترتیب کے ساتھ المسلمون میں شائع کرایا ہے اس لئے اس کو خالص تحقیقی ہونا ہی چاہئے تھا۔

یہ کتاب چھ ابواب پر منقسم ہے مگر اصل ابواب پانچ ہی ہیں۔

(۱) سنت کا مفہوم اور نظام دین میں اس کا مقام (۲) حدیث کی روایت و کتابت۔

(۳) فتنۂ وضع حدیث۔ (۴) سنت کی محافظت کے لئے محدثین کا مجاہدۂ عظیم۔

(۵) تدوین سنت اور علوم حدیث۔

ان میں سے ہر باب کے تحت بہت سے ذیلی عنوانات اور مرتب و منضبط بحثیں ہیں۔

استدراک کے عنوان سے جو ایک مستقل باب قائم کر دیا گیا ہے ہمیں وہ کچھ بے ضرورت ہی سا معلوم ہوا۔ اولاً تو استدراک کو اس کتاب میں شامل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو وہ چوتھے باب کے ضمن میں ہی آسکتا تھا۔

کاغذ عمدہ، کتابت طباعت بہتر صفحات ۱۶۷ مجلد۔ قیمت دو روپے چار آنے۔

(۲) یہ مولانا سید سلیمان ندوی کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو مرحوم نے اپنے شاگرد (مرحوم) مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کو تحریر فرمائے تھے۔ مکتوب الیہ نے ان کو اپنے استاذ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی یادگار کے طور پر مرتب فرمایا تھا مگر دنیا کی بے ثباتی کا تماشا دیکھئے کہ اس مجموعہ کی اشاعت سے قبل ہی خود مرتب بھی اسی عالم میں پہونچ گئے، فرحمہما اللہ تعالیٰ

سید صاحب جیسے جامع علوم کے خطوط ایک ذی علم شاگرد کے نام ظاہر ہے کہ اور لوگوں کے لئے بھی گوناگوں فوائد سے خالی نہ ہوں گے بعض خطوط تو اس قدر پر مغز اور بصیرت افروز ہیں کہ بقول مرتب بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہیں۔ ایسے خطوط عموماً تصوف و سلوک سے متعلق ہیں جس میں استاذ و شاگرد کا نقطۂ نظر مختلف تھا اور مختلف ہی رہا۔ علیٰ ہذا بعض خطوط سے جماعت اسلامی سے سید صاحب کے نقاط اختلاف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی علمی، ادبی اور تاریخی معلومات بھی ان خطوط میں جا بجا بکھری ہوئی ملیں گی۔

مگر اقتباس کے لئے نگاہ انتخاب ان سب سے الگ ایک اور قسم کے مکتوب پر ٹھہر گئی ہے۔ اُن سکا ئیب سے تو استفادہ جب کبھی کتاب ہاتھ میں آئے کر لیجئے گا۔ اس وقت تو یہ چند سطریں پڑھ لیجئے جنھیں پڑھ کر تبصرہ نگار پھڑک اٹھا۔

"دورِ اکبری اور دارا شکوہی کا خواب دیکھا جا رہا ہے تو اورنگ زیب کی تلوار اور مجدد الف ثانی کا قلم اب بھی حاضر ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وطنی سیاست پر اتحاد کی خاطر مذہب و تمدن کو تکلیف کیوں دی جا رہی ہے۔ عیسیٰ بدین خویش و موسیٰ بدین خویش"۔

(مکتوب نمبر ۲۱ مرقومہ ۱۹۳۸ء صفحہ ۹۵)

کتابت طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ، دیدہ زیب گرد پوش صفحات ۲۴۰، مجلد، قیمت تین روپے چار آنے

(۳) یہ نعیم صدیقی صاحب مدیر چراغ راہ کی غزلیہ تخلیقات کا مجموعہ ہے۔ خاص طور سے دورِ زنداں کی تخلیقات کا ـــــ نعیم صاحب کی شاعری کا اصل میدان معلوم ہوتا ہے کہ رزمیہ اور طنزیہ نظمیں ہیں۔ یہاں ان کے جوہر خوب کھلتے ہیں۔ مگر غزل میں تو ان کا رنگ کچھ جمتا نظر نہیں آیا۔ اس مجموعہ کی چند ہی غزلوں میں کچھ اشعار ملتے ہیں جن میں تغزل کی شان پائی جاتی ہو ـــــ اور یوں تو نظر اپنی اپنی پسند اپنی" ـــــ قیمت ہر لحاظ سے زیادہ معلوم ہوتی ہو۔

اذان اور دوسرے افسانے

جیلانی بی۔ اے۔ ناشر مکتبہ چراغ راہ کراچی۔
ہندوستان میں ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ الحسنات رام پور

ہندوستان و پاکستان میں بہت سے نوجوان شاعر و افسانہ نگار جماعت اسلامی کی دعوت سے متاثر ہو کر اسلامی ادب کے نام سے ایک نئے ادب کا تجربہ کر رہے ہیں۔ جیلانی بی اے پاکستان میں اس تحریک کے ایک نمایاں رکن ہیں۔ یہ انھیں کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں سے پہلا افسانہ "اذان" ہے ـــــ فنی نقطۂ نظر سے ان کو جانچنا تو اربابِ فن کا کام ہے۔ البتہ مقصدی نقطۂ نظر سے دو ایک افسانوں کو چھوڑ کر ہمیں ان افسانوں کے اندر کوئی خاص افادیت نظر نہیں آئی۔ علاوہ ازیں افسانوی یا شعری اندازِ بیان کا جو مقصد ہوتا ہے کہ قاری اُسے پڑھے تو تفریحاً مگر اُس کا دل و دماغ غیر شعوری طور پر اُس سے کچھ اثرات قبول کرے، اس چیز کی بھی اکثر افسانوں میں کمی ہو ایسے دلکش عناصر دو ایک ہی افسانوں میں ملتے ہیں جو قاری کے لئے غیر معمولی

دلچسپی کا باعث نہیں اور افسانہ پورا کئے بغیر کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہ چاہے۔

کتابت طباعت بہتر، کاغذ معمولی ضخامت ۳۰۴ صفحات، مجلد قیمت تین روپیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

تالیف مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ناشر ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین دہلی ۱۳ قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ ضخامت ۹۶ صفحات کتابت طباعت اور کاغذ بہتر۔

اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مختصر حالات زندگی لکھے گئے ہیں یعنی پیدائش، شادی، اولاد، ہجرت، وفات اور عمر شریف وغیرہ۔ یہ حالات بھی یقیناً فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ مگر ان بیبیوں کی عبادت و ریاضت اور اخلاق و معاشرت کے کچھ مفصل حالات سے کتاب کا خالی ہونا خاصی محسوس ہونے والی کمی ہے۔ سیرت و سوانح کے اصل اجزاء تو یہی ہیں۔

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق

اردو زبان میں حدیثِ نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

معارف الحدیث
جلد اوّل

یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ

تالیف مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں؟ — اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے ناظرین کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان   میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیثِ نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ احادیث نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور رُوح ہے (یعنی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت) کوشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی رُوح رہے — مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے پورے تشفی بخش علمی و تحقیقی جوابات بھی دیئے گئے ہیں جو آج کل کے بگڑے ہوئے ذہنوں میں احادیث نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

امید ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہل ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی رُوح میں ایک تازگی اور نور ایمان میں اضافہ محسوس کریں گے اور ان کا دل چاہے گا کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ یہ تحفہ پہنچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا

شروع میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ ہے جس میں صرف قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے حجت دینی ہونے کے منکر ہیں وہ قرآن حکیم کے کس قدر نصوص و بینات سے منحرف ہیں — یہ مقدمہ اپنے موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالہ ہے۔

ظاہری حیثیت سے بھی کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔

کاغذ اعلیٰ سے اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت بھی بفضلہ تعالیٰ مثالی اور معیاری ہے

قیمت غیر مجلد تین روپے بارہ آنے (۳؍۱۲) ———— مجلد مع گرد پوش چار روپے آٹھ آنے (۴؍۸)

(پوری جلد کپڑے کی ہے، جلد کی قیمت لاگت بلا لاگت لگائی گئی ہے)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور یہی ایمان ہو کر ہی انسانیت کی نجات کا مرکز ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ فیصلہ ہے

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی [illegible] ہوگی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی [illegible]

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۂ الفرقان

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ہندوستان اور پاکستان سے
سالانہ (بسکہ ہندوستان) ۵ر
سالانہ (بسکہ پاکستان) ۶ر
ششماہی ۳ر

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

غیر ممالک سے
سالانہ ...... ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵ر

جلد ۲۲ | بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ مطابق جولائی ۱۹۵۵ء | نمبر ۱۱

اگر اس ◎ دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے

پاکستان کے خریدار اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں

تاریخ اشاعت: رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شایع کیا۔

نگاہِ اولیں

"قافلہ" خودکشی کی راہ پر!

(از عتیق الرحمٰن سنبھلی)

گذشتہ مہینے ایک اخبار کے عید نمبر میں ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے "تقویٰ کیا ہے؟" جس میں انھوں نے بزعم خویش یہ بتلانے کی سعی کی ہے کہ تقوے کا کونسا مفہوم غلط اور جاہلیت کی پیداوار ہے اور کونسا مفہوم صحیح اور اسلامی ہے۔ غلط مفہوم کی ترجمانی کا شرف انھوں نے پہلے نمبر پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بخشا ہے اور اس کے بعد اس پر اپنی تنقید اور تبصرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:-

"بس یہ جھوٹا تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کی گرفت سے آزاد ہیں"

مضمون شروع سے آخر تک اس قدر سطحی اور بے وزن ہے کہ اس پر کسی تبصرہ کی حاجت نہ تھی اور پھر مضمون نگار صاحب علمی و دینی حیثیت سے کسی ایسی مؤثر و معروف شخصیت کے مالک بھی نہیں کہ ان کے کچھ لکھ دینے سے خواہ مخواہ فکر میں پڑا جائے۔ آج کل تو دور ہی تحریری فتنہ کا ہے، نہ معلوم کتنے ایسے مضامین روزانہ شائع ہوا کرتے ہیں! کس کس کا نوٹس لیا جائے اور کہاں تک لیا جائے؟ —— مگر اس مضمون کی ایک اور خارجی حیثیت اس کی متقاضی ہے کہ اسے نظر انداز نہ کیا جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ سہ روزہ دعوت دہلی میں شائع ہوا ہے جو جماعت اسلامی ہند کا سرکاری ترجمان ہے۔ ادارہ دعوت کی طرف سے اس پر نہ اشاعت کے وقت کوئی اختلافی نوٹ لکھا گیا اور نہ بعد میں اب تک کوئی استدراک کیا گیا۔ اور نہ جماعت کے مرکزی اشخاص میں سے کسی صاحب نے اب تک اس بارے میں کسی اختلاف کا اظہار فرمایا ہے۔ پھر مضمون نگار صاحب

غالباً جماعت سے باضابطہ تعلق رکھتے ہیں اور اس میں تو شبہ نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کی دعوت کے ایک سرگرم داعی اور ترجمان ہیں، جماعت کے رسائل و اخبارات میں اکثر ان کے اس نوعیت کے مضامین آتے رہتے ہیں اور اس کی سب سے بڑی سند جو ہمارے علم میں ہے یہ ہے کہ ابھی چند ماہ قبل انھوں[1] نے لکھنؤ میں جماعت اسلامی کے ایک حلقہ جاتی اجتماع عام میں جماعت کی ترجمانی کا فرض انجام دیا تھا — اور اسی سے ہم نے سمجھا ہے کہ ان کا جماعت سے کوئی باضابطہ گہرا تعلق ہے کیونکہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے جماعت ایسی ذمہ داری کا کام ایسے تعلق کے بغیر کسی کے سپرد نہیں کرتی ہے۔ — بہرحال مضمون اور مضمون نگار کی یہ خاص حیثیت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس کا نوٹس لیا جائے۔ ورنہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہم اس مضمون سے تعرض کرنے کا کوئی ارادہ نہ کرتے۔

اس مضمون میں کیا ایسی بات ہے جس کا ہم نوٹس لینا چاہتے ہیں؟

اس میں پہلی بات تو اکابر و اساطین امت کے افکار و آراء کو نشانہ تنقید و تردید بنانے میں وہ بے تکلفی اور اس سلسلہ کی ذمہ داریوں سے وہ بے اعتنائی ہے جس کا اس مضمون میں کھل کر مظاہرہ کیا گیا ہے گویا کوئی بات ہی نہیں ہے کہ کچھ تامل اور احساس ذمہ داری سے کام لیا جائے!

دوسری بات — تنقید کا وہ اندھا جوش اور بے احتیاطی ہے جس کے نتیجہ میں اس مضمون میں امام غزالی کے ارشادات پر تغلیط و تردید کا عمل کرتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ یہ باتیں ان کی طبع زاد نہیں ہیں بلکہ کتاب و سنت سے ماخوذ یا مستفاد ہیں۔

تیسری بات — وہ بیباکی ہے جو امام غزالی اور ان جیسے امت کے محترم ائمہ و اکابر کی شان میں روا رکھی گئی ہے — جس کا ایک نمونہ آپ دیکھ چکے اور ابھی اور دیکھیں گے۔ جس سے ایک شخص یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ جماعت اسلامی کے بعض داعیین جس "صحیح اسلام" کی دعوت امت کو دیتے ہیں اس کی قبولیت کے لئے وہ صرف اسی کو اب کافی نہیں سمجھتے کہ دلائل کی رو سے اپنے خیال کے مطابق صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط ثابت کریں بلکہ یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ امت کے جن اکابر و مشاہیر نے دین کی وہ ترجمانی کی ہے، جو جماعت اسلامی کے خاص نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی ان کے شخصی مرتبہ کو بھی اس حد تک گرائیں کہ وہ ایک

---

[1] بشرطیکہ مضمون نگار ان کے ہمنام کوئی اور صاحب نہ ہوں!

ادنیٰ درجہ کے اور ایک بہت کم علم قسم کے انسان معلوم ہونے لگیں اور اُن کے ساتھ اُمت کی وہ عقیدت اور وابستگی ختم ہو جائے جو ان نئے داعیان اسلام کے خیالات کو قبول کرنے سے مانع ہو سکتی ہے۔

اب ذرا آپ اس مضمون کا زیر بحث حصہ پڑھ لیجئے اور دیکھئے کہ یہ باتیں اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ —— فرماتے ہیں:۔

"آئیے آج ذرا نگاہ تجسس دوڑا کر یہ دیکھیں کہ تقویٰ کے نام پر کون کون سے سکے اس دنیا میں چل رہے ہیں اور کھرا سکہ کونسا ہے۔

تقویٰ کا پہلا غلط مفہوم | تقویٰ، طہارت اور تزکیہ نفس کا ایک وہ مفہوم ہے جو عجمی مذاہب یا پھر غلط مذاہب کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ میں پایا جاتا ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دنیا کی محسوس لذتیں، انسان کو دنیا پرست بنا دیتی ہیں اور اس کی زندگی تقویٰ سے خالی ہو جاتی ہے۔ یہ دنیا مایا جال ہے جس میں پھنس کر انسان ہمیشہ گندگیوں ہی میں آلودہ ہوا ہے۔ انسان کو اگر خدا کی رضا حاصل کرنا اور متقیانہ زندگی گذارنا ہو تو دنیا کو ترک کرنا ہوگا۔

ہم یہاں مختصراً اس نظریہ کے مشہور علمبرداروں کے بیانات کے اقتباسات دے کر اس کے حسن و قبح پر بحث کریں گے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ

"دنیا حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہوئے دنیا سے دست بردار ہو جانا زہد و تقویٰ کی نشانی ہے۔" (صلا۴۹ کیمیائے سعادت رکن چہارم)

متقی کی نشانی بتاتے ہوئے وہ پھر لکھتے ہیں:۔

"کھانا اتنا کم کھایا جائے جس سے صرف جسم و جاں کا رشتہ برقرار رہے۔"

"زیادہ سے زیادہ گیہوں کی روٹی جس کا آٹا نہ چھنا ہو، اگر چھانا جاوے تو زہد باقی نہ رہے گا۔" (کیمیائے سعادت ۵۵)

"اگر دو روز میں ایک بار کھائے گا تو بڑا زاہد ہوگا۔ اگر ایک روز میں دوبار کھائے گا تو یہ زہد نہیں۔" (حوالہ مذکورہ ۵۵)

اس نظریہ تقویٰ کے ایک مشہور امام کے بیانات ہم نے نقل کئے ہیں جو قریب قریب سب کے ترجمان سمجھے جا سکتے ہیں۔ دوسروں کے اقوال کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ نظریۂ تقویٰ بعض افراد کے حق میں مفید ہو تو ہو لیکن پورے معاشرۂ انسانی کے لئے تباہی و بربادی کی دستاویز ہے کیونکہ جب صلاح پسند حضرات اور نیک نیت دماغ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کا شکار ہو جاتے ہیں تو دنیا شیطانوں کا اکھاڑہ بن جاتی ہے۔ اب اگر وہ ننگا ناچ بھی ناچے تو کوئی پوچھنے والا نہیں اور پھر عملاً یہ بات ناممکن ہے کہ سارے انسان خلوت پسند ہو جائیں۔ اس نظریہ کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ دنیا کا عطر کھنچ کر پہاڑوں کی نذر ہو جائے اور باقی غلاظت اپنی بدبو سے انسانیت کا ناک میں دم کر دے! ایسا تقویٰ کس کام کا، جو انسانیت کی دکھتی رگوں کو دکھتا چھوڑ کر انسان کو گوشہ گیر کر دے۔ یہ تقویٰ اظہارِ کمزوری ہے شیطان کے مقابلہ میں۔ اور زبانِ حال سے یہ کہنا ہے کہ بھائی ہم میں مقابلہ کی سکت نہیں ہے ہم میدان چھوڑتے ہیں تو جو چاہے کرنا!!

غالباً ایسے ہی حضرات کو مخاطب کر کے نعیم صدیقی نے کہا تھا!

یہ لالہ خوانیاں جائے نماز پر سولی پہ چڑھ کے نغمہ جو گاتے تو جانتے

بس یہ جھوٹا تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کی گرفت سے آزاد ہیں۔ (دعوت عید نمبر ۲۵ر مئی ۱۹۵۵ء)

مضمون کی عبارت آپ نے دیکھ لی۔ اب ذرا یہ دیکھئے کہ ہم نے جن باتوں کی نشاندہی اس عبارت میں کی ہے وہ سب باتیں ایک ایک کر کے پائی جاتی ہیں یا نہیں!

بے تکلفی اور غیر ذمہ داری مضمون نگار نے اپنا موضوع بحث تو بنایا ہے تقویٰ کو۔ اور انہیں نگاہِ تجسس دوڑا کر دیکھنا یہ ہے کہ تقویٰ کے نام پر اس دنیا میں کون کون سے سکے چل رہے ہیں۔ اور پھر ان میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز کرنا ہے مگر یہ لطیفہ بھی بحث و تنقید کی تاریخ میں یادگار رہے گا کہ انھوں نے حقیقتِ تقویٰ کی غلط ترجمانی کا ملزم نمبر ایک بنا کر جس شخصیت کو اپنی بے لاگ عدالت میں حاضر کیا ہے اور پھر اس پر یہ فردِ جرم عائد کی ہے کہ اس نے عام انسانی معاشرہ کے حق میں تباہی و بربادی کی دستاویز تیار کی ہے، اس کا بیان انھوں نے حقیقتِ تقویٰ سے متعلق نہیں لیا۔

بلکہ بیان کیا زہد و فقر کے متعلق !—— تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ زہد و تقویٰ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں جن کا فرق ہر صاحب علم جانتا ہے مگر ہمارے یہ حضرت جن کو ماشاء اللہ اتنا حوصلہ ہے کہ غزالی کے منھ آسکیں وہ اتنے موٹے فرق سے بھی واقف نہیں ہیں چنانچہ انھوں نے نہایت بے تکلفی کے ساتھ تقویٰ کی بحث میں، تقویٰ کا پہلا غلط مفہوم بتلانے کے لئے کیمیائے سعادت کے باب زہد کی چند عبارتیں پیش فرمادی ہیں۔

اللہ اللہ! یہ مبلغِ علم و فہم! اور اس پر یہ حوصلے! یہ پندار!! —— خدا نظر بد سے بچائے! زہد و تقویٰ میں کیا فرق ہے؟ ہم اگر بتائیں گے تو پتہ نہیں وہ مانیں یا نہ مانیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت کے کسی صاحب علم سے پوچھ لیں۔ مولانا ابواللیث صاحب موجود ہیں مولوی سید حامد علی صاحب موجود ہیں کسی سے بھی دریافت کرلیں۔ ہمیں امید ہے کہ انھیں ان حضرات سے بھی صحیح جواب ہی ملے گا۔

کاش! ان صاحب نے استفادہ کی نیت سے نہ سہی عیب چینی ہی کی نیت سے کیمیائے سعادت پوری پڑھی ہوتی یا ورق گردانی ہی کی ہوتی، اس کی فہرست مضامین ہی پر نظر ڈالی ہوتی تو شاید اتنی بے تکلفی نہ کر جاتے۔ رکن دوم میں اصل چہارم کے تحت امام محترم نے مستقل ایک باب "درجاتِ ورع" کا قائم کیا ہے اور اس میں ورع و تقویٰ کی حقیقت اور اس کے درجات مفصل بیان فرمائے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اگر غزالی اور اُن جیسے ائمۂ دین کے چلائے ہوئے سکۂ تقویٰ کو پرکھنا ہی ہے اور اُسے کھوٹا اور جھوٹا ثابت کرنا ہی ہے تو اس باب کو ملاحظہ فرمائیے، ایک ایک لفظ میں عیب ٹٹول لیجئے اور اگر کوئی چیز مل جائے تو ضرور سامنے لائیے، ضرور اُسے کسوٹی پر کسیئے اور کھوٹا نکل آئے تو ضرور امت کو بتلائیے کہ تمھارے اس امام نے یہ جعلی سکہ چلا رکھا ہے! —— مگر یہ اندھیر تو مت کیجئے کہ بحث ہو تقویٰ کی اور عبارتیں لے آئیے باب زہد کی۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوھم او وزنوھم یخسرون —— غضب خدا کا! اگر کوئی مولانا مودودی کی عبارتوں پر اعتراض کرتا ہے تو آپ حضرات احتجاج کرتے کرتے نہیں تھکتے۔ کبھی کہتے ہیں عبارت میں تحریف کی گئی ہے کبھی کہتے ہیں

سیاق و سباق سے کاٹ لیا گیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں اس موضوع پر مولانا نے اصل کلام دوسری جگہ فرمایا ہے یہاں ضمنی طور سے بات آگئی ہے۔ پہلے اُس مقام کو دیکھئے۔ پھر اعتراض کیجئے، کبھی کہتے ہیں پورا لٹریچر پڑھئے! مگر آپ جیسے صالحین اور محققین سے کون فریاد کرے کہ آپ ایک برگزیدہ امام کے ساتھ کچھ اور ہی نرالا سلوک کر رہے ہیں۔ یہ لینے اور دینے کے دو الگ الگ پیمانے بنا کر، آپ آخر کس منہ سے دوسروں کے خلاف احتجاج کر سکتے ہیں؟

شاید کسی کو خیال ہو کہ کیمیائے سعادت کا جو پہلا اقتباس مضمون نگار نے پیش کیا ہے اس میں صاف تقویٰ کا لفظ موجود ہے ــــ ہاں بیشک اس عبارت میں موجود ہے مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ جناب مضمون نگار کے صلاح و تقویٰ کی نشانی ہے یا اگر انھوں نے کسی ترجمے سے اقتباس لیا ہے تو مترجم کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ اصل فارسی کتاب میں تو اس لفظ کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگر مضمون نگار کا یہ اپنا ترجمہ ہے تب تو بات جیسی ہے، ہے ہی، مگر کسی اور مترجم کے ترجمہ سے اگر انھوں نے یہ اقتباس لیا ہے تب بھی یہ ان کے اندر احساس ذمہ داری کے فقدان کی ایک روشن مثال ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے افکار پر تنقید کرنے کے لئے بیٹھے جس کا علم و فضل ضرب المثل ہے اور جس کو مشرق و مغرب کے مسلمان ایک جلیل القدر امام اور مجدد کی حیثیت سے جانتے ہیں اور تو اور خود جماعتِ اسلامی کے پیشوا مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی انھیں گنے چنے مجددینِ امت میں شمار کر چکے ہیں[۵] ــــ ایسی شخصیت کے افکار کو پرکھنے کا انھوں نے بیڑا اُٹھایا ہے ــــ مگر اس کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی کہ اس کی اصل عبارت سے رجوع کر لیں۔ ترجمہ تو شاید ہی کوئی ایسا ہوتا ہو جس میں مترجم سے کہیں بھی لغزش نہ ہو اور پھر ایک ضخیم کتاب کا ترجمہ! اس لئے کوئی ذمہ داری کا احساس رکھنے والا آدمی ایسے ذمہ دارانہ کام میں کبھی ترجمہ پر تکیہ نہیں کرتا اور اگر کوئی مجبوری ہی ہوتی ہے تو وہ صراحت کر کے اپنا بار ذمہ ہلکا کر لیتا ہے۔

اور بالغرض اگر یہ باتیں تقوے ہی کے باب میں کہی گئی ہوتیں تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ کتاب و سنت سے تقوے کے یہ شرائط کہیں نہیں معلوم ہوتے۔ ان چیزوں کا اختیار کرنا ایک اختیاری امر ہے، جو کوئی کرے گا وہ درجات پائے گا اور جو کوئی چھوڑے گا اس پر

---

[۵] اگرچہ جماعت اسلامی کے بعض دوسرے صف اول ہی کے اہل علم و قلم نے مولانا مودودی کی اس غلطی کا پورا تدارک اپنی تحریروں میں فرما دیا ہے ۱۲

کوئی الزام نہیں آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں اجبکہ تقویٰ سب کے لئے مامور بہ ہے اس لئے اس کا صحیح تصور وہی ہو سکتا ہے جو سب کے لئے قابل عمل ہو ——— مگر یہ کتنی بڑی زیادتی اور کس قدر غیر ذمہ دارانہ بات ہے کہ ان پر اعتراض کا یہ پہلو نکالا جائے کہ یہ خلوت نشینی اور عزلت گزینی کے نظریہ کی حامل ہیں۔ اور پھر اس پر عبارت آرائی کر دی جائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مضمون نگار نے ان پر اعتراض کا یہی پہلو نکالا ہے اور اسی کو اپنے غیظ و غضب اور طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ کوئی معمولی سمجھ اور دیانت کا آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ عبارتیں اس نظریہ کی حامل ہیں ؟

وہ ایک بات، سارے فسانہ میں جس کا ذکر نہیں ——— وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

اور پھر اگر آپ ان حضرت کو بیچ سے ہٹا کر کیمیائے سعادت میں زہد کا بیان خود ملاحظہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ کاملین فی الزہد کی مثال کے طور پر امام موصوف نے حضرت عمر فاروق رضؓ کا نام نامی پیش کیا ہے اور اس کی وجہ بتلائی ہے۔ اب بتلائیے آپ اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جسے اس نظریۂ زہد میں بھی خلوت نشینی اور عزلت گزینی کے کیڑے نظر آئیں جس کے کاملین میں نام نامی عمر فاروق رضؓ کا ہو ؟

تنقید کا اندھا جوش اور انتہائی بے احتیاطی

قطع نظر اسکے کہ یہ بیانات اور عبارات تقویٰ سے متعلق ہیں ہی نہیں جو ان پر تقویٰ کی بحث میں تنقید کی جائے اور قطع نظر اس سے کہ ان بیانات کو خلوت نشینی اور عزلت گزینی کا حامل ٹھیرانا بے بنیاد الزام ہے ——— یہ بات کس قدر بے احتیاطی اور تنقید کے اندھے جوش و شوق پر دال ہے کہ ان عبارتوں میں جو تعلیم دی گئی ہے اور جس چیز کی ترغیب و تحریص کی گئی ہے اس کو تباہی و بربادی کی دستاویز قرار دیتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچا گیا کہ اس سے قرآن کی کتنی آیات پر، جناب رسالتمآب کے کتنے ارشادات پر، آپ کی سیرت طیبہ کے کتنے زریں اوراق پر، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین اور اصحاب کبار کی کس متاعِ عزیز اور ان کی زندگی کے کس جوہر بے بہا پر زد پڑتی ہے ——— بحبك الشئ یعمی ویصم کی اس سے زیادہ افسوسناک مثال اور کیا ہوگی کہ تصوف اور صوفیہ کے بغض میں آدمی یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ اس کا نشانہ اور کیا کیا چیز بن رہی ہے !

ہم انگشت بدنداں ہیں اور ناطقہ سر بگریباں ہے کہ جس چیز کی تعلیم قرآن نے دی ہے، جس کی تعلیم وترغیب سے احادیث رسول پاک بھری ہوئی ہیں اور جو چیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کے تاج افتخار کا دُر شاہوار ہے، آپ کے جانشینوں کی مبارک زندگیوں کا طرۂ امتیاز ہے اسے امام غزالی کی عبارتوں میں دیکھ کر اصلاح امت اور احیاء دین کا یہ علمبردار تباہی بربادی کی دستاویز قرار دیتا ہے ——

اگر ہم انتہائی حسن ظن سے کام لیں تو بس یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ غریب قرآن کے اس پہلو سے واقف ہی نہیں ہے۔ احادیث کے اس پہلو سے واقف ہی نہیں ہے۔ سیرت محمدی کے اس پہلو سے واقف ہی نہیں ہے اور اصحاب محمدؐ کی زندگیوں کا یہ روپ اس نے دیکھا ہی نہیں

"چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند"

اور اسی حسن ظن کی بنا پر ہمارا خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ فاضل مضمون نگار اور ان جیسے ان کے دوسرے رفقاء اپنی اس عظیم ناواقفیت کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ اس باب کی تمام آیات قرآنی، تمام احادیث اور تمام اوراق سیرت تو ہم یہاں پیش نہیں کر سکتے البتہ چند آیات، چند احادیث اور سیرت محمدؐ و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مثالیں اور چند واقعات ہم پیش کر رہے ہیں۔ ذرا دیکھئے کہ ان کے مضامین اور غزالی نے زہد وفقر کے باب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے نفس مضمون میں کوئی فرق ہے؟

آیات قرآنی

(۱) یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ	اے نبی آپ اپنی بیوں سے کہیے کہ اگر تم دنیا
اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا	اور زینت دنیا کی طلبگار ہو[1] تو آؤ میں تمہیں
وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّ	کچھ دنیوی سامان جو دے سکتا ہوں دیدوں
حْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَاِنْ کُنْتُنَّ	اور دیکھو، اچھے طریقے سے رخصت کردوں
تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ	(یعنی آزاد کردوں) اور اگر تم اللہ اور اسکے
الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ	رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہو تو میں
مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب ۴۶)	تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم میں سے جو نکوکاری

[1] ان الفاظ سے یہ خیال نہ ہو کہ ازواج مطہرات نے کسی عیش اور زیب وزینت کی خواہش ظاہر کی تھی بلکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ روزانہ کے معمولی گذران کی طرف سے اطمینان چاہا تھا۔ تفصیل تفاسیر میں موجود ہی۔

کی زندگی گزاریں گی اللہ نے ان کے لیے (دنیا کے بدلے) دار آخرت میں اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(۲) وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔
(القصص ع ۸)

اور فکر کر اللہ کے دیے ہوئے مال و دولت سے دار آخرت بنانے کی اور (اس کو) مت بھول کہ دنیا میں تیرا (واقعی) حصہ کیا ہے۔

(۳) فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِي زِينَتِهٖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهٗ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الصّٰبِرُونَ ۝ (القصص ع ۸)

پس وہ (قارون) نکلا اپنی بستی کے لوگوں میں پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ (اس کو دیکھ کر) ان لوگوں نے جو حیات دنیا کے طلبگار تھے کہا کہ کاش قارون کا سامان دولت ہمارے پاس بھی ہوتا۔ یہ شخص بڑا نصیبہ ور ہے۔ اور (اس کے برعکس) ان لوگوں نے جنھیں اللہ نے حقیقت کا علم اور معرفت بخشی تھی (ان لوگوں سے) کہا کہ برا ہو تمھارا (تم اس پر ریجھ گئے حالاں کہ) اللہ ایمان اور عمل صالح کی دولت رکھنے والوں کو جو بدلہ (آخرت میں) دے گا وہ تو اس سے کہیں بہتر ہے ـــ مگر وہ انھیں لوگوں کے حصہ میں آئے گا جو (اس دنیا میں) صبر سے کام لیں گے۔

(۴) اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ۝ وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝
(الحدید ع ۳)

جان لو کہ حیات دنیا ایک کھیل تماشہ ہے ایک زینت و زیبائش ہے ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کرنا ہے مال و اولاد میں ایک دوسرے پر بڑھنا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش ہوئی اور اس کی پیداوار سے کسان خوش ہوئے پھر وہ زور پر آتی ہے، پس تم اس کو زرد دیکھتے ہو پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور مغفرت و رضوان بھی

ہے اللہ کی طرف سے۔ اور یہ دنیا نہیں ہے مگر ایک دھوکے کا (یعنی بے بھروسا) سامان۔

احادیث رسول[ل]

(۱) الا ان الدنیا ملعونۃٌ وملعونٌ ما فیہا الا ذکر اللہ تعالیٰ وما والاہ الخ (ترمذی) — دنیا اللہ کی نظر رحمت سے دور ہے اور جو کچھ دنیا میں ہو وہ سب بھی اللہ کی نظر رحمت سے دور ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس چیز کے جو اس میں معاون یا اس سے متعلق ہو۔

(۲) جاء رجلٌ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ دُلّنی علی عملٍ اذا عملتہ احبّنی اللہ واحبّنی النّاس فقال ازھد فی الدنیا یحبّک اللہ وازھد فیما عند النّاس یحبّک النّاس (ابن ماجہ) — ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتایئے جسے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمانے لگیں اور دنیا کے لوگ بھی مجھے محبوب رکھیں۔ آپ نے فرمایا دنیا کے معاملہ میں زہد اختیار کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہو اُس سے استغنار رکھو لوگ بھی تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

(۳) کُن فی الدنیا کانک غریبٌ او عابر سبیل (بخاری) — دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم ایک مسافر یا راہ گیر ہو۔

(۴) لیس لابن آدم حقٌ فی سوی ھذہ الخصال بیتٌ یسکنہٗ وثوبٌ یواری عورتہٗ وجلفُ الخبز والماء (ترمذی) — ان تین چیزوں کے سوا ابن آدم کا اور کوئی حق نہیں ہے۔ رہنے کے لیے گھر، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا اور تھوڑی سی روٹی اور پانی۔

(۵) ماملأ آدمیٌ وعاءً شرًا من بطنٍ بحسب ابن آدم اُکلاتٌ — آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بد تر نہیں بھرا۔ آدم کے بیٹے کو بس وہ چند لقمے

[ل] اس عنوان کی اور اگلے عنوان کی تمام روایات ...... ریاض الصالحین سے لی گئی ہیں۔

يُقمن صلبهُ فان كان لا محالة فثلثٌ لطعامه وثلث لشرابه وثلث لنفسه

(ترمذی)

کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر اسکے بعد بھی کچھ ضروری ہے تو یوں کرے کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے۔

اسوۂ حسنہ

(۱) عن عبد اللہ بن مسعود رضؓ قال نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی حصیرٍ فقام وقد اثّر فی جنبہ قلنا یارسول اللہ لو اتخذنا لک وطاءً فقال مالی وللدنیا ما انا فی الدنیا الا کراکبٍ استظلَّ تحت شجرۃٍ ثم راحَ وترکھا

(ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹائی پر آرام فرمایا، اس (کے گڑنے) سے آپکے پہلوؤں پر نشانات پڑ گئے ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم آپکے لیے کوئی نرم بستر تیار کر دیں؟ آپنے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب! میں تو دنیا میں اس سوار کی طرح ہوں جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے اور پھر اس کو چھوڑ کر چل کھڑا ہو۔

(۲) عن عائشۃؓ قالت ما شبعَ آلُ محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز شعیرٍ یومین متتابعین حتیٰ قُبض

(بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جَو کی روٹی (بھی) سیر ہو کر نہیں کھائی، حتیٰ کہ آپ وفات پا گئے۔

(۳) عن سھل بن سعدؓ قال ما رائ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النقیَّ من حین ابتعثہُ اللہ تعالیٰ حتیٰ قبضہُ اللہ تعالیٰ

حضرت سہل بن سعد نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے زمانہ سے لے کر انتقال فرمانے تک میدہ دیکھا تک نہیں۔ اس پر ان سے

نقیل لہ ھل کان لکم فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مناخل قال ما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منخلاً من حین ابتعثہ اللہ تعالیٰ حتیٰ قبضہ اللہ تعالیٰ نقیل کیف کنتم تأکلون الشعیر غیر منخول قال کنا نطحنہ وننفخہ فیطیر ما طار وما بقی ثریناہ

(بخاری)

کہا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھلنیاں ہوا کرتی تھیں انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے وفات تک چھلنی کی صورت نہیں دیکھی۔ کہا گیا کہ پھر آپ لوگ بغیر چھنا جو کا آٹا کیسے کھاتے تھے۔ انھوں نے فرمایا ہم اس کو پیسے تھے اور پھر پھونک لیتے تھے جو کچھ بھوسی وغیرہ اُڑنی ہوتی تھی اُڑ جاتی تھی اور باقی کو ہم گوندھ لیتے تھے۔

(۴) اللھم اجعل رزق آلِ محمدٍ قوتاً (بخاری ومسلم)

اے اللہ! آل محمد کا رزق بس بقدر سد رمق مقدر فرما۔

اسوۂ جانشیناں

بات ہمارے اندازہ سے بہت زیادہ طویل ہوتی جارہی ہو اس لئے ہم اس عنوان کے تحت خلفاء راشدین واصحاب کبار کی زندگیوں کے کچھ متعین حالات وواقعات نقل کرنے کے بجائے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان حضرات کے حالات بھی بحمد اللہ کتابوں میں موجود ہیں۔ خصوصاً خلفاء راشدین کی مبارک سیریں تو اچھی طرح مدون ہیں۔ وہاں دیکھئے کہ زہد فی الدنیا میں ان کا کیا حال تھا اور وہ اپنی اس متاع عزیز کو کس طرح بچا بچا کر رکھتے تھے۔[1] کم از کم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا وہی ایک واقعہ

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ایک صاحب کا یہ چشم دید بیان کہ "میں نے بارہا آخر شب میں دیکھا کہ حضرت موصوف اپنی داڑھی پکڑے ہوئے کھڑے ہیں، زار و قطار رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں یا دنیا! الی تعرضت ام لی تشوفت ھیھات ھیھات!! غری غیری، قد بتتک ثلثاً لا رجعۃ لی فیک، فعمرک قصیر وعیشک حقیر وخطرک کبیر....... (صفۃ الصفوۃ ج ۱) (بقیہ صفحہ ۔۔)

پڑھ لیا جائے جو امام غزالیؒ نے آپ کے اور آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے درمیان مکالمہ کی صورت میں اپنی اسی کیمیائے سعادت میں زہد و فقر ہی کے بیان میں "فضیلت زہد" کے عنوان کے تحت نقل فرمایا ہے۔

اور ہمیں حیرت ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ جب کہ انھیں صفحات میں موجود ہے جن کی چند عبارتوں کو مضمون نگار زیر بحث لائے ہیں تو انھوں نے کیسے اس کو نظر انداز کر دیا؟ ـــــ اگر انھوں نے اس کو پڑھا تھا تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیسے انھوں نے اس کے باوجود امام غزالی کے ارشادات کو نشانہ ملامت بنانے کی جرأت کی؟ اور حضرت عمرؓ کے ارشادات کی کیا تاویل کی؟ اور اگر انھوں نے نہیں پڑھا تو ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ انھوں نے نہایت غیر ذمہ داری اور بزرگوں کے معاملے میں حد سے بڑھی ہوئی بے تکلفی کا ثبوت دیا ہے، کہ زبان تنقید کھولنے سے پہلے چھ سات صفحے بھی پوری طرح پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی!

بہر حال ہم کہنا یہ چاہتے تھے کہ آپ قرآن کی ان آیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات اور آپ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت صحابہ کی ان چند مثالوں کو دیکھئے اور تبلائیے کہ کیا امام غزالی علیہ الرحمہ نے جو کچھ کہا ہو وہ انھیں سے ماخوذ یا مستفاد نہیں ہے؟ کیا ان میں دنیا کی مذمت اور انتہائی مذمت و تحقیر نہیں کی گئی ہے؟ کیا دنیا میں سے کم سے کم حصہ لینے کی تعلیم نہیں دی گئی ہے؟ کیا زیادہ حصہ لینے کی خواہش پر ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا گیا ہو؟ کیا حضور نے بھرے ہوئے پیٹ کو بدترین برتن نہیں فرمایا ہے؟ کیا آپ نے زاہدانہ زندگی بسر کرنے کی وصیت نہیں فرمائی ہے؟ کیا اس زندگی کو اللہ کی محبوب زندگی نہیں قرار دیا ہے؟ کیا آپ نے زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر نہیں فرمائی؟ کیا آپ نے دنیا حاصل کرنے پر اعلیٰ ترین قدرت رکھتے ہوئے اس کو ترک نہیں فرمایا؟ کیا آپ نے اللہ کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صـ) (اے دنیا! کیا تو مجھے لبھانے چلی ہے؟ دور ہو دور ہو! جا کسی اور پر اپنا جادو چلانا! میں تیرے پھندے میں نہیں آسکتا، میں نے تو تجھے تین طلاقیں دیدی ہیں جس میں رجعت کا کوئی امکان نہیں۔ تیری زندگی ناپائیدار، تیرا عیش ہیچ اور تیرے اندر خطرہ بہت بڑا......) ان کے اس حال کا کیا عبرت انگیز ترجمان ہے! اور اسی سے ان کے دوسرے برگزیدہ رفیقوں کے حال کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اعلیٰ درجہ کی رئیسانہ اور امیرانہ زندگی کی پیش کش کے باوجود فقیرانہ زندگی کو اختیار نہیں فرمایا۔؟[1] اور کیا وہ خود اختیاری فقیرانہ زندگی اس کے سوا کچھ اور تھی کہ پوری نبوی زندگی میں جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی بھی دو دن متواتر سیر ہو کر نہیں کھائی؟ اور کیا آپ نے اپنے اہل وعیال کے حق میں یہ دعا نہیں فرمائی کہ ان کو بس قوت لایموت ملے جس سے ان کے جسم وجان کا رشتہ قائم رہے؟ کیا آپ کے عالی مرتبت خلفاء واصحاب اور نجوم ہدایت وارشاد نے روم وایران پر شہنشاہی کرنے کے باوجود اسی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی کو سینہ سے لگائے نہیں رکھا؟ کیا اسی حالت پر موت کو وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی اور حضور کے حضور میں سرخروئی کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے؟ اور کیا وہ اس زندگی کو ترک کرنے میں آخرت میں حضور کی رفاقت سے محرومی کا خطرہ نہیں محسوس کرتے تھے؟ پھر یہ تنقید کا کس قدر اندھا جوش، کتنا بیباک شوق اور کیسی ناروا جسارت ہے کہ آدمی امام غزالی کی اسی مضمون کی عبارتوں کو نظریہ رہبانیت کا حامل اور عام انسانی معاشرہ کے حق میں سم قاتل قرار دیتے ہوئے یہ بھی نہ سوچے کہ کتنی آیات قرآنی، کتنی احادیث رسول اور کتنی پاک زندگیاں اس کی زد میں آرہی ہیں۔

انہیں مضمون نگار صاحب کے ایک اور رفیق ہیں، انھوں نے بھی دعوت کے اسی پرچہ میں "روحانیت اور شریعت کا فرق" تبلاتے ہوئے —— اگرچہ وہ فرق حقیقت میں تبلانا چاہتے ہیں اسلامی روحانیت اور غیر اسلامی روحانیت کا! مگر خیر ہمیں اس سے کیا مطلب؟ —— بہرحال انھوں نے ان دونوں چیزوں کا باہمی فرق تبلاتے ہوئے تصوف کا رشتہ مسیحی رہبانیت سے ملایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسلام نے آکر سابقہ رہبانی تصورات کو ختم کیا تھا مگر

"افسوس کہ مسلمانوں نے دین فطرت کی اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا۔ اور ان میں رفتہ رفتہ یہ ذہنیت پیدا ہونے لگی کہ یہ دنیا دار فانی ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں پر دل لگانا فضول ہے۔ ان کا یہ خیال اعتدال سے بڑھ کر اس انتہا کو پہونچ گیا کہ ان

---

[1] اس مضمون کی حدیث ہم نے نقل نہیں کی ہو مگر یہاں پہونچ کر ذہن منتقل ہوگیا تو اشارہ کر دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "عرض علی ربی لیجعل بطحاء مکۃ ذھبا فقلت لا یارب ولکن اشبع یوماً واجوع یوماً —— الحدیث رواہ احمد والترمذی۔

میں صرف قنوطیت باقی رہ گئی .... اور رفتہ رفتہ ان کا یہ جذبہ ترقی کر کے تصوف کی صورت اختیار کر گیا۔" (دعوت ص۴)

اس کے برعکس اسلام نے آکر دنیا کو کیا دیا تھا؟ سنیئے!

"مایوس دنیا کی پھر ڈھارس بندھائی .... انسانی قافلے صحرا نوردی کے بجائے شہری چہل پہل دکھانے لگے۔ چٹانوں اور جھاڑیوں کے سایہ میں بسیرا لینے والے انسان اونچے اونچے اور عالی شان محلات میں محو خواب ہونے لگے۔ پودوں کی جڑوں اور جنگلی پھلوں پر گذارا کرنے والا انسان مرغن غذاؤں سے سیر ہونے لگا اور مشروبات سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے لگا ...... اسلام کی یہی وہ دعوت تھی جس نے عیسائی کی (غالباً عیسایئت کی) دنیا میں ہل چل مچادی۔ اسی کا ثمرہ آج ہم تہذیب نو کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔" (حوالہ مذکورہ)

خط کشیدہ الفاظ پر ذرا غور فرمایئے! انا للہ وانا الیہ راجعون! یہ ہے ان حضرات کا "صحیح تصور اسلام" اور یہ ہے دین کے بارے میں ان محققین کا علم و فہم، اور حضرات صوفیاء کرام چونکہ اسلام کی تشریح اس کے برخلاف اسطرح کرتے ہیں کہ اسکے نتیجہ میں لوگ دنیا کو دار فانی اور اس سے جی لگانے کو فضول سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے وہ اسلام کی اصل تعلیم اس کے "نقطۂ اعتدال" سے انحراف اور "مسیحی رہبانیت" کو اپنانے کے مجرم ہیں۔

بے شک ہمیں اقرار ہے کہ تصوف دنیا کو انسان کی نظر میں ہیچ ٹھہراتا ہے۔ اس کے دار فانی ہونے کا یقین پیدا کرتا ہے اور انسان کا دل اس سے ہٹاتا ہے، اسے زاہد فی الدنیا بناتا ہے! ۔ مگر کیا یہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل افسوس اور قابل مذمت ہے؟ تفریط ہے؟؟ اور کیا اسلام کا پیش کیا ہوا نقطۂ اعتدال وہ ہے جو ان مضمون نگار صاحب نے خط کشیدہ الفاظ میں بیان فرمایا ہے؟ کیا اسلام واقعی یہی کچھ انسانیت کو دینے آیا تھا؟ وہ انسان کو عالی شان محلات میں سلانے آیا تھا؟ مرغن غذاؤں سے پیٹ بھرانے آیا تھا؟ ——— خدارا کوئی محقق بتائے کہ اس کا کوئی ثبوت! قرآن میں ہے؟ حدیث میں ہے؟ سیرت رسول کریم میں ہے؟ سیرت خلفاء و اصحاب رسول میں ہے؟ اس کے برعکس تصوف کے جن ثمرات کو آپ قابل افسوس تفریط ٹھہرا رہے ہیں ان کے عین مطلوب اسلام، دعوت

(باقی ص۵۳ پر ملاحظہ فرمایئے)

معارف الحدیث

خدا کا خوف اور فکرِ آخرت

[افسوس کے ساتھ عرض کیا جاتا ہو کہ معارف الحدیث کی یہ قسط ایک نئے کاتب صاحب نے لکھی ہو اور انھوں نے حدیثوں کے عربی متن پر اعراب لگانے میں ہمارے مسودہ کی پابندی کے بجائے محض اپنے ذوق کی پابندی کی ہو اس لئے اعراب اتنے غلط ہو گئے ہیں کہ کاپی یا پلیٹ پر ان کی تصحیح نہیں کی جاسکتی تھی اور دوبارہ لکھانے کی وقت میں گنجائش نہ تھی اس لیئے غیر عربی داں ناظرین کرام سے گزارش ہو کہ وہ اس مرتبہ متن نہ پڑھیں بلکہ صرف ترجمہ پر قناعت کریں ۔ نعمانی غفرلہ]

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد و فضائل بیان فرماتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ـــــــ آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ بن الربیع کی حدیث جو اسی عنوان کے تحت ابھی آپ پڑھیں گے[1] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا موضوع عموماً یہی ہوتا تھا اور صحابۂ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہے ـــــــ

حدیث کے صرف موجودہ ذخیرہ ہی میں سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہی تو بلا شبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے ـــــــ ہم چند حدیثیں اس سلسلے کی یہاں درج کرتے ہیں۔

(۸۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا ـــــــ رواہ البخاری

[1] یہ حدیث الفرقان کی اس اشاعت میں درج نہیں ہو سکی ہے۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہی اگر (اللہ کے قہر وجلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

تشریح:- مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کے قہر وجلال اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہی اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہو اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے اور تمھاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں اور تمھارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں تو تمھارا چین وسکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔ اور اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوذر غفاری سے روایت کیا ہی) اس کے آگے یہ بھی ہے کہ "پھر تم اپنے بستروں پر بیویوں سے کوئی لطف زندگی حاصل نہ کر سکو اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ"۔

(ف) اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافت ارضی کا کام لینا ہی اور وہ جب ہی ممکن ہی کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے اس لیے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیے جائیں اور وہ ان کو برای العین دیکھ سکیں تو پھر اس دنیا میں وہ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے ــــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا جائے تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے جس کی آپ کے منصب عالی اور کار عظیم کے لئے ضرورت تھی اس لیے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمت خداوندی نے آپ کے قلب مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گزار سکیں جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹۰) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَھَبَ ثُلُثَا اللَّیْلِ قَامَ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوا اللّٰہَ اذْکُرُوا اللّٰہَ جَاءَتِ الرَّاجِفَۃُ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَۃُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْہِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْہِ۔ —— رواہ الترمذی

ترجمہ:- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھتے اور فرماتے اے لوگو اللہ کو یاد کرو اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے ہلا ڈالنے والا قیامت کا بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اس کے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت ان سب احوال کے ساتھ سر پر آچکی ہے جو اس میں ہوتے ہیں۔ موت اپنے مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے اس کے بعد کچھ آرام فرماتے تھے اور پھر تہجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور جب رات کا آخری تہائی حصہ ہوتا تو جیسا کہ حضرت اُبی بن کعب کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لیے بیدار کر دینا چاہتے تھے اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لیے اس وقت آپ ان کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے —— بلاشبہ غفلت کو دور کرنے کے لیے اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لیے یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے —— آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کے لیے بستر سے اٹھنا مشکل ہو وہ اگر اس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

(۹۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ —— (رواہ الترمذی)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ڈرتا ہے وہ شروع رات میں چل دیتا ہے اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہونچ جاتا ہے۔ یاد رکھو اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے۔ یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے ـــــــــ (ترمذی)

تشریح :- عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے اور اس کی وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلہ کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا۔ اور اس تدبیر سے بحفاظت وعافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا ـــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا کہ جس طرح رہزنوں کے حملہ سے ڈرنے والے مسافر اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کرکے چل دیتے ہیں اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہیئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کے لیے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے ـــــــــ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے جو جان ومال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ الآيه"[1]

(۹۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ؟ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا لِلْمَوْتِ اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ

ـــــــــ رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر (جمع الفوائد)

ترجمہ :- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر تبلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ نے

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان ومال جنت کے عوض میں خرید لیے ہیں۔ وہ اپنا جان ومال اللہ کی راہ میں قربان کردیں تو جنت کے مستحق ہوں گے۔ گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان ومال ہے۔

ارشاد فرمایا وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے، جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی (معجم صغیر للطبرانی)

تشریح:- جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں اور اس کے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

(۹۳) عن عائشۃ قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذہ الآیۃ والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلۃ أھم الذین یشربون الخمر ویسرقون؟ قال لا یا ابنۃ الصدیق، ولکنھم الذین یصومون ویصلون ویتصدقون وھم یخافون أن لا یقبل منھم أولئک الذین یسارعون فی الخیرات ——— (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ:- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت "والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلۃ" کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ ——
آپ نے فرمایا اے میری صدیق کی بیٹی نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں —— (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح:- سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے چلنے والے اور سبقت کرنے والے ہیں اس سلسلہ میں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے، "والذین یؤتون ما آتوا وقلوبھم وجلۃ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور ان کے دل ترساں رہتے ہیں) —— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ کیا

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شامت نفس سے گناہ تو کرتے ہیں مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گنہگاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں جن کا حال یہ ہو کہ وہ نماز روزہ اور صدقہ وخیرات جیسے اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اس کے باوجود ان کے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے یا نہیں ——— قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ اُولٰئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سَابِقُوْنَ (یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانیوالے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کا قہر و جلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو اور برابر ڈرتا رہے کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

(۹۴) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ رَفَعَهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا يُخَرُّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ فِيْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ لَحَقَرَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ——— رواہ احمد (جمع الفوائد)

ترجمہ:- عتبہ بن عبید سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے سجدہ میں پڑا رہے تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا ——— (مسند احمد)

تشریح:- مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہو جائیں گی اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں تو اللہ کے وہ بندے بھی جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہوگا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی

گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو اس کا احساس بھی ہی ہوگا اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

(۹۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا

رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اے عائشہ اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی بازپرس ہونے والی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان، للبیہقی)

تشریح:۔ جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں وہ کبیرہ گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی بازپرس ہونی ہے نہیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لیے ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے تو ہما شما کے لیے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی بازپرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھاگتے ہیں اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری

کوشش کرنی چاہئیے۔ یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہو۔

(۹۶) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَھُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُکَ قَالَ اَرْجُو اللّٰہَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبٍ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَا یَرْجُوْ مِنْہُ وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ ــــــــــ رواہ الترمذی ۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ :۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جب کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تشریف لے گئے اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا یقین کرو جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ ضرور عطا فرما دیگے جس کی اسکو اللہ کی رحمت سے امید ہو اور اس عذاب سے اسکو ضرور محفوظ رکھیں گے جسکا اسکے دل میں خوف و ڈر ہو ـــــ (جامع ترمذی)

تشریح :۔ بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہو ـــــ

(۹۷) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ ذِکْرُہٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ ــــ (رواہ الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

ترجمہ :۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے حکم دیگا کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے ــــــــــ (جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور للبیہقی)

تشریح :۔ کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہو یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہو کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائیگا وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا۔ اس لیے حضرت انس کی اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا بلکہ ایمان اسکو

نصیب تھا لیکن گناہ اس کے بہت تھے اور اعمال صالحہ کا ذخیرہ اس کے ساتھ نہیں تھا بجز اس کے کہ اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا یا کسی موقع پر اس کے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اس کو نجات مل جائیگی اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ واللہ اعلم

(۹۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِنْ حُرِّ وَجْہِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ ۔۔۔۔۔۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں پھر وہ آنسو بہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لیے حرام کر دیگا ۔۔۔۔۔۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا اور دوزخ کی آنچ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی ۔۔۔۔ کتاب الایمان میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہو جس کا تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو ۔۔۔۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

(۹۸) عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَہٗ اِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تَحَاتَّتْ عَنْہُ خَطَایَاہُ کَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَۃِ الْبَالِیَۃِ وَرَقُہَا ۔۔۔۔۔۔ (رواہ البزار جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

مسئلہ تعدد ازواج

اور

اس دور کے متجددین

(از عتیق الرحمٰن)

مصر اور پاکستان میں ان دنوں تعدد ازدواج کا مسئلہ بڑے زوروں سے چل رہا ہے۔ امت میں یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہیں رہا، قرآن میں صاف طور سے اس کی اجازت مذکور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ آپ کے اصحاب کے متعلق اگر تحقیق کی جائے تو اکثر و بیشتر کا اس پر عمل ثابت ہوگا اور اس کے بعد کے زمانوں میں بھی برابر یہ تعدد تعامل میں رہا ہے۔ مگر آج کچھ لوگ اس کے خلاف بغاوت کا علم لے کر اٹھے ہیں۔ مصر کے تو ایک صاحب نے کہہ دیا ہے کہ قرآن میں سرے سے اس کی اجازت ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہے۔ اور خود قرآن ہی کہتا ہے کہ عدل تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

ولن تستطیعوا ان تعدلوا	تم اگر چاہو بھی جب بھی عورتوں کے
بین النساء ولو حرصتم	درمیان عدل نہیں کر سکتے ہو۔

پس سرے سے اجازت ثابت ہی نہیں، محض غلط فہمی ہے جو اجازت سمجھ لی گئی ہے۔

دوسرے کچھ لوگ ہیں جو اس حد تک تو نہیں گئے ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ یہ اجازت علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ کوئی شدید ضرورت اور مجبوری درپیش ہو، مثلاً پہلی بیوی میں کوئی نقص ہو یا اسے کوئی مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ ذلیفہ جیت یا وظیفہ امومت ادا کرنے سے قاصر ہو، یا قوم کی کوئی مصلحت تعدد ازدواج کی متقاضی ہو، مثلاً کسی جنگ وغیرہ کے نتیجہ میں مردوں کی تعداد

گھٹ جائے جیسا کہ پچھلی دو جنگوں میں یورپ میں ہوا یا قوم کی قلت کو کثرت میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہو۔ جیسا کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو ضرورت تھی ـــــ ان لوگوں کے نزدیک تعدد کی اجازت اس قسم کی ضرورتوں کے لیے ہو، ورنہ اگر پہلی بیوی بھلی چنگی ہو اور کوئی قومی و معاشرتی ضرورت بھی نہ ہو تو محض نفسی تقاضے کی تسکین کے لیے دوسرے نکاح کی اجازت اسلام میں نہیں ہو ـــــ اپنے اس دعوے کی دلیل میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں نکاح ثانی کا ارادہ فرمایا تھا تو روایت میں ہے کہ حضور نے اس پر بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا، ظاہر ہے کہ حضور کی ناراضگی صرف اپنی صاحبزادی کی محبت کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی، بلکہ اس کا منشا یہی تھا کہ جب ایک معقول اور صحت مند بیوی موجود ہو ـــــ جیسی کہ حضرت سیدہؓ تھیں ـــــ تو ایک مرد مومن کو نکاح ثانی کی نہیں سوچنی چاہیے۔

اس موخر الذکر خیال کا اظہار لاہور کے ماہنامہ ثقافت بابتہ جون ۵۵ء میں کیا گیا ہے مضمون نگار کے الفاظ یہ ہیں۔

"کتاب حکیم میں تعدد ازدواج کے بارے میں دو تین آیات سے زیادہ نہیں ملتیں، چار تک نکاح کرنے کی اجازت ایک مخصوص صورت حال اور ایک مخصوص سماجی ابتری کے علاج کے طور پر پائی جاتی ہے شروع میں رسول کریمؐ اور ان کے جاں نثار پیرؤں اور صحابیوں کو دین کی حفاظت اور رفع فتنہ کے لیے جنگیں کرنی پڑیں، مسلمان مجاہدین تعداد میں کم تھے اور مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی' ان جنگوں میں مسلمان مرد کثیر تعداد میں شہید ہوئے، بے کس اور بے بس بیوگان کی تعداد اس ابتدائی معاشرے کا ایک اہم اور حل طلب مسئلہ بن گیا۔ قرآن کریم میں تعدد ازدواج کی اجازت اسی مسئلہ کے حل کے لیے دی گئی۔

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع ۚ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ۚ ذالک ادنیٰ الا تعولوا ۔

(اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں تمھیں جو پسند آئیں ان سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، ہاں اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم عدل (بین النساء) نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی بیوی ہو یا باندی ہو، یہ تمھیں بے انصافی سے بچانے کا قریب تر راستہ ہو)

اس آیت کی رو سے یہ اجازت کوئی علی الاطلاق اجازت نہیں، قرآن کے مدنظر عدل اور رحم ہے

اس لیے صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ اس اجازت کا ناجائز استعمال نہیں ہونا چاہیے"

"یہ بات کہ ایک اچھی معقول دیندار اور صاحب اولاد بیوی ہوتے ہوئے مرد مومن کو نکاح ثانی کی نہیں سوچنی چاہیے۔ اس سے بھی واضح ہو جاتی ہو کہ حضرت فاطمہ زہراؓ کی موجودگی میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوسرا نکاح کرنا چاہا تو رسول کریم اس پر بہت افروختہ ہوئے، کسی کا یہ گمان کرنا کہ یہ اپنی بیٹی پر سوکن لانے کا معاملہ تھا اس رسولؐ کے متعلق ناقابل عفو بدگمانی ہو جس کے دل میں امر و نواہی کے بارے میں شخصی جذبہ اور ذاتی مفاد مفقود تھا"

اس کے بعد یہ سوال قائم کر کے کہ جب رسول کریم کے سامنے ایک سے زائد نکاح کیے گئے اور آپ نے مسلمانوں کو نہیں روکا تو اب کیوں روکا جائے"۔ جواب دیتے ہیں کہ

"اس کا جواب بھی وہی ہو کہ ایک قلیل جماعت کو ایک طرف یتامیٰ اور بیوگان کو اپنی پناہ میں لینے کا سوال تھا اور دوسری طرف اس ملت کو تعداد بڑھانا لازمی تھی جسے مسلسل جہاد میں مبتلا رہنا تھا" الخ

یہ ہیں اس مسئلہ میں متجددین کے دو قسم کے خیالات!۔ پہلا خیال کہ بیک وقت تعدد نکاح کی سرے سے اجازت ہی نہیں ہو، یہ تو نہایت مہمل قسم کی بات ہو، اس کا پہلا جواب تو یہ ہو کہ اگر واقعہ یوں ہی ہو تو کیا (معاذ اللہ) صحابۂ کرام دھڑلے سے ایک ناجائز بات کے مرتکب ہوتے رہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو نہیں روکا؟ ۔۔۔ اور دوسرا جواب یہ ہو گا اگر ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء کا یہی مفاد ہو کہ چونکہ عدل محال ہو لہذا تعدد ناجائز ہے تو پھر آیت کے ان اگلے الفاظ کا کیا مطلب ہو کہ فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ (بس نہ تمام تر جھک جاؤ ایک کی طرف کہ دوسری کو (ادھر بیچ میں) لٹکا کر چھوڑ دو (کہ نہ اُسے آزاد ہی کر دو اور نہ عملاً تعلق ہی رکھو) اگر سابقہ الفاظ سے تعدد کی اجازت منسوخ ہو گئی تو پھر یہ ہدایت آخر کس مرض کی دوا ہو۔ جب ایک ہی بیوی رہے گی تو اس بے انصافی کا امکان ہی کیا رہے گا جو اس کے بارے میں کوئی ہدایت دی جائے، فلن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ تنبیہ فرمانا کہ فلا تمیلوا کل المیل الخ خود اس بات کی بین دلیل ہو کہ فلن تستطیعوا میں تعدد کی ممانعت وغیرہ کا کوئی پہلو نہیں ہو۔ اس آیت کا

مقصد اصل میں عدل کا کم سے کم معیار بتلانا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کی اس فطری کمزوری سے واقف ہے کہ وہ سب بیویوں کے درمیان ہر حیثیت سے مکمل عدل برتنے سے قاصر ہو۔ پس اس کمزوری کو تسلیم کر کے بتلایا گیا ہو کہ یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک طرف طبیعت کا میلان زیادہ ہو اور میلان طبع کو روکنا انسان کے بس کی بات نہیں، مگر اس کے نتیجہ میں دوسری طرف سے مکمل اعراض برتا جانے لگے یہ بات مناسب نہیں ہو۔ کیونکہ میلان نہ ہونے کے باوجود، فرض سمجھ کر ضروری تعلق قائم رکھنا، کسی انسان کے بس سے باہر نہیں ہو اگر شرافت نفس اور احساس فرض ہو تو یقیناً ہر انسان ایسا کر سکتا ہو۔ اور اس کو کرنا چاہیے۔

اب لیجئے دوسرے خیال کو کہ "تعدد ازدواج کی اجازت کسی خاص ضرورت اور مجبوری کے موقع پر ہو۔ علی الاطلاق نہیں ہو کہ آدمی محض اپنے جنسی تقاضے کی تسکین کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھ لے۔" یہ بھی حقیقت میں کچھ کم غلط نہیں ہو اور اس کی تائید میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ محض فرضی ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

پہلی بات یہ کہی گئی ہو کہ آیت فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم الخ میں چار عورتوں تک سے نکاح کرنے کی جو اجازت دی گئی ہو وہ مسئلہ کثرت بیوگان کو حل کرنے کے لیے دی گئی ہو۔ لہٰذا یہ اجازت علی الاطلاق نہیں، بلکہ ایسے ہی خاص مواقع کے لیے رہے گی ـــ خدا ہی بہتر جانتا ہو کہ آیت کا یہ مقصد کہاں سے معلوم کیا گیا ہو۔ نہ تو شان نزول کی کسی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہو اور نہ ہی آیت کے کسی لفظ میں اس کی گنجائش ملتی ہو۔ ہاں اگر یتامیٰ کا ترجمہ کسی لغت میں بیوگان لکھا گیا ہو یا عربی میں بیوگان کے لیے یتامیٰ کا لفظ بولا جاتا ہو، تو دوسری بات ہو! لیکن دعویٰ کرنے والے صاحب نے خود یتامیٰ کا ترجمہ "یتیموں" ہی کیا ہے، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مسئلہ بیوگان کہاں بیچ میں آ گیا؟

بہر حال اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان سے مطلق نہیں، بلکہ یتیم لڑکیوں کے مسئلہ سے ہو۔ صورت یہ تھی کہ بعض یتیم لڑکیوں کے اولیاء ان کے مال یا جمال کو دیکھ کر بجائے کسی اور سے شادی کر دینے کے (اگر وہ ان کی محرم نہ ہوتی تو) اسے خود اپنے عقد میں لے لیتے تھے۔ اور چونکہ وہ خود ہی اس کے ولی ہوتے تھے اس لیے جتنا کم سے کم مہر چاہتے تھے باندھتے تھے جو بسا اوقات لڑکی کی حیثیت اور اس کے مہر مثل کو

دیکھتے ہوئے ناانصافی کی حد تک کم ہوتا تھا۔ اس آیت میں لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے[1] کہ وہ اگر یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں تو انصاف کے ساتھ یعنی ان کے پورے مہر کے ساتھ کریں ورنہ ان کے ماسوا عورتوں سے نکاح کریں[2]۔ اس شان نزول کی روشنی میں اس آیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ

اگر تمہیں اس بات کا ذرا بھی خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں تم پوری احتیاط اور انصاف سے کام نہ لے سکوگے تو انھیں اپنے عقد میں نہ لو، اور اگر تمھیں نکاح کرنا ہی ہو تو اور عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان میں سے ایک نہیں، دو، تین، چار تک نکاح کر سکتے ہو، لیکن اس میں بھی یہ شرط ہو کہ تم ان سب کے درمیان عدل کرو، اور اگر خطرہ ہو کہ عدل نہ کر سکوگے تو بس ایک ہی پر یا اپنی باندیوں پر اکتفا کرو ـــــ یہ ناانصافی سے بچنے کا قریب تر راستہ ہے!

اس شان نزول اور حضرت عائشہ کے بیان سے تائید پانے کے علاوہ اس اصول کی رو سے بھی کہ قرآن کی آیت کی جو تفسیر خود قرآن ہی کی کوئی دوسری آیت کر رہی ہو وہ سب سے مقدم ہے، یہی مطلب راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسی سورۂ نساء میں جس کی یہ آیت ہے ایک آیت اس کے آخری حصہ میں یہ ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن وما یتلیٰ علیکم فی الکتٰب فی یتٰمی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن، الخ	اور لوگ تم سے سوال کرتے ہیں عورتوں کے معاملہ میں، کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے اور وہ جو سنایا گیا تھا تمکو کتاب میں، ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کا واجبی حق تم دیتے نہیں ہو اور نکاح ان سے کرنا چاہتے ہو۔

اس میں وما یتلیٰ علیکم فی یتٰمی النساء الخ کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں، اور یوں بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ اس سے مراد وہی آیت وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی) ہے ـــــ ورنہ تو وما یتلیٰ علیکم کا کوئی مصداق ہی ہاتھ نہ آئے گا ـــــ تو پھر اس میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ ان "یتٰمی النساء" کے ساتھ جو ناانصافی ہوتی تھی یا جس ناانصافی کا خطرہ ہو سکتا تھا وہ یہ تھی کہ ان سے نکاح تو کیا جائے مگر ان کا مہر مثل اور دوسرے واجبی حقوق ادا نہ کیے جائیں اور پھر اسکے سد باب کیلئے اسکے سوا کیا ہدایت دی جا سکتی تھی کہ اگر نکاح کرنا ہو تو پورا مہر دو اور واجبی حقوق کا خیال رکھو ورنہ اور دوسری عورتوں سے نکاح کرو۔

---

[1] بعض حضرات کا قیاس ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شہید ہو جانے کی وجہ سے چونکہ یتامیٰ کی کثرت ہو گئی تھی اس لیے اس ہدایت کی خاص طور سے ضرورت پیش آئی۔ یہ بات بہت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے [2] بخاری کتاب التفسیر و کتاب النکاح عن عائشہ

بہرحال ان سب امور پر نظر کرنے کے بعد یہ خیال بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان سے ہے[1]۔ اور صحیح ترین مطلب وہی ٹھہرتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ۔۔۔ اب آیت میں کوئی اشارہ تعدد ازدواج کی کسی شرط بجز عدل کے معلوم ہوتی ہے؟ ۔۔۔ پھر یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ خود ساختہ نظریات کو کلام اللہ کی طرف منسوب کیا جائے اور کہا جائے کہ تعدد کی اجازت علی الاطلاق نہیں ہے کہ جذبات ... رجحانوں کی تکمیل و تسکین کے لیے اس کو استعمال کیا جائے، بلکہ بعض خاص صورتوں کے لیے ہی جا... جبکہ خاص اس بارے میں کوئی اشارہ آیت میں نہ پایا جاتا ہو۔

یہ جسارت بہت بڑی اس وقت ... تخیلات اور اس کے نفس کی فطری خواہشات کی تسکین و تکمیل کے لیے ہو کہ یہ اجازت اصل میں اثر الٰہی اس قسم کا موجود ہو۔ شان نزول میں دیکھئے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مگر یہاں تو نکاح کی خواہش اس کے جمال کی وجہ سے ہوتی تھی، آیت میں اسی خواہش کو زنا انصافی کے خطرہ یتیمی وجہ سے دوسری عورتوں کی طرف موڑا جا رہا ہے، اور فرمایا جا رہا ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء (اور عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوں اُن سے نکاح کر لو)

اب ایک اور انداز سے اس استدلال پر غور فرمائیے!

باوجود قطعی طور پر غلط ہونے کے تھوڑی دیر کے لیے مان لیا کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ بیوگان ہی سے ہو اور مطلب یہ ہو کہ اگر بیواؤں کے ساتھ تم ویسے انصاف نہیں کر سکتے تو ان میں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو دو، تین تین چار چار تک سے نکاح کر لو، یا جیسا کہ بعض حضرات نے ایک احتمال یہ بتلایا ہے کہ اگرچہ تعلق تو اس کا یتیموں ہی سے ہے مگر مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یتیموں کے ساتھ تم ویسے انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار تک کو اپنے نکاح میں لے لو جن کے ساتھ وہ بچے ہیں ۔۔۔ بہرحال ان دونوں میں سے کوئی سا بھی مطلب مان لیجئے۔ مگر یہ مدعا پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کہ تعدد ازدواج کی اجازت علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ خاص حالات اور خاص ضروریات کے لیے ہے۔ یہ مدعا جب ثابت ہوگا جب پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ تعدد ازدواج کی اباحت پہلے سے نہیں تھی، اس آیت کے نزول ہی سے اس کی ابتداء

---

[1] علیٰ ہذا آیت کے مطلب میں بعض حضرات کے بیان کردہ اس احتمال کی بھی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ۔۔۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

۔۔۔ کہ اگر تم یتیموں کے ساتھ ویسے پورا انصاف نہیں کر سکتے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جن کے ساتھ وہ یتیم بچے ہیں۔

[illegible] تھی تو ایسے ہی حالات کے لیے تھی — اگر یہ ثابت ہو جائے، تب تو کہا جا سکتا ہو کہ اس کی ہوئی ہو، یا [illegible] مخصوص سماجی [illegible] ابتری کے علاج کے طور پر ہوئی ہو، لہٰذا یہ اباحت ہمیشہ اسی قسم کے حالات سے مشروط رہے گی، مگر اس کا ثبوت [illegible] انا کسی کے بس کی بات نہیں!

اصل یہ ہو کہ اسلام میں تعدد ازدواج کی اباحت و مشروعیت بعض دیگر مباحات کی طرح اس طور پر ہو کہ یہ کام زمانۂ نزولِ وحی میں ہوتا رہا، مگر نہ کتاب اللہ نے [illegible] اس کو منع فرمایا نہ رسول اللہ نے، یہ اباحت کے باب کا ایک عام اصول ہو جس عمل کا لوگوں میں عام رواج ہو [illegible] کسی وقت اس کی ممانعت بھی نہ کی گئی ہو اس کی اجازت دینا تو تحصیل حاصل ہو جو کہ ایک عام عاقل سے بھی بعید [illegible]، چہ جائیکہ ذات حکیم سے، (عربوں کے متعلق معلوم ہو کہ ان میں تعدد ازدواج کا عام رواج تھا اور آج بھی عام [illegible] اہلِ حجاز کا حال یہ ہو کہ وہ ایک بیوی پر قناعت کا تصور مشکل ہی سے کر سکتے ہیں۔) پس فانکحوا الخ کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ صیغہ اجازت ہو ذات حکیم کی طرف ایک فعل عبث کی نسبت ہو۔ اس صیغہ سے ابتداءً اجازت نہیں دی گئی، بلکہ ایک خاص ضرورت کے پیش نظر اس اباحت اصلیہ کا بیان ہوا ہو جو اباحت کے عام اصول کے تحت حاصل تھی، اور وہ ضرورت تھی یتیموں کو یا بصورت تسلیم بیواؤں کو ناانصافی سے بچانے کی، مطلب یہ ہو کہ جب ایک راستہ ایسا موجود ہو جس کے ذریعہ تم ناانصافی سے بچ سکتے ہو تو پھر چاہیے کہ اس کو اختیار کرو — اور وہ راستہ تعدد ازدواج کا راستہ ہو[1] — نہ یہ کہ تمھیں ناانصافی سے بچنے کے لیے تعدد ازدواج کی اجازت دی جاتی ہو۔

اچھا اور آگے چلیے، واقعات سے بالکل آنکھیں بند کر کے مانے لیتے ہیں کہ تعدد ازدواج کی مشروعیت

---

[1] فانکحوا الخ کا یہ مطلب تو جب ہوگا جب کہ آیت کے موخر الذکر دو مطالب میں سے کوئی مطلب اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر وہ مطلب اختیار کیا جائے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہو (اور ہمارے نزدیک وہی سب سے زیادہ راجح ہو) تو تعدد ازدواج کی اجازت کا بیان مذکورۂ بالا ضرورت کے پیش نظر نہ ہوگا (کیونکہ وہاں جو ضرورت ہو اس کے لیے تعدد ازدواج نہیں صرف اتنا کافی ہو کہ یتیمہ کو چھوڑ کر کسی اور عورت سے نکاح کر لیا جائے۔ خواہ ایک ہی سے کیا جائے) بلکہ اس کا خاص مقصد عدد کی تحدید ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ یتیمہ کے علاوہ اور عورتیں بہتیری ہیں۔ جس سے چاہو نکاح کر لو، البتہ ان کی تعداد بیک وقت چار سے زیادہ نہ ہونی چاہیے۔ تحدید پہلی صورت میں بھی نکلے گی۔ مگر فرق یہ ہوگا کہ وہاں ضمناً نکلے گی۔

یہیں سے شروع ہوئی ہو۔ لہٰذا جو شرط یہاں لگائی گئی ہو اسی قسم کی شرط سے یہ ہمیشہ مشروط رہے گی۔ اگر پھر یہ تو فرمائیے کہ پہلی بیوی کی خرابیٔ صحت یا خلقی نقص یا غیر معقولیت کی صورت میں جو آپ دوسرے عقد کی اجازت دیتے ہیں، یہ کس بنیاد پر دیتے ہیں؟ یہ ضرورت تو اس قسم میں داخل نہیں ہوتی جس کے ساتھ اجازت مشروط ہو چکی ہو! اس صورت میں تو آپ کو یہ کہنا چاہیے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے اور پھر دوسری کرے!۔

اچھا اب لیجئے اس استدلال کو جو حدیث سے پیش فرمایا گیا ہو۔

حضرت علیؓ کے ارادۂ نکاح ثانی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برافروختگی کا باعث یہ سمجھا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی صحت مند، دیندار اور صاحب اولاد بیوی (فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا) کی موجودگی میں یہ ارادہ کیا تھا۔ جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ ایسی بیوی کی موجودگی میں کسی مرد مومن کو نکاح ثانی کی سوچنی بھی نہیں چاہیے!۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ان فاضل محترم نے ایک مرتبہ بھی اس روایت کو حدیث کی کسی کتاب میں دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے، صرف اتنا سا جزو کہیں سُن لیا ہو کہ حضرت علیؓ کے ارادہ نکاح ثانی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برافروختہ ہوئے تھے اور پھر اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑا کر اس نتیجہ پر پہونچ گئے۔ ورنہ وہ کبھی ایسی بات کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اس لیے کہ حضور کے الفاظ مبارکہ میں خود اسکی وجہ موجود ہو جو اس سے بالکل مختلف ہو۔

ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ!

إنّ بنی هشام بن المغیرة استأذنونی	بنی ہشام والوں نے اپنی لڑکی کا نکاح
ان ینکحوا ابنتهم علیّ بن ابی طالب	علی ابن ابی طالب کے ساتھ کرنے کی مجھ
فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن	سے اجازت مانگی ہو۔ تو میری اجازت نہیں ہو،
الّا ان یرید ابن ابی طالب ان	نہیں ہو، اور پھر کہتا ہوں کہ نہیں ہو، ہاں
یطلّق ابنتی وینکح ابنتهم فانّما	ایک صورت ہو کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو
هی بضعة منّی یریبنی ما ارابها	طلاق دے دیں پھر ان کی لڑکی سے نکاح
ویؤذینی ما آذاها۔	کرلیں۔ کیونکہ وہ میرے جسم وجان کا ایک

(کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرۃ والانصاف)

ٹکڑا ہو جو چیز اسے ملول کرے وہ مجھے ملول کرتی ہو اور جو چیز اسے اذیت پہونچائے اس سے مجھے اذیت پہونچتی ہے۔

ایک دوسرے طریق کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں۔

وَاِنِّی لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالاً وَلَا اُحِلُّ حَرَاماً وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰہِ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰہِ عِنْدَ رَجُلٍ اَبَداً

(فتح الباری بحوالہ بخاری بذیل حدیث مذکور)

(اور غلط فہمی نہ ہو) میں کسی امر حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال کرنے والا نہیں ہوں، لیکن بخدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ بنت رسول اللہ اور بنت عدو اللہ ایک شخص کے پاس مجتمع ہوں۔

اس کے بعد دیانت کے ساتھ فرمایئے کہ کیا حضور کی ممانعت اور ناگواری کو اس پر محمول کرنے کی کوئی گنجائش کہیں سے نکلتی ہو کہ "اچھی معقول دیندار اور صاحب اولاد بیوی کے ہوتے ہوئے مرد مومن کو نکاح ثانی کی نہیں سوجھنی چاہیے"؟ حضور صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں اپنی ممانعت کی وجہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس سے میری بیٹی کی غیرت کو ٹھیس لگے گی اور اس کے دل کو تکلیف پہونچے گی اور اس کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہونچے گی۔" اور یہاں ارشاد ہو رہا ہو کہ نہیں حضور کسی شخصی جذبہ سے منع فرما ہی نہیں سکتے، آپ کا منع فرمانا تو اس اصول کے ماتحت تھا کہ "ایک اچھی معقول دیندار ...." توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کی ایسی مثال شاید ہی کبھی کسی کی نظر سے گزری ہو۔

کاش کچھ تو ذمہ داری لوگ دینی عنوانات پر خامہ فرسائی اور اللہ و رسول کی ترجمانی کی محسوس کیا کرتے!

بہر حال یہ ہو حقیقت اس دعوے کے دلائل کی، اور ہمارا یہ کہنا غالباً بیجا نہیں ہو کہ یہ تمام تر فرضی باتیں ہیں جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہو!

اب ایک بات رہ جاتی ہو کہ اس پر کلام کیے بغیر اس حدیث کے متعلق گفتگو تشنہ رہ جائے گی۔ وہ اس حدیث سے متعلق یہ اشکال ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے تعدد ازدواج کی اجازت دی ہو تو پھر حضور نے حضرت علیؓ کے نکاح ثانی سے اپنی قلبی تکلیف اور ناگواری کا اظہار کیوں فرمایا! — زیر بحث مضمون نے

جو اقتباس ہم نے دیا ہے اس کو پڑھ کر عام طور پر یہ اشکال پیدا ہوگا، اگر غور و فکر سے کام لینے والوں کے لیے حدیث میں فی الحقیقت کوئی اشکال نہیں ہو۔

یہ اشکال حقیقت میں نتیجہ ہو واقعہ کے اس پہلو کو نظر انداز کر دینے کا کہ حضور نے ایک خاص عورت سے نکاح کرنے سے حضرت علی کو منع فرمایا تھا، نہ کہ مطلقاً کسی بھی دوسری عورت سے۔ اگر حضور کا منع فرمانا علی الاطلاق ہوتا تب بیشک یہ سمجھنے کی گنجائش تھی کہ اس ممانعت کا سبب اپنی بیٹی پر سوکن لائے جانے کے تصور کی وہ تکلیف ہو جو ہر باپ کو ہوتی ہو۔ اور پھر یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ بات تو حضور کے منصب عالی سے مستبعد ہے۔ مگر اطلاق کا کوئی قرینہ حدیث میں نہیں ہو۔ بلکہ صاف صاف تخصیص مفہوم ہوتی ہے۔ اور مزید براں ان الفاظ سے کہ

وانی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ و بنت عدو اللہ عند رجل ابداً یہ بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہو کہ آپ کا منع فرمانا اس تکلیف کی وجہ سے نہیں تھا جو ایک عورت کو اور اس کے باپ کو اس پر سوکن لانے کے تصور سے ہوتی ہو، بلکہ اس وجہ سے تھا کہ حضرت علیؓ ایک ایسی عورت کو حضور کی صاحبزادی پر سوکن بنا کر لانے کا ارادہ فرما رہے تھے جس کا باپ اپنی اسلام دشمنی اور پیغمبر اسلام دشمنی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں میں عدو اللہ کا لقب پا گیا۔ اس کی بیٹی ہزار مسلمان ہو گئیں سہی مگر یہ تو ان کے بھی بس کی بات نہیں تھی کہ اپنا رشتۂ نسب بھی اپنے بدنام باپ سے منقطع کر لیں۔ انھیں مسلمان ہو کر بھی ہمیشہ بنت ابی جہل اور بنت عدو اللہ ہی رہنا تھا۔ پس قدرتی بات تھی کہ ایک ایسے شخص کی لڑکی جب حضرت فاطمہ کے ساتھ جمع کر دی جاتی تو اس کی معیت انھیں وہ سب حرکتیں یاد دلاتی جو اس کے باپ (عدو اللہ) نے ان کے باپ رسول اللہ کے ساتھ کی تھیں اور جن میں سے بہت سیوں کی وہ خود عینی شاہد تھیں۔ پس ان کے دل کو اس اجتماع سے کیا کیا نہ چرکے لگتے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان تکلیف دہ یادوں کے کتنے مواقع پیدا ہوتے اور یہ چیز خود حضرت علی مرتضیٰ کے لیے کس قدر مضر ہوتی۔ اس لیے حضور نے جس طرح وحشی کو اسلام لانے اور صادق الاسلام ہونے کے باوجود اپنے سامنے آنے سے اس لیے منع فرما دیا تھا کہ انھیں دیکھ کر آپ کے دل میں اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کا زخم ہرا ہو جاتا تھا، بس اسی طرح حضرت علیؓ کو اس رشتہ سے منع فرما دیا۔ اور حضور کا جو تعلق اور جو

سلوک حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اس کی بنا پر یقیناً آپ کو حضرت وحشی کے مقابلہ میں حضرت علی پر زیادہ حق تھا اور حقیقت میں اس میں حضرت علیؓ کی سراسر خیر خواہی تھی ــــ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر انھیں اس رشتہ پر اصرار ہو تو وہ میری لڑکی کو طلاق دے دیں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ اسلئے کہ بنت ابی جہل سے رشتہ کرنا بہر حال ان کے لیے حلال ہو اور میں کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا ہوں۔ مگر اس خاص وجہ کی بنا پر میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا کہ میری لڑکی اور ابو جہل کی لڑکی ایک گھر میں جمع ہوں۔

حقیقت میں یہ بات خود حضرت علیؓ کے سوچنے کی تھی۔ انھیں یہ بھی سوچنا تھا کہ اگر اس نئے رشتہ کے بعد ان کا میلان بنت رسول اللہ کے مقابلہ میں بنت عدو اللہ کی طرف زیادہ ہو گیا یا حضرت فاطمہؓ کے ساتھ کوئی ناانصافی یا حق ناشناسی ہوئی تو فی الواقع یہ چیز کتنی بری ہو گی اور نفسیاتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف پہونچے گی۔ اور پھر یہ تکلیف خود ان کے لیے دینی اعتبار سے کتنی مضر ہو گی۔ مگر بعض مواقع ایسے ہو جاتے ہیں کہ آدمی بعض ضروری پہلوؤں کو نہیں سوچتا، یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت پیش آئی۔ مگر جب حضور کے سامنے یہ بات آئی (اور ایک روایت کے مطابق جب حضرت علیؓ نے آپ سے اس کی اجازت چاہی)، تو آپ نے انھیں بعض پہلوؤں کی طرف متوجہ فرمایا۔

یہ بات کہ حضور کے دل کو اگر تکلیف پہونچتی تو وہ حضرت علیؓ کے لیے مضر ہوتی، ایک قرآنی حقیقت ہو۔ قرآن میں کئی مواقع پر ایسے امور سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہو، جو اگرچہ شرعاً ناجائز یا حرام نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کسی طبعی وجہ سے گرانی یا ناگواری ہوتی ہو، مثلاً ایک آدھ بار ایسا ہوا کہ بعض صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پر مدعو کیا تو کھانے سے فارغ ہو کر یہ حضرات کچھ باتوں میں مشغول ہو گئے اس طرح تھوڑی دیر بیٹھے رہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کسی وجہ سے کچھ طبعی انقباض ہوا، لیکن آپ نے ظاہر نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اس سے نبی کو تکلیف پہونچتی ہی، وہ تم پر اس کے اظہار سے شرماتے ہیں۔ مگر یہ ضروری بات ہو اس لیے ہم تم کو بتلاتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ احزاب ع ۷)، اسی طرح ایک آدھ بار ایسا ہوا کہ بعض بدوی آئے اور انھوں نے حضور کے حجروں کے پاس سے حضور کو باہر تشریف لانے کے لیے پکارا (اس سے آپ کے آرام میں یا جس کام میں بھی آپ مشغول تھے خلل پڑا)، اس پر بھی ایک لطیف انداز میں نمائش

کی گئی، فرمایا گیا کہ یہ اگر خاموشی سے بیٹھ کر آپ کے از خود تشریف لانے کا انتظار کرتے تو ان کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ حجرات ع ۱)

اسی طرح کی آیات کی بنا پر علمائے امت کا اس پر اجماع ہو کہ جو چیز بھی حضور کی گرانی طبع یا اذیت خاطر کا باعث بنے، وہ اگرچہ فی الاصل حلال اور مباح ہو مگر اس خصوص میں خسرانِ اُخروی کا باعث ہو جاتی ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۵)

اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

تشریح:۔ خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہو کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اس کے جسم پر بھی ہوتا ہو مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہو اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہو اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو تو وہ بھی اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس کے اثر سے روتا بھی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہو اسی طرح حضرت عباس کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہو کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیات ہمارے قلوب کو بھی نصیب فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا نَخْشَاكَ كَاَنَّا نَرَاكَ اَبَدًا حَتّٰى نَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنَا بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنَا بِمَعْصِيَتِكَ۔

اے اللہ ہمارا حال یہ کر دے کہ تیری خشیت و ہیبت ہم پر ہر دم ایسی طاری رہے کہ گویا ہم تجھ کو اور تیرے جلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ اسی حال میں تیرے حضور میں حاضر ہوں اور ہمارے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا فرما کے ہم کو نیک نصیب بنا اور ایسا نہ ہو کہ تیری نافرمانیاں کرکے ہم بدبخت ہو جائیں۔

سفرِ مصر

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ڈائری کے چند اوراق)

(ترجمہ مولوی محمد رابع صاحب ندوی)

ازہر اور اس کے ملحقہ تاریخی آثار

دوشنبہ ۶/۵/۷۰ھ - ۱۲/۲/۵۱ء

آج بارش کا دن ہے لیکن بارش تیز نہیں ہے اس لئے آنے جانے سے مانع نہیں، ہم دس بجے سے قبل قیام گاہ سے نکلے، یہ وقت استاذ حسن عبدالوہاب (عربی آثار قدیمہ کے چیف انسپکٹر) سے ملاقات کے لئے طے تھا۔ اس میں ہمیں ازہر اور اس کے ملحقہ تاریخی آثار کا معائنہ کرنا ہے۔

ازہر کے کتب خانے میں

ازہر کے دروازے پر ہم سب ملے، ہمارے ساتھ چند احباب بھی تھے، پھر ہم نے ازہر کے کتب خانے کی سیر کی۔ یہ کتب خانہ خدیوی عباس حلمی ثانی کے عہد میں مدرسہ اقبغاویہ میں اور مدرسہ طبرسیہ کے باقی ماندہ حصوں میں جو ازہر ہی سے ملحق تھے قائم ہوا تھا، اس میں مختلف مقامات کی منتشر کتابیں جمع کر دی گئی ہیں۔ کچھ دوسرے کتب خانے بھی شامل کئے گئے، جس میں اہم ترین کتب خانہ سلیمان پاشا اباظہ مرحوم کا تھا۔ استاذ حسن عبدالوہاب اس دوران میں ہماری نظر ان قدیم کتب کی طرف متوجہ کرتے رہے جن کی تاریخِ کتابت چوتھی پانچویں صدی تھی۔ ہم نے قدیم کتبوں اور نادر تحریروں کا بھی معائنہ کیا اور قرآن پاک کے نسخوں اور شاہی پنج سوروں کا بھی، جن سے دنیا کا ہر کتب خانہ مزین ہے۔ ان ذخیروں میں ایک اہم کتاب، ابواسحٰق صابی کی کتاب رسوم دار الخلافۃ بھی دیکھی جو خود مصنف کے نسخہ سے نقل کی گئی تھی اور غالباً اس کتاب کے رکھنے کا شرف صرف کتب خانہ ازہر ہی کو حاصل ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے عباسی حکومت کے اجتماعی اور معاشی حالات پر بہت روشنی پڑے گی۔ استاذ

حسن عبدالوہاب اس کتب خانہ کی سیر کے بیچ بیچ میں اس کی عمارت اور محرابوں اور دالانوں کے طرزِ تعمیر کی طرف متوجہ کرتے اور ان کی تاریخ بتاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ہم ازہر گئے وہاں ہم نے قدیم ازہر کو دیکھا جس کی تعمیر فاطمی حکمراں معز لدین اللہ نے کی تھی اور شہزادہ عبدالرحمٰن نے اس میں توسیع کی۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اور توسیعات ہوتی رہیں۔ استاذ حسن عبدالوہاب اس بڑی جامع مسجد کی تاریخ اور مختلف عہدوں میں جو اضافے اس میں کئے گئے ان کی وضاحت کرتے رہے۔ یہ استاذ عبدالوہاب یہاں کے آثار قدیمہ کے بہت باخبر عالم ہیں ان کی وجہ سے ہماری یہ سیر ایک تاریخی معائنہ بلکہ ایک تاریخی سبق ہوگئی تھی۔

اب ہم مدرسہ منصور قلاؤون کے ارادہ سے ازہر سے نکل کر بازار میں آگئے راستے میں ہمارا گذر منصورہ میں مدرسہ سلطان صالح نجم الدین ایوبی سے بھی ہوا، اس سلطان کے ہاتھوں صلیبیوں نے بڑی شکست کھائی ہے۔ یہ مدرسہ مذاہب اربعہ کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا، ہم نے اس کا خوبصورت مینارہ بھی دیکھا۔ استاذ حسن نے ہم کو بتایا کہ سلاطین کو مسجد میں دفن کرنے کا رواج ایوبی حکومت کے آخر دور میں شروع ہوا، فاطمی عہد میں اس کی تاریخ نہیں ملتی۔ پھر ایوبی دور کے بعد کے سلاطین نے بھی اس رسم کو جاری رکھا۔

مدرسہ منصور قلاؤون میں خان الخلیلی بازار سے گذر کر ہم مدرسہ منصور قلاؤون میں داخل ہوئے۔ یہ ایک زبردست تاریخی خوبصورت عمارت ہے لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ عمارت چودہ ماہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی بلکہ یہ بات اس کے صدر دروازے کی چوکھٹ پر کندہ بھی ہے لیکن استاذ حسن کی بزور رائے ہے کہ یہ سات سال آٹھ ماہ میں تیار ہوئی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس عمارت کی تعمیر کا آغاز بالاتفاق ماہ ربیع الثانی سنہ ۶۸۳ھ میں ہوا اور سلطان منصور کی وفات ۲ ذی قعدہ سنہ ۶۸۹ھ میں ہوئی اور ان کی نعش قلعۃ الجبل لے جائی گئی وہاں وہ یوم پنجشنبہ یکم محرم سنہ ۶۹۰ تک رہی ۲ محرم کو ان کی نعش قلعہ سے اٹھا کر ان کی اس تربت میں رکھی گئی جو انھوں نے مدرسہ منصور میں قاہرہ کے اندر بنوائی تھی۔ اگر عمارت پہلے سے تیار کی جاچکی ہوتی تو یہاں پہلے ہی دفن کر دیا ہوتا۔ یہ عمارت ایک قبہ ایک مدرسہ اور ایک اسپتال پر مشتمل ہے اور دقیق فن تعمیر اور قاہرہ میں اسلامی فن تعمیر کے بہترین آثار قدیمہ سے بھری ہوئی ہے۔ یہ عمارت معز لدین اللہ

روڈ پر دونوں فاطمی محلات کے درمیان واقع ہے۔

بیت الحیمی میں مدرسہ منصوریہ فلاؤ دن سے ہم وہ تاریخی مکان دیکھنے کی غرض سے باہر نکلے جو ترکی عہد کے امراء کے مکانات اور ان لوگوں کے راحت کدوں کی تصویر پیش کرتا ہے جو دولت و مذہب اور علم کے مالک اور اعلیٰ طبقہ کی معاشرت کے عادی تھے، یہ مکان بیت الحیمی کے نام سے مشہور ہے اور اس مکان کی وضع موجودہ گھروں سے زیادہ آرام دہ ہے۔

آج عصر کے بعد میں "المدر و الجوہر فی تاریخ الاسلام" کے اجزاء کی تصحیح میں لگا رہا اور یہ وقت مغرب تک مطبع انصار السنۃ میں گذرا۔

ناظم امور خارجہ یمن سے گفتگو

سہ شنبہ ۷/۵/۷۰ھ - ۱۳/۲/۱۹۵۱ء

آج ہم لوگ ہز ایکسیلنسی قاضی محمد عبداللہ العمری ناظم امور خارجہ یمن سے ملنے کے لئے "قصر الجزیرہ" ہوٹل گئے۔ اوپر کی منزل میں ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ وسعت و زیبائش اور تکلفات کے لحاظ سے کسی دولتمند قوم و حکومت کے نمائندہ کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا کیا جائے کہ سیاست حاضرہ کی وجہ سے شرقی حکومتوں کو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یورپین اسٹائل کو اپنائیں۔ ہز ایکسیلنسی ناظم امور نے ہمارا خیر مقدم علمائے اہل دین جیسے تپاک سے کیا ہم بیٹھے اور گفتگو کرتے رہے۔ میں نے آں موصوف سے یمن کے ساتھ ہندوستان کے تہذیبی و علمی روابط کا ذکر کیا، اس سلسلہ میں علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی (ہندوستانی) کا تذکرہ کیا جو لغت کی ایک ضخیم عربی کتاب "تاج العروس" کے مصنف گذرے ہیں اور یمن میں زیادہ عرصہ مقیم رہنے کی وجہ سے زبیدی کہلانے لگے۔ نیز شیخ حسین بن محسن الانصاری کا تذکرہ کیا جو موجودہ صدی کے اکثر علمائے حدیث کے استاد ہیں، میں نے ان سے کہا کہ یمن کا مجھ پر بھی علمی احسان ہے اس لئے کہ میں شیخ خلیل بن محمد بن حسین یمانی کا شاگرد ہوں۔ میں نے یمن کی سیاحت کی خواہش کا بھی اظہار کیا کیونکہ وہی ایک ایسا عربی ملک ہے جس نے قدیم تمدن اور اگلی معیشت ترک نہیں کی ہے اور اب تک اپنے پرانے طرز پر قائم ہے، برخلاف اس کے دوسرے ممالک نے مغربی تمدن کی نقل میں یکساں اور یک رنگ طرز اختیار کر لیا ہے اس لئے آدمی ان میں کوئی نئی چیز نہیں پاتا اور بعض اوقات اس کے لئے یہی کافی ہوتا ہے کہ ان ممالک میں سے کسی ایک ملک کی سیر کر لے پھر

باقی کو انہی پر قیاس کرے۔ موصوف نے میری اس خواہش کا خیر مقدم کیا۔

یمن دوراہے پر

اُنھوں نے مجھے یمن آنے کی دعوت دی۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ عربی ممالک کے ہاتھوں سے ان کا معاملہ نکل چکا ہے وہ یورپ کے سیلاب کے دھارے میں بہہ رہے ہیں۔ ان کو اختیار تک نہیں رہا ہے لیکن یمن اب تک اختیار اور قابو رکھتا ہے اس کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے میری نیک خواہش ہے کہ وہ عجلت پسندی سے کام نہ لے اور نہ مغربی تمدن سے اخذ و استفادہ میں اور وہاں کے تعلیمی نظاموں اور اسالیب معیشت کے اختیار کرنے میں جذباتی اور عاجلانہ اقدام کرے۔ اور ان چیزوں پر تشنہ دہانوں اور پروانوں کی طرح نہ گرے اس طرح وہ مغربی تمدن سے وہ چیزیں اخذ کر سکے گا جو اس کی معیشت اور مذہب و مزاج اور اس کی دعوت سے ہم آہنگ ہوں گی اور بے منفعت و مضر اشیاً سے محفوظ رہے گا ــــ میں نے عرض کیا کہ یمن اب تک انفرادیت اور عزلت پسندی کی زندگی گذار رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ وہ قافلے سے بچھڑ چکا ہے مجھے خطرہ ہے کہ وہ تیز گامی اختیار کر کے قافلے کو جا لینے کی کوشش کرے اور لغزش ہو جس کے نتیجہ میں وہ راہ سے بھٹک جائے گا اور پھر ایسی خرابی میں پڑ جائے گا جس کا تدارک مشکل اور اس غلطی کی تلافی ناممکن ہوگی۔

ایک اسلامی ملک کی زندگی کے دو سرچشمے

میں نے کہا کہ میرے نزدیک ایک اسلامی ملک کی زندگی کا پہلا سرچشمہ یہ ہے کہ وہاں صحیح اور طاقتور مذہبی احساس پیدا کیا جائے۔ اس مقصد میں کامیابی عمومی دعوت و اصلاح کی کوششوں اور قوم سے براہ راست تعلق قائم کرنے اور اس کی مذہبی تربیت کرنے اور قوم کے مختلف طبقات میں شعور پیدا کرنے سے ہو سکے گی اور زندگی کا دوسرا سرچشمہ وہ صحیح نظام تعلیم اور وہ علم ہے جو ایک طرف تو وحی و علم نبوی سے رشتہ و اتصال رکھتا ہو کہ جہاں نہ غلطی کا امکان اور نہ اس میں کسی بھی رستہ سے باطل کا گذر ہے جو کہ ہر زمانے کے علم اور ہر زندگی اور ہر صالح تمدن کی اساس ہے اور دوسری طرف وہ سائنس اور عصری معلومات، تجربات، اور ان انکشافات سے بھی پورا فائدہ اٹھاتا ہو جن کو مغرب نے حاصل کیا اور ان کی وجہ سے اس نے مشرق پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یمن ان دونوں طاقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے گا اور پھر مجھے امید ہے کہ

یمن کا مقام اس مقام سے جدا ہو سکے گا جو دوسرے عربی ممالک کا ہے اور جہاں پر پہنچ کر وہ نہ اسلامی ہی باقی رہ سکے اور نہ مغربی ہی بن سکے۔ ان سے میں نے یہ بات اختصاراً اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کہی، ناظم امور صاحب نے تائید بھی کی اور بات دلجمعی سے سنی مجھے ان میں ذکاوت واقفیت، سرعت فہم اور وسعت فکر نظر آئی۔ انھوں نے مجھے ایک انگریزی کتاب بھی دی جس میں یمن کے حالات اس کے مناظر، عمارتیں اور شاہی خاندان کی تصویریں بھی تھیں، گفتگو کے درمیان میں یمن کے نمائندے سید علی المؤید اور یمن کے کچھ دوسرے حضرات بھی پہنچ گئے۔ وزیر موصوف نے ہم سب کا آپس میں تعارف کرایا۔ میں نے کہا "انا کم اہل الیمن" ——— ناظم امور صاحب صنعاء کا سفر کرنے والے ہیں۔ اگلے ماہ واپس آئیں گے۔ فعلیٰ برکتہ اللہ۔

شامی طلبہ کے سامنے ایک تقریر

سید یٰسین الشریف نے بعد عشا چند منتخب شامی اور فلسطینی طلبہ کو شامی رواق کے ایک کمرہ میں اکٹھا کیا ہم بھی پہنچے، ہم کو یہ محسوس ہونے نہ پایا کہ آیا ہم ہندوستان کی کسی عصری یونیورسٹی یا کسی کالج کے طلبہ کے سامنے ہیں یا کہیں اور، استاذ محمد الکنجی صدر "طلبۃ البعوث الاسلامیہ فی الازہر" نے خیر مقدمی اور تعارفی کلمات کہے، پھر میں نے بات شروع کی۔ موضوع تھا کہ مذہبی علوم کے طالب علموں کے فرائض ان کی اہلیتیں اور اوصاف کیا ہیں۔

میں نے ازہر کے طلبہ کی نظر شعبۂ باطن اور تربیت قلب کی طرف ملتفت کرائی اور مذہب عبادت میں بلند ہمتی رکھنے، مذہبی فرائض کا خیال رکھنے اور نوافل و قیام لیل کا اہتمام چہ جائیکہ فرائض اور حاضری جماعت کا اہتمام رکھنے کی طرف متوجہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر ہم ان شخصیتوں اور ممتاز افراد کے سوانح کا تتبع کریں جنھوں نے اس دین کی خدمت یا اسلامی معاشرے میں کوئی تجدیدی کام کیا یا اس میں کوئی انقلاب پیدا کیا ہے تو ہمیشہ ہم کو یہی نظر آئے گا کہ یہ لوگ عام اہل دین سے گرمی قلب، شدت جذبات، کثرت عبادت اور مداومت ذکر میں خاصا امتیاز اور تفوق رکھتے تھے اور یہی بھی یہی بات کہ اگر انسان کا قلب ایمان ویقین سے پُر، اس کی روح بیدار اور اس کی مذہبی شخصیت طاقتور نہ ہو تو وہ دوسرے شخص پر کیا اثر ڈال سکتا ہے اور معاشرے میں کیا گرمی کیا روح اور زندگی اور کیا دینی نشاط پیدا کر سکتا ہے؟ لیکن ہم افسوس

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

ہندوستان میں مسلمان

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عربی ریڈیائی تقریر)

(مترجمہ سید محمد حسنی)

مشرق وسطیٰ کے سفر میں ہر مجلس اور ہر محفل میں مجھ سے ایک سوال بار بار کیا جاتا رہا وہ سوال یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا تعداد ہے؟ میں جواب دیتا چار کروڑ، لوگ مجھے حیرت سے تکنے لگتے اور بعض وقت بول اٹھتے چار کروڑ؟ تعجب کی بات ہے! اگر مہمان پر ان کا اعتماد نہ ہوتا اور جواب میں سنجیدگی ملحوظ نہ ہوتی تو وہ شاید میری بات کا فوراً انکار کر دیتے یا کم از کم شک میں ضرور پڑ جاتے۔ ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اتنے بڑے پیمانہ پر انتقال آبادی اور ہجرت کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد کے بعد ہندوستان میں دس لاکھ مسلمان بھی موجود ہوں گے نہ کہ پورے چار کروڑ، واقعہ یہ ہے کہ ان کی اس حیرت پر حیرت کرنے کا موقع نہیں تھا۔

یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے کہیں بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ یہ غیر متوقع بات سائل اور مسئول دونوں کو یکساں طریقہ پر پیش آتی رہی، سوال کرنے والے کو یہ حیرت کہ ہندوستان میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں اور جواب دینے والے کو یہ حیرت کہ وہ اس حقیقت پر اتنے متعجب کیوں ہیں

اس کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق اور بھی دوسرے غیر متوقع سوالات سامنے آتے لوگ اتنا جانتے تھے کہ ہندوستان میں مسلمان ایک بڑی تعداد میں ہیں (اگرچہ ان کی گمان کردہ تعداد بہت قلیل تھی) وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی اتنے بڑے ملک میں کوئی پوزیشن نہیں ہے۔ ان کی نہ کوئی خاص تہذیب ہے نہ کلچر، نہ ان کے پاس ادب ولٹریچر ہے نہ علمی وتحقیقی ادارے اور نہ علم وادب کے میدان میں ان کا کوئی حصہ ہے، وہ بھیڑوں کے گلہ کی طرح وہاں بستے ہیں، ان کی مثال

اس قوم سے دی جا سکتی ہے، جو زندگی برقرار رکھنے والے تمام عناصر سے تہی دامن ہو چکی ہے اور علم و ادب، دین و اجتماع، عالی ہمتی اور بلند نظری اور ہر اس چیز سے دست بردار ہو چکی ہے جو کسی قوم کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے۔

بعض لوگ یہ پوچھتے کہ کیا ہندوستان میں مسجدیں ہیں، کیا وہاں دینی مدارس ہیں کیا وہاں علماء ہیں، کیا وہاں کوئی شخص اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہے، کیا وہاں کوئی عربی جانتا ہے؟ اور ایسے ہی بہت سے سوالات جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بارہ میں ہمارے عرب بھائیوں کے معلومات بہت سطحی اور ناقص ہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف بہت غبار اڑایا گیا اور بہت غلط پروپگنڈہ کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کی بھی شہادت ملتی کہ ہندستانی علماء نے اس عظیم ملک اور اس عظیم اسلامی قوم کے تعارف میں بہت کوتاہی اور غفلت سے کام لیا ہے جس نے اسلامی اور علمی تاریخ میں بہت اہم رول ادا کیا ہے اور اسلامی کتب خانہ میں گراں قدر اور عظیم الشان اضافے کئے اور اس کو ایسے نادر اور قیمتی تحفے عطا کئے، جن پر عربی کتب خانہ اپنی وسعت کے باوجود بجا طور پر ناز کر سکتا ہے اور بہت سے ایسے علوم میں انفرادیت اور کمال حاصل کیا اور صدیوں ان کی حفاظت کی جن میں ہندوستان کی فضیلت اور برتری مسلم ہے مثلاً علم حدیث، فقہ، اصول فقہ سیرت نبوی، علم کلام، اور موجودہ زمانہ میں اسلامی نظام کی شرح و تفسیر۔

ہندوستان نے ایسے مایہ ناز فرزند پیدا کئے، جن کے علم و فضل کی شہادت خود علماء عرب نے دی، ان کی تالیفات اور کتابوں سے نقل و اقتباس، شرح و تحقیق ہر طرح کا پورا فائدہ اٹھایا اور ان کو سند کا درجہ دیا، مثلاً امام صغانی لاہوری صاحب العباب الزاخر، سید مرتضی بلگرامی (دفین مصر) صاحب تاج العروس و تکملۃ القاموس شیخ احمد سرہندی صاحب مکتوبات، اور شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب حجۃ اللہ البالغہ، اس کے علاوہ اور دوسری کتابیں جن سے ممالک عربیہ نے استفادہ کیا اور ان کی قدر و قیمت کا فراخ دلی سے اعتراف کیا مثلاً تبصیر الرحمان و تیسیر المنان از شیخ علی المہائمی کنز العمال از شیخ علی المتقی کشاف اصطلاحات الفنون از شیخ محمد علی تھانوی۔

فتاویٰ ہندیہ آج تک شرعی قانون کے حلقوں اور فقہ حنفی اور افتاء سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بہت معتبر اور قابل قدر ذخیرہ ہے۔

ہندوستان نے ایسے علما پیدا کیے جو اپنی ذہانت و طباعی، خداداد فکر، جدت آفرینی اور تنوع پسندی میں اپنی مثال آپ تھے اور دوسری جگہ ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ مثلاً شیخ محمود جون پوری سید غلام علی آزاد بلگرامی، شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ رفیع الدین، شاہ اسماعیل بن عبدالغنی دہلوی۔ ملا نظام الدین لکھنوی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم، مولانا محمد قاسم نانوتوی۔

کثرت تصانیف اور علمی و قلمی خدمت کے اعتبار سے دیکھیے تو نواب سید صدیق حسن خاں، مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے درخشاں ستارے نظر آئیں گے۔

ہندوستان نے ایسے بادشاہ پیدا کیے جو اپنے حسن سیاست تنظیمی صلاحیت اور عادلانہ قوانین میں منفرد اور یکتائے روزگار تھے، مثلاً شیر شاہ سوری، اورنگ زیب عالمگیر، عدل و صلاح میں دیکھیے تو ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن جیسے بادشاہ نظر آئیں گے، علم دوستی اور علما نوازی میں دیکھیے تو اسکندر بن بہلول لودھی اور سلطان ابراہیم شرقی جیسے بادشاہ سامنے آئیں گے، علمی و اخلاقی کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے دیکھیے تو بادشاہوں میں سلطان مظفر حلیم گجراتی، سلطان محمود گجراتی اور وزیروں میں عبدالعزیز آصف خاں، محمود گاواں، عبدالرحیم خانخاناں جیسی جامع کمالات ہستیاں نظر آئیں گی جن میں ہر ایک اپنی جگہ ایک دبستان علم اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔

آج بھی ہندوستان ایک ایسی مسلم قوم سے آباد ہے جو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہے اپنی علمی سطح اور اپنی شخصیتوں کے لئے ممتاز ہے، بیدار ذہن اور تمام دماغی اور فکری صلاحیتوں سے مالا مال ہے، اس کا عزم ہے کہ وہ اپنے اسی وطن میں رہے گی جس کی اس نے ہزار سال تک خدمت کی ہے اور علم و تہذیب دین و اجتماع کی روشنی عطا کی ہے اور اس کے معماروں میں سے ہے۔

یہ ایک بڑی ناانصافی ہے کہ یہ عظیم ملک اپنے ماضی اور حال، اپنی شخصیتوں اور اپنے کارناموں کے باوجود اپنے غیر ملکی دوستوں کے لئے اب تک پردہ راز میں رہے لیکن اس کی ذمہ داری سب سے پہلے یہاں کے باشندوں پر عائد ہوتی ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنے ملک کے تعارف اور اہل عرب کے سامنے ان خصوصیات کی نمائندگی اور تشریح میں جن میں یہ ملک ممتاز ہے، بڑی کوتاہی اور تقصیر سے کام لیا، انھوں نے صرف اپنے ہی سے کام رکھا اور دنیا سے الگ تھلگ سے ہوگئے۔

لیکن اس موقع پر جب میں اہل ہند کی اس حق تلفی اور ناانصافی کا ذکر کروں گا جو انھوں نے

اپنے وطن کے ساتھ کی ہے، میں ہندوستان کے اس عظیم مورخ کی روح سے معذرت کروں گا جس نے اہل عرب کے لئے ہندوستانی تاریخ پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ چھوڑا ہے اور تن تنہا وہ کام انجام دیا ہے جس کو یورپ کی اکیڈیمیاں اپنے پورے وسائل اور ساز و سامان کے بعد انجام دیتی ہیں یہ مولانا حکیم سید عبدالحی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی شخصیت ہے جنھوں نے ہندوستان کی نامور شخصیتوں کے سوانح پر ایک ضخیم کتاب نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر کے نام سے تیار کی جو آٹھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے اور پانچ ہزار تذکروں پر مشتمل ہے، ہندوستان کی علمی و تعلیمی تاریخ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عوارف المعارف ہے اور ہندوستان کے جغرافیہ اور تاریخی آثار پر جنۃ المشرق تالیف کی، حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف اپنا حق ادا کیا بلکہ کام کو بہت آگے بڑھا دیا۔

مجھے خیال ہو رہا ہے کہ میں نے اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ کچھ ناانصافی کی ہے جن کو اپنے مقامی حالات کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا ہے۔ اس لئے کہ میں نے ایک معقول تعداد میں ایسے لوگوں کو بھی پایا جو ہندوستان کے حالات سے واقف ہیں، اور بعض علوم بالخصوص علم حدیث میں اس کی برتری کے معترف ہیں۔

میں نے ہر عربی ملک میں ہندوستان کے مطالعہ کا شوق، ہندوستانی مسلمانوں سے دلچسپی مذہب اور اسلامی کلچر کے رشتہ سے ان سے ایک خاص تعلق محسوس کیا اور یہ اس وجہ سے کہ مسلمانان ہند کی اسلامی حمیت، علوم عربیہ و دینیہ پر اصرار اور وطن کا جذبۂ اتحاد پہلے بھی اور آج بھی بہت مشہور رہے۔

یہی سب باتیں مجھے اکساتی رہیں کہ میں مشرق وسطیٰ میں بسنے والے بھائیوں کو ہندوستان کی کہانی سناؤں۔ اس مجلس میں علمی، دینی و اجتماعی زندگی کے کچھ شعبے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسری مجلس میں یہ دکھایا جائے گا کہ مسلمانوں نے یہاں آکر ہندوستان کے خزانہ میں کس دولت کا اضافہ کیا اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا اصلاحات اور تبدیلیاں کیں۔ تیسری مجلس میں یہ بتایا جائے گا کہ اسلامی علوم میں مسلمانوں نے کیا کام کیا، اس ورثہ میں کیا اضافے کئے اور اس کو کتنی ترقی دی اور ان میں کیسے کیسے مصنف اور عالم پیدا ہوئے، چوتھی مجلس مسلمانوں کی موجودہ علمی و دینی سرگرمیوں اور اس کے مراکز کے لئے وقف ہوگی۔

اچھا اب رخصت!

تعارف و تبصرہ

حدیث اور قرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، ناشر مکتبۂ چراغ راہ. کراچی
صفحات ۱۵۱، کتابت طباعت و کاغذ بہتر، قیمت ۱۲/

ہندوستان میں مکتبۂ الحسنات رام پور سے مل سکتی ہے.

یہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب کے ان پانچ مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے جو مولانا نے منکرین حدیث کے رد میں سنہ ۳۵-۱۹۳۴ء میں ترجمان القرآن میں لکھے تھے، پہلا مضمون "اتباع و اطاعت رسول" ہے دوسرا "رسالت اور اس کے احکام" تیسرا "حدیث اور قرآن" چوتھا "حدیث کے متعلق چند سوالات" اور پانچواں "قرآن اور سنت رسول" کے عنوان سے ہے ــــ پاکستان میں منکرین حدیث کی روز افزوں فتنہ سامانیوں کے پیش نظر مکتبۂ چراغ راہ نے ان مضامین کو ایک کتابچہ کی شکل میں یکجا کر دیا ہے اور قیمت فی الواقع نہایت واجبی ہے۔ اہل پاکستان اس سے کافی فائدہ اٹھا سکتے ہیں. اگرچہ اب فتنہ اس سے بہت بڑھ گیا ہے جتنا ان مضامین کی پہلی اشاعت کے وقت تھا۔

اس مجموعہ کے مضامین، جیسا کہ عرض کیا گیا اگرچہ بیس سال پیشتر کے شائع شدہ ہیں مگر اس تبصرہ کی تقریب سے غالباً بے محل نہ ہوگا، اگر احادیث کے رد و قبول کے سلسلہ میں مولانا کے اس مسلک کے متعلق کچھ عرض کیا جائے جو مقالہ بعنوان "حدیث اور قرآن" سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں

"ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہیے ...... برعکس اسکے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیث رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک گرانبار ذمہ داری ہے جسکو اٹھانے کی جرأت کافی تحقیق کے بغیر ہرگز نہ کرنی چاہیے۔" ص ۱۲۶

حدیث کی جانچ پڑتال اور تحقیق کے دوسرے ذرائع کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح ہم درایت سے بھی کام لیں گے، جیسے ایک جج مقدمات میں درایت سے کام لیتا ہے۔"

چند سطروں کے بعد اس لفظ درایت کی تشریح یوں فرماتے ہیں

"کثرت مطالعہ و ممارست (یعنی حدیث و قرآن کی ممارست) سے انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہو جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شناس ہو جاتا ہے اور اسلام کی صحیح روح اس کے دل و دماغ میں بس جاتی ہو، پھر وہ ایک حدیث کو دیکھ کر اول نظر میں سمجھ لیتا ہو کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما سکتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کا عمل ایسا ہو سکتا تھا یا نہیں؟" (صفحہ ۱۱۳-۱۱۲)

صفحہ ۱۲۶ کی عبارت منقولہ کے متعلق سوال یہ ہو کہ کیا واقعی جو اصحاب تحقیق و اجتہاد کے اہل ہوں انھیں کوئی حدیث بغیر اس کی صحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کی مکمل ذاتی تحقیق کے لکھنی یا بیان کرنی نہیں چاہیے؟ کیا اس پر خود مولانا کا بھی عمل ہو؟ اور کیا امت میں جو ہزاروں علماء، محدثین کے بعد ایسے گزرے ہیں جو یقیناً تحقیق کے اہل تھے، انھوں نے اس اصول کی پابندی فرمائی ہو؟۔

ہم تو نہیں سمجھتے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہو! اور اگر ہو سکتا بھی ہو تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا کام تو یقیناً نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مولانا ہی نے اب تک اپنے تمام مضامین اور تمام تصانیف میں جتنی حدیثیں درج فرمائی ہیں اگر مولانا پہلے ان سب کی مکمل تحقیق کے اصول کی پابندی فرماتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ مولانا اتنا وسیع لٹریچر تیار کر سکتے؟ ہمارے خیال میں تو مولانا کی ساری عمر اسی میں صرف ہو جاتی اور بہت تھوڑا لکھ سکتے!

——— اسی طرح اسلاف محققین کے متعلق قیاس فرمائیے کہ جتنا ذخیرہ علوم وہ تیار فرما گئے ہیں کیا اس کا عشر عشیر بھی تیار ہو سکتا تھا؟ اگر وہ لکھنے سے پہلے ہر حدیث کی ذاتی تحقیق کے پیچھے پڑ جاتے!

اس لیے یہ مسلک غیر عملی ہی نہیں، بلکہ تحقیق احادیث کے علاوہ علماء کی تمام دینی خدمات خصوصاً

دعوت و تبلیغ اور احیاءِ دین کی کوششوں کو بریک لگانے والا ہو اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ محدثین پر پورا اعتماد کیا جائے، الّا یہ کہ کسی خاص حدیث پر کوئی خلجان ہو تب بیشک اس کی تحقیق ضروری ہے۔

دوسری بات جو عرض کرنی ہو وہ درایت کی تشریح سے متعلق ہو۔

درایت بیشک احادیث کی جانچ پڑتال کے سلسلہ میں ایک مسلمہ ذریعہ ہو، مگر اس کی وہ تشریح جو مولانا فرما رہے ہیں اس کو مان لینا تو گویا انکار حدیث کا دروازہ اپنے ہاتھ سے کھول دینا ہے ـــــ ہم یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ یہ انکار حدیث ہو بلکہ ہمارا کہنا یہ ہو کہ اس اصول کو مان کر فتنۂ انکار حدیث کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے بیشک اگر کوئی انسان مزاج شناس رسول ہو جائے تو وہ اندازہ کر سکتا ہو کہ حضورؐ ایسا فرما سکتے یا ایسا عمل کر سکتے تھے یا نہیں! مگر کسی کا خود کو مزاج شناس رسول سمجھ لینا یہ بھی تو بڑی ذمہ داری کی بات ہو، یہ ایک دو دھاری تلوار ہو کہ اگر حقیقت نہ ہوئی مغالطہ ہوا تو آدمی کو ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہو۔ اس لیے خیریت اسی میں ہو کہ آدمی اس دو دھاری تلوار کا استعمال نہ کرے۔ لیکن اگر کسی کو اصرار ہی ہو تو وہ اپنی حد تک استعمال کر لے اس کا نفع و ضرر اسی تک محدود رہے گا۔ مگر اس کو ایک اصول بنا کر پیش کرنا یہ تو انکار حدیث کا دروازہ کھولنا ہے ـــــ خواہ نیت ہرگز یہ نہ ہو! ـــــ اس لیے کہ اس کی کوئی ظاہری علامت تو ہو نہیں سکتی کہ کون مزاج شناس رسول ہو اور کون نہیں۔ مدار صرف قرآن و حدیث کی مہارت اور کثرت مطالعہ پر ہوگا، لیکن یہ ایک بے حد مبہم اور اضافی چیز ہے۔ کس قدر مطالعہ اور کس قدر مہارت اس درجہ پر پہونچنے کے لیے ضروری ہو اس کا کوئی تعین نہیں کر سکتا، اور نہ یہ ضروری ہے کہ صحیح تعین کے بعد دوسرے لوگ اس کو مان بھی لیں۔ ہر شخص آزاد ہوگا کہ وہ جس قدر مطالعہ و مہارت پر چاہے کثرت کا اطلاق کرے اور اسے مزاج شناس رسول ہونے کے لیے کافی سمجھے۔ پھر غور فرمائیے کہ اس دورِ فتن میں کتنے "مزاج شناس رسول" پیدا ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھوں (معاذ اللہ) حدیث رسول کی کیا گت بنے گی! اور پھر جیسا کہ یقین ہو جب بہت سی حدیثیں ان کی مزاج شناسی کی بھینٹ چڑھ جائیں گی تو پھر کیا وہ برق و پرویز سے پیچھے رہ جائیں گے؟ برق و پرویز بھی تو خود کو اپنے وجدان کے حوالہ کرنے کے بعد ہی انکار حدیث کے درجے پر پہونچے ہیں۔ ایسے جہلا کا وجدان جب بہت سی حدیثوں کے غلط ہونے کا فتویٰ دے دیتا ہو تو پھر ان کے بس کی بات نہیں رہتی کہ حجیتِ حدیث کے قائل رہیں۔

اس لیے ہماری گذارش ہو کہ مولانا کتاب کے ان مقامات پر نظرِ ثانی فرمائیں۔

علیگڈھ میگزین (علی گڈھ نمبر)

مرتبہ مسٹر نسیم قریشی۔ ضخامت تقریباً ۵ سو صفحات قیمت صہ
دفتر علی گڈھ میگزین۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

علی گڈھ میگزین کا یہ شمارہ خصوصی اپنے اندر تحریک علی گڈھ کے تمام پہلو، اس کی تمام خصوصیات اور ہندوستان پر اس کے تمام اثرات لے کر منظر عام پر آیا ہے۔ اس کا مکمل تعارف اور اس پر مفصل تبصرہ بڑا وقت اور صفحات کی بڑی گنجائش چاہتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا کما حقہ تعارف کرانا یا اس پر تبصرہ کرنا دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کرنا ہے جو بجائے خود ایک بڑا ریاض ہو اس لیے ہم اس کی کوشش نہیں کریں گے۔ صرف اتنا بتلانے پر اکتفا کریں گے کہ ہندوستان کے مشاہیر اہلِ قلم اور اربابِ نقد و نظر نے اس بزم میں شرکت کی ہو اور ان سب کی کوششوں نے اسے تحریک علی گڈھ کا بہترین آئینہ بنا دیا ہے۔

مضامین سب اچھے اور کام کے ہیں مگر بعض خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ مثلاً پروفیسر ڈاکٹر سید عبداللہ کا مضمون "سرسید کا اثر اردو ادبیات پر" ڈاکٹر محمد اشرف کا مضمون "علی گڈھ کی سیاسی زندگی" اور پروفیسر احتشام حسین کا مضمون "علی گڈھ تحریک کے اساسی پہلو" نمبر مجموعی حیثیت سے تحقیقی اور تنقیدی ہو، مگر بعض مضامین "سرسید کا نیا مذہبی طرز فکر" جیسے بھی شامل ہیں جو حقیقت پسندی سے زیادہ خوش عقیدگی کے آئینہ دار ہیں۔ صالحہ عابد حسین صاحبہ کے مضمون میں کئی جگہ (صواب کو) ثواب لکھا ہوا ملا جو باعث حیرت ہو۔ غالباً جناب مرتب بھی نمبر کی غیر معمولی ضخامت کے باعث ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے — بہر حال وہ اور ان کے رفقاء اس نمبر کی ترتیب و اشاعت پر ہر طرح مستحق تہنیت ہیں۔

بنگال میں اردو

از جناب وفا راشدی۔ مکتبۂ اشاعت اردو ۲۴۴/۲ جیل روڈ حیدر آباد (سندھ)، صفحات ۲۹۶ کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر۔ مجلد قیمت صہ،

مصنف نے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہو کہ یہ کتاب بنگال میں اردو زبان و ادب کی ابتداء سے لے کر سنہ ۱۹۵۴ء تک کی مکمل تاریخ ہو۔ اور بقول جناب ماہر القادری آپ اس کو بنگال کے اردو شاعروں اور ادیبوں کی "ڈائرکٹری" سمجھئے بہر حال جو بھی کچھ سمجھئے اردو زبان کی خدمت کے

نقطۂ نظر سے یہ کتاب قابلِ قدر ہے۔ اور اس حیثیت سے اور بھی قابلِ قدر ہو کہ دفاراشدی نیگالی ہیں یقیناً یہ کتاب اردو سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت ہو۔ اور محبین اردو سے قدر کی طالب ہے، ہندوستان میں بھی پاکستان میں بھی۔

مناجات مقبول کریمی مناجات مقبول مؤلفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک نیا ایڈیشن، بہت سے جدید اضافات کے ساتھ۔ مرتبہ جناب مولانا محمد سراج الحق صاحب مچھلی شہری۔ جسے مکتبہ جامی داخوانہ، الہ آباد نے شائع کیا ہو۔ قیمت عہ

اصل کتاب اس قدر مشہور و معروف ہو کہ تعارف کی حاجت نہیں اور تجربہ نے جتنا نافع ثابت کر دیا ہو تبصرہ کی اس کے بعد گنجائش نہیں، اضافاتِ جدیدہ کے متعلق ممکن تھا کچھ عرض کیا جاتا، مگر مشکل یہ ہو کہ اوراق کٹے ہوئے نہیں۔ تبصرہ نگار کے پاس اتنا وقت کہاں کہ وہ اوراق کاٹنے بیٹھے۔ امید یہی ہو کہ انشاء اللہ یہ اضافات بھی مفید ہی ہوں گے۔

کاروانِ حجاز از جناب ماہر القادری مدیر فاران، ناشر مکتبۂ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ملا صفحات ۲۷۲، قیمت چار روپے۔ ہندوستان میں: مکتبہ تجلی دیوبند سے مل سکتی ہو۔

جو لوگ ماہر القادری سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ کیسی کیسی وادیوں میں سرگشتہ رہ چکے ہیں۔ مگر خدا کی چشم عنایت ملتفت ہو جائے تو کایا پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ چنانچہ پلٹی اور ایسی پلٹی کہ وہ چند ہی سال کی جادہ پیمائی کے بعد "منزلِ دوست" سے جا لگے ـــ یہ کتاب اسی "منزلِ دوست" کی پرشوق جادہ پیمائی کی داستان اور تاثرات و مشاہداتِ راہ و منزل کا بیان ہو۔ خدا انھیں حج و زیارت کی تمام برکتوں سے مالامال کرے۔ اور ان کی اس داستانِ شوق کو دوسروں کی تشویق کا باعث بنائے!

ماہر القادری اور کچھ ہونے سے پہلے شاعر ہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہو کہ شاعر راہ شوق میں نکلے اور اس کی شاعری شوق کو نغمہ بنا کر نہ بکھیر دے؛ چنانچہ کتاب میں آپ کو جگہ جگہ پرشوق نغمے بھی بکھرے ہوئے ملیں گے۔

ماہر صاحب میں دینی غیرت اور بدعات سے نفرت بھی قابلِ رشک حد تک ہو، اور یہ ان کی نئی نئی "دینداری" کا نتیجہ ہو جو عموماً پرجوش ہوتی ہو۔ چنانچہ کئی جگہ پر ان کی اس طبیعت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

— بس خدا کرے وہ اس معاملہ میں اعتدال سے نہ بڑھ جائیں اور ان لوگوں کے ہم مذاق نہ ہو جائیں جو اپنے ذوق کے خلاف ہر غیر منصوص چیز کو بدعت قرار دے دیتے ہیں۔

ابتدائی اوراق میں، ماہر صاحب نے اپنے ہم سفر تبلیغی جماعت کے ایک صالح نوجوان کا ذکر کیا ہے کہ اُس نے ایک بار اپنی تبلیغی تقریر میں کہا کہ

"ہم دنیا نہیں چاہتے، مال و زر نہیں چاہتے، حکومت نہیں چاہتے"

پھر لکھا ہے کہ میں نے اُسے سمجھایا کہ یہ بات غلط ہے اور اُس نے مان لیا۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا بات غلط تھی؟ مولانا علی میاں کی جس تحریر کا حوالہ دے کر انھوں نے اس نوجوان کو قائل کیا وہ بات بالکل دوسری ہے۔ اور اس کے ہم بھی پورے شرح صدر کے ساتھ قائل ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم بھی اور (یقین ہے کہ) خود مولانا علی میاں بھی اس نوجوان کے کہے ہوئے الفاظ کو اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک اور تعلیم کتاب و سنت کے عین مطابق سمجھتے ہیں۔ "دنیا چاہنا، مال و زر چاہنا، اور حکومت چاہنا" اور بات ہے اور "اقامت دین کے لیے اسلامی حکومت کی جدوجہد کرنا" اور بات ہے۔ تعجب ہے کہ ماہر صاحب نے اہلِ زبان ہوتے ہوئے اتنے موٹے فرق کو نظر انداز کر دیا! اور وہ غریب نوجوان بھی کوئی بہت ہی بھولا یا تبلیغی جماعت کے اس اصول کا کہ بحث میں نہ پڑا جائے مطلب یہ سمجھنے والا تھا کہ اپنی صحیح بات سے بھی رجوع کر لیا جائے! ورنہ اسے ماہر صاحب کی اصلاح ہرگز نہ قبول کرنی چاہیے تھی — اقتدار اور حکومت کی گفتگو میں ماہر صاحب کے احساس کی یہ نزاکت جماعت اسلامی سے قرب یا تعلق کا نتیجہ ہے اور یہ قابلِ اصلاح ہے۔ ادھر ہمیں ان کی سلامت طبع اور اخلاص سے امید ہے کہ وہ اس کی اصلاح کریں گے۔

(بقیہ صفحہ ۱۶ نگاہ اولین) قرآن اور تعلیم حدیث و سنت ہونے کا ایک نہیں درجنوں ثبوت آپ کو قرآن میں، حدیث میں اور سیرت رسول و سیرت خلفاء و اصحاب میں مل سکتے ہیں!

ابتک ہم سمجھتے تھے اور کچھ ایسا ہی ہم نے جماعت کے لٹریچر میں کہیں کہیں کبھی دیکھا تھا کہ ان حضرات کو اختلاف نفسِ تصوف اور اس کے مقصود ثمرات سے نہیں بلکہ اختلاف جو کچھ ہے وہ اس کے مخصوص قالب سے ہو جس پر ان کے خیال میں بہت سے غلط ثمرات بھی، تصوف کے صحیح اور مطلوبہ ثمرات کے ساتھ مرتب ہونے لگے ہیں، مگر جماعت کے ان نئے جابکدست ترجمانوں کے ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو موقف بدل دیا گیا، یا ——— غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ———

اگر ترجمان ؔ کی زبان میں کہا جائے ——— تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اختلاف ترقی کر کے رفتہ رفتہ بیر کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور اب بیر ہے ہر اس چیز سے جو صوفیا میں پائی جاتی ہو اور جو تصوف پیدا کرتا ہو، خواہ وہ "زہد فی الدنیا" جیسی کتاب و سنت کی روشن تعلیم ہی کیوں نہو! ——— اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ "میلش اندر طعنۂ پاکان" اب اِن حضرات کا طرہ امتیاز ہوتا جا رہا ہے۔

کیا واقعی جماعت اسلامی اپنا سابقہ موقف چھوڑ چکی ہے؟ ——— اگر چھوڑ چکی ہو! ——— اور جماعت کے سرکاری ترجمان میں ان مضامین کی اشاعت اور پھر اس اشاعت پر جماعت کے اعلیٰ اور ادنیٰ تمام حلقوں میں مکمل خاموشی سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ——— تو ہم بس اتنا ہی کہیں گے کہ

جماعت اسلامی کے دوستو! اس سے صوفیا کا کچھ نہیں بگڑتا۔ غزالی اور مجدد الف ثانی کا کچھ نہیں بگڑتا، شاہ ولی اللہ اور سید احمد شہید کا کچھ نہیں بگڑتا ——— تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ! ———

لیکن یاد رکھیئے کہ آپ جس "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نعرے لگاتے ہیں اُس کے تو بروئے کار آنے کا تصور بھی اُس زہد کے بغیر نہیں کیا جا سکتا جس

کو آپ اپنی ناواقفی سے صوفیوں کا جرم قرار دے رہے ہیں ۔ اسلام کے دور اوّل میں خلافت راشدہ کا قیام بھی اُس زھد ھی کا اعجاز تھا جو ابوبکر و عمر اور عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ورثہ میں ملا تھا! ـــــ اور بعد میں پھر اس کو دوبارہ وھی زندہ کر سکا جس نے ان کا زھد اپنایا ـــــ یعنی عمر بن عبد العزیزؒ ـــــ اور اب بھی اس نمونہ خلافت کی کوئی جھلک اس دنیا میں وھی لوگ لوٹا کر لا سکتے ھیں جو اس دولت فقر کے امین ھوں ۔ لیکن اس کے بغیر اھم پورے یقین کے ساتھ کہتے ھیں کہ یہ نعرے محض مذاق اور بس الفاظ فروشی ھے ـــــ اور مستقبل انشاء اللہ اس کی شہادت ادا کرنے والا ھے ۔

جسارت و بیباکی خیر یہاں تک تو فاضل مضمون نگار نے امام غزالی کی عبارتوں پر تنقید کے سلسلہ میں جیسی غیر ذمہ داری اور بے احتیاطی کا ثبوت دیا ہے وہ دیا ہی ہے ، اور وہ بھی کچھ کم تکلیف دہ نہیں ، مگر تنقید کے حدود سے قدم بڑھا کر امام غزالی اور ان جیسے دوسرے ائمہ و مجددین کی شان میں جس بیباکی کا انھوں نے اظہار فرمایا ہے وہ اس شبہ کی کافی تائید کرتا ہے جس کا احساس بعض حضرات ایک عرصہ سے کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کی دعوت کے ، اگر سب نہیں ، تو بعض علمبردار اپنی دعوت کی قبولیت اور امت میں اس کے اثر و نفوذ کے آڑے آنے والی چیزوں میں اس عقیدت و وابستگی کو بھی شمار کرتے ہیں جو امت کے دیندار طبقہ کو ان اکابر کے ساتھ ہے اور اس لیے وہ اس کو بھی ختم کرنے کی موقع بموقع کوشش کرتے رہتے ہیں ۔

ہمیں اس شبہ کی صحت پر تو اصرار نہیں اسلئے کہ یہ نیت کا معاملہ ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ آخر اس مضمون کی زیر بحث عبارت کے اس آخری حصہ کا کیا مقصد ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے کہ "یہ تقویٰ نہیں اظہار کمزوری ہے الخ" ؟ اور پھر اس میں ان بزرگوں کو شیطان کے مقابلہ سے فراری ثابت کرنے کی کوشش میں کونسی کسر باقی رہ گئی تھی جسے نعیم صدیقی کا شعر ان حضرات پر چسپاں کرکے پورا کیا گیا ہے ؟ اور اسکے بعد یہ جملہ کہ

"پس یہ جھوٹا تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے"؟

کیا ان باتوں کا مقصد اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ لکھنے والا قاری کے ذہن کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ یہ لوگ جن کے تقویٰ و تقدس اور جن کی عزیمت و عظمت کے تم افسانے سنا کرتے ہو (اور ان سے مرعوب ہو کر ہمارے پیش کردہ تصور دین کے متعلق یہ کہتے ہو کہ اگر یہی صحیح تصور ہے تو ایسے ایسے جلیل القدر حضرات کے یہاں یہ کیوں نہیں ملتا) نہایت بودے اور خالی قل اعوذئے تھے جنھوں نے جھوٹے تقوے کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، ان سے کہاں فریب کھائے جاتے ہو۔ آؤ ان شخصیتوں کے حجابات نظر سے اٹھاؤ پھر تمھیں وہی دکھنے لگے گا جو ہم دیکھتے ہیں۔

اور یہ کون کہہ رہا ہے؟ ——— ایک ایسا شخص جسے اتنی بھی تمیز نہیں کہ زہد اور تقویٰ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں! ایسا شخص حقیقت تقویٰ پر کلام کرے، ایسا شخص غزالی جیسے پیکر علم و فضل اور اس پایہ کے دیگر اکابر امت کے منہ آئے، ان کی دستار فضیلت پر دست جسارت بڑھائے! اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کہاں سے اس میں یہ پندار آیا؟ کہاں سے اس کو یہ حوصلہ ملا؟ اور کہاں سے اس کو اس جسارت کی شہ ملی؟

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف!
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہم نے جماعت اسلامی کے معاملہ میں باوجود اختلاف کے ہمیشہ احتیاط برتی اور اپنے اس احساس کو دبائے رکھا کہ اسکی "تعمیر" میں "ایک صورت خرابی" کی بھی مضمر ہے۔ اور ہمارا یہ رویہ کسی خوف سے نہیں بلکہ بعض دینی مصالح کے پیش نظر تھا۔ بلکہ بعض معاملات میں جن میں ہم اس سے متفق تھے اپنی حد تک اسے امداد پہونچانے کی بھی کوشش کی جس پر ہماری تحریریں گواہ ہیں اور جماعت اسلامی کے حلقوں کا ردعمل گواہ ہے ——— اور یہ کوئی احسان نہیں، ہم نے فرض سمجھ کر ایسا کیا ——— مگر اس مضمون کو جماعت اسلامی ہند کے ارگن میں پڑھکر ہمیں اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنا پڑی اور ہم ہفتوں غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ اب اپنے اس احساس کو دبائے رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہی دین جس کی بعض مصالح کا تقاضہ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ اس احساس کو دبائے رکھا جائے اب اسی کی بعض دوسری اہم مصالح کا تقاضہ ہے کہ اس احساس کو ظاہر کر دیا جائے!

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حلقہ جماعت اسلامی کے ایسے بے علم اشخاص میں یہ پندار، یہ حوصلہ اور یہ جسارت پیدا کرنے کا سہرا اکابر جماعت اسلامی کے سر ہے ——— اور یہی وہ ایک خرابی کی صورت ہے جو اس کی تعمیر میں مضمر ہے۔

صورت یہ ہے کہ جماعت اسلامی میں آنیوالا ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو "دین کی قتل گاہوں" میں پرورش پار ہا تھا یا کبھی پا چکا تھا۔ ان میں کچھ تو وہ تھے جن پر ان قتل گاہوں کی فضا کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ ان کا ایمان تک دم توڑ چکا تھا یا دم توڑ رہا تھا، اور کچھ وہ تھے جن پر اس قسم کا اثر تو نہیں ہوا تھا البتہ جیسا کہ کم سے کم ہونا ضروری تھا، وہ دین اور اسکے متعلقات سے نابلد رہ گیے تھے۔ پھر وہ کشیدگی اور وہ تنافر جو دینی اور غیر دینی تعلیمی اداروں میں پایا جاتا ہے اس نے مزید یہ کام کیا تھا کہ اس طبقہ کو رجال دین سے متنفر کر دیا تھا اور اسکی اکثریت کا حال یہ ہو گیا تھا کہ کوئی وہ طنز اور استہزار جو وہ اوروں کے ساتھ کر سکتی تھی، رجال دین کے ساتھ کرنے میں مطلق باک نہیں رکھتی تھی۔ اس طبقہ میں مولانا مودودی کی ابتدائی تحریریں پہونچیں جن میں دو باتیں تھیں۔ ایک تو انھوں نے دین کو اس انداز میں پیش کیا تھا جو اس طبقہ کے لیے بڑا اپیلنگ تھا۔ دوسرے ان تحریروں میں اُس قدیم طبقہ پر ——— جس سے اس جدید طبقہ کی دیرینہ چشمک تھی ——— طنز کا عنصر کافی تھا ——— خواہ اس کا منشا کتنا ہی معصوم رہا ہو! مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ عنصر تھا اور کافی تھا ——— چنانچہ اس طبقہ کا ذہن دین کے معاملہ میں تو بدلا مگر رجال دین کے معاملہ میں جوں کا توں رہا، بلکہ اسے ایک اور تائید مل گئی۔ یہ طبقہ متاثر ہوتا رہا، یہاں تک کہ مودودی صاحب نے تصور دین کی تطہیر و تکمیل کے سلسلہ میں سابقہ رجال دین و ائمہ امت کی "غلطیوں" پر تنقید اور ان کی "کمزوریوں" کی نشاندہی شروع کی۔ یہ طبقہ جو پہلے سے ان اکابر سے ناواقف اور دین میں ان کی اہمیت سے نابلد تھا اس نے اس قسم کے مضامین سے مجموعی طور پر ایک اثر تو یہ قبول کیا کہ دین کے معاملہ میں، ان گزرے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کی کوئی خاص احتیاج نہیں ہے بلکہ ان پر اعتماد کرنا چنداں مفید بھی نہیں ——— کہ پتہ نہیں کہاں کہاں غلطی کر گیے ہوں۔ دوسرا اثر اس نے یہ قبول کیا کہ وہ متاثر تو پہلے ہی سے تھا اب وہ مودودی صاحب سے اتنا مرعوب بھی ہو گیا کہ ان کے پیش کیے ہوئے بنیادی تصور دین ہی کو اس نے معیار حق بنا لیا، یعنی دین کے معاملہ میں جو کوئی بات دین کے اس بنیادی تصور سے میل کھائے وہ حق ہے اور جو بات اس سے ٹکراتی نظر آئے، وہ بے دھڑک

ﮦ۱ مستثنیات سے انکار نہیں ہے۔

نہ پیدا کریں وہ پیغمبروں کی امانت کے امین ہیں۔ اگر انھوں نے میل جول کیا تو انھوں نے اس امانت میں خیانت کی۔ اور ان سے پھر دور رہنا چاہیئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہؓ سے فرمایا کہ سلاطین سے بچو کیوں کہ ان کی دنیا میں سے تم کو کوئی چیز ایسی نہیں مل سکتی کہ اس کے بدلہ میں تمھارے دین کا اس سے زیادہ حصہ نہ رخصت ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ دوزخ میں ایک وادی ہے جس میں سوائے اُن علماء کے اور کوئی نہیں جائے گا جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں ——— حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ سلاطین و امراء سے علماء کی دوستی ان کے نفاق کی دلیل ہے۔ اور اہل ثروت سے دوستی ان کی ریاکاری کی دلیل ہے ——— حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آدمی بعض اوقات اچھا خاصا دین لے کر سلطان کے پاس جاتا ہے اور بے دین واپس آتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا ایسے کہ اُس چیز سے ان کی رضا جوئی کرتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہوتی ہے ——— فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر ایک عالم سلطان سے قریب ہوتا ہے اللہ تعالے سے اسی قدر دور ہو جاتا ہے۔ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ علماء جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں مسلمانوں کے حق میں، ان کا ضرر جواریوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور محمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی نجاست پر بیٹھنے والی مکھی سلطان کی ڈیوڑھی پر جانے والے عالم سے بہتر ہے۔

اس مسئلہ میں اس سختی کا سبب یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کے پاس جاتا ہے وہ اپنے کردار کی جانب سے یا گفتار کی جانب سے یا خاموشی کی جانب سے یا اعتقاد کی جانب سے گناہ کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ از روئے کردار جس معصیت کا خطرہ ہو وہ یہ ہے کہ عموماً سلاطین کے مکانات و محلات مغصوبہ ہوتے ہیں اور مغصوبہ مکان میں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ اور اگر وہ صحرا، یا دشت میں خیمہ زن ہوں تو غالب یہ ہے کہ ان کا خیمہ اور فرش فروش از قبیل حرام ہوں۔ پس ایسے خیمہ میں جانا اور ایسے فرش پر پاؤں رکھنا یہ بھی معصیت ہے۔ اور اگر بالفرض بے فرش و خیمہ کے ارض مباح پر قیام پذیر ہوں تو اگر تعظیم دی یا کوئی خدمت کی تو یہ ظالم کے سامنے تواضع اور نیازمندی ہوگی اور یہ بھی معصیت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کسی نے کسی امیر کے سامنے بوجہ امارت و ثروت تواضع اور نیازمندی کا اظہار کیا اس کے دین کا ایک حصہ جاتا رہتا ہے، اگرچہ وہ امیر ظالم نہ ہو۔ پس سلام کے علاوہ اور کچھ جائز نہیں ہے۔ رہا ہاتھ کو بوسہ دینا یا کمر دوہری کرنا اور سر جھکانا یہ صرف سلطان عادل

کے لیے یا عالم کے لیے یا کسی ایسے شخص کے لیے جائز ہے جو بوجہ دین کے مستحق تواضع ہو۔ اور بعض بزرگوں نے اس سے بھی زیادہ سختی سے کام لیا ہے کہ ظالموں کے سلام کا بھی جواب نہیں دیا اور ظلم وجور کی وجہ سے ان کو جواب سلام کا مستحق بھی نہیں سمجھا۔

اور گفتار کی معصیت کی صورتیں یہ ہیں کہ اس کو (سلطان کو) دعا دے۔ مثلاً کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ یہ اس لیے معصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کو درازی عمر کی دعا دیتا ہو وہ گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ خدا کا نافرمان اس زمین پر ہمیشہ رہے۔ پس کوئی دعا جائز نہیں سوائے اس کے کہ یوں کہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں بھلا بنائے، نیکیوں کی توفیق دے اور اپنی اطاعت گزاری میں تمھاری عمر دراز کرے۔ دعا کے بعد عموماً یہ ہوتا ہے کہ اپنے اشتیاق کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس طرح کے الفاظ کہے جاتے ہیں کہ "خدمت عالی میں حاضری کے لیے ہمیشہ مشتاق رہتا ہوں" سو اگر یہ حقیقت نہیں تو یہ بے ضرورت کذب بیانی اور نفاق ہوگا۔ اور اگر حقیقت ہے یعنی وہ واقعی مشتاق رہتا ہے تو جو دل ظالموں کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے وہ نور اسلام سے خالی ہوتا ہے۔ دل میں نور اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں سے اسی طرح نفرت ہو جس طرح اپنی نافرمانی کرنے والے سے ہوتی ہے ——— پھر جب اظہار اشتیاق سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے عدل وانصاف وغیرہ کی قصیدہ خوانی شروع کر دیتا ہے اور یہ جھوٹ اور نفاق سے خالی نہیں ہوتا۔ اور کم از کم اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے جس سے "اعلیٰحضرت" کا دل خوش ہو جائے۔ اور کسی ظالم کے دل کو خوش کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور جب اس سے بھی فراغت ہو جاتی ہے تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ "اعلیٰحضرت" اپنی گفتگو میں کوئی امر محال بھی بیان کرتے ہیں تو اس پر بھی سر ہلا کر تصدیق کی جاتی ہے ——— اور یہ سب معصیت ہے۔

اور معصیت خاموشی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جانے والا شخص اس کے محل میں حریر و دیبا کا فرش بچھا ہوا دیکھتا ہے۔ دیوار پر تصاویر لٹکی دیکھتا ہے۔ اور سلطان کو ریشمی جامہ میں ملبوس اور سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے پیالے وغیرہ استعمال کرتے دیکھتا ہے، اس کی زبان سے فحش اور جھوٹ سنتا ہے اور خاموش رہتا ہو۔ حالانکہ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان پر نکیر اور احتساب واجب ہے اور خاموشی روا نہیں۔ ہاں اگر نکیر کرنے میں کوئی خوف وخطر محسوس کرتا ہو تو اس میں معذور ہوگا۔

مگر وہاں بے ضرورت جانے میں معذور نہیں ہو سکتا کہ ایسی جگہ بے ضرورت جانا روا نہیں ہے جہاں معصیت دیکھے اور اس پر نکیر نہ کر سکے۔

اور دل و اعتقاد کی معصیت یہ ہے کہ اس (سلطان ظالم) سے محبت کرے اور اس کے سامنے تواضع اور نیاز مندی کو پسند کرے۔ اس کے نعمہائے دنیوی پر نظر کرے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی رغبت اپنے دل میں پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے فرمایا تھا کہ اے مہاجرین اہل دنیا کے پاس مت آیا جایا کرو کہ (ان کی دنیا کو دیکھ کر) تمھیں اپنی وہ روزی ناپسند ہونے لگے جو اللہ تعالیٰ تم کو دیتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کے مال پر نظر مت ڈالو کہ ان کی دنیا کی چمک دمک تمھارے دل سے حلاوت ایمانی کو زائل کر دے گی۔"

(کیمیائے سعادت ص۱۵۶-۵۷)

بلا شبہ سچ فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اور اسی وجہ سے علماء حق یا تو اپنے عہد کے سلاطین سے ملتے ہی نہ تھے یا اگر ملتے تھے تو ان کی اصلاح کے لیے اور کلمۂ حق کہنے کے لیے!

کیا اس کی روشنی میں وہ حضرات اپنے موقف پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے جو نہ صرف یہ کہ دور بیٹھے بیٹھے اس زمانہ کے مسلم حکمرانوں کی تنزیہہ و تعدیل کرتے رہتے ہیں اور ان کے فسق و فجور پر نکیر کرنے والی دینی جماعتوں کو ہر طرح مجروح اور مطعون کرتے رہتے ہیں بلکہ ان ظالم و فاسق حکمرانوں سے ملاقات کے لیے ہمہ تن اشتیاق بھی رہتے ہیں۔ اور ان کے یہاں باریابی کو اپنے لیے باعث عزت افزائی سمجھتے ہیں۔ اور ملاقات میں کمال نیاز مندی و تذلل کا اظہار کرتے ہیں۔

کاش یہ حضرات سوچ سکتے کہ ان کی اس روش سے مقام علماء و علم دین کی کیسی تذلیل ہوتی ہے۔ اور اسلام اور مصالح اسلامیہ کو کس درجہ نقصان پہونچتا ہے!

علماء حق کا شیوہ کیا تھا اور علم دین کی غیرت کا تقاضہ کیا ہے؟ آیئے آج آپ کو ایک صاحب عزیمت عالم ربانی اور ایک مرد خود آگاہ کا قصہ سنائیں کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

آپ میں سے بہت سوں نے یہ قصہ خود الفرقان کے صفحات میں اس سے پہلے پڑھا ہوگا۔ مگر اس ماہ ماہنامہ "صبح صادق" کے تازہ نمبر میں پھر سامنے آیا تو ہم نے ایک بار نہیں بار بار پڑھا۔ اس میں جو حلاوت ایمانی ہے اس کے سامنے قند مکرر کا لطف بھی ہیچ ہے اس لیے ہم آپ کو بھی ایک بار پھر اس ذائقہ میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہے کہ

خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوئے ہیں۔ ہر مجلس مجلسِ عشرت وطرب، ہر محفل محفلِ لطف ومسرت، ہر جا نغمہ عیش ونشاط، ہر سمت منظر فرحت وانبساط، کہیں علماء وزہاد کا مجمع کہیں نامی گرامی شعراء کا اجتماع، انعام واکرام کی بارش ہو رہی ہے، خزانۂ شاہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اعزاز ومناصب کی تقسیم ہو رہی ہے لیکن حضرت سفیان ثوریؒ جن سے خلیفہ کو دلی عقیدت ہو اس جشن مسرت میں شریک نہیں ہیں! ہارون الرشید کو اس پر حیرت ہے۔ وہ آپ کو خط لکھتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے ہارون الرشید امیر المومنین کی جانب سے اپنے دینی بھائی سفیان سعید الثوری کی طرف۔ میرے بھائی آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے مجھ کو بھی محض اللہ کے واسطے آپ سے محبت اور قلبی تعلق ہے۔ اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو اپنی محبت واخلاص کے باعث خود حاضر خدمت ہوتا۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس موقع پر مجھے اس منصب جلیل کی مبارک باد نہ دی ہو۔ میں نے خزانوں کے دروازے کھول دیے ہیں گرانقدر عطیات اور عظیم الشان بخششوں کی وجہ سے میری آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہو رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود آپ اب تک میرے پاس تشریف نہیں لائے۔ میں نہایت شوق کی وجہ سے عریضہ خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں۔ اے ابو عبد اللہ! آپ کو مومن کی زیارت اور اسکی ملاقات کے فضائل بخوبی معلوم ہیں لہذا یہ خط دیکھتے ہی تشریف لائیے اور عجلت فرمائیے۔"

ہارون رشید نے عباد طالقانی کو یہ خط دیا اور حکم دیا کہ یہ خط حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں لے جائیں، عباد کہتے ہیں کہ میں خط لیکر کوفہ پہونچا اور حضرت موصوف کی خدمت میں اس کو پیش کیا حضرت سفیان ثوری نے خط اہل مجلس کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے

ہاتھ ایسی چیز میں لگاؤں جس میں ظالموں کا ہاتھ لگا ہو۔ حضرت کے حکم سے بعض اہل مجلس نے خط پڑھنا شروع کیا۔ پورا خط سننے کے بعد حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا کہ اسی خط کی پشت پر ظالم کو جواب دے دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد اللہ خلیفہ کا معاملہ ہے۔ اگر جواب اچھے اور صاف خط میں دیا جائے تو اچھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو یہ خط اگر کسبِ حلال سے ہے تو ہارون الرشید کو اس کا عوض ملے گا ورنہ وہ اسی کے ساتھ ڈال دیا جائے گا میرے یہاں کوئی ایسی چیز نہ رہے جس کو ظالم نے چھوا ہو کہ مبادا وہ ہمارے دین کو خراب کرے۔ عرض کیا گیا کہ جواب میں کیا لکھا جائے فرمایا کہ لکھو:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے سفیان کی جانب سے ہارون الرشید کی طرف جو امیدوں اور آرزوؤں کے فریب میں مبتلا ہے، جس کی ایمانی حلاوت سلب کرلی گئی ہے، جو تلاوت قرآن کی لذت سے محروم ہے۔ میں تم کو صاف لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کا رشتہ توڑ دیا میرے اور تمھارے تعلقات ختم ہو گئے تم نے میرے نام جو خط بھیجا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تم بیجا مصارف کر رہے ہو گویا تم یہ لکھ کر خود اپنے اس فعل پر شاہد ہو گئے۔ جن کے سامنے تمھارا خط پڑھا گیا ہے اور ہم لوگ کل اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں اس کی شہادت دیں گے۔ اے ہارون تم نے مسلمانوں کے مال پر حملہ کر رکھا ہے۔ کیا تمھارے اس فعل سے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافرین راضی ہیں؟ کیا تمھارا یہ فعل اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ کیا بیوہ عورتیں اور یتیم بچے اس سے خوش ہیں؟ کیا تمھاری رعایا کو اس سے مسرت ہے؟ اے ہارون اپنے ہاتھ کو روکو، کل اللہ کے یہاں جواب دہی کے لیے تیار رہو۔ یقین کر لو کہ تم کو ایک عادل اور حکیم کے دربار میں کھڑا ہونا ہے۔ اپنے معاملہ میں اللہ سے ڈرو دیکھو کہ ایمان و زہد کی صورت تم سے سلب کرلی گئی ہو تلاوت قرآن کی لذت اور صلحاء کی ہمنشینی کے شرف سے تم محروم ہو گئے ہو، اور تم نے اپنے لیے ظالموں کا سرگروہ بننا پسند کر لیا ہے۔ اے ہارون تم تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے حریر و دیبا کے استعمال میں معروف ہو اور تم نے دروازہ پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ ظالم سپاہ تمھارے قصر کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ یہ لوگوں پر ظلم کرتی ہے اس کا انصاف نہیں ہوتا۔ دوسروں پر شراب کی حد جاری کرتے ہیں اور خود شراب خور ہیں۔ زانی کو سزا دیتے ہیں، مگر

خود زانی ہیں۔ چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں لیکن خود چور ہیں۔ قاتل کو سزائے موت کا حکم سناتے ہیں لیکن خود قتل کرنے میں بیباک ہیں۔ کیا یہ احکام تم پر اور تمھاری سپاہ پر ضروری نہیں ہیں قبل اس کے کہ وہ دوسروں پر جاری کیے جائیں؟

اے ہارون اس دن تمھارا کیا حشر ہوگا جب پکارنے والا پکارے گا کہ ظالمین اور ان کے اعوان و انصار کو جمع کرو پھر تم مع اپنی پوری جماعت کے بارگاہ ایزدی میں حاضر کیے جاؤ اور تم ان سب کے امام ہوگے، اے ہارون میری نصیحت پر عمل کرو، اپنی رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اس پر غور کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے بارے میں کیا حال تھا، اے ہارون جس طرح خلافت تم کو ملی ہے اسی طرح تم سے کسی دوسرے کو ملے گی دنیا کا یہی رنگ ہے، پس کچھ لوگ تو وہ ہیں جو (اس سلسلہ میں) اپنے لیے نفع آخرت کا سامان مہیا کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی دنیا و آخرت دونوں تباہ ہیں۔ اب تم آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا اس لیے کہ میں جواب نہیں دوں گا۔"

خلیفہ ہارون الرشید کیا بادشاہ تھا جس کے ساتھ ایک عالم ربانی نے یہ معاملہ کیا جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ بس اتنا سن لیں کہ

(جب قاصد یہ جواب لے کر اس کے پاس پہونچا تو)

اس نے خط پڑھنا شروع کیا اور آنسو اس کے چہرے پر جاری تھے۔ بعض مصاحبین نے عرض کیا کہ امیر المومنین سفیان نے آپ کے مقابلہ میں بڑی بیباکی سے کام لیا ہے انھیں پابزنجیر قیدخانہ میں ڈال دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا اے بندگان دنیا سفیان کو ان کے حال پر چھوڑ دو بیشک وہ شخص بدبخت ہے جس کے تم ہمنشین ہو، یقیناً سفیان ایک مرد متقی ہے، عباد کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اس روز سے معمول کر لیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد اس خط کو پڑھتا اور خوب روتا۔

(بقیہ ص ۳۹)

انھوں نے بہت سے ہندوستانی پھلوں میں پیوند لگایا اور ان کو پہلے سے کہیں زیادہ لطیف اور لذیذ بنا دیا خاص طور پر آم پہلے صرف اس کی تخمی قسمیں ہی تھیں۔ انھوں نے اس میں قلم لگا کر ایک نئی قسم ایجاد کی جس کو قلمی کہتے ہیں۔ بعد میں اس میں اور ترقی ہوئی اور اس کے انواع و اقسام میں بہت اضافہ ہوا جو شاید کھجور کی قسموں سے بھی آگے بڑھ جائے۔

مسلمانوں کے دور کا فن تعمیر ہندوستان میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہندوستان فخر کے ساتھ دوسرے ممالک کے سامنے مقابلہ کے طور پر پیش کر سکتا ہے تاج محل آج بھی فن تعمیر کی ایک زندہ نشانی اور مسلمانوں کے تابناک عہد کی بولتی ہوئی یادگار ہے اور اس بات کی شہادت ہے کہ مسلمان جمالیاتی ذوق، نازک خیالی، لطافت حس اور فنی مہارت کے کس درجہ پر فائز تھے۔

قصہ مختصر! ہندوستان نے مسلمانوں سے جو فائدہ حاصل کیا وہ اس فائدے سے کہیں زیادہ اور قیمتی ہے جو مسلمانوں کو ہندوستان سے پہونچا اس ملک میں ان کی آمد حقیقت میں اس کی تاریخ اور اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز تھی اور ہندوستان کی ایک بہت بڑی فتح!

تعارف و تبصرہ

داعی امن از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ، دہلی ناشر مجلس سیرت بمبئی ۸۰ - ۱۲ زکریا مسجد اسٹریٹ بمبئی ۳ - ۱۶ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔

مولانا عبد السلام صاحب قدوائی جو چند سال پیشتر ادارۂ تعلیمات اسلام لکھنؤ کے روح رواں تھے اور اب جامعہ ملیہ کے اسٹاف میں ناظم دینیات کی حیثیت سے منسلک ہیں، اپنے شگفتہ اور سلجھے ہوئے طرز تحریر کے لئے معروف ہیں۔ یہ مختصر مقالہ انہیں کے قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے شر و فساد سے بھری ہوئی دنیا کو کس طریقہ سے امن کی راہ پر ڈالا۔ اور کس طرح آپ کی تعلیمات نے امن کی حقیقی بنیادیں فراہم کیں۔

اپنے موضوع پر نہایت چست اور مؤثر رسالہ ہے۔ چاہیئے کہ کوئی بھی پڑھا لکھا انسان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔

نماز سمجھ کر پڑھیئے از جناب ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب حسنی۔ ناشر۔ سید محمد صاحب حسنی ۳۷، گوئن روڈ لکھنؤ۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۳/

اس میں نماز میں پڑھی جانے والی تمام چیزوں (بجز تعوذ) اور عمومی طور پر پڑھی جانے والی چند سورتوں کا ترجمہ ایک خاص طریقہ سے سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ عربی نہ جاننے والے نمازی بھی نماز سمجھ کر پڑھ سکیں ــــ طریقہ یہ ہے کہ مثلاً بسم اللہ کا ترجمہ بتلانا ہے تو پہلے مفردات کے معنی بتلائے گئے ہیں۔ (مکررات کو حذف کر کے) اور پھر پوری بسم اللہ کا ترجمہ دیدیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جناب مؤلف کی توقع کے مطابق یہ چیز نفع بخش رہے گی۔

دوسرا رخ:۔

(۱) ترجمہ میں کئی جگہ نظر ثانی کی گنجائش ہے اور بعض جگہ ضرورت مثلاً لیبوداعمالھم

کا ترجمہ اگر "تاکہ دکھلائے جائیں انکے اعمال" کے بجائے "تاکہ دکھائے جائیں انکو ان کے اعمال" کیا جائے تو مفہوم کچھ زیادہ ہی واضح ہو جائے گا بعد الفاظ کی مطابقت بھی پوری ہو جائے گی ——— ضرورت کی مثال۔ سورۂ ماعون میں لَا یَحُضُّ کا ترجمہ ہے۔ اس کا ترجمہ "نہیں رغبت دیتا ہے" کے بجائے نہیں ترغیب دیتا ہے یا نہیں رغبت دلاتا ہے" ہونا چاہیئے۔

(۲) نماز سمجھ کر پڑھنے کے لئے صرف ترجمہ کا جان لینا کافی نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ قریش کا ترجمہ جان کر بھی آدمی اس کا مطلب مشکل ہی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ترجمہ کے بعد مختصر الفاظ میں مطلب بھی سمجھا دیا جائے۔

معلم القرآن از مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی۔ ناشر: مکتبہ ترجمہ قرآن۔ بہرائچ۔ یو۔پی صفحات ۱۲۸۔ قیمت عہ

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب چند سال سے "قرآن (سمجھکر) پڑھو اور پڑھاؤ" کی ایک مفید تحریک چلا رہے ہیں۔ اس کے لئے انھوں نے ایک نصاب بھی تیار کر دیا ہے۔ جو کافی مقبول ہو رہا ہے۔ یہ کتاب اس نصاب کے معلمین کے لئے ہدایت نامہ کے طور پر تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ اس نصاب کے مطابق کہیں تعلیم دے رہے ہوں ان کو ضرور اس سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

دین کی باتیں مولانا عبد الرحمٰن بن یوسف الافریقی مدرس دار الحدیث۔ مدینہ منورہ کے رسالہ "جواب الافریقی" کا ترجمہ۔ از ابن کامل باجوری۔ ناشر: شاہی کتب خانہ بجنور۔ یو۔پی۔ ملنے کا پتہ۔ مالا بار بکڈپو۔ فران سیس روڈ۔ کوزکوڈ (ملیبار) صفحات ۱۰۴۔ قیمت درج نہیں ہے۔

اس میں سترہ، مختلف فقہی، کلامی اور بعض دوسری نوعیت کے مسائل کے جوابات شرح وبسط کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ان سترہ میں سے چند مسائل یہ ہیں۔ میلاد۔ معراج (جسدی یا روحانی) ولادت مسیح، رفع مسیح، دعا بعد نماز، مصافحہ بعد نماز، قنوت فی غیر الوتر، اور مسئلہ تقلید وغیرہ۔ مصنف سلفی المسلک ہیں۔ جوابات بھی انھوں نے اسی مسلک کی رو سے دیئے ہیں۔

ابن ھو عبد اللہ الحدیث (ص۲۹) میں اجیں کا ترجمہ "اونچے درجہ کا" کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں پر اجیں کے معنی "ہاں" کے ہیں۔ یعنی ہاں (میں یہ کہتا ہوں کہ) وہ (مسیحؑ) اللہ کے بندے ہیں۔

رد الاشتباہات از جناب ابن حیات صاحب سلیم قصوری۔ ناشر ادارۂ اشاعت الاسلام لائلپور۔ صفحات ۱۶ قیمت درج نہیں۔ غالباً مفت تقسیم کی غرض سے ہو۔

لائلپور (پنجاب پاکستان) میں بریلوی حضرات نے حسب عادت "فتاویٰ رشیدیہ" (از حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض فتاوے عوام کے سامنے غلط صورت میں پیش کرکے انھیں جماعت دیوبند کے خلاف بھڑکانا شروع کیا تھا۔ مصنف نے ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا مؤلفہ مولانا عبد الباطن صاحب جونپوری۔ ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد۔ دہلی ۶ صفحات ۷۶ قیمت ۱۲؍

اس میں متعصب غیر مسلموں کے اس الزام کو کہ "اسلام تلوار سے پھیلا ہے" بہت سے انصاف پسند غیر مسلموں کی شہادتیں اس کے برعکس پیش کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ نہ تو عملاً ایسا ہوا ہے اور نہ اسلام کی تعلیمات میں اس کی گنجائش ہے۔

تعارف القرآن از جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم اے۔ استاذ عربی و فارسی۔ یونیورسٹی الہ آباد صفحات ۱۲۸ قیمت ۱۲؍ مصنف کے علاوہ مندرجہ ذیل پتوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۱) کتابستان۔ الہ آباد۔ (۲) منیجر اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد۔

مصنف نے سیوطیؒ کی الاتقان کے طرز پر، اردو خواں طلباء قرآن کے لئے، رہنما قرآن کے طور پر یہ مختصر کتاب تیار کی ہے مشتملات کے چند عنوانات یہ ہیں۔

قرآن و اسماء قرآن۔ تاریخ نزول قرآن۔ وحی و الہام کا فرق۔ ربط اور شان نزول۔ حروف مقطعات، آیات محکمات و متشابہات۔ ترتیب آیات و سور۔ ناسخ و منسوخ۔ مسئلہ خلق قرآن۔ قرآن کے وہ کلمات جن کے پڑھنے میں اکثر غلطی ہوتی ہے ——— امید ہے کہ مصنف کی سعی مشکور ہو گی۔

اصول تفسیر (اردو) مصنفہ امام ابن تیمیہؒ۔ مترجمہ مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی شائع کردہ: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور۔ کاغذ و کتابت طباعت بہتر

صفحات ۱۱۲۔ قیمت ۱۲؍۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح کی شخصیت اور ان کا علمی و دینی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی وسعت نظر اور فکری گہرائی مانی ہوئی چیز ہے ـــــ اصول تفسیر میں شیخ کا یہ رسالہ بقول خود قواعد کلیہ پر مشتمل، قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر میں معین اور اس بارے میں منقول و معقول اور حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہے۔ مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مولوی عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی نے حواشی سے اس کی خدمت کی ہے۔

اس رسالہ کا ایک ترجمہ مولانا خالد صاحب بھوپالی کے قلم سے بھی چند سال پیشتر شائع ہو چکا ہے۔

حیات ولی از مولانا رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم۔ کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ۶۵۶ صفحات قیمت مجلد ۶ روپے۔ غیر مجلد ۵/۸/۔ اسکو بھی المکتبۃ السلفیہ نے شائع کیا ہے۔ مکتبہ السلام۔ کشمیری بازار۔ لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

یہ ضخیم کتاب تقریباً نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ مکتبہ سلفیہ نے اب اس کا جدید ایڈیشن چھوٹے یعنی $\frac{20\times30}{16}$ سائز پر شائع کیا ہے ـــــ اس میں شاہ ولی اللہ صاحب رح اُن کے آباؤ اجداد، اساتذہ کرام اور آپ کی اولاد و احفاد کے مناقب و سوانح قلم بند کئے گئے ہیں۔

اب سے نصف صدی پیشتر یہ کتاب کیسی بھی رہی ہو مگر اب شاہ صاحب پر جتنا کام ہو چکا ہو اس کے پیش نظر یہ کہنا ناگزیر ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت تشنہ ہے۔ یوں اس کی ضخامت ۶½ سو صفحات ہے مگر شاہ صاحب پر صرف دو سو صفحات ہیں۔ اور ان میں بھی بہت سرسری اور اُوپری معلومات جمع کی گئی ہیں۔ علیٰ ھذا باقی ۴½ سو صفحات جن میں آباؤ اجداد، اساتذہ اور اولاد و احفاد کا تذکرہ ہے، ان کا بھی یہی حال ہے۔ کتاب میں تاریخی اور تحقیقی مواد کے بجائے بہت بڑا حصہ تأثرات کا ہے۔ اور تأثرات بھی ہر شخصیت کے متعلق لفظاً اور معناً اس قدر یکساں ہیں کہ طبیعت بہت جلد اکتا جاتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنی طبیعت کو کسی طرح پوری کتاب پڑھنے پر راضی نہ کر سکے۔ جتنی شخصیتوں کے تذکرہ پر بھی ہم نے نظر ڈالی ہر ایک کے متعلق اس قسم کی عبارت پڑھنے میں آئی کہ

اگر یہ صاحب اس خاندان میں نہ ہوتے تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر کبھی اس قسم کی تاریخی شہرت حاصل نہ کرتا۔

اور

ابتدائے نشو ونما سے رشد وہدایت کے آثار آپ کی مبارک اور صاف پیشانی پر درخشاں تھے، جسے دیکھ کر تاڑنے والے تاڑ جاتے تھے کہ یہ ہلال ایک دن بدر کامل بنکر چمکنے والا ہے۔

انداز تحریر از اول تا آخر خطابی ہے۔ حتیٰ کہ جگہ جگہ "معزز ناظرین!" کے الفاظ سے اس طرح خطاب کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی مقرر بار بار "معزز حاضرین!" کہتا جا رہا ہو —— ادبی تکلف اس پر مستزاد ہے۔ اور اس سے مصنف کا عجز بیان کبھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند بندھے ٹکے الفاظ ہیں جنھیں پوری کتاب میں دھرایا گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی ادبی ذوق ہو تو آدمی چند صفحوں کے بعد اکتا کر رہ جاتا ہے۔ انگریزی الفاظ کا بے ضرورت استعمال اور بھی بار ہوتا ہے۔

کتاب شروع ہوتے ہی فاتحان اسلام اور ان کے کارناموں کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے اس سے اسلامی جہاد کا نہایت وحشت انگیز نقشہ سامنے آتا ہے اور متعصب غیر مسلموں کے الزامات کو پوری تائید حاصل ہوتی ہے۔

مصنف کی وفات کے بعد اس قسم کا تبصرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر ناشرین نے جس اہمیت کے ساتھ اس کو از سر نو شائع کیا ہے اس کے پیش نظر یہ صاف گوئی ناگزیر ہوئی —— مصنف کی روح سے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اپنے دور کے لحاظ سے انکی یہ کوشش یقیناً خاصی تھی۔

نظام اسلامی کی برکات یعنی برکات الاسلام	از مولانا عبدالحمید خاں صاحب ارشد۔ ناشر: مکتبہ "صدیق" بیرون بوہڑ دروازہ ملتان۔ (پاکستان)۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت طباعت بہتر سائز ۲۰×۳۰ قیمت ۱۲/ ہندستان میں۔ مولوی

مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ۔ بجنور کو ۱۲/ بھیجکر منگا یا جا سکتا ہے۔

اس رسالہ کے نام سے مشتملات کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ واقعہ سے بڑی حد تک مختلف نکلتا ہے۔ نظام اسلامی کی برکات کے بجائے یہ رسالہ دوسرے مختلف مضامین وعنوانات پر مشتمل ہے۔

مثلاً قرآن اور پیغمبر اسلام کی صداقت، اسلام کی افضلیت۔ اس پر غیر مسلموں کی شہادتیں۔ قرآن عزیز کے اتباع کی فرضیت۔ اور اس بارے میں اگلوں کا تعامل۔ ختم نبوت۔ عہد اسلامی کی بعض فتوحات۔ اسلام کے اصول وارکان۔ اخلاق و معاشرت کے لئے اس کی عمدہ تعلیمات۔ انسداد جرائم کی تدابیر۔ اور اسلام کے سیاسی نظام کے قیام کے لئے مصنف کا پیش کردہ ایک اجمالی خاکہ وغیرہ —— ان عنوانات پر پڑھنا ہو تو یہ رسالہ فائدہ سے خالی نہیں۔

بلوغ المرام مترجم شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔ کتابت طباعت معیاری۔ کاغذ اعلیٰ۔ صفحات ۳۲۰۔ مجلد۔ قیمت آٹھ روپے۔

"بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ جس میں ۱۲۰۰ احادیث کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے۔ اور طہارت سے لیکر سیاست و حکومت تک کے احکام اس ذخیرہ میں آگئے ہیں۔ آخر میں ایک باب مختلف مضامین کی احادیث کا جامع ہے جس میں عام اخلاقی اور دینی ہدایات دینے والی احادیث آگئی ہیں —— اس کو مع ترجمہ کے کارخانہ تجارت کتب نے اپنے روایتی اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ترجمہ مختلف جگہ سے دیکھنے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کے قلم سے مصنف کا تقریباً بارہ صفحے کا تذکرہ و ترجمہ ہے۔ اور اس کے بعد چند صفحے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے قلم سے اصول حدیث پر ہیں۔ جس سے ایک نظر میں حدیث کے اقسام اور ان کے مراتب سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

مترجم (مولانا امجد العلی صاحب) کا نام بڑی مشکل سے آخری سطر میں نظر آتا ہے۔ چاہیئے تھا کہ سرورق ہی پر مصنف کے نام کے نیچے مترجم کا بھی نام ہوتا۔

معارف سلیمان نمبر مرتبہ جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔ کتابت طباعت اور کاغذ، بہتر۔ صفحات ۵۰۴ قیمت چار روپے۔ پتہ۔ دفتر رسالہ معارف اعظم گڈھ۔ یو۔پی۔

مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) سے ہم میں کا کون پڑھا لکھا واقف نہیں۔ ہندوستان اُن کے علم و فضل پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اور آئندہ بھی ہماری نسلوں کے لئے وہ باعث افتخار رہ سکتے

ہیں۔ ان کے نام کو حیات جاوید بخشنے کے لئے ان کے اپنے تصنیفی کارنامے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر ادارۂ معارف پر حق تھا اور اُس نے ان کے تذکرہ میں یہ نمبر پیش کر کے حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ نمبر چھ حصّوں میں تقسیم ہے۔ ۱۔ سیرت و سوانح۔ ۲۔ فضائل و کمالات۔ ۳۔ علمی و دینی کارنامے۔ ۴۔ سلوک و تصوف۔ ۵۔ متفرق مضامین اور۔ ۶۔ قطعات و مادہائے تاریخ۔

سیرت و سوانح پر سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ایم۔ اے اور مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے مضامین ہیں۔ فضائل و کمالات کی تصویر کشی مولانا عبدالباری صاحب ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے کی ہے۔ علمی و دینی کارناموں کو اجاگر کرنے والے خود مرتب معارف (شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی) مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی جیسے اہل قلم ہیں۔ اور پھر آگے بڑھکر سیرت سلیمانی کے عرفانی پہلو کے نقاب کشائی کی سعادت آپ کے بعض اعزہ و متوسلین کے حصّہ میں آئی ہے، جن میں غلام محمد صاحب بی۔ اے حیدرآبادی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ متفرق مضامین کے تحت ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) پروفیسر عبدالمنان صاحب بیدل۔ مالک رام صاحب ایم۔ اے، اور سید صاحب قبلہ کے داماد سید ابوعاصم صاحب ایم۔ اے ایڈوکیٹ کراچی کے مضامین ہیں۔ اور تاریخی قطعات کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے۔

مضامین میں سے، حشو و زوائد کی فہرست میں تو ایک بھی نہیں رکھا جاسکتا۔ البتہ علمی وزن کی اعتبار سے، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اور مولانا محمد اویس صاحب ندوی کے مضامین۔ تاثیر کے لحاظ سے سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کا مضمون "اخلاق و سیرت کے کچھ جلوے" اور مولانا عبدالباری صاحب ندوی، غلام محمد صاحب حیدرآبادی اور سید ابوعاصم صاحب کے مضامین خاص طور پر قابل ذکر نظر آتے ہیں۔ علیٰ ہذا عام دلچسپی کے اعتبار سے پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا مضمون، اپنے خاص طرز میں۔ اور ادبی چاشنی کے دلدادگان کے لئے مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا مضمون بھی یقیناً قابل ذکر ہے۔

خریدارانِ الفرقان کی خدمت میں!

الحمدللہ کہ اس شمارہ پر الفرقان کا بائیسواں سال تمام ہو رہا ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس سال ادارہ کو بہ نسبت گذشتہ چند سالوں کے مشکلات کم پیش آئیں ــــ اب نئے سال کے آغاز سے پہلے ہم اپنے معاونین سے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان کا لحاظ کیا گیا تو انشاء اللہ مشکلات کا تناسب اور بھی گھٹ جائے گا۔

۱۔ اس شمارہ میں سُرخ نشان کے ذریعہ جن حضرات کو ان کا چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع دیجا رہی ہے، وہ براہ کرم پہلی فرصت میں اس کا فیصلہ فرمائیں کہ آئندہ سال کیلئے انھیں خریداری منظور ہے یا نہیں؟ــــ اگر منظور ہو تو جہاں تک ہو سکے اور جتنی جلد ہو سکے اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجنے کی فکر فرمائیں کیونکہ وی۔ پی۔ کرنے میں کام کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہے، درانحالیکہ ہمارے پاس کافی عملہ نہیں ہے، اسلئے مکرر گذارش کیجاتی ہے کہ چندہ کی ادائیگی کو وی، پی آنے پر ملتوی نہ کیجئے بلکہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجکر ممنون فرمائیے ــــ اور اگر کسی وجہ سے آئندہ خریداری منظور نہیں ہے تو بلا توقف ایک کارڈ کے ذریعہ ہمیں مطلع فرما دیجئے۔ بہت سے بھائی اتنی سی زحمت برداشت کرنے کے بجائے وی، پی واپس کر دیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے۔ ہر واپس کرنے والے وی، پی پر ادارہ کو ۸ ؍ کا نقصان ہوتا ہے اور وی، پی کرنے میں جو محنت اور وقت صرف ہوتا ہے وہ الگ رہا۔

۲۔ جو حضرات خریدار رہنا تو چاہتے ہوں مگر فوری طور پر چندہ بھیجنے سے معذور ہوں۔ وہ ہمیں اپنا عذر اور اندازاً یہ کہ وہ کب تک اپنا چندہ بھیج سکیں گے لکھ بھیجیں۔ رسالہ انشاء اللہ جاری رکھا جائے گا۔ لیکن اُن سے گذارش یہ ہے کہ وقت سہولت یا وعدہ کے مطابق خود ہی چندہ بھیجدیں۔ کسی یاددہانی کا انتظار نہ فرمائیں۔

۳۔ جن اصحاب کی طرف اس طرح وعدہ پر جاری رکھے گئے رسالہ کے سلسلہ میں گذشتہ سال دو سال کے چندہ کی رقم باقی ہے وہ اپنی ذمہ داری کا احساس فرما کر حساب صاف کر دیں۔

۴۔ جن معاونین کرام نے امسال اعزازی خریداری قبول فرمائی تھی انھیں اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس سلسلہ کو باقی رکھیں اور اگر بلا کسی خاص زحمت کے ہو سکے تو وہ حضرات بھی اور انکے علاوہ دوسرے معاونین بھی اس حلقہ کی توسیع کیلئے کوشش فرما دیں ــــ ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اعزازی خریداری قبول کرنے والے

حضرات اپنے کسی دوست یا عزیز کا پتہ ضرور تحریر فرمائیں تاکہ ہم اُن کے حق سے بھی کسی درجہ میں سبکدوش ہوسکیں اور الفرقان کی افادیت کا حلقہ بھی وسیع ہوسکے۔

تجارت پیشہ ناظرین الفرقان کی خدمت میں!

خاص طور پر یہ عرض کرنا ہو کہ آپ میں سے جو حضرات اپنے تجارتی اشتہارات اخبارات و رسائل میں دیتے ہیں اس خدمت کیلئے الفرقان کو بھی یاد رکھیں الفرقان (بلا مبالغہ) ہندوستان و پاکستان کے اکثر دینی رسائل سے زیادہ پڑھا جاتا ہو۔ اور ہندستان و پاکستان سے باہر برما، افریقیہ اور سعودی عرب وغیرہ میں اس کا کافی وسیع حلقہ ہو۔ اجرت اشتہارات کی نئی شرح بھی نہایت مناسب رکھی گئی ہو۔۔۔ تمام مہذب اور ناقابل اعتراض اشتہارات شائع کرائے جاسکتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے دفتر سے مراسلت کی جائے!

افریقیہ اور حجاز وغیرہ کے معاونین کی خدمت میں

خاص طور پر یہ گذارش کرنی ہو کہ جن حضرات کے ذمہ چندہ کی رقوم باقی ہیں وہ براہ کرم حساب صاف فرماکر ہمیں ممنون فرمائیں سال دو سال سے خدا معلوم کیا بات ہو کہ بہت کم معاونین اپنا چندہ بھیجنے کی طرف توجہ فرما رہے ہیں، حالانکہ ہم رسالہ برابر بھیج رہے ہیں۔ ایسے حضرات جن کی طرف سابقہ چندہ باقی ہو ان کے رسالہ میں (پہلے صفحہ پر) سرخ نشان لگا ہوا ور وہیں ایک چٹ چسپاں کر کے مطالبہ کی رقم لکھ دی گئی ہو۔

پاکستانی معاونین سے

خاص طور پر یہ عرض ہو کہ اس ختم ہونیوالے سال کے شروع سے آپکے چندہ میں ایک روپیہ کے عارضی اور اختیاری اضافہ کی تجویز کی گئی تھی ہم ممنون ہیں کہ اکثر حضرات نے اس اختیاری اضافہ کو اپنے اوپر لازمی قرار دے لیا اور بجائے پانچ کے چھ ہی روپئے ادا کئے۔ مگر اس دفعہ ہم پھر یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ یہ اضافہ لازمی نہیں ہو۔ آپ اگر یہ نہیں بھیجنا چاہتے یا نہیں بھیج سکتے تو بلا تکلف پانچ ہی بھیجیے۔ ہم اُسے پورا چندہ ہی شمار کریں گے۔ علی ہذا یہ اضافہ مستقل نہیں ہو بلکہ عارضی ہو۔ اور ہماری شدت سے خواہش ہو کہ اسے جلد ہی ختم کر دیں اور اب پاکستان و ہندستان کے سکہ کی قیمت برابر ہو جانے کی وجہ سے امید ہو چلی ہو کہ وہ حالات انشاءاللہ ختم ہو جائیں گے جن کی وجہ سے یہ اضافہ کرنا پڑا تھا۔ آپ بھی دعا فرمائیں کہ یہ حالات جلد ختم ہوں تاکہ ہماری آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوسکے ——— والسلام

نوٹ:۔ خط و کتابت اور ترسیل زر کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضروری سمجھئے۔

خاکسار
منیجر الفرقان لکھنؤ

قابل رد ہے خواہ وہ کسی نے کہی ہو۔ علیٰ ہذا جو بات اس تصور دین کی روشنی میں غیر ضروری معلوم ہوتی ہو وہ قطعاً غیر ضروری ہے اگرچہ کوئی کتنا ہی بڑا مزشناس دین دین میں یا دینی زندگی کی تعمیر میں اس کی اہمیت بتلائے۔

اور پھر جب مودودی صاحب تنہا نہیں رہے بلکہ جماعت کی تشکیل ہوگئی اور پھر جماعت میں ارباب قلم کی ایک جماعت مودودی صاحب کے ہی رنگ میں تیار ہوگئی تو مودودی صاحب نے ائمہ دین واکابر امت کی جن غلطیوں اور کمزوریوں کی اصولی نشاندہی کرکے چھوڑ دی تھی اس جماعت نے ان کی تفصیلات اور جزئیات مہیا کرنے کا کام شروع کیا۔ ان کا ہضم کرنا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں تھی چہ جائیکہ وہ طبقہ جس کا ہاضمہ پہلے ہی سے بگڑا ہوا تھا، چنانچہ ان انکشافات کے بعد اس طبقہ نے پورے شرح صدر کے ساتھ یہ گمان کرنا شروع کر دیا کہ یہ جو مجدد دین اور ائمہ دین کہلاتے ہیں انھوں نے تو دین کا ستیاناس کرکے رکھدیا ہے، قرآن وحدیث کی صریح مخالفتوں کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ تو دین کو سرے سے سمجھے ہی نہیں۔

بے باکی تو یہ طبقہ پہلے ہی سے لے کر آیا تھا، اب جب کہ اسکی نظر میں ان شخصیتوں کا "بھرم" بھی کھل گیا تب اس میں کیا مضائقہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخصیتیں بھی اس بیباکی کی زد پر آجائیں۔ اب یہ شخصیتیں رہی کرب تھیں؟ اب تو یہ چند معمولی علم وفہم کے عجمیت زدہ اشخاص تھے!———— چنانچہ ان کے معاملہ میں یہ بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی اور بڑھ جانی چاہیئے تھی کہ اگر کسی کو کچھ عبارت آرائی آتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ان کی کوئی کتاب آگئی اور اس میں کوئی ایسی بات نظر آئی جو بظاہر اس کے رٹے ہوئے تصور دین سے ٹکراتی ہے یا ان بزرگوں نے اُسے اہمیت دی ہو درانحالیکہ اس کا تصور دین اس کی کوئی اہمیت نہیں بتلاتا تو پھر نہ اسکی ضرورت کہ اس بات پر کچھ اچھی طرح غور کریں، نہ اس کی ضرورت کہ ان کے دلائل کو سمجھیں۔ بس اٹھایا قلم اور ایک مضمون لکھ مارا، جس میں پہلے اچھی طرح ان کی پگڑی اچھال دی طنز وتعریض سے خوب خوب خبر لے لی اور اسکے بعد بصد پندار وادعا "اپنے خیال" کی رو سے مسئلہ کی "اصل حقیقت" بیان فرما دی۔ درانحالیکہ ماخذ دین کو براہ راست سمجھنے کی ادنیٰ صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں ان کا جو کچھ سرمایہ ہے وہ بس جماعت کا لٹریچر ہے ———— حالانکہ جماعت کا لٹریچر پڑھ کر ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ یہ حق ہو سکتا تھا کہ وہ جماعت کی بنیادی دعوت کو پیش کرنے لگیں،

نہ یہ کہ دین کے ہر گوشہ پر کلام کرنے لگیں! اور پھر کلام کرنا ہی نہیں ان حضرات کی آراء و افکار پر بھی تنقید کرنے لگیں اور انھیں سبق پڑھانے لگیں جن کی "عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں"!

مگر ان بیچاروں کا کیا قصور؟ ان کی تو "خشت اول" ہی "کج" رکھی گئی ہے، اور اب جب تک اس عمارت میں وہ بنیادی کجی باقی ہے عمارت کا ٹیڑھا باقی رہنا ہے۔ وہ ایک مرض لے کر جماعت میں آئے تھے، جسے جماعت کی خاص فضا نے بجائے گھٹانے کے اور بڑھایا۔ اب وہ جو کچھ بھی گل نہ کھلائے تھوڑا ہے! شروع میں اس کا ازالہ مشکل نہیں تھا مگر اب تو ناممکن سا ہوتا جا رہا اور ہمارا اندازہ ہے کہ اب اگر ذمہ داران جماعت بھی چاہیں تو ان کے کئے بھی اب اس کا علاج نہیں ہو سکتا ـــــ اس لئے کہ اب ان مریضوں کی نظر میں ان کا یہ مرض ان کا دین و ایمان بن چکا ہے۔ ہاں اگر ذمہ داران جماعت اس کے ازالہ کی کوئی واقعی کوشش کریں تب وہ ان نتائج کی ذمہ داری سے کسی درجہ میں ہلکے ضرور ہو سکتے ہیں!

ـــــ مگر یہ بات ہوتی تو جماعت کے خاص آرگن میں ایسے مضامین کی اشاعت ہی کیوں ہوتی؟ اور اگر اس بنا پر ہو بھی جاتی کہ اخبار کے ایڈیٹران خود اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں تو کم از کم بعد از اشاعت ذمہ داران جماعت کی طرف سے اس کا کوئی نوٹس تو لیا جاتا!

ہمارا جہاں تک اندازہ ہے یہاں درحقیقت کسی کو اس کی فکر ہی نہیں ہے۔ یہ بات لائق فکر ہی نہیں سمجھی جا رہی ہو۔ لٹریچر پر نظر ثانی اور اس کی از سر نو تیاری کا ارادہ بھی اگر کیا جاتا ہو تو اس کا محرک یہ فکر نہیں بلکہ معترضین کا منہ بند کرنے کی فکر ہے۔ حالانکہ لٹریچر کے یہ نتائج اس سے کہیں زیادہ فکر کے مستحق تھے۔

بہر حال ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ جماعت اسلامی کے ارباب حل و عقد ان نتائج کی روک تھام کی فکر کریں یا نہ کریں۔ یہ ان کی صوابدید پر ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا کہنا ہو کہ یہ سلسلہ اگر آپ جاری رکھنا چاہتے ہیں تو شوق سے جاری رکھیے، مگر اتنا یاد رکھیے کہ غزالیؒ اور ان جیسے دوسرے اکابر دائمہ امت میں جو مقام حاصل کر چکے ہیں، بلکہ خدا نے انھیں جو مقام بخشدیا ہے، اس قسم کے بھچورے مضامین انھیں اس مقام سے ایک انچ بھی نہیں اتار سکتے! ـــــ امت کو جو محبت اور عقیدت کا تعلق ان سے ان کی دینی خدمات، ان کے مجاہدات اور ان کے صلاح و تقوے کی وجہ سے ہے، اس قسم کے اوچھے ہتھیار اس تعلق کا ایک ریشہ بھی قطع نہیں کر سکتے! ـــــ محبت و عقیدت

کا یہ نقش عین تقاضائے دین اور لافانی و جاودانی ہے ——— یہ خدائے لایزال کی محبت کا عکس لازوال ہے اس کا مٹنا محال ہے! ——— اس کو مٹانے کی کوشش کرنا خود اپنے کو مٹانے کی کوشش کرنا ہے ——— کس نے یہ حدیث قدسی نہیں سنی۔

"مَنْ عَادیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ"

نوٹ

ہم نے شروع مضمون میں دعوت کے مضمون نگار کے متعلق یہ لکھا ہے کہ انھوں نے لکھنؤ کے ایک اجتماع میں جماعت کی ترجمانی کی تھی، اس پر اگرچہ ہم نے احتیاطاً حاشیہ میں یہ لکھدیا ہے کہ "بشرطیکہ مضمون نگار ان کے کوئی اور ہمنام نہوں" اور اس کے بعد ہمارا خیال غلط ہونے سے ہم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پھر بھی ہم یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ رسالہ کی طباعت کے بالکل آخری لمحات میں جب کہ یہ آخری کاپی پریس جارہی تھی ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ فی الواقع مضمون نگار ایک دوسرے صاحب ہیں۔ لیکن جماعت سے تعلق ان کا بھی غیر مشکوک ہے۔

کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں معلومات خوب خوب بڑھ گئی ہیں حتیٰ کہ اگر پورے شہر پر پھیلائی جائیں تو تمام رہنے والوں کے لئے کافی ہوں گی اور ہر فرد کو بذات خود ایک عالم بنا دیں گی لیکن اسی کے ساتھ قلب کا حصہ بہت کمزور پڑ گیا ہے، ارادہ کی قوت بہت زیادہ مضمحل ہو چکی ہے اور ایمان بہت گھٹ کر خفیف سا رہ گیا ہے۔ آج ہم جانتے تو بہت کچھ ہیں لیکن ہمارا یہ جاننا عمل پر آمادہ نہیں کر پاتا، ہم کو اپنا ایمان نہ صحابہ کرام جیسا ایمان نظر آتا ہے اور نہ ہی ان کے بعد کے لوگوں جیسا، اور نہ ہم کو اپنی نماز ان کی جیسی نظر آتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ہماری معلومات نے بڑھ بڑھ کر اور زیادہ ہو ہو کر ایمان و عمل کی جگہ کو بھی گھیر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ہم اپنے نفسوں سے محاسبہ کریں، اُن کی خیر خواہی اور مخلصانہ تربیت کریں اور ان کو قبل اسکے کہ ہم اس خونی معرکہ میں شمولیت اختیار کریں جو زمانہ حاضرہ کی مادیت اور اسلام کے مابین بپا ہے۔ اس کے لئے پوری طرح تیار کر لیں۔ یہ ناممکن ہے کہ ہم ایسے معرکے میں جم سکیں اور اس سحر انگیز، ہوش ربا اور طاقتور مادیت کے مقابلہ پر جم سکیں، اگر ہم نے اپنے میں طاقتور روح، بے لچک مذہبیت، ایمان سے سرشار قلب اور استقامت دین نہ پیدا کر لی۔

مجھے امید ہے کہ یہ تقریر ضائع نہ ہوگی اور سامعین کے دلوں پر اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا۔

Regd No. [illegible] 333)

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Quthuddin Road, Lucknow.

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق

اردو زبان میں حدیثِ نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

معارف الحدیث

جلد اوّل

یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں:— اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے ناظرین کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان میں شائع ہو چکی ہے۔
پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیثِ نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ احادیثِ نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے (یعنی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت) کوشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی روح رہے۔ مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے پورے تشفی بخش علمی و تحقیقی جوابات بھی دے گئے ہیں جو آج کل کے بگڑے ہوئے ذہنوں میں احادیث نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

امید ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہل ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی روح میں ایک تازگی اور نور ایمان میں اضافہ محسوس کریں گے اور ان کا دل چاہے گا کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ یہ تحفہ پہنچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا

شروع میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ ہے جس میں صرف قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے حجت دینی ہونے کے منکر ہیں وہ قرآن حکیم کے کس قدر نصوص و بینات سے منحرف ہیں — یہ مقدمہ اپنے موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالہ ہے۔

ظاہری حیثیت سے بھی کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔
کاغذ اعلیٰ سے اعلیٰ لگایا گیا ہے کتابت و طباعت بھی بفضلہ تعالیٰ مثالی اور معیاری ہے

قیمت غیر مجلد تین روپے بارہ آنے (۱۲/۳) ——— مجلد مع گردپوش چار روپے آٹھ آنے (۸/۴)

(پوری جلد کپڑے کی ہے، جلد کی قیمت لاگت بلا لاگت لگائی گئی ہے)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

کلمہ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا محمد منظور نعمانی

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ دلنشین اور مؤثر انداز میں کی گئی ہو کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہو اور ایمان تازہ ہوتا ہو، اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی دوسرا ایسا محققانہ اور عارفانہ رسالہ موجود نہیں ہو جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں — تازہ ایڈیشن — قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہو، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ان شاء اللہ کافی ہو، اسلام کی ضروری تعلیمات کو جتنی سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہو، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور مؤثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہو کہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجیے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنایئے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجیے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجیے، اور اگر آپ کے کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجیے...... کاغذ و طباعت اعلیٰ

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنے

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
Osmania University Library
HYDERABAD (DECCAN)
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اصل یہ
(اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ
تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ
"ادارہ الفرقان"
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مولینا محمد منظور نعمانی

اور

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

جو ہندوستان اور پاکستان کے مختلف ... ول کے ... تبلیغی اجتماعات میں کی گئی تھیں ... جن کے مخاطب تبلیغی جماعت کے کارکن، مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات تھے یہ تقریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاس رح

جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاس کی مجالس اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کرکے مرتب کیا ہے. علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہے، ایک ایک ملفوظ یقین و معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے.

بہترین کتابت وطباعت

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویس ندوی

کی مشترکہ تصنیف

جو اپنے اختصار کے باوجود نقصانات و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں کے مقابلہ میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے.

۱۵۰ صفحات، بہترین کتابت وطباعت، عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپیہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف تھے یا نہیں؟ — بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملنے کا پتہ   کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ   لکھنؤ

جلد ۲۲ | بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق اگست ۱۹۵۵ء | شمارہ ۱۲

اگر اس ◯ دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ ر کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ ر تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ کر بھیجدیا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نگاہِ اوّلیں

سیلاب

یو، پی کے مشرقی حصہ میں سیلاب اور بارش اور دریاؤں کی طغیانی نے جو قیامت مچائی ہو اسے سُن کر ہر انسان کا دل لرز اٹھا ہوگا، بڑے بڑے شہر کئی کئی دن تک پانی میں ڈوبے رہے، سیکڑوں گاؤں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور لاکھوں انسان نانِ جویں کو محتاج ہوگئے۔ صوبہ کے وزراء نے ہوائی پرواز کر کے جو سیلاب زدہ علاقہ کا حال دیکھا تو اس کے بیان سے اپنے الفاظ کو قاصر پایا۔ جدید دور کے سارے وسائل، انجینیرنگ کے تمام ہنر اور ہزاروں اشخاص کی متحدہ جدوجہد کسی مقام پر بھی بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکی۔ بڑے بڑے مضبوط پُل جڑ سے اکھڑ کر بہہ گئے، آہنی و سنگین بند پانی کے طوفانی زور کے سامنے کائی کی طرح پھٹ گئے ——— اور انسان نے ہار مان لی ——— اور بالآخر جب خود ہی پانی کا جوش ختم ہوا، اس کی طوفانی طبیعت کو سکون ہوا ہو تو پناہ کی صورت نظر آئی اور ان لاکھوں انسانوں کی جان میں جان آئی ہے۔

ہمیں ان سب سے بلا کسی تفریق و امتیاز کے ہمدردی ہو۔ ہمیں ان کی مصیبت پر رنج و غم ہو، اور ہم ان کی خیریت و عافیت کے طالب ہیں ——— اور ہم اپیل کرتے ہیں کہ کسی ذی استطاعت انسان کو ان کی اعانت و امداد سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ حکومت ضرور تندہی سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے مگر ان لاکھوں انسانوں کی بحالی اپنے بھائیوں کی فرض شناسی کے بغیر ممکن نہیں ہو۔

مگر ساتھ ہی ہمیں یہ بھی کہنا ہو کہ ہمارے خیال میں یہ قیامت، یہ تباہی اور یہ بربادی ہمارے ان چوٹی کے لیڈروں کی لائی ہوئی ہو جو بار بار قدرت کو چیلنج کرتے رہتے ہیں۔ وہ مخلص ہیں، ملک کے بے لوث اور دردمند خادم ہیں، وہ بیدار مغز، بلند نظر، اور حقیقت پسند ہیں ——— مگر کائنات کی سب سے اہم حقیقت کے ادراک سے محروم ہیں۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ زمین و آسمان، یہ چاند، سورج، یہ لیل و نہا

یہ دریا پہاڑ، غرض سارا عالم وجود، ساری کائنات اپنے ایک ایک ذرّہ سمیت ایک بالادست طاقت کی مٹھی میں ہو۔ وہ طاقت جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہو، جو قادر ہو جو مصرف و مدبر ہو اور دانا و بینا ہے۔ اور اس طرح مٹھی میں ہو کر اس کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کر سکتی۔ یُقَلِّبُہٗ کَیفَ یَشَاءُ، وہ قادر مطلق اس کے جس جزو کو جہاں سے چاہتا ہے اٹھاتا ہے اور جہاں چاہتا ہو رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ اور کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا ــــ اور نہ کوئی اسے چیلنج کر کے پنپ سکتا ہے۔

تیسرا سال ہے جب ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے بہار میں ایک بند کا افتتاح کرتے ہوئے ایسے کلمات کہے تھے جو اس قادر مطلق کی قدرت کے لیے چیلنج کا درجہ رکھتے تھے۔ ہم نے وہ الفاظ پڑھے تو ہم کانپ اٹھے تھے کہ دیکھئے اب قدرت کیا دکھاتی ہو اور اس چیلنج کی قیمت ہم اہل ہند کو کیا ادا کرنا پڑتی ہو، اور پھر اسی وقت انھیں صفحات میں ہم نے اس خطرہ کا اظہار بھی کیا تھا۔ چنانچہ چند ہی ماہ بعد سننے میں آیا کہ اس "مایۂ ناز بند" میں جس کے بل پر یہ بڑا بول بولا گیا تھا شگاف پڑ گیا اور "قدرت پر انسان کی فتح" کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اور پھر اگلے سال کا سیلاب پچھلے سال کا ریکارڈ توڑتا چلا گیا۔ اس سال جو حال ہو وہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ پورا مشرقی یو، پی جل تھل بنا ہوا ہو۔ ذرا ذرا سی ندیوں نے وہ قیامت مچائی ہو کہ سمندر کا سماں ہو۔ بعض ندیوں کا پاٹ دو دو میل چوڑا ہو گیا ہو۔ پچھلے تجربوں سے ہماری حکومت نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ سیلاب اگست میں آتا ہو چنانچہ اسی کے مطابق حفاظتی تدابیر کا منصوبہ بنایا گیا تھا، مگر اس دفعہ وسط جولائی ہی میں یہ قیامت ٹوٹ پڑی جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا ــــ "فَاَخَذْنَاھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ" کی کھلی مثال! ــــ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!

•

ابھی معلوم ہوا ہو کہ پنڈت جی سیلاب زدہ علاقہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے آرہے ہیں۔ کاش اللہ تعالیٰ انھیں دیدۂ عبرت نگاہ بخش دیتا اور کسی طرح وہ محسوس کر سکتے کہ جس قدرت کو وہ چیلنج دیتے رہتے ہیں وہ اندھے اور بے شعور مادّہ کی قدرت نہیں، بلکہ وہ ایک دانا و بینا اور ذی ارادہ ہستی کی قدرت ہے جسے انسان کی عقلی اور عملی قوت کبھی شکست نہیں دے سکتی۔ اور جسے چیلنج دے کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی، یہ ہوا میں چلنے والے بادل اور یہ زمین پر بہنے والے دریا، ان کے

اندر خود کوئی طاقت نہیں ہو اور کسی کو نفع، نقصان پہونچانے کی ان میں کوئی قدرت نہیں ہے، یہ نفع پہونچاتے ہیں تو اسی قادرِ مطلق کے حکم سے پہونچاتے ہیں اور نقصان پہونچاتے ہیں تب اسی قادرِ مطلق کے حکم سے، ان کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے اور ان کی ہر حرکت اسی کے اشاروں کے تابع ہے۔ اس لیے ان کے شر سے بچنے کی واحد صورت یہ ہو کہ پہلے اس ہستی کے آگے سر جھکا دیا جائے اور اس کی بالادستی کو مان لیا جائے جو ان پر قابض و متصرف ہو اور اس کے بعد اس کی دی ہوئی عقل اور قوتِ عمل کو اس عالم کے طبعی حوادث سے تحفظ کے لیے استعمال کیا جائے۔

یہ ہو اس قسم کے حوادث سے تحفظ اور کائنات کی تسخیر کا صحیح راستہ! اس کے برخلاف ان حوادث پر چراغ پا ہونا اور اپنی عقل اور قوتِ عمل کے بل بوتے پر قدرت کو چیلنج کرنے لگنا، تحفظ کا نہیں تباہی کا راستہ ہے، خواہ یہ تباہی جلد آئے یا بدیر! اور خواہ پورے طور پر آئے یا تنبیہ کے انداز میں تھوڑی سی!! ـــــ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ سال اور موجودہ سال کی سیلابی تباہی تنبیہی انداز کی ہو۔ اور یہ ایک معنی کر اس ملک پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ فوراً ہی تنبیہ کی جا رہی ہو، کاش اس ملک کے سربراہ اس تازیانۂ عبرت سے ہوش میں آجائیں، ورنہ خدانخواستہ اُن کے بڑے بولوں کی بہت بڑی قیمت ملک کو ادا کرنا پڑے گی۔

ایک لاحاصل بیان

گذشتہ مہینے ان صفحات میں جماعت اسلامی ہند کے آرگن میں شائع ہونے والے ایک دلآزار مضمون پر تبصرہ کیا گیا تھا، اور آخری بات ہم نے یہ عرض کی تھی کہ اس کی ذمہ داری اکابر جماعت اسلامی کے سر ہے، کیونکہ انھیں کی تحریروں سے وہ ذہنیت پیدا ہوئی ہو جو ایسے مضامین کو جنم دیتی ہے ـــــ اس پر اُس مضمون کے لکھنے والے صاحب نے ایک بیان دیا ہو ـــــ یا ان سے دلایا گیا ہو ـــــ جو جماعت اسلامی کے اسی آرگن میں شائع ہوا ہو جس کا خلاصہ یہ ہو کہ

میں جماعت اسلامی کا رکن نہیں ہوں، لہٰذا میرے اُن خیالات کی جن کا مضمون میں اظہار کیا گیا ہو ذمہ داری مجھی پر ہے۔ جماعت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور جماعت کے متعلق اس سلسلہ میں کوئی

سوال اُٹھانا صحیح نہیں ہو۔

ہمیں بیحد خوشی ہوتی اگر ہمارا یہ خیال غلط نکل جاتا کہ جماعت اسلامی دانستہ یا نادانستہ طور پر کسی ایسی ذہنیت کی پرورش کر رہی ہو جو مآل کار دین کے لیے مضر ہے۔ اور فی الواقع اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہو کہ ایک اچھی صلاحیتیں رکھنے والی دینی جماعت کے فکر و عمل کا کوئی پہلو بھی دین کے لیے مضر نہ نکلے؛ ـــــ مگر افسوس کہ اس بیان نے اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہونچایا۔ اس لیے کہ ہم نے جو خیال جماعت اسلامی کے متعلق ظاہر کیا تھا اس کی بنیاد مضمون نگار کی رکنیت پر نہیں تھی۔ ہم نے کہیں یہ نہیں کہا کہ مضمون نگار جماعت کے رکن ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں تھا، البتہ ہمیں ان کے مضمون کے بعض اجزاء سے یقین کی حد تک یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جماعت سے کسی نہ کسی درجہ میں متعلق ضرور ہیں۔ خواہ وہ تعلق رکنیت کا ہو یا ہمدردی کا ہو، یا اتفاق و تاثر کا ہو۔ (اور ہم جانتے ہیں کہ جماعت سے تعلق صرف رکنیت میں محدود نہیں ہے بلکہ اس کی باضابطہ طور پر کئی قسمیں ہیں۔ اور ان دوسری قسموں کے متعلقین ارکان سے بدرجہا زائد ہیں حتیٰ کہ ان کو اگر الگ کر دیا جائے تو اکثر شہروں میں لوگوں کو جماعت اسلامی کے حلقہ ہی نظر نہ آئیں۔ اور یہ پتہ ہی نہ چلے کہ اس نام کی کوئی جماعت بھی یہاں موجود ہو۔) چنانچہ ہم نے تعلق کی کسی خاص نوعیت کی تعیین کے بغیر صرف اتنا ہی لکھا کہ ان کا تعلق جماعت سے غیر مشکوک ہو۔ (اور مذکورۂ بالا بیان سے اس کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے)

اور پھر ہم نے اپنے خیال کی بنیاد تنہا ان کے تعلق پر بھی نہیں رکھی، بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی چیزوں کو ملا کر ان سب کے مجموعہ پر اس خیال کی بنیاد رکھی گئی تھی ـــــ اور وہ چیزیں یہ تھیں کہ (۱) یہ مضمون جماعت کے ذمہ دار پرچے میں شائع ہوا۔ (۲) اس پر کوئی اختلافی نوٹ ادارہ کی طرف سے نہیں لکھا گیا (۳) بعد از اشاعت بھی کوئی استدراک نہیں کیا گیا (۴) جماعت کے ذمہ داروں نے بھی اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا (۵) اور ذمہ داروں کے علاوہ جماعت کے پورے حلقہ میں سے (جس میں شاید ہی کوئی فرد ایسا ہو جو اپنے اخبار و رسائل نہ پڑھتا ہو) کسی ایک فرد کو بھی اس مضمون پر نکیر کرتے ہوئے نہیں پایا گیا ـــــ یہ تھیں وہ چیزیں جنھوں نے مجموعی طور پر اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کیا کہ جماعت کے اکابر نے اپنی تحریروں میں اسلاف پر تنقید کا جو ڈھنگ اختیار کیا ہے اس نے جماعت اسلامی کے حلقہ میں اسلاف کی بے وقعتی پیدا کر دی ہو، اور ان کے اعتماد کو شدید نقصان پہونچایا ہے ـــــ اس لیے ہمارے اُٹھائے ہوئے سوالات پر اس سے

کوئی اثر نہیں پڑتا کہ مضمون نگار جماعت اسلامی کے رکن نہیں ہیں۔

اور ہمیں حیرت ہے کہ جب مدیر دعوت کے ایک خط کے جواب میں (جس میں یہی بات لکھی گئی تھی کہ مضمون نگار جماعت کے رکن نہیں ہیں) ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی تھی کہ اس مضمون کے سلسلہ میں جماعت کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں وہ مضمون نگار کی رکنیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ فلاں فلاں چیزوں کی بنیاد پر کہی گئی ہیں، تب انھوں نے یہ بیان آخر کیا سوچ کر شائع کیا ہے؟ ممکن ہے اس سے کچھ لوگ مغالطہ میں آجائیں، مگر وہ لوگ جنھوں نے الفرقان کا مضمون خود پڑھا ہے کبھی مغالطہ نہیں کھا سکتے اور جماعت کی برأت کی یہ ناکام کوشش ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں پا سکتی ـــــ علم و فکر اور دیانت و تقویٰ میں تفوق کا احساس رکھنے والی کسی جماعت کے لیے باعث شرم ہے کہ وہ ایسی بودی پناہ گاہوں میں سر چھپانے کی کوشش کرے!

سیدھی بات ہے کہ اگر جماعت کے ذمہ داران اسلاف کا استخفاف نہیں چاہتے ہیں، اور ہمارے اعتراض میں کوئی وزن محسوس کرتے ہیں تو وہ ارکان اور ہمدردان کے رجسٹروں کی ورق گردانی کے بجائے اپنی اب تک کی غلطی کا اعتراف کرکے اس کے مؤثر تدارک کی فکر کریں ورنہ اخلاقی جرأت کے ساتھ کہہ دیں کہ ایسے مضامین ان کے منشا کے مطابق ہیں اور وہ ان پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

معارف الحدیث

مسلسل

خوف خدا اور فکر آخرت ——— (۲)

اس سے پہلی قسط میں اسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس حدیثیں درج کی گئی تھیں ــــ آج کی صحبت میں جو چند حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں اُن سے معلوم ہوگا کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کا حال کیا تھا اور اُن کی زندگی پر اس کے کیا اثرات پڑتے تھے۔

(۹۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْئِ اَصْنَعُهٗ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً ـــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا اور اس میں رخصت اور وسعت دی تو بعض لوگوں نے اس سے پرہیز کیا۔ ان کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی تو آپ نے خطبہ دیا اور اس میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا "بعض لوگوں کا یہ کیا رویہ ہے کہ وہ اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کو میں خود کر لیتا ہوں۔ قسم اللہ کی میں ان سے زیادہ جانتا ہوں اللہ کو (یعنی اس کی مرضی و نامرضی اور اس کے شئون و صفات کو) اور ان کی بہ نسبت

بہت زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا مباح عمل کیا جس کی اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی بشری کمزوری یا بشری ضرورت کی بنا پر رخصت دی ہو، تو بعض ایسے صحابہ نے جن پر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا یہ خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بخشے بخشائے ہیں اور آپ کا معاملہ تو کچھ اور ہے اس لیے اگر آپ اس قسم کی رخصتوں پر عمل کریں تو آپ کا کچھ نہیں بگڑتا اور آپ کے درجہ میں کوئی کمی نہیں آتی لیکن ہم گنہگاروں کے لیے یہی بہتر کہ ان رخصتی اعمال سے پرہیز کریں، حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں بھی اسی قسم کے ایک واقعہ کا ذکر ہے ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کی اصلاح کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنے ان نیازمندوں کی اس غلطی پر ان کے نام ظاہر کیے بغیر عتاب فرمایا اور اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جو عمل میں کروں اگرچہ وہ از قبیل رخصت ہو، اس سے کسی کو پرہیز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و نارضا اور اس کے احکام کا علم بھی سب سے زیادہ مجھ کو ہی ہے۔ اور اس کا خوف بھی سب سے زیادہ میرے ہی دل میں ہے، اس لیے جو عمل میں کرتا ہوں وہ علم و بصیرت کی بنیاد پر اور خوفِ خدا کے تحت کرتا ہوں، لہٰذا ایسے عمل سے پرہیزگاری بڑی غلطی ہے۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ حال بیان فرمایا ہے کہ "میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔"

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں ـــ "اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ" (قسم اللہ کی میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقوے والا ہوں۔)

(۱۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ـــــــ (رواہ الترمذی)

(**ترجمہ**) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر بڑھاپا آ گیا، آپ نے

ارشاد فرمایا کہ مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلٰت، سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کورت) نے ۔ (ترمذی)

تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قویٰ جیسے اچھے اور طبیعت جیسی معتدل تھی اس کے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہیے تھے۔ لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے تو حضرت ابوبکر نے ایک روز عرض کیا کہ حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔" ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا۔ اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں۔ اسی لیے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کا حال کیا تھا۔

(۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ ۔ (رواہ البخاری)

(**ترجمہ**) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے) ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اُن کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے

اسقدر لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو اور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۱۰۳) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ، اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةَ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور میں نے پوچھا اے ابوحمزہ کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟ انھوں نے فرمایا اللہ کی پناہ! وہاں تو حال یہ تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۱۰۴) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رواہ مسلم، جمع الفوائد)

(ترجمہ) حضرت حنظلہ بن ربیعؓ سے روایت ہو کہ ایک دن مجھے ابو بکرؓ ملے اور انھوں نے پوچھا حنظلہ کیا حال ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا "پاک ہو اللہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا بات یہ ہو کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہو کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہو، اس کے بعد میں اور ابو بکر دونوں چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حالت یہ ہو کہ ہم آپکے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں تو ایسا ہو جاتا ہو کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہو، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں تو بیوی بچے اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہو اگر تمھارا حال ہمیشہ وہ رہے جو میرے پاس ہوتا ہو اور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمھارے بستروں پر اور راستوں میں تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ (اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہو بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہو کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔　　(مسلم)

(ف) حضرت حنظلہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ صحابہ کرام میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا انحطاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

(۱۰۴) عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ

هَلْ تَدْرِي مَا قَالَ أَبِي لِأَبِيكَ قَالَ قُلْتُ لَا ، قَالَ فَإِنَّ أَبِي قَالَ لِأَبِيكَ
يَا أَبَا مُوسَى هَلْ يَسُرُّكَ أَنَّ إِسْلَامَنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهُ وَعَمَلَنَا كُلَّهُ مَعَهُ بَرَدَ لَنَا وَأَنَّ كُلَّ عَمَلٍ
عَمِلْنَا بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافاً رَأْساً بِرَأْسٍ فَقَالَ أَبُوكَ لِأَبِي لَا وَاللهِ
قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَصُمْنَا
وَعَمِلْنَا خَيْراً كَثِيراً وَأَسْلَمَ عَلَى أَيْدِينَا بَشَرٌ كَثِيرٌ وَإِنَّا لَنَرْجُو ذَالِكَ
قَالَ أَبِي لٰكِنِّي أَنَا وَالَّذِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنَّ ذَالِكَ بَرَدَ لَنَا
وَأَنَّ كُلَّ شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهُ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافاً رَأْساً بِرَأْسٍ ، فَقُلْتُ
إِنَّ أَبَاكَ وَاللهِ كَانَ خَيْراً مِنْ أَبِي ——— (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر نے کہا کیا تمھیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمھارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمھارے والد سے کہا تھا کہ اے ابو موسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کیے وہ تو ہمارے لیے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کیے اُن سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں (یعنی حضور کے بعد ہم نے جو اچھے یا برے عمل کیے ہیں ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب دیا جائے ——— (عبداللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سُن کر) تمھارے والد نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں تو یہ نہیں چاہتا. ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کیے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں. روزے رکھے ہیں، اور (اللہ کی توفیق سے) ان کے علاوہ بھی بہت سے اعمالِ خیر کیے ہیں، اور ہماری کوششوں سے اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بے شمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری امید

رکھتے ہیں (اس لیے میں تو آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں) ــــ اس پر میرے والد (حضرت عمر) نے پھر فرمایا کہ قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے وہ تو) ہمارے لیے ثابت رہیں اور ہم کو ان کا صلہ عطا کیا جائے اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کیے ان سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں ــــ (ابو بردہ کہتے ہیں کہ) میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا کہ خدا کی قسم تمہارے والد (حضرت عمر) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔　　(بخاری)

(تشریح) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندے کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید کی جاتی ہو اسی طرح حضرت عمرؓ یقین کے ساتھ امید رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کیے ہیں وہ تو آنحضرت کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہوں گے، لیکن جو اعمال حضور کے بعد کیے گئے چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ عام اہل معرفت کی طرح ان کے انجام سے ڈرتے تھے اور اپنی سلامتی اور کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب،

طاعتِ ناقصِ ما موجبِ غفراں نشود　　راضیم گر مدد علتِ عصیاں نشود

دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال اور یہ احساس خوفِ خدا کے غلبہ ہی کا نتیجہ تھا۔

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے اس لیے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے

وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِي طِلَاعَ الْاَرْضِ	اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر
ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ	سونا ہو تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے

عَذَابِ اللّٰہِ قَبْلَ اَنْ اَرَاہُ   پہلے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں

اور اپنی جان چھڑا لوں۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے لیے جنت کی بشارتیں سُنی ہیں ـــــ سچ کہا ہے کہنے والے نے "قربیاں را بیش بود حیرانی"۔ اللہ تعالیٰ اس خوف وخشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

زُہد کس لئے؟

از ——— عتیق الرحمٰن

[گزشتہ نگاہِ اولیں کے تحت، کچھ زہد کا ذکر آیا تھا اور اس سلسلہ میں کچھ آیات
و احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے کچھ حالات پیش کیے گئے
تھے۔ اس کو پڑھ کر جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک دوست نے اس کے
اصل موضوع سے متعلق راقم کو ایک خط لکھا اور ضمناً یہ بھی لکھا کہ زہد کے متعلق جو آیات
و احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے جو حالات آپ نے پیش
کیے ہیں ان کے پس منظر پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی ان کے پس منظر میں
اقامتِ دین کی جد وجہد کا ایک طویل سلسلہ ہے جس میں داعیانِ اسلام کو دشمنانِ
اسلام سے کشمکش پیش آ رہی تھی۔ پس ان حضرات کی جو زہد و فقر کی زندگی ہم دیکھتے
ہیں یہ اسی کشمکش کا لازمی نتیجہ تھی اور اس کشمکش میں کامیابی کے لیے ناگزیر تھا کہ
ایسی زندگی اختیار کی جائے۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں اس کی ترغیب دی جاتی
تھی۔ ورنہ ایسے زہد کی تو اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
کسی کو کافی مال و دولت دیا ہو اور وہ پھر بھی موٹا جھوٹا کھائے اور پہنے ——
خط کے اصل مضمون کا جواب تو ان کو اسی وقت دیدیا گیا تھا مگر اس ضمنی جزو پر ان
کی فرمائش کے مطابق ان صفحات میں روشنی ڈالی جا رہی ہے ——

وما توفیقی الا باللہ ——— ع]

زہد کے لغوی معنی، کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے آتے ہیں۔ اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لیے دنیا کے لذائذ ومرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے، اور ان کو ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔

مگر دنیا کے "لذائذ ومرغوبات" سے مراد وہ ہیں جو از قبیل مباحات ہوں اور جائز ذرائع سے حاصل ہوں۔ رہیں وہ چیزیں جو محرمات اور ممنوعات میں سے ہیں یا ناجائز ذرائع سے حاصل ہوں ان کا ترک زہد نہیں ہے بلکہ وہ تقوے ہے۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا ترک کرنا واجب ہے، جبکہ زہد واجب نہیں بلکہ صرف افضل واولیٰ اور باعث رفع درجات ہے۔

یہ تو ہوئی زہد کی حقیقت۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زہد اور رہبانیت میں عظیم فرق ہے۔ زہد میں صرف ان لذائذ ونعمہائے دنیا سے بے رغبتی اور کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے جن سے تمتع مباح ہے لیکن خلوت وعزلت اور تعذیب نفس زہد کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔ جب کہ رہبانیت کے مفہوم میں یہ چیزیں بھی داخل ہیں۔[1]

اب سوال یہ ہے کہ زہد کس لیے اور کیوں؟ یعنی دنیا کی جائز لذتوں اور نعمتوں سے کس لیے بے رغبتی اور کنارہ کشی اختیار کی جائے؟

اس سوال کا بھی اجمالی جواب زہد کی تعریف ہی میں موجود ہے۔ کہ آخرت کے لیے! ــــ اور تفصیلی جواب اس کا ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں اس سلسلے میں پہلے چند مقدمات ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔

۱۔ دین ہمیں آخرت کا عقیدہ دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی وہی ہے۔

وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ	اور بے شک آخرت ہی کی زندگی اصل
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (العنکبوت ع ۷)	زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔
اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ	اے اللہ زندگی تو بس آخرت
(الحدیث بخاری ومسلم)	ہی کی زندگی ہے۔

۲۔ اس کے بعد وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ اس زندگی میں کامیابی انھیں لوگوں کو حاصل ہوگی جو اس دنیا میں احکام الٰہی کا خیال کر کے زندگی گزاریں گے۔

---

[1] نہایہ ابن اثیر

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف ع ۱۵)　　اور آخرت کی کامیابی متقیوں ہی کا حصہ ہے۔

۳۔ اس کے بعد ہمیں بتلایا جاتا ہے اور حیات انسانی کا طویل تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ دنیاوی لذتوں اور نعمتوں میں انہماک ہی نے اکثر انسانوں کو آخرت سے غافل کیا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ　　اور نہیں ہے حیات دنیا مگر ایک دھوکے کا سامان۔

۴۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں حرام نہیں ہیں بلکہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ　　آپ کہیے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اُس

اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ　　زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے

(الاعراف ع ۴)　　پیدا فرمائی ہے، اور پاک روزی کو؟

اس لیے یہ ضروری تو نہیں ہے کہ آدمی آخرت کی کامیابی کے لیے دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کو ترک کرے (بایں معنی کہ بقدر کفاف سے آگے نہ بڑھے) اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان نعمتوں سے (بقدر کفاف سے زیادہ) استفادہ کر کے آخرت میں کامیابی محال ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص جتنے کم پر اکتفاء کرے گا وہ اسی قدر آسانی سے کامیابی حاصل کر سکے گا اور کامیابی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو سکے گا۔ کیونکہ جو جتنا کم استفادہ کرے گا اس کے لیے دنیا کی دھوکہ بازیوں اور دلفریبیوں میں آنے (اور آخرت سے غافل ہونے) کا اتنا ہی کم امکان ہوگا۔

گویا سوال کا جواب یہ ہے کہ زہد اسلئے اختیار کیا جائے کہ وہ حیات آخرت کی کامیابی کو آسان بنانے اور کامیابی کو اعلیٰ مدارج پر پہونچانے کی کلید ہے ——— پس جس کو یہ محبوب ہو وہ زہد اختیار کرے ورنہ اللہ نے ضروری نہیں ٹھہرایا ہے۔

یہ تو ہوئی زہد کی آخروی قدر و قیمت اور اس کی افادیت اس پہلو سے کہ وہ دنیا سے دھوکہ کھانے، آخرت کو بھول جانے اور راہ تقویٰ سے بھٹک جانے کے امکانات کو کم کرتا ہے۔ لیکن وہ اس عرضی قدر و قیمت کے علاوہ ذاتی قدر و قیمت بھی رکھتا ہے۔ یعنی وہ اپنی اس حیثیت سے قطع نظر کہ وہ راہ تقویٰ پر گامزن رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، بذات خود بھی اللہ کی نظر میں محبوب ہے اور حیات آخروی پر

اس کا ذوقی اثر بھی پڑتا ہے۔

یہ چیز ہمیں قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ احادیث رسول کریم سے بھی معلوم ہوتی ہے اور آپ کی اور آپ کے اصحاب کرام کی سیرت بھی اس باب میں رہنمائی کرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے:-

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ　　اور اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو۔

اور ظاہر ہے کہ زہد بھی صبر ہی کی ایک خاص قسم ہے، خود قرآن مجید اس حقیقت کا شاہد ہے ـــــ اہل دنیا کو دیکھ کر ان کی دنیا پر رشک کی نظر ڈالنے والوں سے اہل علم و معرفت کی زبانی کہلوایا گیا ہے۔

وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ　　برا ہو تمھارا سوچتے نہیں ہو کہ ایمان والوں
وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الصَّابِرُوْنَ　　اور نیکو کاری کی زندگی گزارنے والوں کو
　　اللہ کی طرف سے دیا جانے والا صلہ اس سے
(القصص ع ۸)　　کہیں بہتر ہو۔ مگر یہ انھیں کا حصہ ہو جو صبر کریں۔

یہ تو ہوا زہد کی عند اللہ محبوبیت کا ثبوت۔ اور پھر اسی میں ضمناً یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ آخرت کے لیے دنیوی نعمتوں سے نظر پھیر لینے اور دنیوی نقد پر اخروی اُدھار کو ترجیح دینے کا عند اللہ بڑا اجر ہے ـــــ یہی مضمون ایک دوسری جگہ یوں بیان ہوا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ　　خوشنما معلوم ہوتی ہو لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی مثلاً
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ　　عورتوں اور بیٹوں کی اور سونے چاندی
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ　　کے ڈھیروں کی عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ　　اور کھیتی باڑی کی۔ یہ سب سازو سامان
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ　　ہو دنیوی زندگی کا۔ اور اللہ کے پاس ہے
حُسْنُ الْمَآبِ (آل عمران ع ۲)　　بہترین ٹھکانا۔

اور ایک اور جگہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت طلبی کی فضیلت یوں بیان فرمائی گئی ہے:-

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا　　اور جس نے مراد بنایا آخرت کو اور کوشش

سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ	کی اس کے لیے کما حقہٗ اور وہ ہو صاحب
كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا	ایمان ۔ تو یہی لوگ ہیں جن کی ساعی ٹھکانے
(بنی اسرائیل ع ۲)	لگیں گے

قرآن کے بعد احادیث کو دیکھیے :۔

ایک صحابی سوال کرتے ہیں کہ حضور مجھے ایسی چیز بتائیے کہ میں اگر اس کو اختیار کر دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمانے لگے ۔ حضور جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ الحدیث	دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا۔

دیکھئے ! اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ تقویٰ اختیار کرو ۔ فرائض ادا کرو اور منہیات سے بچو ۔ یا مختصراً یہ کہ اللہ کے احکام پر چلو ، کیونکہ یہ چیزیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہے ، مگر یہ نہیں فرمایا گیا ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صحابی کا سوال خصوصی محبوبیت کے متعلق تھا اور خصوصی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے زہد کی ضرورت ہے ۔ بالکل اس طرح جیسے کہ فرائض پر نوافل کا اضافہ مزید تقرب کا باعث ہوتا ہے ۔

ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قدرت
وسلم من ترك لبس ثوب	رکھنے کے باوجود عمدہ لباس ترک کیا (اور
جمال وھو یقدر علیہ (و فی	ایک روایت میں ہے کہ تواضعاً ترک کیا) تو
روایۃ تواضعاً) کساہ اللہ	اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت میں) خلعت اعزاز
حُلَّةَ الکرامۃ	پہنائیں گے ۔

کتنا کھلا ہوا ثبوت ہے اس بات کا کہ زہد ایک ذاتی قدر و قیمت رکھتا ہے ۔ اور اس پر آخرت میں غیر معمولی اثرات مرتب ہوں گے ۔

احادیث اس باب میں اور بھی بہت ہیں ۔ اور بقول امام نوویؒ " اکثر من ان تحصر " مگر اثبات

دعا کے لیے یہی دو بہت کافی ہیں ــــــ اس کے بعد دیکھیے کہ خیر الخلائق اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس باب میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بلا ادنیٰ شک وشبہ کے بطریق تواتر یہ معلوم ہے کہ آپ نے دنیوی نعمتوں سے تمتع میں انتہائی احتیاط برتی اور باوجودیکہ آپ ہی نے ان کی اباحت کی تعلیم دی مگر خود بقدر کفاف (قوت لایموت) پر اکتفاء فرمایا؟ ــــــ کیا آپکے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہو کہ دنیوی نعمتوں سے کچھ زیادہ تمتع آپکے دل کو دنیا میں پھنسا سکتا تھا، آخرت کی فکر کو کم کرسکتا تھا اور راہ تقویٰ سے بال برابر بھی آپ کو ہٹا سکتا تھا؟ حاشا ثم حاشا!! کوئی مومن ایسا گمان نہیں کرسکتا! ــــــ پھر یہ زہد کس لیے تھا؟ یقیناً اس میں سیکڑوں حکمتیں ہوں گی۔ اور امت کے لیے رحمت وہدایت کے بے شما پہلو اس میں نکل سکتے ہیں۔ مگر کوئی شبہ نہیں کہ آپکے لیے اس کا اصل محرک زہد کی یہی فضیلت تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر محبوب ہو۔ اور آپکی محبت چاہنے والوں کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کا بہت بڑا اجر آخرت میں ملنے والا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی طرف اشارہ بھی ملتاہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

> میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چٹائی پر بغیر بستر کے آرام فرما ہیں اور آپکے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑ گیے ہیں۔ اور چمڑے کے ایک ایسے تکیہ پر سہارا لئے ہوئے ہیں جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضور کی امت پر کشادگی فرمائے۔ اس لئے کہ اہل فارس وروم کو کشادہ حالی بخشی گئی ہے درانحالیکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے ــــــ حضور نے ارشاد فرمایا عمر! تم اور یہ خواہش؟ اہل روم وفارس جن کا تم ذکر کرتے ہو، یہ تو وہ لوگ ہیں کہ عجلت لھم طیباتھم فی الحیاۃ الدنیا (ان کے حصہ کی نعمتیں دنیا ہی میں دیدی گئی ہیں) اور ایک روایت میں ہے کہ اما ترضیٰ ان تکون لھم الدنیا ولنا الآخرۃ (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے حصہ میں دنیا ہو اور ہمارے حصہ میں آخرت؟) (بخاری ومسلم)

خط کشیدہ فقرہ پر غور فرمائیے! کتنی صاف طور سے یہ بات ٹپک رہی ہے کہ حضور کا دنیوی

لذتوں اور راحتوں سے اجتناب اس یقین کے ماتحت تھا کہ اس کا صلہ آخرت میں ملنے والا ہے۔ اور ممکن ہے کہ قدر کفاف سے زیادہ لینے کی صورت میں آخرت کے حصہ میں کمی واقع ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ ایک مرتبہ آپ کو پیاس لگی۔ پانی مانگا تو تھوڑا سا شہد ملا کر پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

انه لطيب ولكني أسمع الله عز وجل نعى على قوم شهواتهم فقال "أذهبتم طيباتكم في حياتكم الدنيا واستمتعتم بها" فأخاف أن تكون حسناتنا عجلت لنا۔ فلم يشربه۔

(رواه رزين)

بے شک یہ پاک اور حلال ہے۔ لیکن میں سن رہا ہوں اللہ تعالیٰ کو مذمت فرماتے ہوئے ایک قوم کی لذت پسندی کی۔ فرمایا جا رہا ہو "تم نے اپنے حصہ کی نعمتیں لے لیں اپنی دنیاوی زندگی میں اور ان سے خوب استفادہ کر لیا" پس میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے حصہ کی اچھی چیزیں بھی کہیں (اس طور پر) دنیا ہی میں نہ دیدی جائیں ——— اور اس شربت کو نہیں پیا۔

یہ غالباً دور خلافت کا واقعہ ہے[1]۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور کے دوسرے خاص اصحاب کرام کا بھی یہی حال تھا۔ بلکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تو اس طرح کی زندگی گزارنے کو افضل اور اولیٰ ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیتے تھے۔

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھا کر کہتے ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ زہد ایک ذاتی قدر و قیمت رکھتا ہے اور وہ ذاتی طور پہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور ازدیاد اجر آخرت کا ذریعہ ہے، بلکہ ایمان بالآخرت کا عین تقاضہ بھی ہے۔ جس مومن پر ایمان بالآخرت کا حال جس قدر غالب ہوگا۔ اور جس قدر

---

[1] اور یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ مسند آرائے خلافت ہوتے ہوئے بھی آپ کی پوری زندگی کا رنگ یہی تھا۔ اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آدمی مال رکھتے ہوئے بھی آرام سے زندگی نہ گزارے بلکہ اپنے مال کا مصرف اپنی ذات کے علاوہ دوسرے امور خیر کو بنائے۔

جس بندہ پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ " ان الدار الآخرة لھی الحیوان " — " والآخرة خیر وابقی "
اور اللھم لاعیش الاعیش الآخرة وہ اسی قدر اس دنیا کی راحتوں اور لذتوں، اور تنعم وتجمل
سے گریزاں ہوگا ـــــــ بات بالکل دو اور دو = چار کی طرح ظاہر ہے کا ور کسی دلیل کی حاجت
نہیں، مگر کسی کو ضرورت ہی ہو تو وہ اس حدیث کو پڑھ لے۔

ایک دن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سامنے کچھ دنیا کا ذکر کیا
(غالباً اچھے لباس وغیرہ کا) تو آپ نے فرمایا۔

الا تسمعون الا تسمعون، ان البذاذة	سن لو اچھی طرح سن لو کہ لباس کی سادگی
من الایمان ان البذاذة من الایمان	اور بے تکلفی ایمان کا تقاضہ ہو ایمان کا
(رواہ ابوداؤد)	تقاضہ ہو ـــ (غالباً یہاں ایمان سے مراد
	ایمان بالآخرت ہی ہے)

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر مہربان ہوتا ہے، جس پر اسکی خصوصی نظر کرم ہوتی ہے، اسکے دل
میں وہ دنیا سے بالکل بے رغبتی اور آخرت کی بے پناہ طلب ڈال دیتا ہے اور قرآن میں جو فرمایا گیا ہو
کہ " ومن اراد الآخرة وسعیٰ لھا سعیھا " تو اس کی زندگی میں سعی للآخرة کی کیفیت اپنی
انتہائی صورت میں جلوہ گر ہو جاتی ہے ـــــ اس کے دل کی اس کیفیت کو قرآن میں شرح صدر سے
بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ	پس جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ (خصوصی)
صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ۔	ہدایت سے نوازنا، کھول دیتا ہے اس کا سینہ
(الانعام ع ۱۵)	اسلام کے لیے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور (شرح صدر کی تفسیر میں)
فرمایا کہ نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں
اس کے سینہ میں ایک نور ڈالتے ہیں جس سے اس کا سینہ اسلام کے لیے پوری طرح کھل جاتا ہے) عرض کیا گیا
یا رسول اللہ! اس کی کوئی ظاہری علامت بھی ہوتی ہے؟

قال نعم التجافی من دار الغرور	فرمایا، ہاں! اسکی علامت یہ ہے کہ آدمی

والانابة الى دار الخلود	دار غرور (دنیا) سے کنارہ کش ہو جائے، آخرت
والاستعداد للموت قبل	کی فکر میں ڈوب جائے۔ اور موت کا وقت
نزوله (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)	آنے سے پہلے اس کی تیاری کرنے لگے۔

گویا اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو سمجھنا چاہئیے کہ اسرار لا الٰہ ابھی پوری طرح کھلے نہیں ہیں۔ اور دل ابھی اسلام کی حقیقت سے آشنا ہوا نہیں ہے۔

ان سب چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہم نہایت آسانی سے فیصلہ کرسکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اندر جو زہد کی صفت پائی جاتی تھی وہ خاص ان وقتی حالات کا تقاضا تھی جو ان کے اردگرد تھے یعنی "اقامت دین" کے لیے دشمنان دین سے کش کش! یا یہ صفت نفس ایمان اور خاص کر ایمان بالآخرۃ کا تقاضا تھی؟ عارضی حالات نے اس پر مجبور کیا تھا، یا اس کی ذاتی قدر و قیمت اس کو اختیار کرنے کا اصل محرک تھی؟ —— بیشک ابتدائے اسلام کے حالات ایسے ہی تھے کہ راحت و لذت کے حصول اور تنعم و تجمل کی طرف توجہ نہیں دی جاسکتی تھی اور اگر ایسا کیا جاتا تو اسلام کا کلمہ بلند نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ انھیں حالات سے عہدہ برا ہونے اور اسلام کو ادیان باطلہ پر غالب کرنے کے لیے، داعیان اسلام میں زہد فی الدنیا کی اسپرٹ پھونکی گئی تھی، انتہائی کم نظری اور روح دین سے بے خبری کی دلیل ہے۔

اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کا زہد وقتی حالات کے تقاضوں کے ماتحت تھا۔ اسکے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ

"چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست"

قرآن و حدیث سے ناواقفوں کے لیے اس غلط فہمی کا امکان تھا۔ مگر فتح خیبر کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کا وہی حال رہنے اور فتح روم و ایران کے بعد بھی عمر و عثمان اور علی و ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم اور سیکڑوں دوسرے اصحاب کرام کے زاہدانہ طرز زندگی میں کوئی فرق نہ آنے نے قیامت تک کے لیے یہ بات صاف کر دی ہے کہ زہد، وقتی مصالح اور تقاضوں سے ورا الورا ایک ذاتی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور تقرب الٰہی کی کچھ رفعتیں وہ ہیں جنھیں ساری دنیا میں

(باقی)

ترقی کا صحیح راستہ!

(جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی)

اصل موضوع پر کلام کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوگا کہ ہم ترقی کے مفہوم کی بابت اپنے ذہنوں کو صاف کرلیں، کیونکہ ہمارے اس خوف اور لالچ کے برق رفتار عہد نے مختلف قدروں ہی میں اہم تبدیلیاں نہیں کردی ہیں بلکہ اکثر الفاظ کے قالبوں میں نئے نئے معانی ڈال کر بقول غالب خرد کا نام جنوں اور جنوں کا نام خرد رکھ دیا ہے۔ ہم کہتے کچھ ہیں اور ہمارا ذہن کسی اور طرف منتقل ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں ہمارے خیالوں میں پراگندگی اور سوچنے اور سمجھنے کے طریقہ میں کجی پیدا ہوتی ہے۔

ہم تو یہی جانتے ہیں کہ ترقی کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرف؟ ہم کس شخص یا کس قوم کو ترقی یافتہ کہہ سکتے ہیں؟ ہمارا زمانہ مغرب کی مرعوبیت کا زمانہ ہے اور اگرچہ اب مشرقی قومیں بھی اپنے صدیوں کے خواب سے چونک کر غلامی کی زنجیریں توڑ کر اپنے گرد و پیش کو تھوڑی بہت تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی ہیں، مگر عام حالت اب بھی یہی ہے کہ جو سکے مغربی تہذیب ڈھال کر کھینچ دیتی ہے وہ بلا تکلف ہمارے یہاں رائج ہوجاتے ہیں اور ہم کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی زحمت نہیں گوارا کرتے۔

مغرب کا ذہن تمام تر مادہ پرست ہے اور اسے ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ ثمرہ ہے ذہن

تہذیب کا اور رومن تہذیب کی بنیاد قدیم یونانی تہذیب نے رکھی تھی جو مادی ترقی اور حفظِ نفس کو مقصود بالذات سمجھتی تھی۔ چنانچہ اس کی تعبیر ہی میں اس کی خرابی کی صورت مضمر ہے۔

مغربی تمدن میں اولاً تو دینی شعور ہے ہی نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو وہ زمانہ کے آگے آگے چلنے کے بجائے اس کے پیچھے چلتا ہے۔ اس تمدن کی بنیاد ابتداءً سائنس اور صنعت و حرفت اور سیاسی جمہوریت پر رکھی گئی تھی۔ لیکن اس کی نشو و نما تغلب و استعمار اور کمزور قوموں پر ظلم و استبداد کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دولت سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اور پھر جوں جوں ترقی ہوتی گئی تن آسانی اور عیش پرستی کی تمام باتیں اس کا جزو لاینفک بنتی گئیں، نتیجہ یہ ہے کہ عیاشی اور نمود نے اتنا فروغ پایا ہے کہ اعلیٰ اخلاقی خصائل تباہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن اس کے شیدائی یہ نہیں دیکھتے کہ روحانی عنصر نہ ہونے کی وجہ سے مغربی تمدن کس تیزی سے ہلاکت کی طرف جا رہا ہے۔

ایڈورڈ گبن نے تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "تاریخ دراصل جرموں غلطیوں اور نوعِ انسانی کی بدنصیبیوں کے رجسٹر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے" ہم بغیر کسی تصرف یا غلط بیانی کے یہی تعریف مغربی تمدن کی تاریخ پر بھی چسپاں کر سکتے ہیں۔ دو عظیم جنگیں، فسطائیت، ایٹم بم ہائیڈروجن بم اور نہ جانے کتنے دوسرے فتنے اس کے بطن سے پیدا ہو چکے ہیں اور اب پھر تیسری اور ہولناک ترین عالمی جنگ کے بادل اکٹھا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

ان سطور سے ہمارا مقصد مادی ترقی کی نفی کرنا نہیں ہے، صرف یہ دکھانا ہے کہ اگر دنیاوی ترقی روحانی اور اخلاقی شعور کے ماتحت نہ ہو تو وہ کس درجہ خطرناک اور موجب خطرات بن جاتی ہے۔

جس طرح انسان میں جسم اور روح کا امتزاج ہے اسی طرح اس کی ترقی کے بھی مادی اور روحانی دو پہلو ہیں اور دنیاوی ترقی اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب اسے اطاعتِ الٰہی کے زیرِ سایہ حاصل کیا جائے۔

جو تمدن ان دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ چھوڑ دے وہ غیر معتدل اور ناقص ہے۔ صحیح تمدن وہی ہو جو دونوں کے مطالبوں اور تقاضوں کو تسلیم کرے اور ان میں عدل کرے،

اور اپنے سامنے یہ نصب العین رکھے کہ انسان کے مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرنا ہی ترقی کا صحیح مفہوم ہے۔

لیکن اس متوازن ترقی کا راستہ صرف اسلام دکھاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک طرف مادیت، کی نفی نہیں کرتا اور نہ اس کے امکانات اور تقاضوں سے صرف نظر کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ ان بنیادی روحانی اور اخلاقی قدروں کا بھی محافظ ہے جو مادہ کے ڈھیر کو انسانیت میں تبدیل کرتی ہیں۔

ہم نے سب سے بڑی غلطی یہ کی ہے کہ دنیوی علم و عمل سے دین کا رابطہ توڑ دیا ہے۔ کہیں صرف مادی ترقی اور دنیوی بہبودی پر زور ہے کہ قابل توجہ یہی چیزیں ہیں اور اگر دینی اصول ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے نظر آئیں تو انھیں بلا جھجک قلمزد کر دینا چاہیے، اور کہیں مذہب اپنی ساری توجہ کا مرکز بنا رہا ہے کہ قدیم تعلیم و تہذیب کے دائرہ میں محدود رہو ورنہ جدید تعلیم و تہذیب تم کو جہنم میں پہونچا دے گی۔ نئے علوم و فنون جاننے والے طبقہ کی اکثریت اپنے قدیم تہذیبی سرمایہ سے ناواقف ہونے کے باعث دین سے عدم التفات کو ترقی کا وسیلہ سمجھتی ہے اور قدیم علوم و فنون کے اکثر وارث عصری رجحانات سے بے خبری کی وجہ سے پرانی بحثوں اور روایتی انداز فکر کے اسیر ہیں، اور مذہب کے سانچہ میں ڈھال کر ایک ترقی یافتہ اور متوازن تمدن کی تشکیل کی ضرورت یا تو محسوس نہیں کرتے یا خود کو اس کا اہل نہیں پاتے۔

عام مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی کی نوعیت شعوری نہیں بلکہ جذباتی ہوگئی ہے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے جلسوں میں جھرجھری اب بھی پیدا ہو جاتی ہے، مسلمانوں کی زبوں حالی سے دل اب بھی متاثر ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل سے تو ہم اسلام کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں مگر سوچتے غیر اسلامی طریق پر ہیں اور زندگی غیر اسلامی اصولوں پر مرتب کرتے ہیں۔ بعض حضرات دین سے سیاست کا کام لینا چاہتے ہیں، بعض تجارت کا اور زیادہ تر تو اس سے کوئی کام ہی نہیں لینا چاہتے۔ حال وقال کا یہ بعد ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوا ہے۔ خدا کو مالک اور آقا مان کر کوچہ غیر میں گداگری کرتے ہم کو شرم نہیں آتی۔ جھوٹ کو ام الخبائث تسلیم کر کے چند بیگہ زمین کے لیے جھوٹا حلف اٹھا لینا ہمارے اندر کوئی الجھن نہیں پیدا کرتا۔ بڑھتی ہوئی خود غرضی اور باہمی عداوت سے رسمی طور پر عبرت اندوز ہونے کے لیے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اپنی روزمرہ کی زندگی

میں خلوص، ایثار اور خدمت کے جذبات پیدا کرنا ہمارے لیے محال ہے۔ مالی ابتری کے باوجود محنت اور کفایت شعاری پر ہماری طبیعتیں نہیں مائل ہوتیں۔ غرض خدا اور آخرت پر ایمان اور ہماری نمازیں اور ہمارے روزے ہم کو خود غرضی، جھوٹ، قوت پرستی، دولت کی طمع اور اس طرح کے دوسرے روحانی و اخلاقی امراض سے نجات دلانے میں کارگر نہیں ہوتے، حالانکہ انھیں ایسا ہونا چاہیئے۔

سر چارلس لائل نے بڑے مزہ کی بات کہی ہے کہ "ایشیا جیسا عملی سیاست کا اسکول کہیں نہیں ہے۔ جہاں نیکی اور انصاف کے نہایت پاکیزہ اور قابل تعریف اصولوں کے ساتھ چھین لو اور دبا بیٹھو کا پرانا طریقہ اب بھی رائج ہے اور جہاں افعال اور مسلّمات کا تضاد کسی کو مطلق نہیں کھٹکتا"

یہاں اس سے بحث نہیں کہ آیا تنہا ایشیا ہی اس الزام کا مستحق ہے اور دنیا کے دوسرے براعظم اس سے بری ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ کُل ایشیا پر یہ بات صادق آتی ہو یا نہ ہو مسلمانوں کی حالت ضرور ایسی ہی ہے۔ ان کے یہاں عقائد اور اعمال میں مناسبت ہی معدوم نہیں بلکہ اس عدم مناسبت پر ان کا ضمیر ہلکی سی چٹکی بھی نہیں لیتا۔ اور یہ اس لیے ہو کہ اسلام سے ان کے تعلق کی نوعیت محض طبیعی، رسمی اور نسلی ہوگئی ہے۔ دینداری کے معنی چند عقائد کا اقرار اور چند رسوم کی ادائیگی سمجھ لیے گئے ہیں اور زبان سے اسلام کے 'دین عمل' اور 'ضابطۂ حیات ہونے کا لاکھ دعویٰ کیا جائے معاشرت میں خوف خدا کو راہ نما بنانے پر کوئی راضی نہیں ہو۔

اسلام کی عظیم الشان عمارت کے چار ستون ہیں (۱) اعتقادات، (۲) عبادات، (۳) اخلاقیات، اور (۴) معاملات۔ حضور سرور کائنات کی رسالت کا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ ان چاروں عنوانوں کا مجموعہ تھی۔ آپ نے یہ حقیقت بار بار دُہرائی کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہو اور دوسرا اپنے خالق کی مخلوقات کے ساتھ یعنی اس کا ایک رخ عالم غیب کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہود کی طرف۔ خدا اور بندہ کے تعلق کے جن اجزا کا تعلق ہماری قلبی و ذہنی کیفیات سے ہو اُن کو اعتقادات کہتے ہیں اور جن اجزا کا تعلق ہمارے جسم و جان اور مال و دولت سے ہو وہ تین ابواب یعنی عبادت، اخلاق اور معاملہ میں تقسیم کردیے گئے ہیں۔ اسلام کی تکمیل کے لیے ان چاروں کا استحکام ضروری ہے۔ نجات کا مدار ایمان اور عمل صالح دونوں پر ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں آمنوا کے ساتھ ساتھ وعملوا الصالحات

پرہمیشہ زور دیا گیا ہے۔

درحصل اعمالِ حسنہ ہی ایمان کی پختگی کی پہچان ہیں، ویسے ہی جیسے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص ایمان کا تو دعویدار ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق اچھائی نہ پائی جاتی ہو تو یہ کھلی ہوئی علامت اس بات کی ہوگی کہ ایمان اس کی زبان سے اتر کر اس کے دل اور اسکی شخصیت کی گہرائیوں تک نہیں پہونچا ہے۔ احادیث میں اس مضمون کی کمی نہیں۔ مثلاً

"مومنوں میں اسی کا ایمان سب سے زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔" (سنن ابی داؤد)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ اپنے بھائی یا پڑوسی (راوی کو شک ہو) کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔" (بخاری)

"جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔" (بخاری)

"اچھے خلق ہی کو اسلام کہتے ہیں۔"

"قیامت کی ترازو میں حسنِ اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی اور چیز نہ ہوگی۔"

"خوش اخلاق دنیا اور آخرت کی نیکی کو لے گیا۔"

"بخل اور بداخلاقی دو ایسی چیزیں ہیں جو مومن میں کبھی جمع نہیں ہوتیں۔"

"جو آدمیوں کو زیادہ نفع پہونچاتا ہے وہی زیادہ اچھا آدمی ہے۔"

"جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں وہ مسلمان نہیں۔"

مختصر یہ کہ اسلام اور زندگی میں ایک نہ ٹوٹنے والا رابطہ اور علاقہ ہے اور اس کی ہمہ گیر تعلیم کے ثمرات سے ہم تب ہی اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں جب ہم اس کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی کرلیں۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا مدار اپنے اندر سچا مذہبی جذبہ بیدار کرنے پر ہے تاکہ ہمارے تمدن کی بنیاد ابدی اخلاقی قدروں پر ہو۔ وہ طرزِ زندگی اور

وہ تمدن جو مادی اغراض سے مغلوب ہوکر منشائے حق کو پس پشت ڈال دیتا ہے خود بھی برباد ہو جاتا ہے اور انسانیت کو بھی کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اس کی تعمیر ریت کی دیواروں پر ہوتی ہے اور جب وہ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے معائب کے بوجھ سے بیٹھنے لگتا ہے ـــــ جیسا کہ ضروری ہے ـــــ تو ہمسایوں کو بھی تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے، لیکن جن کی آنکھیں مغرب کی جگمگاہٹ سے خیرہ ہوگئی ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال ہی ہے اور اتنی ہی عمر میں، جو تاریخی اعتبار سے کچھ بھی نہ ہوئی، اس میں انحطاط کی علامتیں پیدا ہوگئی ہیں اور اس کے مستقبل کی بابت سخت اندیشے ظاہر کیے جا رہے ہیں۔

تہذیب اپنے عروج کو نہیں پہونچ سکتی جب تک انسان اپنی زندگی کا رشتہ رضائے الٰہی سے نہ جوڑے، اور مادی ترقی صرف اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب روحانی اور اخلاقی اقدار سے اس کا رشتہ قائم رہے۔ ایک متوازن و معتدلانہ نظامِ تمدن تزکیۂ نفس نہیں بلکہ اصلاحِ نفس ہی کے سہارے وجود میں آسکتا ہے اور مسلمان کسی اور ذہنی فضا میں مسلمان کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتے۔

ہم کو چاہیے کہ اسلام کے آبِ حیات سے اپنے معاشرہ کو سیراب کریں ہم میں ایک ایسی جماعت ہو جو اسلام کے عقائد اور اصولوں کو لے کر علم و عمل کے میدان میں آگے بڑھے اور زندگی کے نشیب و فراز اور اس کے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات اور مسائل میں ان کو برت کر دکھائے تاکہ قوم کو صحیح عملی ہدایت ملے اور قومی مزاج میں پختہ دینی شعور اور خود اعتمادی پیدا ہو۔ یہی چیزیں ترقی کے صحیح راستہ پر لگا سکتی ہیں اور اسی کی اس وقت ضرورت ہے اور اگر نظر کو ذرا وسیع کر کے دیکھا جائے تو قرآن کی اس آیت میں بھی ہم کو یہی حکم ملے گا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ	اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا چاہیے جو
إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ	لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور انہیں اچھے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ	کام کرنے کی ترغیب دے اور برے کاموں سے
الْمُفْلِحُونَ۔	روکے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

یہ عمل جس طرح ہماری فلاحِ اخروی کا ضامن ہے۔ دنیوی فلاح و ترقی کے صحیح راستہ پر پڑنا بھی اسی پر موقوف ہے۔

ہم نے بدقسمتی سے اسلام کی سماجی اہمیت کو پوری طرح نہیں سمجھا اور یہ نہیں دیکھا کہ یہی وہ صفت تھی جس نے اسلام کو روایتی مذاہب سے ممتاز کرکے اُسے ایک تاریخی حقیقت بنا دیا تھا۔

ہماری تاریخ کے نازک دوروں میں ایسی عظیم المرتبت شخصیتیں ضرور اُبھریں جنھوں نے معاشرہ کے بارے میں اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی جانوں تک کی بازی لگا دی اور یہی وجہ ہو کہ اسلام اندر و باہر کے بیشمار خطروں کا مقابلہ کرکے آج بھی ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے قائم ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے دینی رہنماؤں کی اکثریت نے اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا، نہ ذہنی اور علمی سطح پر اور نہ عمل کے میدان میں۔ مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں اور گھروں، کالجوں، کھیتوں اور کارخانوں کی درمیانی خلیج پر پُل بنانے کی کوشش اَدھوری ہی رہی اور زندگی کو دین سے اور دین کو زندگی سے قوت کی لہریں جیسی کہ پہنچنی چاہیئے تھیں نہیں پہنچ سکیں۔ انجام کار دین دنیا کی تفریق اور اس بارے میں افراط و تفریط پوری قوم کا مزاج بنا ہوا ہے جو ہزار خرابیوں کی جڑ ہے۔

اسلام کی وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں جن کے حسن و خوبی انجام دینے کے لیے وہ خلق کیا گیا ہے۔ دراصل اسلام آیا اسی لیے تھا کہ اپنے پیرووں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہی رکھدے (سیرت ابن ہشام جلد اوّل) یہ ہماری کم نصیبی ہو کہ ہم اس سے یہ کام نہیں لیتے جب تک ہم نے اسلام کی روح سے اپنی روحوں کو منسلک رکھا دنیا نے اس صداقت کا حیرت انگیز مظاہرہ دیکھا۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب یہ رشتہ کمزور پڑ گیا اور ملک گیری مسلمانوں کے فعّال طبقہ کا نمایاں مقصد بن گئی تو اسلام ایک سیاسی قوت کی طرح دنیا کے بڑے حصہ پر تو چھایا رہا، مگر اس کے جسم سے اس کی روح جدا ہو گئی۔ یہ کوئی اچھی شکل نہ تھی، اور انجام اس کا وہی ہوا جو ہر ایسی سیاسی طاقت کا بالآخر ہوتا ہے جو اچھے اخلاقی اصولوں سے تربیت نہیں لیتی۔ روحانی امراض نے معاشرہ کو کھوکھلا کر دیا، زندگی کے عناصر کمزور پڑ گیے اور رفتہ رفتہ دولت و حکومت بھی جاتی رہی۔

ہماری بہبودی اسی میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادّیت کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اجتماعی زندگی میں جذب کرلیں۔ جب تک یہ نہ ہوگا ہم ترقی سے یونہی محروم رہیں گے، جیسے کہ آج ہیں۔

مسئلہ تعدّد ازدواج

اور

اس دور کے متجددین

ان متجددین کے افکار پر جو کچھ ہمیں کہنا تھا وہ تمام ہوچکا۔ اور اسی تنقید میں ضمناً تعدد ازدواج کے بارے میں صحیح اسلامی نقطۂ نظر بھی واضح ہوگیا ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ چند سطروں میں اس نقطۂ نظر پر مستقلاً اور مثبت طور سے بھی روشنی ڈال دیں۔

ہمارے خیال میں اس مسئلے پر سوچنے کا سب سے سیدھا اور مختصر راستہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ شادی کی سماجی یا مذہبی مشروعیت کا سب سے اہم اور سب سے طاقتور داعیہ کیا ہے؟۔

اس کا جواب غالباً اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا کہ ـــــ انسان کی جنسی تسکین! جو اس کی فطرت کا تقاضہ ہے۔

اب دوسری بات یہ دیکھنی چاہیے کہ مذہب یا سماج نے اس تقاضہ کی تکمیل کے لیے انسان کو باضابطہ شادی کا پابند کیوں کیا ہے؟۔

اس کا جواب بھی شاید بس ایک ہی ہوسکتا ہے کہ اگر یہ پابندی عائد نہ کی جاتی تو انسان آزادانہ شہوت رانی کرتا اور آزادانہ شہوت رانی کے مفاسد کو نہ کوئی مذہب برداشت کرسکتا ہے اور نہ کوئی صالح سماج!

اچھا اب تیسری بات یہ بتلایئے کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ یہی فطری جذبہ بعض انسانوں میں اس درجہ کا ہوتا ہے جو ایک عورت سے تسکین نہیں پاتا؟ ـــــ اگر یہ واقعہ ہے! اور یقیناً ایک ناقابل

انکار واقعہ ہو! تو پھر سوچئے کہ اگر اسلام اس جذبہ کی اس نوعیت کو نظر انداز کر دیتا تو پھر وہ ہر پہلو سے دین فطرت کہلانے کا کیسے مستحق ہو سکتا تھا؟ اسے انسان کی تمام ضروریات کا کفیل کیسے کہا جا سکتا تھا؟ اور اگر وہ ازدواجی رشتہ کی مشروعیت کو یک زوجگی میں محدود کر دیتا تو ان مفاسد کا مکمل سد باب کیسے ہو سکتا تھا جن کے انسداد کے لیے انسان کو جنسی تسکین کے حصول میں ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا؟ ___ اسلام کے دین فطرت ہونے کا تقاضہ ہو کہ وہ اس جذبہ کی اس نوعیت کو تسلیم کرے اور اس کی تسکین کا جائز راستہ پیدا کرے! ___ اور اس کا راستہ تعدد ازدواج کو جائز قرار دینے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہو؟ ___ علیٰ ہٰذا جن مفاسد کے سدباب کے لیے انسان کو جنسی جذبہ کی تسکین میں ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا، عین انھیں مفاسد کا تقاضہ ہو کہ اس ...... کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت بھی دیجائے۔ ورنہ جہاں یہ جذبہ اس خاص نوعیت کا ہوگا وہاں اس بات کا پورا امکان ہوگا کہ انسان پھر اس آزاد شہوت رانی کی طرف لوٹ جائے جس سے بچانے کے لیے اس کو ازدواجی رشتہ کا پابند بنایا گیا تھا!

> اب فیصلہ کیجئے کہ اسلام کی فطرت سے ہم آہنگ یک زوجگی کی پابندی ہو یا تعدد ازدواج کی اجازت؟ ___ اور پھر تعدد ازدواج بھی کون سا؟ غیر جنسی ضروریات اور اتفاقی حالات کے ساتھ مشروط ___ یا ___ مطلق؟۔

لیکن مطلق اس معنی میں نہیں کہ جتنی تعداد چاہو جمع کر لو۔ بلکہ مطلق اس معنی میں کہ جس ضرورت سے بھی چاہو چار تک کر سکتے ہو۔ البتہ ایک شرط ہو کہ سب بیویوں کے درمیان معاملہ عدل کا رکھو! ___ پس جو شخص اس شرط کا لحاظ نہیں رکھتا وہ یقیناً اس اجازت کا غلط استعمال کرتا ہو اور اسے اللہ کے سامنے اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

آپ کہیں گے کہ پھر چار کی تحدید کیوں کی گئی؟ چار سے زیادہ کی بھی تو ضرورت ہو سکتی ہے؛ پھر اس ضرورت کا تو اسلام کفیل نہ ہوا۔ اور ان مفاسد کے سدباب میں ایک رخنہ پھر بھی رہ گیا جن کی وجہ سے تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی! ___ ہم اس کے جواب میں عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان اور اس کی ساری قوتوں کا خالق ہے وہ یقیناً اس بات سے سب سے زیادہ واقف ہو کہ ایک انسان کی زیادہ سے زیادہ جنسی قوت کو بیک وقت کتنی عورتوں کی

ضرورت ہوسکتی ہو۔ اس لیے اس کی طرف سے چار کی تحدید اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہو کہ اس تحدید کے بعد، بیک وقت چار سے زیادہ کی ضرورت کسی انسان کو نہیں ہوسکتی۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اس پر اگر ریسرچ کی جائے تو حقیقت یونہی نکلے گی! — مگر یہ واضح رہے کہ سوال ضرورت کا ہو عیاشی کا نہیں!

دوسرا سوال یہ کیا جاسکتا ہو اور کیا جارہا ہو کہ جس طرح مرد کو ایک سے زیادہ عورتوں کی ضرورت ہوسکتی ہو۔ اسی طرح بعض اوقات ایک عورت میں بھی تو صنفی عمل اسقدر شدت پذیر ہوسکتا ہے کہ وہ فرد واحد سے تسکین نہ پاسکے؟ ہم اس کے جواب میں سب سے پہلے تو وہی بات پھر یاد دلائیں گے کہ سوال ضرورت کا ہونا چاہیے۔ عیاشی کا نہیں، اور اس کے بعد عرض کریں گے کہ یہ اعتراض محض برائے اعتراض ہو۔ اس کی کوئی سی بھی کل سیدھی نہیں۔

اولاً تو یہ سوچنا چاہیے کہ جن مفاسد کے سدباب کے لیے مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی کیا عورت کو اس کی اجازت دینے کے بعد وہ تمام مفاسد عود نہیں کر آئیں گے! — ہم اسکی تشریح میں جانا پسند نہیں کرتے۔ آپ خود سوچئے! ذرا سے غور و فکر سے سارے مفاسد کا نقشہ سامنے آسکتا ہے۔

دوسرا پہلو سوچنے کا یہ ہو کہ اگر اس خیال میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ جس طرح مردوں میں ہمیشہ تعدد ازدواج کا رواج رہا عورتوں میں کبھی نہیں رہا، کیا کسی فطری تقاضہ کو اس حد تک دبایا جاسکتا تھا؟ اگر آپ کہیں کہ مردوں کے جبر و استبداد نے ایسا نہ ہونے دیا ہوگا تو کم از کم کبھی اس پر احتجاج تو عورتوں نے کیا ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ذرہ برابر بھی جان اس اعتراض میں نہیں ہے، یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک زیادہ قوی عورت صنف مقابل کے کسی فرد خاص سے پوری تسکین نہ پاسکے، مگر یہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا کہ اس صنف کا کوئی ایک فرد بھی اس مقصد کے لیے کفایت نہ کرسکے! — جو بات ہوسکتی ہے، اور ہوتی ہو اس کا خدائے حکیم وخبیر نے پورا خیال رکھا ہے اور اس کی شریعت نے ایسی صورت میں عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ اس مرد سے طلاق حاصل کرلے، بلکہ اگر مرد طلاق نہ دے تو شرعی عدالت مرد کی خواہش کے علی الرغم عورت کو آزادی دلائے گی، اور پھر وہ دوسرے مناسب شخص سے نکاح کرسکے گی! اگرچہ

بات نہیں ہو سکتی اس کا خیال کہاں سے رکھا جاتا!؟ — بات تو تہذیب کے خلاف ہو، مگر جب بعض عورتوں نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر محض شریعت الٰہی کو مجروح کرنے اور اسے منسوخ کرانے کے لیے یہ حیا سوز مطالبہ کر ڈالا ہو — کہ مردوں کو اگر تعدد ازدواج کی اجازت دی جاتی ہے تو عورتوں کو بھی دی جائے، — تو کہنا پڑتا ہو کہ پاکستان کی وہ بیگمات جنھوں نے یہ شوشہ چھوڑا ہو ذرا اس کا تجربہ تو کر کے دیکھ لیں کہ آیا ان کی صنف اس مطالبہ کی لاج بھی رکھ سکے گی یا نہیں؟۔

تعدد ازدواج کی اجازت پر ایک اور اعتراض لوگ یہ کرتے ہیں کہ صاحب اس سے گھر کا سکون برباد اور خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہو، کئی بیویوں کے اجتماع سے ایک ناچاقی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بجائے باہمی محبت اور یکجہتی کے جو خاندانی نظام کا سنگ اساس ہے، منافرت و عداوت لے کر پیدا ہوتی ہے۔ جس سے ایک خاندان کا شیرازہ بکھر کر نہایت مکروہ صورتیں سامنے آتی ہیں۔

یہ لوگ ایک ہی پہلو کو سوچتے ہیں اور دوسرا پہلو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں یا ہو جاتا ہے اس لیے ان کی رائے قانون الٰہی سے ٹکراتی ہو۔ اگر انسان میں یہ کمزوری نہ رہے اور جذبات یا حالات کا دباؤ معاملات کے بعض پہلو اس کی نظر سے اوجھل نہ کر دیا کرے تو اسے شریعت الٰہی میں کبھی کوئی اعتراض کی صورت نظر نہ آئے، مگر اکثر و بیشتر ایسا نہیں ہوتا اور یہیں سے اعتراض کا پودا پھوٹتا ہے، اس مسئلہ میں بھی یہی ہوا ہے، انھوں نے اس پہلو کو تو سوچا کہ تعدد ازدواج پر عمل سے خانگی سکون اور خاندانی نظام پر برا اثر پڑے گا، مگر اس پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ اگر یہ بات بند کر دیا جاتا ہو تو انسان کے دین و اخلاق کا کیا بنے گا۔ بیشک اس عمل سے خانگی سکون اور خاندانی نظام پر اثر پڑتا ہے، مگر اتنا نہیں جتنا بتلایا جا رہا ہو۔ ایسی مکروہ صورتیں اگر کہیں پیدا ہوتی ہیں تو ان کا ذمہ دار تعدد ازدواج نہیں، بلکہ وہ غفلت ہو جو ایک عرصہ سے ہم اسلامی تعلیم و تربیت کی طرف سے برت رہے ہیں جس کے نتیجہ میں ہمارے گھر خوف خدا سے خالی اور حقوق باہمی کے احساس سے عاری ہو چکے ہیں۔ اگر طبیعتوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر، آخرت کی جوابدہی کی فکر اور باہمی حقوق کا احساس ہو تو تعدد ازدواج سے کبھی یہ صورتیں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ تھوڑا سا اثر ضرور پڑے گا۔ مگر وہ دین و اخلاق کی حفاظت کے لیے گوارا کرنا پڑے گا۔

جس طرح ہم بہت سی چھوٹی باتوں کو بڑی باتوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور اس زندگی میں اس سے چارہ نہیں، اس کی مثالیں آپ کو قدم قدم پر نظر آئیں گی۔

اور پھر یہی دلیل تو بعینہ اس صورت میں بھی پیش کی جا سکتی ہو جب ایک صاحب اولاد بیوی کے انتقال کے بعد آدمی دوسری شادی کرے۔ اس صورت میں بھی تو یہی سب کچھ ہوتا ہے، تو کیا اس کا بھی دروازہ بند کرنے کے لیے کہا جائے گا؟ — بات حقیقت میں بس وہی ہو جو عرض کی گئی کہ یہ نتائج سارے اسی چیز کے ہیں کہ ہمارے دل خوف خدا، فکر آخرت اور دوسرے دینی احساسات سے خالی یا تقریباً خالی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا فکر اس کی کرنی چاہیے نہ کہ شریعت کے اجزاء منسوخ کرانے کی یا اللہ میاں کو حکمت پڑھانے کی۔

تعدد ازدواج کے متعلق آج کل جن خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے حقیقت یہ ہو کہ ان کا محرک یا تو خود غرضی ہے (یعنی اونچے طبقہ کی وہ بیگمات جن پر مغربی تعیش اور فیشن پرستی کا بھوت سوار ہو، وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے "صاحب" کی آمدنی میں کوئی اور شریک ہو کر ان کی مسرفانہ زندگی پر اثر انداز ہو) اور یا مغربی تہذیب سے بے پناہ مرعوبیت ہو جو تعدد ازواج کے سسٹم پر طعن کرتی ہے۔ چنانچہ یہ مرعوبین یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح مغرب کو یقین دلا دیں کہ اسلام میں تعدد ازواج کا سسٹم ہے ہی نہیں، اور اگر ہے تو وہ بعض ناگزیر حالات کے لیے ہو، جو قابل طعن نہیں — یہ ہیں ان خیالات کے محرکات۔ نہ یہ کہ یہ لوگ قرآن و حدیث میں غور کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، اور ایک دیانتدارانہ مطالعہ انھیں اس اظہار خیال پر مجبور کر رہا ہے — اللہ تعالیٰ اس مرعوبیت کو دور فرمائے اور قرآن و حدیث کو اس مرعوبانہ ذہنیت کا تختۂ مشق بننے سے بچائے۔

(بقیہ صفحہ (۴۳)

اسلام کا جھنڈا گاڑنے اور نظام حق قائم کر دینے کے بعد بھی، زہد و فقر کے بغیر چھوا نہیں جا سکتا۔

ہائے! حقیقت سے کس قدر ناواقف اور کیسے دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس "اقامت الحکم الصالح" کے لئے جد و جہد ہی اصل دین اور تقاضائے دین ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ بس اس کے مقدمات و وسائل ہیں — اس کے سوا کچھ نہیں — کاش وہ جان سکتے کہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا؟

بسلسلہ "ہندوستان میں مسلمان" — دوسری مجلس

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک ریڈیائی تقریر، مترجمہ سید محمد حسنی)

اس مجلس میں حسب وعدہ یہ دکھایا جائے گا کہ مسلمانوں نے جو کبھی مبلغ اور داعی کی حیثیت سے! کبھی مجاہد اور فاتح کی صورت میں اور کبھی عالم اور فقیہہ کی شکل میں ہندوستان میں داخل ہوئے، اس ملک کو کیا فائدہ پہونچایا اور اس کو کیسے کیسے تحفے دیئے، اور اپنے طویل اور تابناک عہد میں اس کے دینی علمی اخلاقی، اجتماعی، صنعتی اور تہذیبی سرمایہ میں کیا اضافہ کیا۔

کبھی مسلمان اپنے شخصی اور ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر محض اپنے دینی جذبہ کے ماتحت ہندوستان میں داخل ہوئے جس کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک کے باشندوں کو "اسلام" کے عادلانہ پیغام سے روشناس کرائیں، لوگوں کو دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی کشادگی کی طرف لے جائیں اور ان کو رسم و رواج اور خودساختہ ظالمانہ قوانین کی بیڑیوں سے آزاد کرائیں، جیسا کہ ان مخلص داعیوں نے کیا، جن کے آغوش شفقت میں لاکھوں مظلوم اور بیکس انسانوں نے پناہ لی اور ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے مثلاً حضرت سید علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور علی بن شہاب ہمدانیؒ۔

کبھی ان کی حیثیت ایک فاتح اور کشورکشا کی تھی جیسے سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوریؒ ظہیر الدین بابر تیموری وغیرہ جنھوں نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی

جس سے ملک و قوم کو عرصۂ دراز تک فائدہ پہونچا اور زندگی کے مختلف شعبوں میں بڑی بڑی ترقیاں ہوئیں۔ ایسی سے ہر ایک کا یہ عزم تھا کہ وہ یہاں اقامت کرے گا یا اس سے گہرا اور قریبی ربط رکھے گا، ان کا عقیدہ تھا کہ زمین اللہ کی ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جو کچھ اللہ کا ہے وہ خلافت اور نیابت کی راہ سے ۔ جس کے ذمہ دار مسلمان بنائے گئے ہیں، مسلمانوں کا ہے۔ وہ اس ملک کو اپنا وطن اپنا مسکن اور اپنا مدفن سمجھتے تھے اور کسی قیمت پر اس کو چھوڑنے کے روادار نہیں تھے، انھوں نے اپنی تمام طاقتوں اور دماغی صلاحیتوں کے ساتھ اس کی خدمت کی، اور اپنی تمام ذہانت اور نازک خیالی اس میں صرف کردی، ان کا یقین تھا کہ وہ اس ملک کی دولت میں جو بھی اضافہ کریں گے وہ دراصل خود انکی اپنی دولت میں اضافہ ہوگا اور اس کا فائدہ سب سے پہلے خود ان کو اور آنے والی نسلوں کو پہونچے گا، اس لئے کہ اس ملک کے حقیقی وارث اور مستقبل کے فاتح یہی لوگ ہیں، چنانچہ قدرتی طور پر ہندوستان کے بارے میں ان کا طرز فکر اور زاویۂ نظر مغربی استعمار پسندوں سے بالکل مختلف تھا جو اس کی تمام دولت اور خزانے تو اپنے ملک میں منتقل کر لیتے تھے اور اس کے بعد بھی اس کو جونک کی طرح چوستے رہتے تھے۔

جب مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے اس وقت ہندوستان ایک قدیم کلاسیکل تہذیب و تمدن کا حامل تھا، اس کے پاس ایک قدیم فلسفہ تھا، ریاضی، اقلیدس کے دقیق علوم تھے میوے پھل غذائی اشیا اور کچے مال کا اچھا خاصہ سرمایہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہ صدیوں سے دنیا سے منقطع ہوکر ایک گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا، بقیہ انسانیت سے ایک طرف اس کو پہاڑ رد کئے ہوئے تھے اور دوسری سمندر، متمدن دنیا کا آخری شخص جسنے اس سرزمین پر قدم رکھا، وہ سکندر اعظم تھا۔ اس طور پر یہ عظیم قوم صدیوں تک ایک محدود دائرہ میں بسی رہی، نہ وہ باہر سے افکار و مذاہب اور علوم و فنون قبول کرنے کی روادار تھی نہ دوسرے ممالک میں اپنے افکار و مذاہب برآمد کرتی تھی۔

مسلمان جب ہندوستان میں داخل ہوئے، اس وقت وہ مشرق بلکہ پوری متمدن دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب قوم تھے، ان کے ہاتھ میں ایک نیا، معقول، سہل اور فطرت سے قریب مذہب تھا۔ ان کے پاس پختہ اور وسیع علوم تھے۔ ان کے ساتھ ایک اعلیٰ، لطیف، اور پاکیزہ تمدن تھا جس کے ایک ایک گوشہ میں اعلیٰ درجہ کی صنعت اور فنکاری کا مظاہرہ کیا گیا تھا، وہ اپنے ساتھ بے حد وحساب عقلوں کا جوہر اور مختلف اور متنوع تہذیبوں کا خلاصہ لائے تھے، اہل عرب کا

ذوق اہلِ فارس کی لطافتِ حس، ترکوں کی سادگی ان کی ذات میں جمع تھی، انھوں نے ہندوستان کو بہت سی عجیب وغریب چیزیں اور بہت سے نادر اور قیمتی تحائف دیے۔

مذہب میں جو سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز تھی وہ اسلام کی وہ توحیدِ خالص تھی جو بندہ اور رب کے درمیان عبادت اور دعا میں کسی وساطت کو برداشت نہیں کرتی اور نہ تعدد آلہ اور مظاہر، ظل اور برگزیدہ ہستیوں میں خدا کے حلول کی قائل ہے، وہ صرف ایک خدا کو مانتی ہے جو وحدہ لاشریک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے، نہ کوئی اس کا رفیق کار ہے نہ ہمسر، وہی صاحب خلق ہے اور صاحب امر، آسمان و زمین ہر جگہ اسی کی عظمت وکبریائی کا سکہ چلتا ہے۔

اجتماعی شعبہ میں جو سب سے زیادہ قیمتی تحفہ تھا وہ انسانی مساوات کا نظریہ تھا، یہ ہندوستان کے لیے ایک بالکل نئی چیز تھی، اب نہ طبقاتی تفاوت کی گنجائش رہی نہ چھوت چھات کی کوئی جگہ، اب نہ کوئی موروثی طور پر نجس تھا، نہ کسی کے لیے تعلیم ممنوع تھی، پیشوں کی کوئی تقسیم نہ تھی، سب ایک ساتھ رہتے تھے ایک ساتھ کھاتے تھے، ایک ساتھ پڑھتے تھے، ہر شخص اپنے پیشہ اور ذریعہ معاش کے انتخاب میں آزاد تھا۔ یہ ہندوستانی دین اور ہندوستانی سوسائٹی کے لیے ایک کاری ضرب تھی لیکن کوئی شک نہیں کہ اس نے ہندوستان کو بہت فائدہ پہونچایا اور طبقاتی نظام کی بنیادیں کمزور پڑ گئیں۔ طبقاتی نظام کے خلاف آئندہ ردعمل میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور اجتماعی اصلاح اور چھوت چھات کے خاتمہ کا ایک بڑا محرک یہی تھا۔

تیسرا تحفہ جو ہندوستان کو مسلمانوں نے عطا کیا، وہ صنف نازک کا احترام، انسانی برادری کے ایک معزز فرد کی حیثیت سے اس کے حقوق کا اعتراف اور اس کی عزت کی ضمانت تھی۔ اس تحفہ کی قدر وقیمت اور عظمت ایک ایسے ملک میں جہاں شوہر کے مرنے کے بعد عورت ستی ہوجاتی ہو اور سماج کی نگاہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کو زندہ رہنے کا کوئی استحقاق نہ ہو روزِ روشن کی طرح روشن ہے اور اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

مسلمانوں نے ہندوستان کو بہت سے نئے علوم دیے جس میں سب سے بڑا علم — اسلامی علوم سے قطع نظر کرکے — علم تاریخ تھا، یہ ملک اس فن کے معاملہ میں بہت تہی دامن تھا اور یہاں کے کتب خانوں میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس کو صحیح معنی میں تاریخ کی کتاب کہا جاسکے، یہاں مذہبی کتابیں تھیں،

یا مہابھارت اور رامائن اور عہد قدیم کے قصے اور جنگ کی داستانیں تھیں مسلمانوں نے ہندوستان میں تاریخ کا ایک عظیم الشان کتب خانہ پیدا کر دیا جو عالمی کتب خانوں میں ایک اہم حیثیت کا مالک ہے۔ معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف (از مولانا حکیم سید عبدالحیٔ) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس فن کے ساتھ کتنی دلچسپی اور انہماک کا ثبوت دیا ہے اور ملکی تاریخ اور عام انسانی تاریخ کا کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔

ہندوستان نے مسلمانوں سے مجموعی طور پر وسعت خیال، جدت فکر اور شعر و ادب میں بہت سے نئے تخیلات حاصل کئے جو اس عقلی، فکری اور ادبی پیوند بندی کے بغیر ناممکن تھے، مسلمانوں نے اس ملک کو جہاں اور چیزیں دیں وہاں اس کو وہ وسیع اور رنگین زبان دی تھی جو آج ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بیشمار زبانیں رائج ہیں تمام ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور علم و ادب کی زبان بن چکی ہے۔ میری مراد اردو سے ہے۔

صنعت و دستکاری اور تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ روشن ہیں، انھوں نے یہاں ایک نئے طرز زندگی کی بنا ڈالی جو اس ملک کی قدیم زندگی سے اتنی ہی مختلف تھی جتنی موجودہ یورپ کی زندگی قرون وسطیٰ کی زندگی سے!

ہندوستانی دنیا سے علیحدہ ایک سادہ زندگی گزار رہے تھے، خوراک اور پوشاک میں ان کے یہاں کوئی توسع نہیں تھا، وہ گزی گاڑھے اور کچے اون کے کپڑے پہننے کے عادی تھے لیکن دیکھئے کھانے کے اقسام اور لباس کی وضع قطع میں عظیم الشان ترقی ہوئی، تاریخ کی شہادت ہے کہ اکبر کے عہد میں اون اور روئی سے تیس قسم کے کپڑے تیار کیے جاتے تھے، آخری زمانہ میں چکن سازی کی صنعت حیرت انگیز حد تک ترقی کر چکی تھی، یہاں تک کہ انگریز آئے اور انھوں نے اپنا مال فروخت کرنے کی غرض سے ملکی صنعتوں کو ختم کرنا شروع کر دیا۔

یہ ملک اپنی سرسبزی اور زرخیزی کے باوجود میوے اور پھلوں کی ایک قلیل تعداد کا مالک تھا، جس میں اکثریت جنگلی پھلوں کی تھی، مغل بہت لطیف ذوق کے مالک تھے اور ایسے ملک کے باشندے تھے جو میوے اور پھلوں کے لیے مشہور رہے انھوں نے اس ملک کو بہت سے نئے پھلوں اور نئے میووں سے روشناس کیا جس کا اندازہ تزک بابری اور تزک جہانگیری کے مطالعہ سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ

علماء دین اور مسلم حکام و سلاطین

ازافادات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

[امام غزالیؒ کی مشہور اور اہم فارسی کتاب کیمیائے سعادت ایک ضرورت سے مطالعہ میں تھی اس کے ایک باب (باب در اوردار سلاطین و سلام بایشاں) سے گزرتے ہوئے جی چاہا کہ ناظرین الفرقان کو بھی اس کے کچھ حصہ کے مطالعہ میں شریک کرلیا جائے۔ اور اس کے بعد ذہنی انتقالات نے اس پر کچھ اضافہ کرکے اسے ایک چھوٹے سے مضمون کی شکل دیدی (ع)]

"معلوم ہونا چاہیئے کہ سلاطین و حکام کے ساتھ علماء و غیر علماء کی تین حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نہ وہ سلاطین و حکام کے پاس جاتے ہیں اور نہ سلاطین و حکام ان کے پاس آتے ہیں۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے۔"[1]

دوم یہ کہ وہ سلاطین کے پاس جاتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ یہ شریعت میں مذموم ہے۔ الا یہ کہ ضرورت ہو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء ظالم کے بارے میں فرمایا ہو کہ جو ان سے دور رہتا ہے وہ بچا ہوا ہے اور جو ان کے ساتھ دنیا میں گرفتار ہو گیا وہ انھیں میں سے ہو۔ نیز فرمایا کہ میرے بعد ظالم سلاطین ہوں گے۔ پس جو ان کے غلط اقوال و اعمال اور ان کے مظالم سے چشم پوشی کرے اور ان پر صاد کرے گا وہ میرا نہیں ہے، اور نہ وہ قیامت میں میرے حوض سے سیراب ہوسکے گا ——— اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین علماء وہ ہیں جو سلاطین و حکام کے پاس جاتے ہیں، اور محبوب ترین امراء وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ علماء جب تک سلاطین سے میل جول

[1] اور یہی تمیری صورت ہے۔ ع

د پیدا کریں وہ پیغمبروں کی امانت کے امین ہیں۔ اگر انھوں نے میل جول کیا تو انھوں نے اس امانت میں خیانت کی۔ اور ان سے پھر دور رہنا چاہیئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہؓ سے فرمایا کہ سلاطین سے بچو کیوں کہ ان کی دنیا میں سے تم کو کوئی چیز ایسی نہیں مل سکتی کہ اس کے بدلہ میں تمھارے دین کا اس سے زیادہ حصہ نہ رخصت ہو جائے۔ نیز فرمایا کہ دوزخ میں ایک وادی ہے جس میں سوائے اُن علماء کے اور کوئی نہیں جائے گا جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں — حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ سلاطین و امراء سے علماء کی دوستی ان کے نفاق کی دلیل ہے۔ اور اہلِ ثروت سے دوستی ان کی ریاکاری کی دلیل ہے — حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ آدمی بعض اوقات اچھا خاصا دین لے کر سلطان کے پاس جاتا ہے اور بے دین واپس آتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ اُس چیز سے ان کی رضاجوئی کرتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا سبب ہوتی ہے — فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر ایک عالم سلطان سے قریب ہوتا ہے اللہ تعالےٰ سے اسی قدر دور ہو جاتا ہے۔ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ علماء جو سلاطین کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں مسلمانوں کے حق میں، ان کا ضرر جواریوں سے بھی زیادہ ہے۔ اور محمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی نجاست پر بیٹھنے والی مکھی سلطان کی ڈیوڑھی پر جانے والے عالم سے بہتر ہے۔

اس مسئلہ میں اس سختی کا سبب یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کے پاس جاتا ہے وہ اپنے کردار کی جانب سے یا گفتار کی جانب سے یا خاموشی کی جانب سے یا اعتقاد کی جانب سے گناہ کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ از روئے کردار جس معصیت کا خطرہ ہو وہ یہ ہے کہ عموماً سلاطین کے مکانات و محلات مغصوبہ ہوتے ہیں اور مغصوبہ مکان میں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ اور اگر وہ صحرا یا دشت میں خیمہ زن ہوں تو غالب یہ ہے کہ ان کا خیمہ اور فرش فروش از قبیل حرام ہوں۔ پس ایسے خیمہ میں جانا اور ایسے فرش پر پاؤں رکھنا یہ بھی معصیت ہے۔ اور اگر بالفرض بے فرش و خیمہ کے ارض مباح پر قیام پذیر ہوں تو اگر تعظیم دی یا کوئی خدمت کی تو یہ ظالم کے سامنے تواضع اور نیازمندی ہوگی اور یہ بھی معصیت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کسی نے کسی امیر کے سامنے بوجہ امارت و ثروت تواضع اور نیازمندی کا اظہار کیا اس کے دین کا ایک حصہ جاتا رہتا ہے، اگرچہ وہ امیر ظالم نہ ہو۔ پس سلام کے علاوہ اور کچھ جائز نہیں ہے۔ رہا ہاتھ کو بوسہ دینا یا کمر دوہری کرنا اور سر جھکانا یہ صرف سلطانِ عادل

کے لیے یا عالم کے لیے یا کسی ایسے شخص کے لیے جائز ہے جو بوجہ دین کے مستحق تواضع ہو۔ اور بعض بزرگوں نے اس سے بھی زیادہ سختی سے کام لیا ہے کہ ظالموں کے سلام کا بھی جواب نہیں دیا اور ظلم و جور کی وجہ سے ان کو جواب سلام کا مستحق بھی نہیں سمجھا۔

اور گفتار کی معصیت کی صورتیں یہ ہیں کہ اس کو (سلطان کو) دعا دے۔ مثلاً کہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ یہ اس لیے معصیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کو درازی عمر کی دعا دیتا ہو وہ گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ خدا کا نافرمان اس زمین پر ہمیشہ رہے۔ پس کوئی دعا جائز نہیں سوائے اس کے کہ یوں کہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھلا بنائے، نیکیوں کی توفیق دے اور اپنی اطاعت گزاری میں تمہاری عمر دراز کرے۔ دعا کے بعد عموماً یہ ہوتا ہے کہ اپنے اشتیاق کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس طرح کے الفاظ کہے جاتے ہیں کہ "خدمت عالی میں حاضری کے لیے ہمیشہ مشتاق رہتا ہوں" سو اگر یہ حقیقت نہیں تو یہ بے ضرورت کذب بیانی اور نفاق ہوگا۔ اور اگر حقیقت ہے یعنی وہ واقعی مشتاق رہتا ہے تو جو دل ظالموں کے دیدار کا مشتاق رہتا ہے وہ نور اسلام سے خالی ہوتا ہے۔ دل میں نور اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں سے اسی طرح نفرت ہو جس طرح اپنی نافرمانی کرنے والے سے ہوتی ہے ——— پھر جب اظہار اشتیاق سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے عدل و انصاف وغیرہ کی قصیدہ خوانی شروع کر دیتا ہے اور یہ جھوٹ اور نفاق سے خالی نہیں ہوتا۔ اور کم از کم اتنا تو کرنا ہی پڑتا ہے جس سے "اعلیٰحضرت" کا دل خوش ہو جائے۔ اور کسی ظالم کے دل کو خوش کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور جب اس سے بھی فراغت ہو جاتی ہے تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ "اعلیٰحضرت" اپنی گفتگو میں کوئی امر محال بھی بیان کرتے ہیں تو اس پر بھی سر ہلا کر تصدیق کی جاتی ہے ——— اور یہ سب معصیت ہے۔

اور معصیت خاموشی کی شکل یہ ہوتی ہے کہ جانے والا شخص اس کے محل میں حریر و دیبا کا فرش بچھا ہوا دیکھتا ہے۔ دیوار پر تصاویر لگی دیکھتا ہے۔ اور سلطان کو ریشمی جامہ میں ملبوس اور سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے پیالے وغیرہ استعمال کرتے دیکھتا ہے، اس کی زبان سے فحش اور جھوٹ سنتا ہے اور خاموش رہتا ہو۔ حالانکہ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان پر نکیر اور احتساب واجب ہے اور خاموشی روا نہیں۔ ہاں اگر نکیر کرنے میں کوئی خوف و خطر محسوس کرتا ہو تو اس میں معذور رہیگا۔

مگر وہاں بے ضرورت جانے میں معذور نہیں ہو سکتا کہ ایسی جگہ بے ضرورت جانا روا نہیں ہے جہاں معصیت دیکھے اور اس پر نکیر نہ کر سکے۔

اور دل و اعتقاد کی معصیت یہ ہے کہ اس (سلطان ظالم) سے محبت کرے اور اس کے سامنے تواضع اور نیازمندی کو پسند کرے۔ اس کے نعمہائے دنیوی پر نظر کرے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی رغبت اپنے دل میں پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے فرمایا تھا کہ اے مہاجرین اہل دنیا کے پاس مت آیا جایا کرو کہ (ان کی دنیا کو دیکھ کر) تمھیں اپنی وہ روزی ناپسند ہونے لگے جو اللہ تعالیٰ تم کو دیتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کے مال پر نظر مت ڈالو کہ ان کی دنیا کی چمک دمک تمھارے دل سے حلاوت ایمانی کو زائل کر دے گی۔"

(کیمیائے سعادت صفحہ ۱۵۶-۵۰)

بلاشبہ سچ فرمایا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ اور اسی وجہ سے علماء حق یا تو اپنے عہد کے سلاطین سے ملتے ہی نہ تھے یا اگر ملتے تھے تو ان کی اصلاح کے لیے اور کلمۂ حق کہنے کے لیے!

کیا اس کی روشنی میں وہ حضرات اپنے موقف پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے جو نہ صرف یہ کہ دور بیٹھے بیٹھے اس زمانہ کے مسلم حکمرانوں کی تنزیہہ و تعدیل کرتے رہتے ہیں اور ان کے فسق و فجور پر نکیر کرنے والی دینی جماعتوں کو ہر طرح مجروح اور مطعون کرتے رہتے ہیں بلکہ ان ظالم و فاسق حکمرانوں سے ملاقات کے لیے ہمہ تن اشتیاق بھی رہتے ہیں۔ اور ان کے یہاں باریابی کو اپنے لیے باعث عزت افزائی سمجھتے ہیں۔ اور ملاقات میں کمال نیازمندی و تذلل کا اظہار کرتے ہیں۔

کاش یہ حضرات سوچ سکتے کہ ان کی اس روش سے مقام علماء و علم دین کی کیسی تذلیل ہوتی ہے۔ اور اسلام اور مسائل اسلامیہ کو کس درجہ نقصان پہونچتا ہے!

علماء حق کا شیوہ کیا تھا اور علم دین کی غیرت کا تقاضہ کیا ہے؟ کیجئے آج آپ کو ایک صاحب عزیمت عالم ربانی اور ایک مرد خود آگاہ کا قصہ سنائیں کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را　　گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

آپ میں سے بہت سوں نے یہ قصہ خود الفرقان کے صفحات میں اس سے پہلے پڑھا ہوگا۔ مگر اس ماہ ماہنامہ "صبح صادق" کے تازہ نمبر میں پھر سامنے آیا تو ہم نے ایک بار نہیں بار بار پڑھا۔ اس میں جو حلاوت ایمانی ہے اس کے سامنے قند مکرر کا لطف بھی ہیچ ہے اس لیے ہم آپ کو بھی ایک بار پھر اس ذائقہ میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہے کہ

خلیفہ ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوئے ہیں۔ ہر مجلس مجلسِ عشرت وطرب، ہر محفل محفل لطف ومسرت، ہر جا نغمۂ عیش ونشاط، ہر سمت منظر فرحت وانبساط، کہیں علماء وزہاد کا مجمع کہیں نامی گرامی شعراء کا اجتماع، انعام واکرام کی بارش ہو رہی ہے خزانۂ شاہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اعزاز ومناصب کی تقسیم ہو رہی ہے لیکن حضرت سفیان ثوریؒ جن سے خلیفہ کو دلی عقیدت ہے اس جشن مسرت میں شریک نہیں ہیں ہارون الرشید کو اس پر حیرت ہے۔ وہ آپ کو خط لکھتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اللہ کے بندے ہارون الرشید امیر المومنین کی جانب سے اپنے دینی بھائی سفیان سعید الثوری کی طرف۔ میرے بھائی آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا ہے مجھ کو بھی محض اللہ کے واسطے آپ سے محبت اور قلبی تعلق ہے۔ اگر خلافت کا طوق میری گردن میں نہ ہوتا تو اپنی محبت واخلاص کے باعث خود حاضر خدمت ہوتا۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس موقع پر مجھے اس منصب جلیل کی مبارک باد نہ دی ہو۔ میں نے خزانوں کے دروازے کھول دیے ہیں گرانقدر عطیات اور عظیم الشان بخششوں کی وجہ سے میری آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور حاصل ہو رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود آپ اب تک میرے پاس تشریف نہیں لائے۔ میں نہایت شوق کی وجہ سے عریضہ خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں۔ اے ابو عبداللہ! آپ کو مومن کی زیارت اور اسکی ملاقات کے فضائل بخوبی معلوم ہیں لہذا یہ خط دیکھتے ہی تشریف لائیے اور عجلت فرمائیے۔"

ہارون رشید نے عباد طالقانی کو یہ خط دیا اور حکم دیا کہ یہ خط حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں لے جائیں عباد کہتے ہیں کہ میں خط لیکر کوفہ پہونچا اور حضرت موصوف کی خدمت میں اس کو پیش کیا حضرت سفیان ثوری نے خط اہل مجلس کے سامنے ڈال دیا اور فرمایا کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے

ہاتھ ایسی چیز میں لگاؤں جس میں ظالموں کا ہاتھ لگا ہو۔ حضرت کے حکم سے بعض اہل مجلس نے خط پڑھنا شروع کیا۔ پورا خط سننے کے بعد حضرت سفیان ثوری نے ارشاد فرمایا کہ اسی خط کی پشت پر ظالم کو جواب دے دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابو عبد اللہ خلیفہ کا معاملہ ہے۔ اگر جواب اچھے اور صاف خط میں دیا جائے تو اچھا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں اسی خط کی پشت پر جواب لکھو یہ خط اگر کسب حلال سے ہے تو ہارون الرشید کو اس کا عوض ملے گا ورنہ وہ اسی کے ساتھ ڈال دیا جائے گا میرے یہاں کوئی ایسی چیز نہ رہے جس کو ظالم نے چھوا ہو کہ مبادا وہ ہمارے دین کو خراب کر دے۔ عرض کیا گیا کہ جواب میں کیا لکھا جائے فرمایا کہ لکھو:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے سفیان کی جانب سے ہارون الرشید کی طرف جو امیدوں اور آرزوؤں کے فریب میں مبتلا ہے، جس کی ایمانی حلاوت سلب کر لی گئی ہے، جو تلاوت قرآن کی لذت سے محروم ہے۔ میں تم کو صاف لکھ رہا ہوں کہ میں نے تم سے محبت کا رشتہ توڑ دیا میرے اور تمھارے تعلقات ختم ہو گئے تم نے میرے نام جو خط بھیجا ہے اس میں اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال سے تم بیجا مصارف کر رہے ہو گویا تم یہ لکھ کر خود اپنے اس فعل پر شاہد ہو گئے۔ جن کے سامنے تمھارا خط پڑھا گیا ہے اور ہم لوگ کل اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ عدالت میں اس کی شہادت دیں گے۔ اے ہارون تم نے مسلمانوں کے مال پر حملہ کر رکھا ہے۔ کیا تمھارے اس فعل سے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافرین راضی ہیں؟ کیا تمھارا یہ فعل اہل علم کے نزدیک پسندیدہ ہے؟ کیا بیوہ عورتیں اور یتیم بچے اس سے خوش ہیں؟ کیا تمھاری رعایا کو اس سے مسرت ہے؟ اے ہارون اپنے ہاتھ کو روکو، کل اللہ کے یہاں جواب دہی کے لیے تیار رہو۔ یقین کر لو کہ تم کو ایک عادل اور حکیم کے دربار میں کھڑا ہونا ہے۔ اپنے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ایمان و زہد کی صورت تم سے سلب کر لی گئی ہو تلاوت قرآن کی لذت اور صلحاء کے ہمنشینی کے شرف سے تم محروم ہو گیے ہو اور تم نے اپنے لیے ظالموں کا سرگروہ بننا پسند کر لیا ہے۔ اے ہارون تم تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے حریر و دیبا کے استعمال میں مصروف ہو اور تم نے دروازہ پر پردے ڈال رکھے ہیں۔ ظالم سپاہ تمھارے قصر کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ یہ لوگوں پر ظلم کرتی ہے اس کا انصاف نہیں ہوتا۔ دوسروں پر شراب کی حد جاری کرتے ہیں اور خود شراب خور ہیں۔ زانی کو سزا دیتے ہیں، مگر

خود زانی ہیں۔ چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں لیکن خود چور ہیں۔ قاتل کو سزائے موت کا حکم سناتے ہیں لیکن خود قتل کرنے میں بیباک ہیں۔ کیا یہ احکام تم پر اور تمھاری سپاہ پر ضروری نہیں ہیں قبل اس کے کہ وہ دوسروں پر جاری کیے جائیں؟

اے ہارون اس دن تمھارا کیا حشر ہوگا جب پکارنے والا پکارے گا کہ ظالمین اور ان کے اعوان وانصار کو جمع کرو پھر تم مع اپنی پوری جماعت کے بارگاہ ایزدی میں حاضر کیے جاؤ اور تم ان سب کے امام ہو گے، اے ہارون میری نصیحت پر عمل کرو، اپنی رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اس پر غور کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے بارے میں کیا حال تھا، اے ہارون جس طرح خلافت تم کو ملی ہے اسی طرح تم سے کسی دوسرے کو ملے گی دنیا کا یہی رنگ ہے، پس کچھ لوگ تو وہ ہیں جو (اس سلسلہ میں) اپنے لیے نفع آخرت کا سامان مہیا کر لیتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی دنیا وآخرت دونوں تباہ ہیں۔ اب تم آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھنا اس لیے کہ میں جواب نہیں دوں گا۔"

خلیفہ ہارون الرشید کیسا بادشاہ تھا جس کے ساتھ ایک عالم ربانی نے یہ معاملہ کیا جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ بس، اتنا سن لیں کہ

(جب قاصد یہ جواب لے کر اس کے پاس پہونچا تو)

اس نے خط پڑھنا شروع کیا اور آنسو اس کے چہرے پر جاری تھے۔ بعض مصاحبین نے عرض کیا کہ امیر المومنین سفیان نے آپ کے مقابلہ میں بڑی بیباکی سے کام لیا ہے انھیں پا بزنجیر قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ ہارون الرشید نے کہا اے بندگان دنیا سفیان کو ان کے حال پر چھوڑ دو بیشک وہ شخص بدبخت ہے جس کے تم ہمنشین ہو، یقیناً سفیان ایک مرد متقی ہے، عباد کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے اس روز سے معمول کر لیا کہ نماز پنجگانہ کے بعد اس خط کو پڑھتا اور خوب روتا۔

(بقیہ صـ ۳۹)

انھوں نے بہت سے ہندوستانی پھلوں میں پیوند لگایا اور ان کو پہلے سے کہیں زیادہ لطیف اور لذیذ بنا دیا خاص طور پر آم پہلے صرف اس کی تخمی قسمیں ہی تھیں۔ انھوں نے اس میں قلم لگا کر ایک نئی قسم ایجاد کی جس کو قلمی کہتے ہیں۔ بعد میں اس میں اور ترقی ہوئی اور اس کے انواع و اقسام میں بہت اضافہ ہوا جو شاید کھجور کی قسموں سے بھی آگے بڑھ جائے۔

مسلمانوں کے دور کا فن تعمیر ہندوستان میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس کو ہندوستان فخر کے ساتھ دوسرے ممالک کے سامنے مقابلہ کے طور پر پیش کر سکتا ہے تاج محل آج بھی فن تعمیر کی ایک زندہ نشانی اور مسلمانوں کے تابناک عہد کی بولتی ہوئی یادگار ہے اور اس بات کی شہادت ہے کہ مسلمان جمالیاتی ذوق، نازک خیالی، لطافت حس اور فنی مہارت کے کس درجہ پر فائز تھے۔

قصہ مختصر ہندوستان نے مسلمانوں سے جو فائدہ حاصل کیا وہ اس فائدے سے کہیں زیادہ اور قیمتی ہے جو مسلمانوں کو ہندوستان سے پہونچا اس ملک میں ان کی آمد حقیقت میں اس کی تاریخ اور اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز تھی اور ہندوستان کی ایک بہت بڑی فتح!

تعارف و تبصرہ

داعی امن

از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ، دہلی۔ ناشر: مجلس سیرت بمبئی ۸۰ ۱۲۳ ذکریا مسجد اسٹریٹ بمبئی ۹۔ ۱۶ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔

مولانا عبد السلام صاحب قدوائی جو چند سال پیشتر ادارۂ تعلیمات اسلام لکھنؤ کے روح رواں تھے اور اب جامعہ ملیہ کے اسٹاف میں ناظم دینیات کی حیثیت سے منسلک ہیں، اپنے شگفتہ اور سلجھے ہوئے طرز تحریر کے لئے معروف ہیں۔ یہ مختصر مقالہ انھیں کے قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے شر و فساد سے بھری ہوئی دنیا کو کس طریقہ سے امن کی راہ پر ڈالا۔ اور کس طرح آپ کی تعلیمات نے امن کی حقیقی بنیادیں فراہم کیں۔

اپنے موضوع پر نہایت چست اور مؤثر رسالہ ہے۔ چاہیئے کہ کوئی بھی پڑھا لکھا انسان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے۔

نماز سمجھ کر پڑھیئے

از جناب ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب حسنی۔ ناشر: سید محمد صاحب حسنی ۴/۲۰ گوئن روڈ لکھنؤ۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۳/

اس میں نماز میں پڑھی جانے والی تمام چیزوں (بجز تعوذ) اور عمومی طور پر پڑھی جانے والی چند سورتوں کا ترجمہ ایک خاص طریقہ سے سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ عربی نہ جاننے والے نمازی بھی نماز سمجھ کر پڑھ سکیں ـــــ طریقہ یہ ہے کہ مثلاً بسم اللہ کا ترجمہ بتلانا ہے تو پہلے مفردات کے معنی بتلائے گئے ہیں۔ (مکررات کو حذف کر کے) اور پھر پوری بسم اللہ کا ترجمہ دیدیا گیا ہے۔ امید ہے کہ جناب مؤلف کی توقع کے مطابق یہ چیز نفع بخش رہے گی۔

دوسرا رخ:۔

(۱) ترجمہ میں کئی جگہ نظر ثانی کی گنجائش ہے اور بعض جگہ ضرورت مثلاً ایسے دامعاہم

کا ترجمہ "اگر ہم کو دکھلائے جائیں انکے اعمال" کے بجائے "تاکہ دکھائے جائیں انکو ان کے اعمال" کیا جائے تو مفہوم کچھ زیادہ ہی واضح ہوجائے گا اور الفاظ کی مطابقت بھی پوری ہوجائے گی۔ — ضرورت کی مثال۔ سورۂ ماعون میں لا یحض کا ترجمہ ہے۔ اس کا ترجمہ "نہیں رغبت دیتا ہے" کے بجائے "نہیں ترغیب دیتا ہے۔ یا نہیں رغبت دلاتا ہے" ہونا چاہیئے۔

(۴) نماز سمجھ کر پڑھنے کے لئے صرف ترجمہ کا جان لینا کافی نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ قریش کا ترجمہ جان کر بھی آدمی اس کا مطلب مشکل ہی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ترجمہ کے بعد مختصر الفاظ میں مطلب بھی سمجھا دیا جائے۔

معلم القرآن | از مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی۔ ناشر: مکتبہ ترجمہ قرآن۔ بہرائچ۔ یو۔ پی صفحات ۱۲۸۔ قیمت ۴ر۔

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب چند سال سے "قرآن (سمجھکر) پڑھو اور پڑھاؤ" کی ایک مفید تحریک چلا رہے ہیں۔ اس کے لئے انھوں نے ایک نصاب بھی تیار کر دیا ہے۔ جو کافی مقبول ہو رہا ہے۔ یہ کتاب اس نصاب کے معلمین کے لئے ہدایت نامہ کے طور پر تیار کی گئی ہے۔ جو لوگ اس نصاب کے مطابق کہیں تعلیم دے رہے ہیں ان کو ضرور اس سے استفادہ کرنا چاہیئے۔

دین کی باتیں | مولانا عبدالرحمٰن بن یوسف الافریقی مدرس دارالحدیث۔ مدینہ منورہ کے رسالہ "جواب الافریقی" کا ترجمہ۔ از ابن کامل باجوری۔ ناشر: شاہی کتب خانہ۔ بجنور۔ یو۔ پی۔ ملنے کا پتہ۔ مالا بار بکڈپو۔ فرانسس روڈ۔ کوزیکوڈ (ملیبار) صفحات ۱۰۴۔ قیمت درج نہیں ہے۔

اس میں سترہ مختلف فقہی، کلامی اور بعض دوسری نوعیت کے مسائل کے جوابات شرح وبسط کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ان سترہ میں سے چند مسائل یہ ہیں۔ میلاد، معراج (جسدی یا روحانی) ولادت مسیح، رفع مسیح، دعا بعد نماز، مصافحہ بعد نماز، قنوت فی غیر الوتر، اور مسئلہ تقلید وغیرہ۔ مصنف سلفی المسلک ہیں۔ جوابات بھی انھوں نے اسی مسلک کی رو سے دیئے ہیں۔

اجل ھو عبد اللہ الحدیث (ص۹۵) میں اجل کا ترجمہ "اونچے درجہ کا" کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں پر اجل کے معنی "ہاں" کے ہیں۔ یعنی ہاں (میں یہ کہتا ہوں کہ) وہ (مسیح) اللہ کے بندے ہیں۔

ردالاشتباہات از جناب ابن حیات صاحب سلیم قصوری۔ ناشر ادارۂ اشاعت الاسلام لائلپور۔ صفحات ۱۲ قیمت درج نہیں۔ غالباً مفت تقسیم کی غرض سے ہو۔

لائلپور (پنجاب پاکستان) میں بریلوی حضرات نے حسب عادت "فتاویٰ رشیدیہ" (از حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) کے بعض فتاوے عوام کے سامنے غلط صورت میں پیش کرکے انھیں جماعت دیوبند کے خلاف بھڑکانا شروع کیا تھا۔ مصنف نے ان کی تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا مؤلفہ مولانا عبدالباطن صاحب جونپوری۔ ناشر کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد۔ دہلی ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات قیمت ۱۲/

اس میں متعصب غیر مسلموں کے اس الزام کو کہ "اسلام تلوار سے پھیلا ہے" بہت سے انصاف پسند غیر مسلموں کی شہادتیں اس کے برعکس پیش کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ نہ تو عملاً ایسا ہوا ہے اور نہ اسلام کی تعلیمات میں اس کی گنجائش ہے۔

تعارف القرآن از جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم اے۔ استاد عربی و فارسی۔ یونیورسٹی الہ آباد صفحات ۱۲۸ قیمت عہ۔ مصنف کے علاوہ مندرجہ ذیل پتوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

(۱) کتابستان۔ الہ آباد۔ (۲) منیجر اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد۔

مصنف نے سیوطیؒ کی اتقان کے طرز پر، اردو خواں طلبا، قرآن کے لئے، رہنما قرآن کے طور پر یہ مختصر کتاب تیار کی ہے مشتملات کے چند عنوانات یہ ہیں۔

قرآن و اسمار قرآن۔ تاریخ نزول قرآن۔ وحی و الہام کا فرق۔ ربط اور شان نزول۔ حروف مقطعات، آیات محکمات و متشابہات۔ ترتیب آیات و سور۔ ناسخ و منسوخ۔ مسئلہ خلق قرآن۔ قرآن کے وہ کلمات جن کے پڑھنے میں اکثر غلطی ہوتی ہے ——— امید ہے کہ مصنف کی سعی مشکور ہوگی۔

اصول تفسیر (اردو) مصنفہ امام ابن تیمیہؒ۔ مترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی شائع کردہ: المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور۔ کاغذ و کتابت طباعت بہتر

صفحات ۱۱۲ - قیمت ۱۲ / ر۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی شخصیت اور ان کا علمی و دینی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کی وسعت نظر اور فکری گہرائی مانی ہوئی چیز ہے ـــــ اصول تفسیر میں شیخ کا یہ رسالہ بقول خود قواعد کلیہ پر مشتمل، قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر میں معین اور اس بارے میں منقول و معقول اور حق و باطل میں تمیز کرنے والا ہے۔ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مولوی عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی نے حواشی سے اس کی خدمت کی ہے۔

اس رسالہ کا ایک ترجمہ مولانا خالد صاحب بھوپالی کے قلم سے بھی چند سال پیشتر شائع ہو چکا ہے۔

حیات ولی | از مولانا رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم۔ کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ۶۵۶ صفحات قیمت مجلد ۶ روپے۔ غیر مجلد / ۸ / ۵۔ اسکو بھی المکتبۃ السلفیہ نے شائع کیا ہے۔ مکتبہ السلام۔ کشمیری بازار۔ لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

یہ ضخیم کتاب تقریباً نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ مکتبہ سلفیہ نے اب اس کا جدید ایڈیشن چھوٹے یعنی $\frac{20 \times 30}{16}$ سائز پر شائع کیا ہے ـــــ اس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ اُن کے آباؤ اجداد اساتذہ کرام اور آپ کی اولاد و احفاد کے مناقب و سوانح قلم بند کئے گئے ہیں۔

اب سے نصف صدی پیشتر یہ کتاب جیسی بھی رہی ہو مگر اب شاہ صاحب پر جتنا کام ہو چکا ہو اس کے پیش نظر یہ کہنا ناگزیر ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت تشنہ ہے۔ یوں اس کی ضخامت ۶½ سو صفحات ہے مگر شاہ صاحب پر صرف دو سو صفحات ہیں۔ اور ان میں بھی بہت سرسری اور اوپری معلومات جمع کی گئی ہیں۔ علیٰ ہٰذا باقی ۴½ سو صفحات جن میں آباؤ اجداد و اساتذہ اور اولاد و احفاد کا تذکرہ ہے، ان کا بھی یہی حال ہے۔ کتاب میں تاریخی اور تحقیقی مواد کے بجائے بہت بڑا حصہ تأثرات کا ہے۔ اور تأثرات بھی ہر شخصیت کے متعلق لفظاً اور معناً اس قدر یکساں ہیں کہ طبیعت بہت جلد اکتا جاتی ہے۔ چنانچہ ہم اپنی طبیعت کو کسی طرح پوری کتاب پڑھنے پر راضی نہ کر سکے۔ جتنی شخصیتوں کے تذکرہ پر بھی ہم نے نظر ڈالی ہر ایک کے متعلق اس قسم کی عبارت پڑھنے میں آئی کہ

اگر یہ صاحب اس خاندان میں نہ ہوتے تو یہ خاندان گمنامی کے دائرہ سے نکل کر کبھی اس قسم کی تاریخی شہرت حاصل نہ کرتا۔

اور

ابتدائے نشوونما سے رشد و ہدایت کے آثار آپ کی مبارک اور صاف پیشانی پر درخشاں تھے، جسے دیکھ کر تاڑنے والے تاڑ جاتے تھے کہ یہ ہلال ایک دن بدر کامل بنکر چمکنے والا ہے۔

اندازِ تحریر از اول تا آخر خطابی ہے۔ حتیٰ کہ جگہ جگہ "معزز ناظرین!" کے الفاظ سے اسطرح خطاب کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی مقرر بار بار "معزز حاضرین!" کہتا جا رہا ہو ـــــ ادبی تکلف اس پر مستزاد ہے۔ اور اس سے مصنف کا عجزِ بیان بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند بندھے ٹکے الفاظ ہیں جنھیں پوری کتاب میں دھرا دیا گیا ہے۔ اگر تھوڑا سا بھی ادبی ذوق ہو تو آدمی چند صفحوں کے بعد اکتا کر رہ جاتا ہے۔ انگریزی الفاظ کا بے ضرورت استعمال اور بھی بار ہوتا ہے۔

کتاب شروع ہوتے ہی فاتحانِ اسلام اور ان کے کارناموں کا جس انداز میں ذکر کیا گیا ہے اس سے اسلامی جہاد کا نہایت وحشت انگیز نقشہ سامنے آتا ہے اور متعصب غیر مسلموں کے الزامات کو پوری تائید حاصل ہوتی ہے۔

مصنف کی وفات کے بعد اس قسم کا تبصرہ اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر ناشرین نے جس اہمیت کے ساتھ اس کو از سرِ نو شائع کیا ہے اس کے پیشِ نظر یہ صاف گوئی ناگزیر ہوئی ـــــ مصنف کی روح سے ہم اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اپنے دور کے لحاظ سے انکی یہ کوشش یقیناً خاصی تھی۔

نظامِ اسلامی کی برکات
یعنی
برکات الاسلام

از مولانا عبدالحمید خاں صاحب ارشد۔ ناشر: مکتبۃ الصدیق بیرون بوہڑ دروازہ ملتان۔ (پاکستان)۔ کاغذ عمدہ۔ کتابت طباعت بہتر سائز ۲۰×۳۰ قیمت ۸؍ ہندستان میں۔ مولوی مجید حسن صاحب مالک اخبار مدینہ بجنور کو ۸؍ بھیجکر منگایا جا سکتا ہے۔

اس رسالہ کے نام سے اشتملات کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ واقعہ سے بڑی حد تک مختلف نکلتا ہے۔ نظامِ اسلامی کی برکات کے بجائے یہ رسالہ دوسرے مختلف مضامین و عنوانات پر مشتمل ہے۔

مثلاً قرآن اور پیغمبر اسلام کی صداقت، اسلام کی افضلیت۔ اس پر غیر مسلموں کی شہادتیں۔ قرآن عزیز کے اتباع کی فرضیت۔ اور اس بارے میں اگلوں کا تعامل ختم نبوت۔ عہد اسلامی کی بعض فتوحات۔ اسلام کے اصول وارکان۔ اخلاق ومعاشرت کے لئے اس کی عمدہ تعلیمات۔ انسداد جرائم کی تدابیر۔ اور اسلام کے سیاسی نظام کے قیام کے لئے مصنف کا پیش کردہ ایک اجمالی خاکہ وغیرہ ——— ان عنوانات پر پڑھنا ہو تو یہ رسالہ فائدہ سے خالی نہیں۔

بلوغ المرام مترجم شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔ کتابت طباعت معیاری۔ کاغذ اعلیٰ۔ صفحات ۳۲۰۔ مجلد قیمت آٹھ روپے۔

"بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام" علامہ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ — ۸۵۲ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ جس میں ۱۴۰۰ احادیث کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے۔ اور طہارت سے لیکر سیاست وحکومت تک کے احکام اس ذخیرہ میں آگئے ہیں۔ آخر میں ایک باب مختلف مضامین کی احادیث کا جامع ہے جس میں عام اخلاقی اور دینی ہدایات دینے والی احادیث آگئی ہیں ——— اس کو مع ترجمہ کے کارخانہ تجارت کتب نے اپنے روایتی اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ترجمہ مختلف جگہ سے دیکھنے سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کے قلم سے مصنف کا تقریباً بارہ صفحے کا تذکرہ و ترجمہ ہے۔ اور اس کے بعد چند صفحے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے قلم سے اصول حدیث پر ہیں۔ جس سے ایک نظر میں حدیث کے اقسام اور ان کے مراتب سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

مترجم (مولانا ابو العلی صاحب) کا نام بڑی مشکل سے آخری سطر میں نظر آتا ہے۔ چاہیئے تھا کہ سرورق ہی پر مصنف کے نام کے نیچے مترجم کا بھی نام ہوتا۔

معارف سلیمان نمبر مرتبہ جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر۔ صفحات ۵۰۴ قیمت چار روپے۔ پتہ۔ دفتر رسالہ معارف اعظم گڈھ۔ یوپی۔

مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) سے ہم میں کا کون پڑھا لکھا واقف نہیں۔ ہندوستان اُن کے علم وفضل پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اور آئندہ بھی ہماری نسلوں کے لئے وہ باعث افتخار رہیں گے

ہیں۔ ان کے نام کو حیات جاوید بخشنے کے لئے ان کے اپنے تصنیفی کارنامے کچھ کم نہیں ہیں۔ مگر ادارۂ معارف پر حق تھا اور اُس نے ان کے تذکرہ میں یہ نمبر پیش کر کے حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ نمبر چھ حصّوں میں تقسیم ہے۔ ۱۔ سیرت و سوانح ۔۲۔ فضائل و کمالات ۔۳۔ علمی و دینی کارنامے۔ ۴۔ سلوک و تصوف ۔ ۵۔ متفرق مضامین اور ۔۶۔ قطعات و مادہائے تاریخ۔

سیرت و سوانح پر سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ایم۔ اے اور مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے مضامین ہیں۔ فضائل و کمالات کی تصویر کشی مولانا عبد الباری صاحب ندوی، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے کی ہے۔ علمی و دینی کارناموں کو اجاگر کرنے والے خود مرتب معارف (شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی) مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اور مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی جیسے اہل قلم ہیں۔ اور پھر آگے بڑھکر سیرت سلیمانی کے عرفانی پہلو سے نقاب کشائی کی سعادت آپ کے بعض اعزہ و منتسلین کے حصّہ میں آئی ہے، جن میں غلام محمد صاحب بی۔ اے حیدر آبادی خاص کر قابل ذکر ہیں۔ متفرق مضامین کے تحت ڈاکٹر محمد زبیر صاحب صدیقی (کلکتہ یونیورسٹی) پروفیسر عبد المنان صاحب بیدل۔ مالک رام صاحب ایم، اے اور سید صاحب قبلہ کے داماد سید ابو عاصم صاحب ایم۔ اے ایڈوکیٹ کراچی کے مضامین ہیں۔ اور تاریخی قطعات کے ذریعہ خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے۔

مضامین میں سے، حشو و زوائد کی فہرست میں تو ایک بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ البتہ علمی وزن کی اعتبار سے، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی اور مولانا محمد اویس صاحب ندوی کے مضامین۔ تاثیر کے لحاظ سے سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب کا مضمون "اخلاق و سیرت کے کچھ جلوے" اور مولانا عبد الباری صاحب ندوی، غلام محمد صاحب حیدر آبادی اور سید ابو عاصم صاحب کے مضامین خاص طور پر قابل ذکر نظر آتے ہیں۔ علیٰ ہذا عام دلچسپی کے اعتبار سے پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا مضمون، اپنے خاص طرز میں۔ اور ادبی چاشنی کے دلدادگان کے لئے مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کا مضمون بھی یقیناً قابل ذکر ہے۔

خریدارانِ الفرقان کی خدمت میں!

الحمدللہ کہ اس شمارہ پر الفرقان کا بائیسواں سال تمام ہو رہا ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس سال ادارہ کو بہ نسبت گذشتہ چند سالوں کے مشکلات کم پیش آئیں۔ اب نئے سال کے آغاز سے پہلے ہم اپنے معاونین سے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان کا لحاظ کیا گیا تو انشاءاللہ مشکلات کا تناسب اور بھی گھٹ جائے گا۔

۱۔ اس شمارہ میں سُرخ نشان کے ذریعہ جن حضرات کو ان کا چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع دیجا رہی ہے وہ براہ کرم پہلی فرصت میں اس کا فیصلہ فرمائیں کہ آئندہ سال کیلئے انھیں خریداری منظور ہے یا نہیں؟— اگر منظور ہو تو جہانتک ہو سکے اور جتنی جلد ہو سکے اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجنے کی فکر فرمائیں کیونکہ دی۔پی۔ کرنے میں کام کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہے، درانحالیکہ ہمارے پاس کافی عملہ نہیں ہے اسلیئے مکرر گذارش کیجاتی ہے کہ چندہ کی ادائیگی کو دی۔پی آنے پر ملتوی نہ کیجئے بلکہ بذریعہ منی آرڈر یا دستی بھیجکر ممنون فرمائیے۔ اور اگر کسی وجہ سے آئندہ خریداری منظور نہیں ہے تو بلا توقف ایک کارڈ کے ذریعہ ہمیں مطلع فرما دیجئے۔ بہت سے بھائی اتنی سی زحمت برداشت کرنے کے بجائے دی۔پی واپس کر دیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے۔ ہر واپس آنے والے دی۔پی پر ادارہ کو دہرا نقصان ہوتا ہے اور دی۔پی کرنے میں جو محنت اور وقت صرف ہوتا ہے وہ الگ رہا۔

۲۔ جو حضرات خریدار رہنا تو چاہتے ہوں مگر فوری طور پر چندہ بھیجنے سے معذور ہوں۔ وہ ہمیں اپنا عذر اور اندازاً یہ کہ وہ کب تک اپنا چندہ بھیج سکیں گے لکھ بھیجیں۔ رسالہ انشاءاللہ جاری رکھا جائے گا لیکن اُن سے گذارش یہ ہے کہ وقت سہولت یا وعدہ کے مطابق خود ہی چندہ بھیجدیں۔ کسی یاددہانی کا انتظار نہ فرمائیں۔

۳۔ جن اصحاب کی طرف اس طرح وعدہ پر جاری رکھے گئے رسالہ کے سلسلہ میں گذشتہ سال دو سال کے چندہ کی رقم باقی ہے وہ اپنی ذمہ داری کا احساس فرما کر حساب صاف کر دیں۔

۴۔ جن معاونین کرام نے امسال اعزازی خریداری قبول فرمائی تھی انھیں اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس سلسلہ کو باقی رکھیں اور اگر بلا کسی خاص زحمت کے ہو سکے تو وہ حضرات بھی اور اُنکے علاوہ دوسرے معاونین بھی اس حلقہ کی توسیع کیلئے کوشش فرما دیں۔— ساتھ ہی یہ بھی گذارش ہے کہ اعزازی خریداری قبول کرنے والے

حضرات اپنے کسی دوست یا عزیز کا پتہ ضرور تحریر فرمائیں تاکہ ہم اُن کے حق سے بھی کسی درجہ میں سبکدوش ہو سکیں اور الفرقان کی افادیت کا حلقہ بھی وسیع ہو سکے۔

تجارت پیشہ ناظرینِ الفرقان کی خدمت میں!

خاص طور پر یہ عرض کرنا ہے کہ آپ میں سے جو حضرات اپنے تجارتی اشتہارات اخبارات و رسائل میں دیتے ہیں اس خدمت کیلئے الفرقان کو بھی یاد رکھیں الفرقان (بلا مبالغہ) ہندوستان و پاکستان کے اکثر دینی رسائل سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ اور ہندوستان و پاکستان سے باہر برما، افریقہ اور سعودی عرب وغیرہ میں اس کا کافی وسیع حلقہ ہے۔ اجرت اشتہارات کی نئی شرح بھی نہایت مناسب رکھی گئی ہے ۔۔ تمام مہذب اور ناقابلِ اعتراض اشتہارات شائع کرائے جا سکتے ہیں۔ تفصیلات کے لیے دفتر سے مراسلت کی جائے!

افریقہ اور حجاز وغیرہ کے معاونین کی خدمت میں

خاص طور پر یہ گذارش کرنی ہے کہ جن حضرات کے ذمہ چندہ کی رقوم باقی ہیں وہ براہ کرم حساب صاف فرما کر ہمیں ممنون فرمائیں سال دو سال سے خدا معلوم کیا بات ہے کہ بہت کم معاونین اپنا چندہ بھیجنے کی طرف توجہ فرما رہے ہیں، حالانکہ ہم رسالہ برابر بھیج رہے ہیں۔ ایسے حضرات جن کی طرف سابقہ چندہ باقی ہے ان کے رسالہ میں پہلے صفحہ پر سرخ نشان لگا ہے اور ایک چٹ چسپاں کر کے مطالبہ کی رقم لکھ دی گئی ہے۔

پاکستانی معاونین سے

خاص طور پر یہ عرض ہے کہ اب ختم ہونے والے سال کے شروع سے آپ کے چندہ میں ایک روپیہ کے عارضی اور اختیاری اضافہ کی تجویز کی گئی تھی۔ ہم ممنون ہیں کہ اکثر حضرات نے اس اختیاری اضافہ کو اپنے اوپر لازمی قرار دے لیا اور بجائے پانچ کے چھ ہی روپے ادا کیے۔ مگر اس دفعہ ہم پھر یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ یہ اضافہ لازمی نہیں ہے۔ آپ اگر چھ نہیں بھیجنا چاہتے یا نہیں بھیج سکتے تو بلا تکلف پانچ ہی بھیجیے۔ ہم اُسے پورا چندہ ہی شمار کریں گے۔ علیٰ ہٰذا یہ اضافہ مستقل نہیں ہے بلکہ عارضی ہے۔ اور ہماری شدت سے خواہش ہے کہ اسے جلد ہی ختم کر دیں اور اب پاکستان و ہندوستان کے سکہ کی قیمت برابر ہو جانے کی وجہ سے امید ہو چلی ہے کہ وہ حالات انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے جن کی وجہ سے یہ اضافہ کرنا پڑا تھا۔ آپ بھی دعا فرمائیں کہ یہ حالات جلد ختم ہوں تاکہ ہماری آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہو سکے ـــــــ والسلام

نوٹ:- خط و کتابت اور ترسیل زر کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیجئے

خاکسار
منیجر الفرقان لکھنؤ

Regd No (A-353)

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.